# معراج السعادۃ

مؤلف

آیۃ اللہ احمد نراقی

مترجم

علامہ میر محمود علی لائق

ناشر

معراج کمپنی لاہور

# جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


نام کتاب.................معراجِ السعادۃ

مؤلف................آیۃ اللہ احمد نراقیؒ

مترجم..................میر محمود علی لائقؒ

تدوین..................عابد عسکری

ترتیب نو..................قلب علی سیال

کمپوزنگ................الحمد گرافکس لاہور (فضل عباس سیال)

سال اشاعت...............2014ء

ناشر..................معراج کمپنی، لاہور

قیمت..................

## ملنے کا پتہ

## معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214




بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ ناشر

مکرمی ومحترمی ______________ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''معراج کمپنی'' دینی کتب کی اشاعت کے حوالہ سے ایک جانا پہچانا ادارہ ہے۔ادارہ عرصہ دراز سے دینی کتب کی اشاعت میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارے کا مطمع نظر عوام تک بہتر اور سستے ترین انداز میں کتب کی ترسیل ہے۔اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیر نظر کتاب ''معراج السعادۃ'' اخلاقیات، تعلیم وتربیت اور انسان سازی کی بابت تمام کتب ہائے اخلاقیات سے جامع ترین اور مستند ترین کتاب ہے۔اس کتاب کے مصنف پیکر علم وعمل، حضرت آیۃ اللہ احمد نراقی ہیں۔آپ کی ذات گرامی علمی ودینی حلقوں میں معلم اخلاق کے طور پر مانی جاتی ہے۔اس کا ترجمہ سرزمینِ ہند کی لائق ترین علمی شخصیت علامہ میر محمود علی لائق نے کیا تھا۔چونکہ اس کا ترجمہ بہت قدیمی اور پرانا تھا، اس لئے ہم نے اس کی اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ممتاز دانشور عابد عسکری، فاضل قم کی عالمانہ وفاضلانہ صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے حتیٰ الامکان اسے جدید لباس پہنانے کی کوشش کی ہے۔

تاہم بندہ بشر ہے اس سے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں اس سلسلہ میں اگر ہمارے معزز قارئین میں سے کوئی ہمارا کرم فرما کوئی غلطی یا قابل اصلاح چیز دیکھے تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیے۔قارئین حضرات اس سے بھرپور استفادہ کریں۔

اُمید ہے آپ ادارہ ہذا کی اس کوشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور قرآن وعترت کی نصرت اور سید العلماء کی قدردانی کا حق ادا کرنے میں بھی کوشاں رہیں گے۔۔والسلام

معراج کمپنی لاہور

# دیباچہ مترجم

حمد وسپاس بیقیاس اسی یگانہ و بے ہمتا کیلئے سزاوار ہے جس کے لمعات انوار جلال و جمال قلوب اہل عرفان میں جلوہ گر ہیں۔ جس کے براہین ربوبیت عرش سے لے کر فرش ذرے ذرے میں اپنی تابش دکھارے ہیں۔ ہر وجود جس کی ایجاد پر گواہی کیلئے اور ہر شے میں جس کی ربوبیت کا فیض آشکار۔ عوالم ممکنات اس کے عشق کی زنجیروں میں وابستہ۔ ہر ذرے میں حرکت اسی کی تلاش میں سرگشتہ۔ ہر رنگ میں ظاہر بلکہ ظہور اسی کیلئے مخصوص۔ ہر ظہور میں غائب حتیٰ کہ غیب اسی کیلئے منصوص۔ دیدہ ظاہر اس کے ادراک سے عاجز اور چشم بصیرت درجہ ملاقات پر فائز۔ عقول ادراک کنہ حقیقت میں حیران مگر ہر عقل میں رنگ صفات درخشاں۔ ملائکہ کا خالق روح کا محدث۔ بس وہی قدیم سب حادث۔ العجب ثم العجب۔ حادثات سے قدیم کا تعلق، مخلوق سے خالق کا ربط ممکن سے واجب کا رشتہ۔

پس ہزار ہزار درود ہو اس واسطہ علیا اور سرور کائنات، محبوب کبریاء پر جس نے فیوضات واجبی کو ممکنات پر تقسیم کیا۔ جو ممکنات کو ذات واجب کی طرف لے جانے کیلئے رہبر قرار پایا۔ جس نے ملائکہ کو تسبیح وتقدیس تعلیم کی اور جس نے گرفتاران طبیعت نفوس کو نجاسات مادیہ سے پاک وطاہر کر کے منزل حقیقت تک پہنچا دینے کی منادی کی۔

نیز بے شمار اس کی آل اطہار پر جو اس کے کمالات کے مالک اور اس کے خلق عظیم کے مجسمے قرار پائے۔ جو نورانیت میں شریک، طینت میں شریک روح میں شریک، نفس میں شریک صلواۃ اللہ علیہم اجمعین اور سلام اس کے اصحاب کبار رفیع الدرجات پر جن کو حق تعالیٰ نے آیہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے خطاب کیا۔

حمد وصلوات کے بعد واضح ہو کہ فی زمانہ اگرچہ علوم کی ترقی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی عاقل کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان اخلاق روز برور پستی کی طرف کھینچتے چلے جارہے ہیں۔ ہمارے بلند پرواز روحانی اسفل السافلین کی منزل کی طرف مائل ہے اور طبیعت مادیات کے دام میں کچھ ایسی الجھی ہے کہ عارفانہ جذبات اگر ابھرتے بھی ہیں تو نذر تصاویر گلی ہو کر رہ جاتے ہیں۔



مادے کی رنگینیوں میں اس بلا کی کشش پیدا ہوگئی کہ قلوب ارباب مذاق کا جذب مجذوب مادیات ہو کر رہ گیا۔ کمال انسانیت مفقود اور ہر ناقص میں دعوے انسانیت موجود۔ خود پرستیوں کی آندھی میں استعداد عرفان اڑی جارہی ہے اور خود نمائی کے ابر میں آفتاب قوت حق شناسی پوشیدہ ہے۔ دنیا میں اندھیرا ہے اور اس اندھیرے کو انسان روشنی سے تعبیر کر رہا ہے۔ زہے حلاوت مذاق !العجب ثم العجب!

اس حقیقت واقعیہ پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے تو اس کی علت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اکثر انسان راہ شریعت کی عدم واقفیت اور نیز علم اخلاق جو خود شناسی اور خدا شناسی کا معلم ہے اس سے سبق حاصل نہ کرنے کے باعث میدان جہالت و نادانی میں سرگرداں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس امر پر افسوس کرنا پڑتا ہے کہ علم الاخلاق کے ذخیر سے عربی و فارسی میں موجود ہیں لیکن عوام کو ان زبانوں سے انس نہیں رہا۔

ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ اپنے عظیم محسن سلطان ابن سلطان ،آصف جاہ، مظفر الملک، نظام الداولہ، ناثر الدر والدر، نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ، جی۔سی۔ایس، آئی، آصف جاہ ہفتم کے اس دور حکومت میں جن کی علمی قدر دانیوں کا شہرہ تمام سرزمین ہند میں زبان زد خاص وعام ہے اس خدمت کو ابنائے جنس کیلئے انجام دوں۔

کتاب مستطاب ''معراج السعادۃ'' جو علامۃ العلماء وقدوۃ الفقھاء ،اسوۃ المتکلمین و نخبۃ المجتہدین، مجمع الکمالات الصوریہ و جامع الصفات المعنویہ اکمل الافراد الحجازی والعراقی حاجی ملا احمد نرادقی اعلی اللہ مقامہ واحلہ فی دار الکرامۃ کی تالیفات میں سے ایک جامع کتاب ہے اور یہ کسی زمانہ میں متداول تھی۔ دینی مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ مگر افسوس! اب وہ زمانہ کہاں؟

اسی کتاب کا میں نے ترجمہ کیا اور اہل ایمان کے استفاد کیلئے انتہائی محنت کے بعد طبع کروا کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

میر محمود علیؒ

# فہرست مضامین


پہلا باب 29
بعض مقدماتِ مفید 29
فصل نمبر ۱ 29
فائدہ شناخت نفس 29
فصل نمبر ۲ 31
کیفیت شناخت نفس 31
فصل نمبر ۳ 32
آدمی کا نفس عالمِ جسمانیت سے نہیں ہے 32
فصل نمبر ۴ 34
آدمی اپنی حقیقت نفس کے باعث تمام حیوانات پر مُمتاز ہے 34
فصل نمبر ۵ 36
آدمی بذریعۂ نفس فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات وانوارِ الٰہیہ۔۔۔ 36
فصل نمبر ۶ 37
نفس کی بھی لذّت والم صحت و بیماری حاصل ہے 37
فصل نمبر ۷ 38
بیماری نفس کی خرابی اور اُس کی صحّت کا فائدہ 38
مثنوی مولانا رُومؒ 41
فصل نمبر ۸ 42
اعمال وافعال کی تکرار سے ملکہ نیک و بد حاصل ہوتا ہے 42
فصل نمبر ۹ 44





بزرگی علم اخلاق ومراتبِ انسان 44
فصل نمبر ۱۰ 46
فائدۂ تہذیب اخلاق 46
دُوسرا باب 48
سبب اخلاقِ بد وقوتِ نفس 48
فصل نمبر ۱ 48
نفس مملکتِ بدن کا بادشاہ ہے اور یہ چار قوّتیں عقل، شہوت، غضب۔۔۔۔۔۔۔ 48
فصل نمبر ۲ 52
لذّتِ روحانی کا درجہ لذّت جسمانی سے بڑھا ہوا ہے 52
قوّتِ عاقلہ سے لذّتِ رُوحانی اور باقی تین قوّتوں سے لذّتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے 52
اِن چاروں میں سے جو قوّت غالب ہوجائے، آدمی اُسی جنس میں محسُوب ہوجاتا ہیں۔ 52
فصل نمبر ۳ 57
تمام نیکیوں اور بُرائیوں کا مصدر یہی چار قوّتیں ہیں جو مذکُور ہوئیں۔۔۔۔۔ 57
فصل نمبر ۴ 57
ہر ایک چاروں قوّتوں کی شان وتہذیب سے یہ چار فضیلتیں۔حکمت، عدالت، ۔۔ 57
اوّل: حکمت 58
۲: حکمت عملی : 59
دوم : شجاعت 59
سوم: عفّت: 59
چہارم: عدالت 59
فصل نمبر ۵ 60
قوّتِ عاملہ کی کارفرمائی کے باعث ہر ایک قوّت سے ایک صفت حاصل ہوتی ہے۔ 60

چارصفاتِ مذکورہ کے تحت میں تمام فضائل ہیں جو وسط کا حکم رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔ 63
فصل نمبر ۷ 66
ہر صفت حسنہ کے مقابل میں صفاتِ رذیلہ کے دو جنس ہُوا کرتے ہیں ایک طرف۔۔۔۔ 66
فصل نمبر ۸ 69
صفاتِ رذیلہ وصفاتِ حسنہ کا رفع اشتباہ اور اُن کا فرق 69
تیسرا باب 74
اخلاقِ حسنہ کی محافظت اور اخلاقِ رذیلہ کے مُعالجات کا کلیہ 74
فصل نمبر ا 74
اخلاقِ حسنہ کے حصول کی ترتیب اور ابتداء میں کونسی صفت حاصل کی۔۔۔۔۔ 74
فصل نمبر ۲ 76
وہ اُمور کہ تہذیبِ اخلاق کے طالب کو جن کی رعایت لازم ہے۔ 76
مثنوی مولانا رُومؒ 77
فصل نمبر ۳ 80
اخلاقِ رذیلہ کے مُعالجہ کا قاعدہ کلیہ 80
چوتھا باب 85
اقسام اخلاق کی تفصیل ہر ایک کے حصول کی کیفیت 85
رذائلِ فاسدہ کی شرح اور ہر ایک کا علاجِ مخصوص 85
پہلا مقام 86
قوتِ عاملہ کے متعلقات جنہیں عدالت کہتے ہیں! 86
فصل نمبر ا 86
شرافت عدالت جس کے عام معنی تمام اُمور میں میانہ روی کے ہیں! 86
ا۔ عادلِ اکبر: 88



۲۔ عادلِ اوسط: 88
۳۔ عادلِ اصغر : 88
فصل نمبر ۲ 89
اقسامِ عدالت وحقوقِ برادرانِ دینی 89
فصل نمبر ۳ 93
ہر شخص کو عدالت اور میانہ روی سے متصّف ہونا چاہیے۔ 93
فصل نمبر ۴ 95
جو شخص عادل ومیانہ رو نہ ہو وہ دوسروں کی اصلاح کی قابلیت نہیں رکھتا۔ 95
دُوسرا مقام 97
اُن اخلاقِ ذمیمہ کے مُعالجہ میں جو 97
قُوۃِ عاقلہ سے متعلق ہیں! 97
پہلا مطلب 97
جربزہ جہل بسیط کا مُعالجہ اور اُن کے ضد کی تحصیل 97
دُوسرا مطلب 98
جہل بسیط۔ یہ صفت قوّتِ عاقلہ کی تفریط ( کمی ) سے تعلق رکھتی ہے۔ 98
فصل نمبر ا 98
شرافت علم وعلماء 98
پہلا فائدہ 102
تعلّم وتعلیم کے آداب شرائط 102
علوم کے اقسام جو ممدوح ومذموم ہیں اور جن کا بقدرِ عقائد و 107
ضرورت حاصل کرنا لازم ہے 107
پہلا۔ علم دُنیا 107

دُوسرے علمِ آخرت 107
دُوسرا مطلب 116
پہلی صفت 116
جہل مرکب اور اس کا مُعالجہ 116
تعریف جہل مرکب 116
دُوسری صفت 117
شک وحیرت اور اُس کا مُعالجہ 117
تعریفِ شک وحیرت 111
فصل نمبر ا 118
تعریفِ یقین اور اُس کی شرافت اور علامات ومدارج 118
پہلی علامت یہ ہے کہ: 119
دُوسری علامت یہ ہے کہ: 120
تیسری علامت یہ ہے کہ: 122
پہلا درجہ علم الیقین 122
تیسرا درجہ حق الیقین 123
تیسری صفت 125
شِرک اور اُس کے اقسام جن میں تین فصل نمبریں ہیں 125
تعریف شرک اور اُس کے اقسام 125
فصل نمبر ا 125
اقسامِ توحید اور اُن کے فوائد 125
اوّل :توحیدِ ذاتی 126
دوم: توحیدِ وجُودی 126





سوم :توحید تاثیر وایجاد 126
پہلا درجہ :قشر قشر 126
دوسرا درجہ: قشر 126
تیسرا درجہ :لُبّ 126
چوتھا درجہ :لُبِّ لُبّ 127
اشعار 127
فصل نمبر ۲ 128
علامات ترقی مراتب توحید 128
جبر واختیار 129
فصل نمبر ۳ 131
ذرّاتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا کی تسبیح میں مشغول ہے۔ 131
چوتھی صفت 133
اوہامِ نفسانیہ ووسوسہ شیطانیہ کی تفصیل اور اُس کا عِلاج اور اُس۔۔۔۔۔۔ 133
فصل نمبر ا 133
آدمی کا دل ہر وقت کسی نہ کسی فکر وخیال میں رہتا ہے! 133
افکار وخیالات کی اقسام 134
فصل نمبر ۲ 136
تعریف الہام ووسوسہ اور اُس کے علامات واسباب 136
فصل نمبر ۳ 139
مذمّت وساوسِ شیطانیہ افکارِ باطلہ 139
فصل نمبر ۴ 140
معالجہ وساوس وامراضِ نفسانیہ 140

| | |
|---|---|
| اقسامِ ذکرِ خدا | 145 |
| فائدہ دفع وساوس: | 145 |
| فصل نمبر ۵ | 148 |
| شرافت افکارِ حسنہ وخواطرِ محمودہ اور اُن کے اقسام | 148 |
| عجائب صنع پروردگار میں فکر کرنیکی فضیلت | 151 |
| عجائب خلقت پشہ | 153 |
| عجائب خلقت زنبور | 154 |
| عجائباتِ خلقتِ انسان | 154 |
| متعلق جنین | 155 |
| ا: انقباضی :۔ | 157 |
| ۲ :انبساطی :۔ | 157 |
| متعلق استخوانِ سر | 158 |
| متعلقِ چشم | 159 |
| متعلق حکمتِ گوش | 159 |
| متعلق چہرہ وپیشانی | 160 |
| متعلق معدۂ انسان | 161 |
| متعلق دل | 163 |
| متعلق دست | 163 |
| متعلق پا | 164 |
| عجائباتِ زمین | 166 |
| متعلق گیاہ | 167 |
| متعلق درخت | 167 |





| | |
|---|---|
| عجائباتِ حیوانات | 167 |
| عجائباتِ عالم ہوا | 168 |
| عجائباتِ آسمان | 168 |
| اپنے اعمال وافعال میں فکر کرنا ضروری ہے! | 170 |
| حضرت ذوالجلال کے جمال وجلال میں فکر کرنا چاہیے | 172 |
| پانچویں صفت | 175 |
| مذمت مکر وحیلہ | 175 |
| معنی مکر وحیلہ | 175 |
| مذمت مکر | 175 |
| معالجہ | 176 |
| تیسرا مقام | 177 |
| اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ میں جو قوۂ غضبیہ سے متعلق ہیں | 177 |
| معنی جبن وتہور | 177 |
| پہلی صفت | 179 |
| مذمت خوف | 179 |
| معنی خوف | 179 |
| اقسامِ خوف | 179 |
| (ا) خوفِ نیک : | 179 |
| (۲) خوف بد : | 179 |
| فصل نمبر (ا) | 179 |
| اقسامِ خوفِ مذموم اور اُن کا علاج، نیز خوفِ مرگ کا مُعالجہ | 180 |
| مثنوی مولانا رُوم | 182 |

| | |
|---|---|
| فصل نمبر(۲) | 187 |
| شرافت اطمینان قلب اوراس کے تحصیل کا طریقہ | 187 |
| دُوسری صفت | 188 |
| عذابِ الٰہی سے بےفکر رہنا! | 188 |
| عذابِ الٰہی سے بےفکر رہنا کب کہا جاسکتا ہے؟ | 188 |
| فصل نمبر(۱) | 188 |
| عذابِ الٰہی سے بےفکر ہونے کی مذمّت اوراُس کے اسباب | 188 |
| فصل نمبر(۲) | 191 |
| خوفِ خدا اوراس کے اقسام | 191 |
| فصل نمبر(۳) | 193 |
| مراتب خوف جن کی ایک دوسرے پر ترجیح ہے | 193 |
| فصل نمبر ۴ | 195 |
| شرافت خوفِ خدا اوراُس کی حد | 195 |
| فصل نمبر(۵) | 201 |
| طریقۂ تحصیل خوفِ خُدا | 201 |
| فصل نمبر(۶) | 204 |
| سوءِ خاتمہ اوراس کے اسباب اوراس سے خلاصی کا طریقہ | 204 |
| تیسری صفت | 211 |
| رحمت خدا سے ناامیدی کی مذمّت جس میں تین فصلیں ہیں، | 211 |
| فصل نمبر(۱) | 212 |
| رحمت خدا سے اُمیدوار رہنے اورگمانِ نیک رکھنے کی شرافت اور۔۔۔۔۔۔ | 212 |
| اخبار باعثِ امیدواری بخدا | 214 |





| | |
|---|---|
| فصل نمبر(۲) | 223 |
| کس شخص کو خوف بہتر ہے اورکس کو رجا | 223 |
| فصل نمبر(۳) | 227 |
| تحصیل رجا کا طریقہ | 227 |
| چوتھی صفت | 229 |
| ضعف نفس کی علامت اوراُس کا علاج | 229 |
| فصل نمبر(۱) | 229 |
| قوّتِ نفس کی شرافت اوراس کے تحصیل کا طریقہ۔ | 229 |
| پانچویں صفت | 231 |
| پست ہمّتی کی مذمّت اورعلوہمتی کی فضیلت | 231 |
| چھٹی صفت | 232 |
| بےغیرتی وبےحمیتی کی مذمّت اورغیرت وحمیّت کی شرافت | 232 |
| فصل نمبر(۱) | 233 |
| طریقۂ غیرت متعلق دین وعیال واولاد ومال | 233 |
| ساتویں صفت | 240 |
| مذمت عجلت وشتاب کاری | 240 |
| فصل | 242 |
| تعریف وقار | 242 |
| آٹھویں صفت | 243 |
| خدا اورخلق سے بدگمان اوربددلی کی مذمت | 243 |
| فصل نمبر(۱) | 247 |
| خدا وخلق سے گمان نیک رکھنے کی شرافت | 247 |

| | |
|---|---|
| نویں صفت | 248 |
| اسباب غضب | 248 |
| فصل نمبر (۱) | 250 |
| مذمت زیادتی غضب | 250 |
| فصل نمبر (۲) | 251 |
| معالجہ غضب | 251 |
| فصل نمبر (۳) | 254 |
| حلم اور غصہ کے پینے کی شرافت | 254 |
| دسویں صفت | 258 |
| انتقام کی مذمت | 258 |
| فصل نمبر (۱) | 260 |
| فضیلت عفو و بخشش | 260 |
| گیارہویں صفت | 262 |
| سختی و درشتی کی مذمت اور رفق و مدارا کی شرافت | 262 |
| بارہویں صفت | 264 |
| کج خلقی کی مذمت اور خوش خلقی کی شرافت اور اس کی تحصیل کا طریقہ | 264 |
| تیرہویں صفت | 268 |
| عداوت دشمنی اور اس کے اقسام اور معالجہ | 268 |
| معالجہ عداوت و دشمنی | 269 |
| فصل نمبر (۱) | 270 |
| لوازم عداوت | 270 |
| برادران دینی کو دعا دینے کے فوائد | 274 |





| | |
|---|---|
| چودھویں صِفت | 276 |
| مذمّتِ عُجب و خُود بینی | 276 |
| فصل نمبر (۱) | 280 |
| مُعالجے مرضِ عجب | 280 |
| فصل نمبر (۲) | 293 |
| اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھنے کی شرافت | 293 |
| پندرھویں صِفت | 294 |
| حقیقت تکبّر اور اُس کا فساد | 294 |
| فصل نمبر (۱) | 297 |
| اقسام و مدارجِ تکبّر | 297 |
| فصل نمبر (۲) | 299 |
| معالجۂ تکبّر | 299 |
| فصل نمبر (۳) | 301 |
| کِبر و تواضع کے علامات | 301 |
| فصل نمبر (۴) | 307 |
| فضیلتِ تواضع و فروتنی | 307 |
| فائدہ: مذمّتِ ذلّت و خواری | 309 |
| سولہویں صفت | 311 |
| فخر و مُباہات کی مذمّت | 311 |
| سترہویں صفت | 332 |
| بغاوت و سرکشی کی مذمّت | 332 |
| اٹھارھویں صِفت | 313 |

خُودستائی کی مذمّت 313

انیسویں صفت 313

طرفداری وعصبیّت 313

بیسویں صفت 315

اخفائے حقوق کی مذمّت 315

فصل نمبر(۱) 315

شرافتِ انصاف 315

اکیسویں صفت 317

قساوتِ قلب کی بُرائی اورنرم دلی کی تعریف 317

چوتھا مقام 317

پہلا مطلب 318

فصل نمبر(۱) 318

مذمّتِ شرہ 318

فوائد گرسنگی وکم خواری 321

مذمّتِ کثرتِ جماع 322

معالجۂ زیادتی شہوت 325

فصل نمبر ۲ 327

مذمتِ خمود وفوائد نکاح 327

آفاتِ نکاح 328

فصل نمبر(۳) 329

فوائدِ عفّت اورطریقۂ اعتدالِ اکل وجماع 329

پہلی صفت: 331





دُنیا کی محبّت 331

فصل نمبر(۱) 331

دنیائے مذمُوم کی حقیقت 331

فصل نمبر(۲) 335

دنیائے مذمُوم اورغیر مذمُوم کا فرق 335

فصل نمبر(۳) 337

دنیا کی مذمّت اوراُس کی بےقدری اوربےاعتباری اورزوال اوربےوفائی 337

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیفِ مترجم 338

فصل نمبر(۴) 350

دنیا کی مثالیں اورتشبیہات 350

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم 354

فصل نمبر(۵) 357

وہ دُنیا جس سے آخرت کی اعانت ہوتی ہے 357

فصل نمبر(۶) 359

مال دُنیا کی ایک شاخ ہے 359

فصل نمبر(۷) 360

مذمّتِ مال اورروز قیامت کا محاسبہ 360

اشعارِ مثنوی مذکور 360

فصل نمبر(۸) 366

خرابی مال اوراس کا فائدہ 366

فصل نمبر(۹) 368

مال کی خرابی سے نجات کا طریقہ 368

| | |
|---|---|
| فصل نمبر(۱۰) | 370 |
| فضیلت زہداور بعض زاہدوں کی حکائتیں | 370 |
| فصل نمبر(۱۱) | 376 |
| مدارج واقسام وعلامتِ زہد | 376 |
| غناوبے نیازی واقسامِ غناجس میں | 382 |
| چارفصلیں ہیں۔ | 382 |
| فصل نمبر(۱) | 383 |
| اقسامِ فقر | 383 |
| فصل نمبر(۲) | 386 |
| شرافت فقراورفقیروں کی فضیلت | 386 |
| فصل نمبر(۳) | 391 |
| فقیرصبر کے ساتھ اُس مالداری پر جوشکر کرتا ہوترجیح رکھتا ہے۔ | 391 |
| فصل نمبر(۴) | 393 |
| فقیراورگدا کافرق اورسوال کی برائی اوراُس کا جواز کاوقت | 393 |
| تیسری صفت | 401 |
| حرص اوراُس کی مذمّت | 401 |
| فصل نمبر(۱) | 402 |
| قناعت اوراس کی فضیلت | 402 |
| فصل نمبر(۲) | 404 |
| مرضِ حرص کامُعالجہاورقناعت کی تحصیل کاطریقہ | 404 |
| چوتھی صفت | 407 |
| طمع اوراس کی برائی میں | 407 |





| | |
|---|---|
| فصل نمبر(۱) | 409 |
| استغناء وبےطمعی کی شرافت | 409 |
| پانچویں صفت | 411 |
| بخل کی مذمت | 411 |
| جس میں چارفصلیں ہیں! | 411 |
| فصل نمبر(۱) | 414 |
| سخاوت کی فضیلت اوراُس کے مراتب | 414 |
| فصل نمبر(۲) | 417 |
| مرضِ بخل کامُعالجہ | 417 |
| فصل نمبر(۳) | 419 |
| حدِ وسطِ بخل واسراف | 419 |
| فصل نمبر(۴) | 420 |
| فضیلت واقسامِ عطائے واجبہ ومستحبہ اوران کے آداب ونکتہ باطنیہ | 420 |
| پہلازکوٰۃ | 420 |
| اسرارِوجوبِ زکوٰۃ | 422 |
| آدابِ بخشش | 424 |
| فائدہ۔آدابِ فقرا | 430 |
| دوسرا۔خمس | 431 |
| تیسرا۔نفقہ اہل وعیال | 432 |
| اقسام عطائے مستحبہ | 435 |
| چھٹی صِفت | 443 |
| مذمتِ مالِ حرام میں جس میں تین فصلیں ہیں | 443 |

فصل نمبر(۱) 445
اقسامِ مال اور ہدیہ ورشوت کا فرق 445
فصل نمبر(۲) 448
مالِ حرام سے پرہیز کرنے کی فضیلت اور اس کے حصول کی شرافت 448
فصل نمبر(۳) 450
مالِ حلال وحرام کے اقسام 450
ساتویں صفت 453
خیانت وغدر کی مذمت 453
آٹھویں صفت 454
بیہودہ گفتگو کی مذمت اور اس کا علاج 454
نویں صفت 455
بے فائدہ باتوں کی مذمت اور اقسام ومعالجہ 455
فصل نمبر(۱) 458
خاموشی 458
پانچواں مقام 459
پہلی صفت 459
حسد کا فساد اور اس کے مراتب جس میں تین فصلیں ہیں۔ 459
فصل نمبر(۱) 464
اسبابِ حسد اور اُس کے اقسام 464
فصل نمبر(۲) 468
معالجہ مرضِ حَسد 468
فصل نمبر(۳) 471





ضدِ حسد جس کو نصیحت کہتے ہیں 471
دُوسری صِفت 473
بندگان خُدا کی اہانت کی مذمت اور ان کی تعظیم کی فضیلت 473
تیسری صفت 476
مذمت ظلم وفساد ظالم کی اولاد سے خدا انتقام لیتا ہے۔اعانت ظالم کی مذمت اور۔۔۔ 476
مذمت اعانت ظلم، عدالت کی مدح وشرافت 482
فوائد دنیویہ جو عدالت میں ہیں 487
فصل نمبر(۱) 489
علامات ولوازماتِ عدالت 489
فصل نمبر(۲) 496
معالجہ مرضِ ظلم 496
چوتھی صفت 498
مُسلمانوں کی ترک اعانت کی مذمت 498
فصل نمبر(۱) 499
مُسلمانوں کی ضروریات بجالانے کی اور ان کو خوش کرنے کی شرافت 499
پانچویں صفت 504
امر معروف ونہی منکر میں کوتاہی کرنے کا فساد وضرر 504
فصل نمبر (۱) 508
امرِ معروف ونہی منکر کا وجوب اور اس کی شرافت 508
فصل نمبر(۲) 516
امرِ معروف اور نہی منکر کے مراتب 516
فصل نمبر(۳) 518

| | |
|---|---|
| محرمات ومکروہات اعمالِ ناشائستہ بطورِ اجمال | 518 |
| چھٹی صِفت | 521 |
| برادرانِ دینی سے کنارہ کشی کی مذمت اور ان کے ساتھ محبت اور ملاقات رکھنے۔۔۔ | 521 |
| فصل نمبر(۱) | 523 |
| برادران دینی کے ساتھ محبت رکھنا | 523 |
| ساتویں صِفت | 527 |
| مذمت قطع رحم اور صلہ ارحام کا وجوب اور اُس کا فائدہ | 527 |
| آٹھویں صفت | 532 |
| مذمت عقوق والدین اور ان کے ساتھ احسان کرنے کی فضیلت وآداب | 532 |
| فصل نمبر(۱) | 540 |
| حقوقِ ہمسایہ | 540 |
| نویں صفت | 543 |
| عیب جوئی کی مذمت اور عیب پوشی کی مدح | 543 |
| دسویں صفت | 547 |
| مذمّت افشائے راز اور اُس کے اخفا کی مدح | 547 |
| گیارہویں صفت | 549 |
| مذمت سخن چینی وچغل خوری | 549 |
| بارہویں صفت | 554 |
| مذمّت فساد اور اصلاح کی شرافت | 554 |
| تیرہویں صفت | 55 |
| مذمت شماتت | 555 |
| چودہویں صفت | 556 |





| | |
|---|---|
| لڑائی اور جھگڑے کی مذمت | 556 |
| پندرہویں صفت | 561 |
| استہزا کی مذمّت | 561 |
| سولہویں صفت | 563 |
| ظرافت وشوخی اور ہنسی کس قدر جائز ہے۔ان کی صراحت | 563 |
| سترہویں صفت | 565 |
| غیبت٬ اُس کی حقیقت ومعانی اور اُس کے گناہ اور فساد کا بیان٬ اس کے۔۔۔ | 565 |
| فصل نمبر(۱) | 565 |
| حقیقت غیبت | 565 |
| فصل نمبر(۲) | 570 |
| وہ آیات واخبار جوغیبت کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں! | 570 |
| فصل نمبر(۳) | 575 |
| معالجہ مرضِ غیبت اور اُس کے اسباب واقسام | 575 |
| معالجہ اجمالی یہ ہے کہ: | 575 |
| معالجہ تفصیلی یہ ہے کہ: | 575 |
| ۱: غضب | 575 |
| ۲: عداوت وکینہ | 576 |
| ۳: حسد | 576 |
| ۴: خوش طبعی | 576 |
| ۵: استہزا | 576 |
| ۶: فخر ومباہات | 576 |
| فصل نمبر(۴) | 579 |

کن مقامات میں غیبت جائز ہے اور اس کا کیا کفارہ ہے۔ 579
فصل نمبر (۵) 582
مسلمانوں کی تعریف کرنے کی شرافت 582
اٹھارہویں صفت 583
جھوٹ کہنے کی مذمّت 583
فصل نمبر (۱) 588
جھوٹ کہنے کا معالجہ 588
فصل نمبر (۲) 589
سچائی اور راست گوئی کی فضیلت 589
زبان کی خرابیوں اور خاموشی کے فوائد 592
انیسویں صفت 599
محبت جاہ وشہرت و بزرگی و ریاست جس میں چار فصلیں ہیں 599
فصل نمبر (۱) 600
حب جاہ وشہرت و بزرگی کی برائی 600
فصل نمبر (۲) 602
حب جاہ وشہرت کے اقسام جو شرعاً نیک ہیں 602
فصل نمبر (۳) 605
مُعالجہ مرضِ حب جاہ وریاست 605
فصل نمبر (۴) 611
محبت گمنامی و بے اعتباری کی شرافت اور اس کا فائدہ 611
بیسویں صفت 615
اپنی مدح وثنا کی محبت اور اپنی مذمّت کی کراہت 615





فصل نمبر (۱) 618
مرض حب مدح اور کراہتِ مذمّت کا معالجہ 618
اکیسویں صفت 621
مذمّت ریا جس میں پانچ فصلیں ہیں 621
فصل نمبر (۱) 626
اقسامِ ریا 626
فصل نمبر (۲) 628
وہ اقسام ریا جن سے عبادتیں باطل ہوتی ہیں 628
فصل نمبر (۳) 636
معالجہ مرضِ ریا 636
فصل نمبر (۴) 640
حقیقت اخلاص 640
فصل نمبر (۵) 643
اخلاص کا بلند مرتبہ اور اس کی شرافت 643
بائیسویں صفت 647
منافقانہ برتاؤ کی مذمّت 647

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# پہلا باب

# بعض مقدماتِ مفید

## فصل نمبر ا

### فائدہ شناخت نفس

جاننا چاہیے کہ اپنے نفس کا پہچاننا دونوں جہان کی نیک بختی ہے۔ کیونکہ اپنے کو پہچاننا اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت پر اعانت کرتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ

’’یعنی، ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں آفاق عالم اور خود اُن کے نفس میں دکھلائیں گے یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کُھل جائے گی کہ یہ حق ہے۔‘‘

حضرت رسولؐ سے منقول ہے کہ:

(مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ)

’’جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے بہ تحقیق اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔‘‘

یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے کو نہ پہچان سکے تو دوسرے کو کیونکر پہچان سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز انسان سے اُس کے نفس سے زیادہ نزدیک نہیں۔

توکہ در علم خود زبوں باشی
عارفِ کرد گار چوں باشی

جب آدمی نے اپنے کو پہچانا تو اس کو تحصیلِ کمالات کا شوق ہوتا ہے وہ اخلاق کی تہذیب اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی کی حقیقت ایک جوہر ملکوتی ہے جو اس عالم جسمانی میں آیا ہُوا ہے۔ ایسے جوہر شریف کو بے فائدہ اس عالم میں نہیں بھیجا گیا۔ اس گوہرِ قیمتی کو صندوقچۂ



بدن میں کھیل کے لیے نہیں رکھا ہے۔ پس معرفت پسند انسان فوائدِ نفس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کو بتدریج اُس منزل پر جہاں پہنچانا چاہیے پہنچاتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ میں اپنی حقیقت کو پہچانتا ہُوں تو ہرگز ہرگز ایسا پہچاننا نیک بختی کی دلیل نہیں ہے۔ آپ کی یہ شناسائی منزل پر نہیں پہنچاتی۔ آپ کے ساتھ باقی حیوانات بھی اپنے کو اسی طرح پہچانتے ہیں۔ کیونکہ آپ اپنے ظاہر سے سوائے سر، منہ، آنکھ، کان، گوشت پوست کے کچھ نہیں پہچانتے، اور باطنی حالت کی معرفت صرف اس قدر ہے کہ جب آپ کو بھُوک ہوتی ہے تو غذا طلب کرتے ہیں، کسی پر غضب ناک ہوتے ہیں تو اُس سے انتقام لیتے ہیں۔ کوئی خواہشِ نفسانی ہوتی ہے تو اس کے حصُول میں کوشش کرتے ہیں۔ ان افعال میں تمام حیوانات آپ کے برابر ہیں۔ اگر آپ کی حقیقت یہی ہے تو کس وجہ سے درندوں اور چار پایوں پر آپ فخر کرتے ہین اور کس سبب سے اُن سے اپنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ کس لئے خداوند عالم نے تمام مخلوقات پر آپ کو ترجیح دی ہے، اور فرمایا ہے:

وَفَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا

یعنی ’’ہم نے فرزندانِ آدمؑ کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔‘‘

اگر انھیں عوارض وصفات کی بدولت یہ فخر ومباہات ہے تو ان اوصاف میں تو بہت سے حیونات آپ پر ترجیح رکھتے ہیں۔ لہٰذا لازم ہے، کہ آپ غور کریں کہ:

آپ کون ہیں؟
کہاں سے آئے ہیں؟
کہاں جائیں گے؟
اس چندروزہ مقام پر کس کام کو آئے ہیں؟
آپ کو کس واسطے پیدا کیا ہے؟
یہ اعضاء وجوارح کس وجہ سے عطا ہُوئے ہیں؟
کس لیے قدرت اور اختیار کی لگام آپ کے ہاتھ میں دی گئی ہے؟
آپ کی سعادت کیا ہے؟
کس چیز سے ہے؟

آپ میں بعض صفات و ملکات بہائم کے۔ بعض درندوں کے۔ بعض شیاطین کے۔ بعض فرشتوں کے جمع ہیں۔ ان میں وہ کون سے صفاتِ نیک آپ کے لائق ہیں جن کے حاصل کرنے سے آپ سعادتِ دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

وہ کون سے صفاتِ خراب ہیں جن کے ترک کرنے کی کوشش کرنا چاہیے؟

پس طالبِ سعادت کو لازم ہے کہ اپنے پہچاننے میں کوشش کرے بغیر اس کے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

# فصل نمبر ۲

## کیفیت شناخت نفس

واضح ہو کہ ہر انسان دو چیزوں سے پیدا کیا گیا ہے:

پہلا بدنِ ظاہری جس کو "جسم" کہتے ہیں۔ جو گوشت پوست، استخوان، رگ و پے سے بنایا گیا ہے۔ جو حواسِ ظاہری سے اس عالم میں محسوس ہوتا ہے۔ اس کی اصل عناصرِ اربعہ یعنی مٹی، ہوا، پانی، آگ سے ہے جس کو ہم اپنی انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

دُوسرا "نفس"، جس کو رُوح، جان، عقل، دل بھی کہتے ہیں۔ یہ جوہر عالم ملکوت ہے۔ اس کا تعلق جنسِ ملائکہ سے ہے۔ اس کی اصل پاک و پاکیزہ ہے۔ اسے خداوند عالم نے چند مصلحتوں کے لئے جس کا بیان کسی قدر ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔ اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا۔ اس کا تعلق اس بدنِ ظاہری سے قرار دیا۔ اُس کو اس قید خانۂ تن میں مقید و محبوس رکھا۔ جب موت آئے گی تو نفس بدن سے نکل کر اپنے عالم کی طرف رجوع کرے گا۔ اس نفس کو چشم ظاہری سے بجز بصیرتِ باطنہ کے نہیں دیکھ سکتے۔ جب کہ نفس یا جان یا روح یا دل یا عقل بیان کیا جائے تو اُن سے یہی نفس مراد ہے۔ بلکہ بعض اوقات انسان سے بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ آدمی کی یہی حقیقت ہے۔ پس جسم نفس کے لیے ایک مکان ہے، جہاں اُسے اپنے فرائض مخصوصہ بجالانے کے لیے ایک زمانہ معیّن تک قیام رکھنا چاہیے

واضح ہو کہ حقیقت بدن کا پہچاننا سہل و آسان ہے اس لیے کہ وہ جنس مادّہ سے ہے اور



حقیقتِ مادّہ کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن نفس قسم مجردات سے ہے اُس کی حقیقت کو پہچاننا اس کے کُنہ کو پہنچنا اِس عالم میں میسّر نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ:

حضرت رسُول صلعم سے جب اس کی حقیقت دریافت کی گئی تو حضرتؑ نے بیان فرمانے میں تامّل فرمایا۔

پس خطاب ہُوا کہ:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔

"اور لوگ تم سے رُوح کی بابت سوال کرتے ہیں پس تم کہہ دو کہ "رُوح میرے پروردگار کا حکم ہے۔"

اس کی کنہ بیان کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ بعد قطع تعلق بدن و حصُول تجرّد کے اس کو پہچان سکتے ہیں بلکہ اس عالم میں بھی کوئی اپنے نفس کو حدّ کمال تک پہنچائے اور بدن سے علاقہ کم ہو تو تعجّب نہیں ہے کہ پہچان سکے اور کسی قدر نفس کی معرفت حاصل ہو۔

# فصل نمبر ۳

## آدمی کا نفس عالمِ جسمانیت سے نہیں ہے

عبارت مندرجۂ بالا سے ظاہر ہُوا کہ حقیقتِ انسان وہ جوہر پاکیزہ ہے، جس کو نفس کہتے ہیں اگرچہ اس کا سمجھنا اور جاننا مشکل ہے۔

لیکن پہلا طریقہ معرفت نفس کا یہ ہے کہ اگر کوئی غور کرے تو یہ بھید کچھ نہ کچھ کھل سکتا ہے بشرطیکہ دل کا غبارِ جسمانیات سے پاک کرے۔ علائقِ شہواتِ حیوانیت کو کسی قدر دُور کر ڈالے۔ آئینۂ دل کو اس عالم کے رنگ کدورت سے مصفّا کر دے۔ کبھی کبھی اغیار سے منہ پلٹا کر دوستِ حقیقی سے خلوت رکھے۔ حضورِ قلب سے عالمِ انوار کی طرف متوجہ ہو۔ عجائب ملک و ملکوت، بادشاہِ لایزال میں تفکّر کرے۔ غرائبِ جلال و جبروت قادر ذوالجلال میں تامّل سے کام لے تو البتہ اُس کو ایک حالتِ نورانی و بہجتِ عقلی حاصل ہوگی۔ وہ یقین کرے گا کہ اس کی ذات اس عالم جسمانی سے

نہیں ہے بلکہ وہ ایک دُوسرے عالم سے ہے۔

دوسرا طریقہ جس کی وجہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ آدمی سوائے اس بدن کے دُوسرا جزوِ نورانی بھی رکھتا ہے۔ وہ خواب ہے چونکہ خواب میں حواس بند ہوجاتے ہیں۔ جسم ایک جگہ بے حس پڑا رہتا ہے۔ باوجود اس کے آدمی اطرافِ عالم میں مشغول سیر ہوتا ہے بلکہ اگر نفس کو کسی قدر بھی صفائی حاصل ہو تو اُس وقت آدمی عالمِ ملکوت میں جاتا ہے۔ اُس جگہ آئندہ کاموں کو دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے۔ اُمورِ غیب سے مطلع ہوتا ہے۔ جنہیں بیداری و ہوشیاری میں کبھی نہیں پاسکتا۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو تمام علوم اور صنعتوں کے پہچاننے کی قوت ہے۔ اُس کے ذریعہ سے کوشش کرتا ہے کہ حقیقت اشیاء کو سمجھے۔ اب وہ چند اُمور جو اس عالم سے نہیں ہیں وہ اس کے دل میں کیونکر آئے اور انھیں اُس نے کیونکر سمجھا۔

بیشک کہنا پڑے گا کہ اُسی جوہر باطنی کے ذریعہ سے سمجھا، جس کا نام نفس ہے۔

اس پر بھی غور کیجئے کہ قوّتِ فکر یہ انسان کو ایک لحظ میں مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک پہنچاتی ہے۔ حالانکہ اُس کا تن اِس عالمِ خاک میں محبوس و قائم ہے۔ اس سے صریحی طور پر معلوم ہُوا کہ وہ کوئی دُوسری طاقت جو بجلی سے زیادہ سریع السیّر ہے۔ یہی حقیقتِ انسان ہے، اور اسی کو نفس کہتے ہیں۔

حاصلِ کلام جب کوئی تھوڑا بھی غور کرے تو اس پر یہ امر پوشیدہ و مخفی نہیں رہ سکتا۔ کتابِ خدا اور اخبارِ معصومیہ میں اکثر مقامات پر اس کی نسبت اشارہ ہُوا ہے۔

حضرت سیدّ رسل کو خطاب ہُوا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ

یعنی اُن کے جواب میں کہو جو حقیقت رُوح سے سوال کرتے ہیں کہ ''وُہ عالمِ امر سے ہے۔''

وَلِلّٰهِ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ

''مالکِ عالم امر و عالمِ خلق خداوندِ عالم ہے''۔

واضح ہو کہ جو کچھ پیائش و مقدار میں آئے اُس کو عالمِ خلق کہتے ہیں۔ اور جس کا تعلق



پیائش و مقدار سے نہ ہو وُہ عالمِ امر کہلاتا ہے۔ پس روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے کیونکہ اس کی مساحت نہیں ہوسکتی۔ اُسی کی طرف رسُول صلعم نے اشارہ فرمادیا کہ:

''تم عالمِ خلق میں رہ کر عالمِ امر کی اشیاء کی ماہیّت نہیں سمجھ سکتے۔''

دُوسرے مقام پر فرماتا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾

(سورہ فجر)

پھر فرماتا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿٨﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿٩﴾ (سورہ شمس)

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے۔

کہ فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ذَا نَفْسٍ نَاطِقَةٍ۔

یعنی: ''انسان صاحبِ نفس خلق کیا گیا ہے اور اس کے معقولات کو معلوم کرتا ہے۔''

# فصل نمبر ۴

## آدمی اپنی حقیقت نفس کے باعث تمام حیوانات پر مُمتاز ہے

واضح ہو کہ آدمی کو اسی نفس کے سبب سے تمام حیوانات پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ نفس جنسِ ملائکہ مقدّسہ سے ہے۔ بدنِ نفس کے لیے ایک مرکب ہے وہ اُس پر سوار ہو کر عالمِ اصلی و وطنِ حقیقی سے اس عالم دینا میں آیا ہے کہ اپنے لیے کوئی تجارت کرے، فائدۂ آخرت اٹھائے۔ یہ بدن حیوانات کو بھی دیا گیا ہے۔ جو ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، سر، سینہ، تمام اعضاء سے بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حیوان پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ باعثِ فضیلت دُہی نفس ناطقہ ہے جو حیوانات کو میسّر نہیں ہے۔

واضع ہو کہ بدن فانی و بے بقا ہے۔ بعد مرنے کے اُس کے اجزاء ایک دُوسرے سے متفرق وخراب ہوجاتے ہیں۔ دُوسرے وقت خداوند عالم کے حکم سے تمام اجزاء جمع ہو کر حساب و ثواب وعتاب کے واسطے زندہ ہوں گے لیکن نفس کو بقا ہے۔ اُس کو تن سے جُدا ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہے۔ بدن کی خرابی اُس کی خرابی وفنا کا باعث نہیں ہوسکتی۔

اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾

”جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ہس اُن کو ہرگز مُردہ خیال نہ کرو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔“ (سورہ آل عمران)

دُوسرے مقام پر فرماتے ہے:

اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ

یعنی: ”اے نفس اپنے رب کی طرف رجوع و بازگشت کر جیسا کہ سابق میں اُس کے پاس سے آیا ہے۔“

پیغمبرِ خدا جنگ بدر میں ندا فرماتے تھے:

هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا

یعنی: اے شہدائے بدر جو کچھ پروردگار نے وعدہ فرمایا، تم نے حق و درست پایا۔

پس بعض اصحاب نے اُس وقت عرض کیا کہ:

”یارسُولؐ اللہ! یہ لوگ مر گئے ہیں۔ آپؐ اُن کو کیوں ندا فرماتے ہیں“

حضرتؐ نے فرمایا:

اِنَّهُمْ اَسْمَعُ مِنْكُمْ۔

”یہ لوگ تم سے زیادہ سُننے والے ہیں۔ ان کا فہم و ادراک تم سے زیادہ ہے۔“

ظاہر ہے کہ اُس وقت اُن کا سُننا اُس بدن سے نہ تھا جو صحرائے بدر میں پڑا تھا۔ بلکہ وُہ نفسِ پاک کے باقی رہنے سے سماعت کرتے تھے۔



# فصل نمبر ۵

## آدمی بذریعۂ نفس فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات وانوارِ الٰہیہ حاصل کرسکتا ہے

مُعلوم ہُوا کہ انسا کے دو حصّے ہیں:

پہلا حصّہ رُوحانی:۔

جس عالمِ ارواح و ملائکہ مقدّسہ سے مناسبت ہے۔

دُوسرا حصّہ جسمانی: -

جس کو حیوانات و بہائم سے مشابہت ہے۔ اُس کے ذریعہ سے یہ جزو جسمانی چند روز کے لیے اس عالمِ حِس میں زندگی و مقام کرتا ہے اور جزو روحانی کے واسطہ سے عالم اعلیٰ کی طرف سفر کر کے وہاں کے باشندوں کے ساتھ مصاحبت کرتا ہے۔ بشرطیکہ دُنیا میں اس قدر ترقی کر چکا ہو کہ جزو روحانی، جزو جسمانی پر غالب ہو۔ کدورتِ عالم سے اپنے کو دُور رکھا ہو۔ آثارِ رُوحانیت پیدا ہُوئے ہوں۔ ایسا انسان دنیا میں ہی اپنی مقاماتِ آخرت دیکھ لیتا ہے۔ باوجُودیکہ وُہ دنیا میں ہے۔ مگر ہر لحظ فیض الٰہی حاصل کرتا ہے۔ نورِ الٰھی سے اُس کا دل روشن رہتا ہے۔ اور جس قدر تعلق جسمانی کم ہوتا ہے، اُسی قدر دل کی روشنی وصفائی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی جُدائی کا زمانہ پہنچتا ہے۔ تمام تاریک پردے آنکھوں کے آگے سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ چہرۂ نفس سے مادّیات کا حجاب دُور ہوتا ہے۔ اُس وقت تمام رنج والم دل سے محو ہوتے ہیں۔ تمام محنت وحسرت سے فارغ ہوتا ہے۔ خوشی وراحتِ دائمی حاصل ہوتی ہے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ باوجود دُنیا میں رہنے کے علاقۂ دُنیا سے دل اُٹھ جاتا ہے۔ عالمِ بقا کی طرف سفر کرنے سے پہلے ہی یہ حالت اس کو حاصل ہوتی ہے۔ مالِ دنیا و اہل وعیال اُس پر وبال ہوجاتے ہیں مگر بقدرِ ضرورت۔ بلکہ تن بدن سے دل گیر ہوتا ہے۔ آخرت کا طالب رہتا ہے گو اُس کا بدن اس عالم میں ہے لیکن اس کا دل ساکنانِ عالمِ عقبیٰ سے صحبت رکھتا ہے۔ سوائے خدا کے اس کو کسی کی تلاش نہیں رہتی۔ کوئی بات نہیں کہتا، سوائے راہِ خدا کوئی راستہ نہیں ڈھونڈتا۔ یہاں تک کہ وہ مصاحبِ عالمِ اعلیٰ و زیبندہ محفل قربِ مولا

ہوتا ہے۔ اور اُن چیزوں کو دیکھتا ہے۔ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں جنھیں کسی کان نے نہ سُنا ہو جو کسی کے دِل میں نہ گزری ہوں۔

اسی حالت کی طرف کتابِ الٰہی میں اشارہ ہے:

**فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ**

یعنی: ''کوئی نفس اُن چیزوں کا اندازہ نہیں کرسکتا جو اس کے لیے مُہیا کی گئیں اور جن میں سے ایک ایک کا نظارہ آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے۔'' (سجدۃ۔17)

# فصل نمبر ٦

## نفس کی بھی لذّت والم صحت و بیماری حاصل ہے

واضح ہو کہ آدمی کے دو جزو ہیں:

ایک بدن

دُوسرے رُوح۔

ان میں سے ہر ایک جزو کے لیے غم، لذّت، محنت، راحت مرض وصحت ہے تکلیف و محنت موجود ہے۔ جب بیماری بدن کو عارض ہوتی ہے تو اُسے لاغر کر دیتی ہے۔ اُس کو حصُولِ لذّتِ جسمانیہ سے باز رکھتی ہے۔ اگر اُس کے معالجہ میں سُستی کی جائے تو بدن ہلاکت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ عِلمِ طبّ میں اُس کے امراض کا معالجہ درج ہے۔ اسی طرح سے روح کے لیے بھی آلام واسقام مقرر ہیں اور رُوح کی بیماریاں وہ اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ ہیں جن سے روح ہلاک ہوتی ہے اور لذّتِ روحانیہ وسعادتِ ابدیہّ سے محروم رہ جاتی ہے۔ اور روح کی صحت وراحت وہ اوصافِ نیک اور وہ خصالِ ملکیہّ ہیں جن کے باعث قربِ حضرت باری و نجات ورستگاری حاصل ہوتی ہے۔ ان امراض اور معالجات کی تفصیل علم اخلاق میں ہے جو آئندہ بیان کی جائیں گی۔



# فصل نمبر ٧

## بیماری نفس کی خرابی اور اُس کی صِحّت کا فائدہ

واضح ہو کہ رُوح کی بیماری اور اخلاقِ ذمیمہ کے فساد نیز اُن کے معالجات کو ہرگز ہرگز سہل و آسان نہ سمجھنا چاہیئے۔ رُوح کی صحت کو بدن کی صحت پر قیاس نہ کیا جائے۔ ایسا قیاس عقلمند کے نزدیک کیونکر جائز ہوگا۔

غور کیجئے کہ بدن کی صحت سے صرف یہ مطلوب ہے کہ اس دارِفانی میں چندروزہ زندگی بسر کی جائے۔ اور اس کے مرض سے کوئی خرابی سوائے قلّت خواہشات کے پیدا نہیں ہوتی۔

برخلاف اس کے رُوح کی بیماری لذّت وسعادتِ ابدیہّ و بادشاہی سرمدی سے محروم رکھتی ہے اور اخلاقِ ذمیمہ جو امراضِ رُوحانیہ ہیں ان میں سے ہر ایک پردۂ ظلمت ہے۔ مانع انوارِ الٰہیہ ہے۔ اِن کے معالجہ میں سستی کرنے سے آدمی ہلاکتِ دائمہ وشقاوتِ ابدیہّ تک پہنچتا ہے اور روح کی صحت (اخلاقِ پسندیدہ) باعث زندگانی ابدی وحیاتِ حقیقی ہے۔ جب کہ آدمی اپنے نفس کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک اور صفاتِ نیک سے موصوف کرتا ہے تو اُس کو رحمتِ غیر متناہیہّ خداوندِ عالم کے قبول کرنے کی قوّت حاصل ہوجاتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے حجاب دُور ہوجاتے ہیں۔ موجودات کی تمام صُورتیں اُس کے آئینہ دل میں ظہور کرتی ہیں۔ اُس کا قامت خلعتِ الٰہیہ کا سزاوار اُس کا سرتاجِ سلطنت معنویہ کا اہل ہوتا ہے۔ ایسی خوشی ولذّت حاصل ہوتی ہے۔ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کے دل میں اُس کا گزر ہُوا ہو۔

حضرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ:

**لَوْ لَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ آدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔**

''اگر لشکرِ شیطان نے فرزندانِ آدمؑ کے دل کے اطراف کو گھیرا نہ ہوتا تو بالضرور حقیقت عوالمِ علویہّ وسفلیہّ کو مشاہدہ کرتے۔

آثارِ قدرتِ کاملۂ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے مطلع ہوتے۔''

غرض آئینۂ نفس جس قدر زنگِ کدُورتِ عالم سے پاک ہوتا ہے اُسی قدر موجوداتِ عالمِ اقدس کی صورتیں اُس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اُتنا ہی وہ رحمتِ پروردگار کا سزاوار ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ:

''مجھ کو خداوند عالم کے ساتھ چند حالتیں ہیں کہ کسی ملکِ مقرّب اور کسی پیغمبر مرسل کو اُس کی طاقت وتوانائی نہیں ہے۔''

جو شخص مقامِ سلوک میں سعادت کا راستہ پاتا ہے۔ وُہ اپنے احوال کا نگران رہتا ہے۔ اپنی سعادت وقابلیت کے موافق الطاف وفیوضاتِ الٰہی سے مستفید ہوتا ہے۔ اب وہ انسان جو اسرارِ ربوبیہّ سے دُور ہے۔ انوارِالٰہیہّ سے مہجور ہے۔ تو اُس میں مبدءِ فیاض کی طرف بخل کی نسبت نہیں دی جاسکتی بلکہ اس کا سبب وہی پردہ ہائے ظلماتی ہیں جو انسان کو گھیرے ہوئے ہیں اور انسان اُن کے دُور کرنے پر متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ خود اس کی کوتاہی ہے۔

واضح ہو کہ علمِ معرفت واسرار آدمی کو صفائی نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اُن علوم کے مانند نہیں ہے۔ جو مطالعۂ کتب ودلیل عقلی سے سمجھ سکیں بلکہ یہ علمِ حقیقیۂ نورانیہ ہے اور اس کا مبدءِ الہایاتِ ربانّیہ وانوارالٰہیہّ ہیں۔ یہی وہ علم ہے جس کی نسبت حضرتؑ نے فرمایا:

اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ یَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِیْ قَلْبِ مَنْ یُرِیْدُ۔

یعنی: ''علم ایک نور ہے، جسے حق تعالیٰ طالبِ صادق کے دل میں ڈال دیتا ہے۔''

پس جب تک آپ اپنے صفحۂ دل کو اخلاقِ ذمیمہ کے نقوش سے پاک نہ کریں گے تو اُس وقت تک یہ علمِ معرفت حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ علوم ومعارفِ باطنی ہیں۔ جس طرح نماز جو طاعتِ ظاہری ہے۔ تمام نجاساتِ ظاہریہ سے پاک ہوئے بغیر صحیح نہیں ہوتی، اُسی طرح جب تک باطن کے تمام نجاساتِ معنویہ جو اخلاقِ ذمیمہ ہیں دُور نہ کیے جائیں تو یہ نورِ علم آئینۂ دل میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔ دلِ ناپاک علومِ حقہّ کی منزل کیونکر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ علم بذریعہ ملائکہ مقدّسہ لوحِ محفوظ سے دل پر نازل ہوتا ہے اور یہی فیض الٰہی کے ذرائع ہیں۔ لہٰذا جب تک قلب طاہر نہ ہو۔ ملائکہ مقدسہ اس سے متنفّر رہتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:



لَا یَدْخُلُ الْمَلَائِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ کَلْبٌ۔

یعنی: ''جس مکان میں کتّا رہتا ہو اُس مکان میں ملائکہ نہیں آتے۔''

پس جس خانۂ دل میں صفاتِ رذیلہ کتوّں کے مانند بھرے ہوں۔ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ملائکہ جو حامل علُومِ معرفت ہیں اُس دل میں داخل ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنھوں نے بطریق مجادلہ واستدلال علم حاصل کرنے میں اپنی عمر صاف کی ہے اور پاکیزگیِ نفس وصفات ذمیمہ سے غافل ہیں۔ اُن کا دل دنیا سے ہی متعلق ہے اور اُن کا نفس قوّتِ غضبیہّ وشہویہ کا مطیع ہے۔ وہ حقیقتِ علم سے بے خبر ہیں۔ اُن کی کوشش بے فائدہ ہے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو علم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ علم نہیں ہے۔ کیونکہ علمِ حقیقی کے لیے ایک سرور وصفا نور ہوتا ہے جس سے یہ اہلِ مجادلہ قطعاً محروم ہیں۔ حقیقتاً جس دل میں نورِ علم داخل ہو وہ غرق دریائے عظمت ومحوِ مشاہدہ پروردگار رہتا ہے۔ سوائے اس کے کسی طرف التفات نہیں کرتا برخلاف اس کے اکثر اہل جدل کی نیّت حصُولِ دنیا و منصب، جاہ وشہرت، تسخیرِ قلوب تک محدود رہتی ہے جب تک صفاتِ خبیثہ دُور نہ ہوں۔ عباداتِ ظاہری کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا وہ طاعتِ بدنیہ کا کوئی ثمرہ نہیں اٹھا سکتے۔ واقعاً وہ انسان کس قدر بدبخت ہے جس کا ظاہر آراستہ ہو اور باطن گندہ۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط

یعنی: ''یقینا نماز بے حیائی کی بات اور بدکاری سے نمازی کو دُور رکھتی ہے۔'' (سورہ عنکبوت۔ ۴۵)

لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور پھر ہر وقت قدرتِ خدا کے منکر ہوتے ہیں اور گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ خبثِ باطنی کے ساتھ عباداتِ ظاہری کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔

یعنی: ''نماز مومن کی معراج ہے۔''

پس ہماری نماز اگر نماز ہوتی تو پھر ہماری حالت پستی میں کیوں رہتی۔

# مثنوی مولانا رُومؒ

گرنہ موش دزد در انبارِ ماست
گندمِ اعمال چلالہ کجا ست
اوّل ای جان دفع شرِّ موش کن!
بعد ازان درجمعِ گند م جوش کن

جولوگ عبادتِ جسمیہ کی عادت کرتے ہیں مگر صفائی دل وظلمتِ نفس کی طرف التفات نہیں کرتے اُن کی مثال مانند اُس قبر کے ہے جس کا ظاہر تو آراستہ ہے مگر اُس میں بدبو پوشیدہ ہے۔ یا مثل اُس اندھیرے گھر کے ہے جس کے کوٹھے پر چراغ روشن ہو یا مانند اُس زراعت کرنے والے کے ہے جس نے تخم کو بویا ہو اس امید پر کہ تخم ہرا ہو لیکن وہ گھاس جو زراعت کو تباہ کرتی ہے۔ اُس میں اُگتی ہو اور وہ زراعت کرنے والا صرف گھاس کو کاٹے مگر اُس کی جڑ سے غافل ہو یہاں تک کہ وہ جڑ قوت پکڑے اور زراعت کو خراب وخشک کردے۔ جس نے عبادتِ ظاہری کی عادت مگر صفائی وناپاکی دل پر متفت نہ ہوا تو وہ مثل اُس بیمار کے ہے جس کا بدن خارش میں مبتلا ہو حکیم اُس کو پینے کی دوا دے کہ اس کے بدن سے مادہ خارش کا نکل جائے نیز دوسری ایسی دوا بدن پر ملنے کیلئے دے کہ انہیں بیماری اثر بھی دفع ہو۔ وہ بیماری پینے کی دوا کو ترک کردے جس پر ملنے کی دوا پر اکتفا کرے ملنے کی دوا سے ظاہر میں نفع ہو مگر اُس کا دو چند باطن میں بیماری کو بڑھائے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

پس معلوم ہُوا کہ بیماری وصحتِ نفس کو بدن کی بیماری وسلامتی پر قیاس کرنا محض نادانی وغلطی ہے۔ لیکن اُن پر تعجب ہوتا ہے جو رات دن اپنی اوقاتِ عزیز کو بدنِ فانی کی صحت حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ امراضِ جسمانیہ کے دفع کرنے کی پُوری کوشش کرتے ہیں۔

**قولِ طبیب فاسق:** یعنی ڈاکٹر کی اطاعت جان کر دوائے ناگوار پیا کرتے ہیں۔ مگر اعمالِ بد کا برابر ارتکاب کرتے ہیں۔ اُس حکیمِ حقیقی کے حکم سے جو تحصیلِ سعادت وحیاتِ دائمی کا ذریعہ ہے انحراف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے معالجہ کو سہل اور آسان سمجھتے ہیں۔ جب غفلت کا پردہ اُٹھا دیا جائے گا تو آپ اپنے نفس کی بیماری کا معائنہ کریں گے، اس وقت کسی دوا پر دسترس نہ ہوگا اور سوائے فریاد وحسرت کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔



# فصل نمبر ۸

## اعمال وافعال کی تکرار سے ملکہ نیک وبد حاصل ہوتا ہے

واضح ہو کہ ہر نفس شروع پیدائش وعالمِ طفلی میں جمیع صفات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اُس صفحہ کے مانند ہے، جس پر کوئی نقش ونگار نہ ہو۔ پھر اعمال وافعال کے ارتکاب سے اُس میں اچھی یا بُری صفت پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی عمل پہلے پہل کیا جائے تو اُس کا تھوڑا سا اثر دل میں ہوتا ہے۔ دُوسرے وقت کے ارتکاب سے اُس کے اثر میں زیادتی ہوتی ہے اور تکرارِ عمال سے وہ اثر دل میں مستحکم وقائم ہو جاتا ہے۔ اُس کی قوت مضبُوط ہوتی ہے۔

نفس کی مثال ایک کوئلے کی سی ہے۔ جب کوئلہ آگ کے نزدیک ہوتا ہے تو اُس میں حرارت تاثیر کرتی ہے اور گرمی ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب اُسے آگ سے دور کر دیا جائے تو سرد ہو جاتا ہے۔ اگر اُسے آگ میں پڑا رہنے دیں تو گرمی کی تاثیر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اُس میں آگ کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ وہ روشن ہوتا ہے یہاں تک کہ خود آگ ہو جاتا ہے۔ اور جو چیز اُس کے نزدیک ہو اُس کو جلا دیتا ہے اسی وجہ سے لڑکوں کو علم وادب سکھانے میں سہولت ہوتی ہے۔ مشائخ اور پیروں کے اخلاق کے بدلنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اگر کوئی اپنی حالت پر کبھی غور کرے اپنے اعمال وافعال پر نظر ڈالے اپنے صفحۂ دل کو کھول کر دیدۂ بصیرت سے تامل کرے تو اُن صفات کو معلوم کر سکتا ہے جو دل میں گھر کر چکی ہیں۔ اکثر آدمی بسبب گرفتاریٔ علائقِ دنیویہ اُس کی طرف سے غافل ہیں۔ جب اِس سرا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت کریں گے تو دل مشاغلِ دنیویہ سے فارغ ہو گا ریشہ علائق منقطع ہوں گے۔ پردۂ طبیعت دیدۂ بصیرت سے اٹھایا جائے گا۔ اُس وقت اُن کی نظر لوحِ قلب اور صفحہ نفس پر پڑے گی۔

چنانچہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

دُوسرے مقام پر فرماتا ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۲۲

یعنی: ''جس روز تیرے آگے سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ تو تُو زیادہ دیکھنے والا ہو گا۔ اپنے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہوگا۔ (سورہ ق)

اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا۔ نتیجۂ اعمال وافعال کو مشاہدہ کرے گا۔ جو کچھ قرآنِ مجید میں ہے اُس سے آگاہی ہوگی۔''

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰٮهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ ﴿۱۴﴾

یعنی: ''ہر انسان کا عمل ہم نے اُس کے گلے کا ہار کر دیا ہے اور قیامت کے دن اُس کے لیے ہم ایک نوشتہ نکالیں گے جسکو وہ صاف طور پر پائے گا۔ ہم اس کو حکم دیں گے کہ اپنا نوشتہ پڑھ لے۔ آج تو خود اپنے محاسبہ کے لئے کافی ہے۔'' (سورہ اسراء)

جو لوگ دنیا میں اپنے احوال سے غافل اور اپنی اوقات کو لہو ولعب واُمورِ باطلہ میں صرف کر چکے ہیں۔ بے اختیار کہیں گے:

مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا ۚ

(سورہ کہف۔۴۹)

یعنی: ''یہ کیسا نوشتہ ہے کہ اُس نے کسی اعمالِ صغیرہ وکبیرہ کو فروگزاشت نہیں کیا۔ ہر چیز اس میں درج ہے۔''



# فصل نمبر ۹

## بزرگیِ علم اخلاق ومراتبِ انسان

جب آپ نے معلوم کیا کہ حیاتِ ابدی وسعادتِ سرمدی انسان کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اخلاقِ ذمیمہ واوصافِ رذیلہ دُور اور صفاتِ نیک حاصل نہ ہوں اور یہ حالت اُس وقت تک میّسر نہیں ہوتی، جب تک کہ صفاتِ رذیلہ وفضائلِ حسنہ کا علم نہ ہو۔ ان کی معرفت علم اخلاق سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اخلاق کی بزرگی تمام علوم سے زیادہ ہے۔ اُس کے فوائد بے انتہا ہیں۔

ایک بدیہی مسئلہ ہے کہ ہر علم کی بزرگی اس کے موضوع کی بزرگی پر موقوف ہے اور علم اخلاق کا موضوع نفسِ ناطقۂ انسانیہ ہے جو اشرفِ انواعِ کائنات وافضلِ طوائفِ ممکنات ہے لہٰذا اس علم کی بزرگی کے تسلیم کرنے میں کسی عاقل نے کلام نہیں کیا۔ اسی علم کے واسطہ سے انسان رتبۂ حیوان سے ہم رتبۂ ملائکہ ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ انسان کے لیے عجیب وغریب عوارض ومراتب ہیں۔ اس کی پستی کے مرتبہ پر جب نظر کیجئے تو یہ نظر آئے گا کہ:

اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ (سورہ اعراف ۱۷۹)

یعنی: ''یہ لوگ چار پایوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اور زیادہ گمراہ۔''

یہ مرتبہ کفّار کا ہے۔ اسی پر نظر کرتے ہوئے انھیں کہنا پڑے گا:

يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا

''اے کاش! مَیں خاک ہو جاتا۔''

اور مرتبۂ آخری نوعِ انسان کا یہ ہے کہ وہ مقصودِ کائنات قرار پایا اور اسی مرتبہ والے انسان کی شان میں آیا ہے:

لَوۡلَاكَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاكَ

یعنی: ”اگر تُو مقصود نہ ہوتا تو میں کسی شے کو خلق نہ کرتا۔“

یہ مرتبہ ملائکہ کے مرتبہ سے بدرجہا افضل واشرف ہے۔

اے نقدِ اصل و فرع ندانم چہ گوہری
کز آسمان تو برتر واز خاک کمتری

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ وُزِنْتُ بِاُمَّتِیْ فَرَجَحْتُ بِہِمْ

یعنی: ”میں اپنی تمام امت کے ساتھ موزانہ کیا گیا، اور مَیں سب پر سبقت لے گیا۔“

اس بیان سے ظاہر ہُوا کہ یہ تفاوت واختلاف نوعِ انسان میں جسم کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ تمام مخلوقات کو جسم عطا ہُوا ہے بلکہ وجہٴ اختلاف اخلاق وصفاتِ پسندیدہ ہیں۔ اِنھیں اخلاق وصفات کا حامل سردارِ کائنات ہے۔ پس اس علم سے بڑھ کر کون سا علم اشرف ہوسکتا ہے جو پست ترینِ موجُودات کو تمام کائنات سے رتبہٴ بزرگی پر پہنچا دے۔ اسی وجہ سے سابق کے علماء اس علم کو علمِ اخلاق حقیقیہ کہتے ہیں۔ اس کا نام اکسیرِ اعظم رکھّا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں اور جب تک شاگردوں کے قلُوب میں اخلاقِ حسنہ راسخ نہ ہو جائیں اس وقت تک دُوسرے علوم کی تعلیم اُن کے نزدیک عبث اور بیکار بلکہ موجبِ شروفساد ہے۔ کیونکہ جس بدن میں مادہٴ فاسد جمع ہوا ُسے کثرتِ غذا سے سوائے فساد واختلاط وزیادتی مرض کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ویسا ہی جس نفس میں اخلاقِ ذمیمہ جمع ہوں اُسے تحصیلِ علُوم سے بجز شروفساد کے کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہی سبب ہے کہ اکثر اشخاص علماء کے لباس میں ہیں اپنے کو زمرہٴ اہلِ علم سے گنتے ہیں مگر ان کا حال عوام سے خراب ہے۔ اُن کا دل سیاہ ہے۔ رات دن مال خواہ حرام ہو یا حلال جمع کرتے ہیں۔ حصُولِ جاہ ومنصب میں کوشش کرتے ہیں اُس کو رواجِ دین ومذہب جانتے ہیں۔ اپنے ہم رتبہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ تاکہ عوام پر اپنی فضیلت ظاہر ہو۔ اُن کا اعتقاد سُست ہے۔ اُن کے اصُولِ عقائد نادرست ہیں۔ رسُومِ شرع وملّت کو دور کرکے چند بدعتوں کو اپنے واسطے مقرر کرلیا ہے۔ اُن کا نام مقتضائے حکمت رکھتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ علم بدنِ عمل کے گمراہی وذلالت پیدا کرتا ہے۔



کیا قولِ پیغمبر نہیں سُنا:

اَلْبَلَاھَۃُ اَدْنٰی اِلَی الْخَلَاصِ مِنْ فَطَانَۃٍ بَتْرَاءَ۔

یعنی: ”بہ نسبت عقلِ ناقص کے نادانی وسفاہت نجات سے بُہت نزدیک ہے۔“

نیز حضرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ:

”دو شخصوں نے میرے کمر توڑ دی۔ ایک وُہ عالم جو مطابق شرع کے عمل نہیں کرتا ہے۔ دُوسرا وُہ جاہل جو آدابِ عبادت کو نہ جان کر عبادت کرتا ہے۔“

# فصل نمبر ۱۰

## فائدہٴ تہذیب اخلاق

واضح ہو کہ نفس کو صفاتِ رذیلہ سے پاک کرنے اور صفاتِ نیک سے آراستہ کرنے کو تہذیبِ اخلاق کہتے ہیں۔ تہذیبِ اخلاق سے نیکی اور سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ سعادت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اپنے صفحہٴ دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک نہ کریں اور نیک صفتوں سے آراستہ نہ کریں۔ جیسے کہ صحت بدن کی تمام امراض کے دور کرنے سے میّسر ہوتی ہے۔

پس نیک بخت وہ ہے جو تمام صفات اور اپنے افعال کی بہتری کو لازم قرار دے۔ ہر وقت ثابت قدم رہے۔ کبھی انقلابِ زمانہ وتغیرِّ حالت سے متردّد و پریشان نہ ہو۔ کہیں برق مصائب وبلا خرمنِ صبر کو نہ جلائے۔ سیلابِ محنت سے شکر گزاری میں کوئی رخنہ نہ واقع ہو۔ شُبہ کا ہاتھ دامنِ اعتقاد تک نہ پہنچے۔ کسی کا بدی کرنا اُس کے ساتھ نیکی کرنے کے مانع نہ ہو۔ کسی کا دشمنی کرنا نفس کو جادہٴ دوستی سے الگ نہ کردے۔ حاصلِ کلام ثابت قدمی وثبُوتِ اخلاق وقوّتِ نفس وبزرگی ذات وحُسنِ صفات اُس مرتبے کو پہنچاتی ہے جو حضرت ایوبؑ پیغمبر کو حاصل ہُوا ایسے شخص کے احوال میں کوئی تغیرّ نہیں ہوتا۔ اگر اُس پر بلائیں نازل ہوں تو اُس کے اعمال تبدیل نہیں ہوتے۔ اس میدان میں جو شخص گوئے سعادت لے گیا اس کو سعادتِ واقعی نصیب ہوئی حقیقتاً وہ گروہِ مجرّدات میں داخل ہوتا ہے۔ عالمِ جسمانیات سے اس قدر بلندی پر پہنچتا ہے، کہ دستِ افلاک کا تصرّف اُس کے دامن تک

نہیں پہنچ سکتا۔تاثیرِ ثوابت وسیّارکی گرداس کے چہرے پرنہیں جم سکتی۔اُس پرستاروں کی نحوست و سعادت کا اثرنہیں پڑسکتا۔

صاحبانِ نفوسِ قوّیہ کوسعدونحسِ فلک سے کیاڈرہے، بلکہ انسان قوّتِ نفس وتجرّد میں اُس مرتبہ پرپہنچتاہے کہ افلاک میں بلکہ تمام کائنات میں تصرّف کرسکے۔چنانچہ واقعۂ شقّ القمرسیّدِ انبیاؑء کااورقصّہ ردِّشمس سرورِاوصیاؑ کاشہادت دے رہاہے۔



## دُوسراباب

# سببِ اخلاقِ بدوقوّتِ نفس

## فصل نمبرا

### نفس مملکتِ بدن کا بادشاہ ہےاوریہ چارقوّتیں عقل،شہوت،غضب، وہم اس مملک کےعمّال وحکام ہیں اورباقی اعضاءوقویٰ لشکروخادم ان چاروں کولذّت والمِ فطری حاصل ہے

واضح ہوکہ بدن انسان کامثل ایک مملکت کے ہے جسے خداوندعالم نے رُوح کے لیے مقرر فرمایاہے۔اس مملکت میں روح کے لیے اعضاوجوارح وحواس وتمام قوائے ظاہری وباطنی مانندفوج ولشکر کے ہیں کہ جس کاشمہ بیان کیاجائے گا۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (سورہ مدثر۔۲۹)

یعنی:’’تمھارے پروردگار کےلشکروں کوسوائےاُس کے کوئی نہیں جانتا۔‘‘

ان میں سے ہرایک کوایک ایک خدمت سُپردکی گئی ہے۔ان میں حسبِ مندرجہ ذیل چار قویٰ سردارِلشکروعمّالِ مملکت ہیں:

ا: عقل

۲: شہوت

۳: غضب

۴: وہم

باقی تمام قویٰ ان کےزیرِدست وفرماں برادرہیں اورعقل کاکام حقیقتِ امورکومعلوم کرنا۔ نیکی وبدی کی تمیزکرنااورافعالِ نیک کاحکم اوربُرےصفات سےمنع کرناہے۔قوّتِ شہوت کافائدہ یہ ہےکہ بدن کوقائم رکھتی ہے۔یہ کمالِ نفس کےتحصیل کاذریعہ ہے۔اس سےانتظامِ بدن درست رہتا

ہے، اور بقائے نسل اسی پر موقوف ہے۔

قوّتِ غضب کا شُغل یہ ہے کہ نقصاناتِ خارجیہ بدن سے دُور کرتی ہے نیز اگر قوّتِ شہوت یا وہم سرکشی وخودسری کا ارادہ کرکے جادۂ اطاعتِ عقل سے قدم باہر رکھے تو یہی قوّتِ غضبیہ اُنھیں سیدھے راستہ پر لاتی اور ماتحتِ عقل کردیتی ہے۔

قوتِ وہم سے باریک اور مشکل کام سمجھ میں آتے ہیں۔ یہ قوّت مقصدِ صحیح پر پہنچاتی ہے، تحتِ اقتدار وتسلّطِ عقل رکھتی ہے۔

واضح ہو کہ اِن چاروں قوّتوں میں سے ہر ایک سرکشی بھی کرسکتی ہے۔ محکوم ہوکر حاکم بننے کی تمنّا کرتی ہے۔ باقی قوّتوں کی یہ کیفیت نہیں۔ بلکہ ان چاروں میں سے جو قوّت بھی حاکم بن جائے وہ اُسی کی خادم بن جاتی ہے۔

اب ان چاروں قوّتوں میں سے عقل مرتبۂ وزارت رکھتی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ سُلطانِ رُوح راہِ صواب سے الگ نہ ہونے پائے۔ تدبیر نیک اسبابِ سفر میں سہل وآسانی ہو۔

دُوسری قوّتِ شہوت۔ یہ مثل عاملِ خراج کے ہے۔ یہ عامل لالچی اور جھوٹا ہے، جو کچھ وزیرِ عقل حکم دیتا ہے اُس کے خلاف کرنا چاہتا ہے۔ ہمیشہ اس امر کا طالب رہتا ہے کہ سلطانِ رُوح اُس کے حکم کو محکوم رہے۔ چارپایوں کے مانند غرقِ دریائے شہوت ہوجائے ہمیشہ ماکولات ومشروبات و منکوحات میں مبتلا رہے اور ایسا مبتلا ہو کہ وزیرِ باتدبیر سے مشورہ لینے کی مہلت ہی نہ ملے۔ بھلائی اور بُرائی کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہی نہ ہو۔

تیسرا غضب۔ یہ کوتوالِ شہرِ بدن ہے جو تیز وتند و بے خوف وشریر ہے ہمیشہ ظلم وایذا و عداوت وبغض کو پسند کرتا ہے۔ اس امر کی کوشش میں رہتا ہے کہ سلطانِ رُوح کو فریب دے اور ہمیشہ اُس کے اشاروں پر کاربند ہو۔ عقل کے ارشاد کی طرف اُس کا رُخ نہ ہو اور ہمیشہ درندوں کے مانند بنی نوعِ انسان کی ایذادہی میں مصروف رہے۔

چوتھا وہم۔ کہ اُس کا شغل مکر، حیلہ وخیانت وفتنہ ہے وہ چاہتا ہے کہ سلطانِ رُوح کو ایسا مطیع وفرمان بردار کرے کہ کبھی راہِ فتنہ وفساد ومکر سے تجاوز نہ کرسکے۔ ان چاروں قوّتوں میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے۔ اس لیے انسان میں کبھی فرشتوں اور قدسیوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کبھی بھائم کے، کبھی وہ درندگی کے لباس میں نظر آتا ہے، کبھی شیطان کے بھیس میں۔ یہ تنازعہ برپا رہتا ہے یہاں



تک کہ کسی ایک قوّت کو غلبہ حاصل ہو۔

پس جس قوّت کا غلبہ ہوتا ہے۔ انسان اُسی کے زمرے میں داخل ہوجاتا ہے اور اُسی کے آثار بطورِ کمال اُس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر بدن کی سلطنت وزیرِ عقل پر قائم رہی تو نفس کی مملکت میں آثارِ ملائکہ ظاہر ہوتے ہیں۔ انتظامِ مملکت بندا چھی طرح رہتا ہے۔ انسان داخلِ گروہِ ملائکہ ہوتا ہے۔ اگر دوسرے قویٰ کا غلبہ ہو تو اُس کے آثار ویسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مملکتِ بدن خراب اور ویران ہوتی ہے انسان جانوروں یا درندوں یا شیاطین کے گروہ میں شامل ہوجاتا ہے۔

**نعُوذُ بِاللهِ مِن ذٰلِكَ**۔

واضح ہو کہ مملکتِ نفس میں یہ لڑائی عقل کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ عقل اِن قوائے سہ گانہ کو اعتدال کے دائرے میں قائم رکھنا چاہتی ہے۔ ان کی سرکشی کو روکتی ہے اور نفس کو ان کا فرماں بردار بن جانے سے منع کرتی ہے، اور باقی تینوں قوّتیں آپس میں جنگ وجدل نہیں کرتیں۔ یہ ممانعت صرف عقل کے اشارے پر منحصر ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان قوّتوں میں سے کسی قوّت کو بہ سبب عوارضِ خارجیہ کے دوسری پر غلبہ وقوّت حاصل ہو۔ لیکن یہ غلبہ دشمنی اور عداوت کے سبب سے نہیں ہے۔

یہی سبب ہے کہ نفوسِ حیوانات میں جو قوّتِ عاقلہ سے خالی ہیں یہ تنازعہ نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ وہ سب اس قوت (شہویہ) میں مراتبِ مختلفہ رکھتے ہیں جو ان پر مسلّط ہے۔

اسی طرح گروہِ درندگان وفرقۂ شیطان کو سمجھیے۔ جن میں سے اوّل الذّکر پر قوّتِ غضبیہ کا تسلط ہے اور آخر الذّکر پر قوّتِ واہمہ کا۔ یہی حال نفوسِ ملائکہ کا ہے۔ ان میں بھی تنازعہ نہیں۔ اسی لیے ان کی قوّت صرف عقل پر منحصر ہے۔ باقی قوّتیں ان میں نہیں ہیں۔

یہاں سے معلوم ہُوا کہ جامع تمام عوالم ومحلِّ جمیع آثار انسان ہے۔ جو تمام مخلوقات میں قوائے متخالفہ اور صفاتِ متقابلہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مظہریّتِ اسماءِ الٰہیہ و مرتبۂ قابلیتِ خلافتِ ربّانیہ اُس سے متعلقہ ہُوا۔ عالمِ ظاہری اور باطنی کی بزرگی کا تاج اُس کے سر پر رکھا اور سلطنتِ ملکِ ظاہری وباطنی کا خلعت اُس کے جسم پر آراستہ کیا گیا۔ گو ملائکہ لذّاتِ عقلیہ وانوارِ علمیہ سے مخصوص ہیں۔ رتبۂ رُوحانیّت پر سرفراز ہیں لیکن عالمِ جسمانیت پر جو ایک عالم پروردگار ہے۔ اُن کو تسلط نہیں ہے۔ اجسامِ فلکیہ اگرچہ بنابرِ قواعدِ حکماء صاحبِ نفوسِ مجرّدہ ہیں۔ مگر

اُن کو اوصافِ متضاد و طبائع مختلفہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ نہ اُنھوں نے ہولناک منزلیں طے کی ہیں۔ نہ انقلابِ صفات و احوال کا زہر جانگزا چکھا ہے۔ برخلات انسان کہ تمام مراتب کو طے کر کے مختلف پہاڑوں کی سیر کرنے کے بعد عالمِ جماد و نبات و حیوان و ملائکہ کا احاطہ کیے ہُوئے مرتبۂ کمال پر فائز ہُوا ہے۔ پس انسان تمام حقائق ملک و ملکوت کا ایک نسخۂ جامعہ ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حق سُبحانہ، تعالیٰ نے عقل سے ملائکہ کو مخصوص کیا۔ اِن کو شہوت و غضب نہیں دیا۔ حیوانات کو شہوت و غضب عنایت کیے۔ مگر عقل سے بے نصیب رکھا۔ انسان کو ان تمام قوّتوں سے مشرّف کیا۔ اگر انسان شہوت و غضب کو عقل کا مطیع کرے تو ملائکہ سے بہتر ہے کیونکہ اپنے کو باوجود ان تمام قوّتوں کے اس مرتبہ پر پہنچانے والا یقینا مستحقِ مدح ہے۔

یہاں سے معلوم ہُوا ہے کہ انسان اگر شہوت و غضب کا مطیع ہو تو حیوان سے رتبہ میں کم درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ باوجود اعانتِ عقل اُن کی اطاعت کی اور حیوانات کو عقل کی اعانت حاصل نہیں ہے۔



# فصل نمبر ۲

## لذّتِ روحانی کا درجہ لذّتِ جسمانی سے بڑھا ہوا ہے

## قوّتِ عاقلہ سے لذّتِ رُوحانی اور باقی تین قوّتوں سے لذّتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے

## اِن چاروں میں سے جو قوّت غالب ہو جائے، آدمی اُسی جنس میں محسُوب ہو جاتا ہیں۔

آپ کو معلُوم ہُوا کہ یہ چاروں قوّتیں سردار ہیں۔

۱: عقلیّہ

۲: وہمیّہ

۳: غضبیّہ

۴: شہویّہ

واضح ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے لذّت و تکلیف موجُود ہے یعنی جو چیز بلحاظِ فطرت و جبلّت اس قوّت کے لیے موزوں ہے۔ اُس کا حصُول لذّت ہے اور اُس کا عدم تکلیف و الم۔

اب سمجھنا چاہیے کہ عقل کی خواہش فطری یہ ہے کہ حقیقتِ اشیاء کو پہچانے۔ لہٰذا معرفتِ حقائق، لذّتِ عقلی ہے۔ اور جہل و حیرانی اذیّت و تکلیفِ عقلی۔ اسی طرح مقتضائے غضب قہر و انتقام ہے۔ اسی کی لذّت غلبہ و تسلّط سے حاصل ہوتی ہے اور عجز اُس کے لئے تکلیف و زحمت۔ علیٰ ہذا قوّتِ شہویّہ کی خواہشاتِ فطریہ ماکولات و ملبوسات و منکوحات میں منحصر ہیں۔ ان کا حصول اس لیے لذّت ہے اور عدمِ حصُول موجبِ زحمت و الم۔ اسی پر قوّت وہمیہ کا قیاس کرنا چاہیے۔ اس مقام سے معلوم ہوا کہ اِن چاروں قوّتوں پر نظر کرتے ہوئے لذّت و الم کی بھی چار قسمیں قرار پائیں گی:

۱ : لذّتِ عقلیّہ

۲ : لذّتِ وہمیّہ

۳ : لذّتِ غضبیّہ

۴ : لذّتِ شہویّہ

ان سب لذّتوں میں لذّتِ عقلیّہ کا درجہ نہایت بلند ہے۔ جیسا کہ خود عقل کے لئے رفعت موجود ہے۔ تغیّر و تبدّلِ حالات سے اس لذّت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے۔ برخلاف دُوسری لذّتوں کے۔ ان میں سے کسی کے لیے بھی رنگِ بقا نہیں ہے۔ اسی لیے یہ لذّتیں لذّتِ عقلیّہ کے مقابل میں نہایت حقیر و بے قدر ہیں۔ ابتداء میں انسان کا میلِ طبعی تمام لذّتوں کی جانب ہوتا ہے۔ لیکن جس قدر غلبۂ حیوانیت بڑھتا ہے اُسی قدر لذّتِ عقلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی طرف اُسی وقت توجۂ کامل ہوسکتی ہے جب نفس پاک و پاکیزہ ہو۔ اور انسان فضائلِ حسنہ کے زیوروں سے آراستہ ہوجائے۔ لیکن آدمی اُس لذّت کا ادراک کرلیتا ہے تو پھر اُس میں ترقی ہی ترقی نظر آتی ہے اور جس قدر قوت عقلیہ ترقی کرتی ہے۔ اُسی قدر اُس کا تسلّط دوسری قوّتوں پر ہوتا جاتا ہے۔ یہ تسلّط جس قدر بڑھتا ہے۔ اُسی قدر لذّتِ عقلیہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور اسے نقص و زوال لاحق نہیں ہوتا۔ اُن لوگوں سے تعجب ہے جو کھانے پینے۔ نکاح جماع اور مثل ان کے اور لذتوں کو کمالِ انسانی سمجھتے ہیں۔ اُن کے حصُول میں بہتری کا گمان کرتے ہیں۔ لذّتِ آخرت و انتہائی مرتبۂ انسانیت اُن کے نزدیک وصالِ حور وغلماں وسیرِ بہشت۔ کباب وشراب کے سوا اور کچھ نہیں۔ آگ میں جلنا، بچھوؤں کی اذیّت رسانی، گرزِ آتشیں کی چوٹیں، آتشیں لباس، انھیں چیزوں میں اُن کے نزدیک آخرت کی تکلیف منحصر ہے۔ اُن کی عبادات و ریاضات کا مقصد یہی ہے کہ وصالِ حور یہ سے کامیاب ہوں اور گرزِ آتشیں سے نجات حاصل کریں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ایسی عبادت مزدوروں اور غلاموں کی عبادت ہے۔

افسوس یہ لوگ اُن کی لذّت سے بے خبر ہیں۔ جن سے سُرورِ حقیقی اور قربِ پروردگار حاصل ہوتا ہے۔ اگر آتش دوزخ کے خوف سے گریہ وبکا ہے اگر شوقِ وصالِ حُور میں شب بیداریاں ہورہی ہیں۔ اگر فواکہاتِ خوش مزہ کی اُمید میں روزہ رکھا جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ ایسا شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہوسکتا۔ ایک پردۂ غفلت ہے جو آنکھوں پر پڑا ہُوا ہے۔



سیدّ اولیاء علیہ التحیّتہ و الثناء فرماتے ہیں۔

**اَلٰهِیْ مَا عَبَدْتُكَ خَوْفاً مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِیْ جَنَّتِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْتُكَ اَهْلاً لِّلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ**

یعنی: ''اے خدا میں آتشِ دوزخ کے خوف سے یا بہشت کی طمع وشوق میں تیری عبادت نہیں کرتاہُوں مگر تجھ کو سزاوارِ پرستش جان کر تیری بندگی کرتاہُوں''

ایسا ہی اہل بصیرت کی نظر میں لذّتِ جسمانیہ کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ کیونکہ ان لذّتوں میں آدمی بہائم وحیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ اہلِ عقل کے نزدیک وہ لذّت کس کام کی ہوسکتی ہے جس کا حصُول جس قدر ترقی کرتا جائے اُسی قدر نفسِ ناطقہ قوّتِ بہیمیّہ کا خادم ہوتا چلا جائے۔

افسوس ہے اُن پر جو کھانے پینے، نکاح، حصُولِ جاہ ومنصب کو لطفِ زندگانی سمجھتے ہیں اور جو لوگ ان سے محرُوم ہیں اُن پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کی بزرگی کو گھٹاتے ہیں اور جو لوگ ترکِ شہوات کرکے لذّتِ دنیویہ پر لات مار چکے ہیں۔ ان کی تواضع و عاجزی سے فائدہ اٹھا کر اُن کو اپنے مقابلہ میں بدنصیب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ لذّاتِ جسمانیہ کا حصُول ہرگز داخل کمالات نہیں۔ اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں سے ذاتِ باری کی تنزیہ اہلِ عقل کے نزدیک مسلم ہے اگر یہ چیز کمالات میں داخل ہوتیں تو ضرور خالقِ عالم کے لیے ثابت رہتیں۔ اس لئے کہ ذاتِ کامل و اکمل کا کسی کمال سے خالی رہنا محال ہے۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ یہ چیز فی الحقیقت نقص میں داخل ہیں نہ کمالات میں۔

فطری دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو پُرخور کہا جائے یا مطیعِ غضب سمجھا جائے یا مکّار کا خطاب دیا جائے تو وہ یقیناً ناخوش ہوگا۔

یہیں سے معلوم ہُوا کہ یہ صفتیں نقائص میں سے ہیں۔ اگر ان کا شمار کمالات میں سے ہوتا تو کسی انسان کو انکی طرف منسوب ہونے سے ناخوشی لاحق نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نفس انسان فطرتاً طالبِ کمال ہے۔ ہاں ان قوّتوں کا کام صرف اتنا ہے کہ بدن پر جو تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ وہ اُن کے ذریعہ سے دفع ہوجاتی ہیں اور بس۔

لذّت وہی لذّت ہے جس کا عقل سے تعلق ہے اور جس کے حصُول سے انسان گروہ ملائکہ میں داخل ہوتا ہے اور باقی قوّتیں انسان کو حیوانوں، درندوں اور شیاطین کے گروہ کی طرف کھینچنے والی ہیں۔ لہٰذا چشمِ بصیرت کھول لیے ہوشیار ہو جایئے اور غور کیجئے کہ آپ کہاں سے کہاں پہنچے۔ اگر قوّت شہویہ دوسری قوّتوں پر مسلّط ہو یہاں تک کہ آپ اشتیاق ماکول ومشروب میں ہی غرق ہوں۔ مہ وشوں کے جمگھٹے میں ہی آپ کی زندگی گزر رہی ہو تو آپ انسان نہیں رہے۔ بہائم سے جا ملے۔ اگر آپ پر قوّتِ غضبیہّ کا تسلّط ہو اور ہمیشہ آپ اپنے کو حصُولِ منصب وجاہ وبرتری کی طرف مائل یا کسی کی تکلیف وفحش ودشنام دہی میں مصروف پائیں تو اپنے کو سگِ گزندہ یا گرگِ درندہ سمجھیے۔ اور انسان خیال نہ کیجئے۔ اگر ہمیشہ مکر وحیلہ کی فکر اور اُن طریقوں کی تلاش ہو جو مقتضائے غضب وشہوت ہیں تو اپنے کو شیطان خیال کیجیے۔ جس نے جسمِ انسانی میں حلول کیا ہے۔ اگر آپ پر عقل کا تسلّط ہو اور ہمیشہ تحصیلِ معرفتِ الٰہیہ وعبادتِ پروردگار وطاعتِ رسولِ مختار وطلب گارِ نیکی ہوں تو اپنے کو انسانِ حقیقی وملائکہ مقدّسہ سے بلند رُتبہ والا جانیے۔

پس جس کو تھوڑا بھی ہوش ہو اور اپنے نفس کا دشمن نہ ہو۔ اس پر سعادتِ ابدیہّ وصفاتِ جمیلہ کے حصُول میں اور اخلاقِ رذیلہ کے دفع میں کوشش کرنا لازم ہے۔ ہمیشہ خواہشِ نفسانیہ ولذّتِ جسمانیہ میں مصروف نہ ہونا چاہیے۔ مگر اُسی قدر جو صحتِ بدن وبقائے حیات کے لیے ضروری ہے انسان اپنی زندگی کو اچھے کھانوں کے حاصل کرنے میں ضائع وتلف نہ کرے۔ مگر مطابقِ ضرورت، جس سے اہل وعیال کے سامنے ذلیل نہ ہو۔ اس سے زیادہ وبال اور اُس کا نتیجہ خرابی ہے۔ جامہ ولباس اس قدر کافی ہے کہ بدن کو پوشیدہ کر سکے اور گرمی وسردی دفع ہو نہ اس قدر متلاشی رہیے کہ ہر ایک کی نظر میں ذلیل وخوار وبے اعتبار ہو جائے۔ مجامعت اس قدر کافی ہے جو بقائے نسل کے لیے ضروری ہو نہ اس درجہ کہ غرقِ دریائے شہوتِ نفسانیہ وگرفتارِ علائق دنیویہ ہو جائے۔ اسی سبب سے شقاوتِ ابدیہ وہلاکت میسّر ہوتی ہے۔ خدا کے لئے اپنے نفس پر رحم کیجئے اور ہوشیار رہیے کہ کہیں آپ پر راستے مسدُود نہ ہوں۔ آپ عاجز نہ ہو جائیں۔ آپ غافل نہ ہوں۔ کیونکہ عمر تھوڑی اور مختصر سے اپنا علاج کیجئے کہ کہیں اخلاقِ رذیلہ مستحکم نہ ہوں اور لشکرِ شیطان مملکتِ دل تسخیر نہ کر لے۔ دل پر شیطان کا قابو نہ ہو۔ جب کہ جوانی میں شیطان نے آپ کے دل پر قابو کیا تھا۔ آپ کو قوّت وتوانائی حاصل تھی، اُس وقت شیطان سے آپ مقابلہ نہ کر سکے تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ



بڑھاپے میں مقابلہ کریں لیکن کسی حال میں رحمتِ خدا سے نااُمید ہونا جائز نہیں ہے۔ ہر وقت قوّت کے مطابق کوشش اور شیطان سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

شیخ فاضل احمد ابنِ محمد ابن یعقوب جو علمِ اخلاق کا اُستاد ہے اور پہلے پہل جس نے اس فن میں تصنیف وتالیف کے لیے قلم اُٹھایا ہے اُس سے منقول ہے کہ:

''مَیں اُس وقت مستیٔ طبیعت اور خرابِ غفلت سے ہوشیار ہُوا جب عہدِ جوانی برباد ہو چکا تھا۔ عادات ورسُوم مجھ میں مستحکم ہو رہے تھے۔ اوصافِ رذیلہ میرے نفس میں رسوخ کر چکے تھے۔ اُس وقت میں نے کمر اجتہاد باندھی اور مجاہدۂ عظیمہ وریاضیتِ شاقہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے مجھ کو توفیق کرامت فرمائی اور مہلکات سے خلاصی حاصل ہُوئی۔ لہٰذا مایوس نہ ہوں، دروازہ فیضِ الٰہی کشادہ ہے۔ ہر شخص کو اُمید نجات رکھنی چاہیے۔ لیکن یہ خیال نہ کر لینا کہ وُہ صفائی ونورانیتِ قلب جو گناہوں کی تیرگی سے زائل ہو چکی ہے اُس کا تدارک ممکن ہوگا اور نفس میں وہی جلا پیدا ہو جائے گی جو گناہ نہ کرنے کی حالت میں ہوتی ہے۔

یہ خیال باطل ہے۔ ہاں اس مقام میں منتہائے امر یہ ہے کہ آثارِ گناہ کو اعمالِ حسنہ کے ارتکاب سے محو کر دیا جائے۔ تو اس وقت البتہ نفس اُس حالتِ اُولٰی کے مشابہ ہو سکے گا اور اعمالِ حسنہ کے سبب سے ایک نورانیّت حاصل ہو گی۔

آہ! اگر یہ شخص اِن اعمالِ حسنہ کو اُسی وقت سے بجالاتا جب کہ گناہ کی طرف قدم نہ بڑھایا تھا تو اُسے دُنیا میں ہر وہ سُرور حاصل ہوتا جس کا اندازہ ممکن نہیں، اور آخرت میں وُہ درجات حاصل ہوتے جو تصّور سے باہر ہیں۔

اور اب موجُودہ حالت میں اعمالِ حسنہ کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ آثارِ ظلمت ومعصیّت محو ہو جائیں، اور بس یہی سعادتِ عظمٰی ہے!

کاش!

ہم اُسی کی طرف قدم بڑھائیں۔

# فصل نمبر ۳

## تمام نیکیوں اور بُرائیوں کا مصدر یہی چار قوّتیں ہیں جو مذکُور ہوئیں۔ باقی قوّتیں ان کی فرماں بردار ہیں۔

بیان مذکورالصّدر سے معلُوم ہُوا کہ آدمی کے لیے اگرچہ قویٰ و جوارح بہت سے ہیں لیکن اُن میں سوائے چار حکّام کے باقی سب مطیع و فرمانبردار ہیں اور وُہ مملکتِ نفس کی حالت میں تغیّر و تبدّل نہیں کر سکتے۔

یہی چار قویٰ باعثِ نیک و بد و خیر و شر ہیں۔ انہی چاروں سے تمام اخلاقِ نیک و بد ظاہر ہوتے ہیں۔

منشاء صفاتِ خیر و شر یہی ہیں لیکن قوّتِ عاقلہ کے تسلّط و غلبہ سے نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اُس کی خرابی و عجز و بدی و شر ظاہر ہوتا ہے۔ باقی تینوں قوّتیں اس کے برعکس ہیں۔

یعنی:

اُن کے تسلط و غلبہ کی حالت میں شرارتیں ظاہر ہوتی ہیں اور عجز اور انکساری کی صُورت میں نیکیوں کا ظہُور رہوتا ہے۔

# فصل نمبر ۴

## ہر ایک چاروں قوّتوں کی شان و تہذیب سے یہ چار فضیلتیں۔ حکمت، عدالت، شجاعت و عِفّت حاصل ہوتی ہیں جو تمام فضائل کی مبدأ ہیں۔

واضح ہو کہ قوّتِ عقلیہ اور وہمیہّ تمام اُمور کو معلوم کرتی ہے لیکن قوّتِ عقل کلیات کو معلُوم کرتی ہے اور قوّتِ وہمیہّ سے جزئیات کا تصوّر متعلق ہوتا ہے جو فعل بدن سے صادر ہوتا ہے وہ فعلِ



جزئ کہلاتا ہے۔

پس افعالِ جزئ کے وقتِ وہمیہّ غور و فکر کے ساتھ مبدأ تحریکِ بدن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اُس کو قوّتِ عاملہ و عقلِ عملی کہتے ہیں اور قوّتِ عقلیہّ کو عقلِ نظری و قوّتِ عاقلہ، قوّتِ غضبیہّ امورِ غیر ملائمہ کو بدن سے دفع کرنے کے لئے اور قوّتِ شہویہّ اُمورِ ملائمہ کے حصول میں ابتدأ تحریک کرتی ہے۔ اگر قوّتِ عاقلہ دُوسری قوّتوں پر غالب ہو جائے تو تمام قوتوں کو اپنا مقہُور و مطیع کرتی ہے۔ اُس وقت تمام قوّتوں کے تصرّفات و افعال حسبِ صلاح و صواب واقع ہوتے ہیں۔ انتظامِ مملکت ٹھیک رہتا ہے۔ آثارِ انسانیت ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر ایک قوّت کی تہذیب ہوتی ہے اور اسے وہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے جو اُس کے لیے مخصُوص ہے۔ قوّتِ عاقلہ کی تہذیب سے صفتِ حکمت پیدا ہوتی ہے۔

قوّتِ غضبیہّ کی تہذیب سے شجاعت حاصل ہوتی ہے اور قوّتِ شہویہّ کی تہذیب سے صفتِ خُلق و عِفّت کا ظہور ہوتا ہے۔ تمام اخلاق میں یہ چاروں افضل ہیں اور باقی صفاتِ نیک انہی چاروں کے ماتحت ہیں۔ یعنی انہی صِفتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چاروں تمام صفات کے مصدر ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صفتِ حکمت، مصدرِ فطنت، فراست حسنِ تدبیر، توحید وغیرہ ہے، اور شجاعت منشاءِ صبر۔ علو ہمّت، حلم و وقار، عفّت سببِ سخاوت و حیا۔ امانت و کشادہ روی وغیرہ ہے۔ تمام اخلاقِ حسنہ کے اصُولِ اوّلیہ یہی فضائلِ اربعہ ہیں۔

## اوّل: حکمت

حکمت کی تعریف یہ ہے کہ اُس طریقہ پر حقیقتِ موجُودات کا پہچاننا جیسا کہ حقیقتاً موجُود ہیں یعنی ماہیتِ اشیاء تک بقدرِ امکان رسائی حاصل کرنا۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

ا : حکمتِ نظری : یعنی اُن موجُودات کی حقیقت کا جاننا جن کا وجُود ہمارے قدرت و اختیار میں نہیں ہے۔

مثلاً: افعالِ الٰہیہّ

## ۲:حکمت عملی :

یعنی اُن موجودات کی حقیقت کا جاننا جن کا وجود ہمارے اختیار میں ہے۔مثلاً : ہمارے افعال۔

## دوم :شجاعت

اس کی اصلیّت یہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ غضبیہّ کو اپنا فرماں بردار بنالے تا کہ آدمی ہلاکت میں نہ پڑے اور کسی وقت بھی اطاعتِ عقل سے باہر نہ ہو۔

## سوم:عفّت:

اس کی تعریف یہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ شہویہّ کو اس طرح مطیع کرلے کہ وُہ کسی امرونہی میں سرکشی نہ کر سکے اور انسان ہواوہوس میں گرفتار نہ ہو۔

## چہارم: عدالت

عدالت کی تعریف یہ ہے کہ قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کے ماتحت رہ کر مملکتِ بدن میں تصرّف کرتی رہے۔

بعض کے نزدیک عدالت اُس ملکہ کا نام ہے جو تمام قوّتوں کو عقل وشرع کے ماتحت کر دینے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے اور بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ عدالت وُہ ملکہ ہے جو تمام قوّتوں کو قوّتِ عاقلہ کے ماتحت کر دینے سے پیدا ہوتا ہے۔اس حیثیت سے کہ کوئی قوّتِ امرونہی قوّتِ عاقلہ سے مخالفت نہ کر سکے۔ان تمام اقوال کا مقصد ایک ہی ہے۔



# فصل نمبر ۵

## قوّتِ عاملہ کی کارفرمائی کے باعث ہر ایک قوّت سے ایک صفت حاصل ہوتی ہے۔

جب یہ معلوم ہوچکا کہ قوائے اربع (عاقلہ وغضبیہّ وشہویہّ وعاملہ) کی تہذیب اور درستی سے چار فضیلتیں (حکمت وشجاعت وعفّت وعدالت حاصل ہوتی ہیں۔اور باقی فضائل واخلاق انہی کے ماتحت ہیں تو اب جاننا چاہیے کہ اکثر علمائے اخلاق نے انہی چار فضیلتوں کو بجائے جنس قرار دے کر ان میں سے ہر ایک کے ماتحت انواعِ متعدّدہ کا ذکر کیا ہے۔

لیکن صاحبِ جامع السّعادت کا بیان ہے کہ اس تقسیم اور تشریح کی صحت میں کلام ہے۔اس لیے کہ جب معلُوم ہو چکا کہ عدالت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کی مطیع و منقاد ہوجائے، اور پھر خود قوّتِ غضبیہّ وقوّتِ شہویہّ کے افعال بھی اس کی وساطت سے ظاہر ہوں۔

پس یہاں سے معلوم ہُوا کہ ان تینوں قوّتوں کے فضائل واخلاق قوّتِ عاملہ کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر ایک صفت حُسن انہی تینوں قوّتوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہو سکے گی۔ہاں اس کا حصُول، اس میں شک نہیں کہ بواسطۂ قوّتِ عاملہ ہوگا۔لیکن محض واسطہ قرار پانے سے کوئی صفت اُس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔اس کا مصدرِ حقیقی وُہی قوّت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوئی ہے۔اسی واسطے جب قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کی مطیع نہ ہوتو باقی قوائے ثلاثہ (عاقلہ و غضبیہّ وشہویہ) کے رذائل اس سے منسُوب نہیں کیے جاتے۔

پس اب سوائے اطاعتِ قوّتِ عاقلہ قوّتِ عاملہ کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہتی۔اس میں شک نہیں کہ قوّتِ عاملہ فی نفسہ ایک فضیلتِ کامل ہے۔اور اس کا عدم سر دفترِ رذائل۔لیکن یہ خود کسی ایسی فضیلت کا سبب نہیں ہے جو باقی قوائے ثلاثہ سے تعلق نہ رکھتی ہو۔اسی طرح اس کا عدم بھی کوئی ایسی خرابی پیدا نہیں کرسکتا جسے ان قویٰ سے الگ کر سکیں۔

پس ہر ایک صفت خواہ وہ فضائل میں سے ہو یا رذائل میں سے بوساطتِ قوّتِ عاملہ قوّت عاقلہ وغضبیہّ وشہویہّ سے متعلق ہوتی ہے۔اب اگر اس وساطت کے سبب سے کسی صفت کو اس سے

منسُوب کیا جا سکتا ہے تو پھر لازم ہے کہ تمام صفات کو اسی سے نسبت دی جائے اور تمام فضائل صفتِ عدالت کے ماتحت رکھے جائیں اور اندریں صورت یہ کہنا کبھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ بعض فضائل عدالت سے متعلق ہیں اور بعض نہیں ہیں۔ لہٰذا مقتضائے نظر صحیح یہی ہے کہ تمام فضائل عدالت سے متعلق ہیں اور بعض نہیں ہیں۔ لہٰذا مقتضائے نظر صحیح یہی ہے کہ تمام فضائل و رذائل حکمت و شجاعت و عفّت کے ماتحت ہیں۔ (عدالت خود ایک فضیلت ضرور ہے لیکن اس کے ماتحت کوئی اور فضیلت نہیں ہے)۔

علٰی ہذا ان کے اضداد کا تعلّق بھی قوّتِ عاقلہ و غضبیّہ و شہویّہ سے ہی ہے قوّتِ عاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اس کے توسّط سے تمام صفات کا ظہُور ضرور ہوتا ہے۔ اب اس تعلق کی شان یہ ہے کہ بعض صفت کا ایک ہی قوّت سے تعلق ہے، بعض کا دو سے اور بعض کا تینوں قوّتوں سے۔

## مثال نمبر ۱

علم و جہل، ان کا تعلق فقط قوّتِ عاقلہ سے ہے۔
غضب و حلم، یہ صرف قوّتِ غضبیّہ سے متعلق ہیں۔
حرص و قناعت، یہ محض قوّتِ شہویّہ سے منسُوب ہیں۔

## مثال نمبر ۲:

حُبِّ جاہ! اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ دوسروں پر اپنا تفوّق و تسلّط قائم کیا جائے تو اس حالت میں اس کا تعلق قوّتِ غضبیہ سے ہوگا، اور اگر اکل و شرب وغیرہ کی محبّت سے حُبِّ جاہ پر آمادہ کیا ہے تو اُسے قوّتِ شہویّہ سے نسبت دی جائے گی۔ اسی طرح حسد اگر نہ سبب عداوت پیدا ہُوا ہے تو ذمائم قوّتِ شہویہ کے حوالے کردیا جائے گا۔

مدخلیت بالاشتراک یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صفت میں قوائے مختلفہ کی جھلک ہوتی ہے۔ مثلاً اس حسد کو دیکھیے جس کی پیدائش کی علّت عداوت بھی ہو اور حصُول نعمت بعدِ زوال نعمت محسود بھی۔ اندریں صورت اس کا تعلق قوّتِ غضبیہ سے بھی ہے اور شہویّہ سے بھی اسی طرح مثلاً غرور۔ چنانچہ جب آدمی کسی ایسی چیز کا بہتر سمجھے تو اب اگر یہ شے مقتضیات قوّتِ شہویہ میں سے ہوگی تو اُس صفتِ رذیلہ (غرور) کا تعلق قوّتِ عاقلہ و قوّتِ غضبیّہ سے ہوگا اور اگر اُس شے کا تعلق



مقتضیاتِ غضبیّہ و شہویّہ (ہر دو) سے ہوگا تو اُس سے حاصل شدہ صفت (غرور) کا تعلق قوّتِ عاقلہ و غضبیّہ و شہویّہ (ہر سہ) سے ہو جائے گا۔

توضیح جب کوئی صفت قوائے متعدّدہ سے متعلق ہو تو اُس تعلق کے معنی یہ ہیں کہ اس صفت کے ظہُور میں ہر ایک قوّت کا اثر موجُود ہے اور یہ اثر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ علّتِ فاعلی کا اثر۔ گویا صفتِ حاصل شدہ معلول ہے اور قوّت اُس کی علّتِ فاعلی۔ علّتِ فاعلی کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے کہ اگر کوئی قوّت کسی صفت کے لیے محض ''باعث'' اور ''سبب'' ہو جائے۔ حالانکہ ظہور اس کا دُوسری قوّت سے تو اُس باعثبت اور سببیت کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔

بلکہ وہ صفت اسی دوسری قوّت کے ماتحت رہے گی۔

مثلاً:

کوئی ایسی شے تلف اور ضائع ہوگئی جو قوّتِ شہویہ کی محبُوب تھی اور اُس تلف ہونے سے غضب کا ظہُور ہُوا تو اندریں صورت غضب کا تعلق قوّتِ غضبیّہ سے ہی رہے گا۔ اگرچہ باعث اس کا قوّتِ شہویّہ ہے۔ پس جب یہ معلُوم ہو چکا کہ تمام فضائل و رذائل انہی قوائے ثلاثہ (عقلیّہ و غضبیّہ و شہویّہ) سے متعلق ہیں۔ خواہ یہ تعلق فرداً فرداً ہو یا بالاشتراک۔

تو اب ہم حسبِ تحریر جامع السّعادت اوّل اوصافِ حسنہ و رذائل قوّتِ عاقلہ کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد فضائل و رذائلِ قوّتِ غضبیّہ کا بیان ہوگا اور بعد ازاں اسی طرح قوّتِ شہویّہ کے افعال، نیک و بد کی تشریح کی جائے گی۔

# فصل نمبر ٦

## چار صفاتِ مذکورہ کے تحت میں تمام فضائل ہیں جو وسط کا حکم رکھتے ہیں اور تمام اخلاقِ رذیلہ افراط یا تفریط کی طرف واقع ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کی ضد بدی ہے تو اب جس قدر نیکیاں ہوں گی اُسی قدر بُرائیوں کی بھی تعداد ہوگی۔

مثلاً : آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ارکانِ فضائل چار ہیں تو اب اُن کے مقابلہ میں اجناسِ رذائل بھی چار قرار پائیں گے۔

دیکھیے نقشہ مندرجہ ذیل:

| ارکانِ فضائل | اصُولِ رذائل جو ضدّ ارکانِ فضائلہ ہیں |
|---|---|
| حکمت | جہل |
| شجاعت | جبن (بُزدلی) |
| عدالت | جور |

بیانِ مندرجہ بالا ضرور صحیح ہے لیکن نظرِ ظاہری پر مبنی ہے۔ لہٰذا تحقیق مطلب کے لیے مندرجہ ذیل بیان کو غور سے پڑھیے۔

یہاں ایک دائرہ بنانا ہے صفحہ ۷۲

اوّل ایک دائرہ فرض کیجئے۔ اُس دائرے میں ایک نقطہ مرکز نظر آرہا ہے۔ اس نقطہ کا فاصلہ چاروں طرف سے برابر ہے۔ اور یہ نقطہ عین وسطِ دائرہ میں واقع ہے۔ یہ حدِ متوسطہ یا نقطۂ مرکز مقامِ فضیلت ہے۔ جو اپنی جگہ پر مضبوط اور معیّن ہے۔ اب اس نقطہ کے علاوہ باقی جس قدر بے شمار نقطے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ وہ طرفِ افراط (زیادتی) میں ہیں یا جانبِ تفریط (کمی) وہ سب کے سب نقطہ ہائے رذائل ہیں۔

اس سے معلُوم ہُوا کہ فضیلت کے مقابلہ میں بے شمار رذیل خصلتیں موجود ہیں اور نقطۂ مرکزی سے انحراف کرنا خواہ کسی طرف ہو رذائل میں داخل ہے۔ اور اس نقطہ پر باقی رہنا حقیقتِ



فضیلت۔

نیز بالفاظِ دیگر یُوں سمجھنا چاہیے کہ انسان اوصافِ حمیدہ حاصل کرنے کے لیے جب قدم بڑھاتا ہے تو لازمی ہے کہ خطِ مستقیم اختیار کرے۔ اسی خطِ مستقیم کا نام فضیلت ہے اور اس خط سے انحراف کرنا ارتکابِ رذائل میں داخل ہے۔

واضح ہو کہ خطِ مُستقیم جو دو نقطوں کے درمیان ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔

نیز اُس کی مسافت بھی سب خطوں سے کم ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے خطُوطِ منحنی بے شمار ہُوا کرتے ہیں جیسا کہ نقشۂ ذیل سے واضح ہوگا:

یہاں ایک دائرہ بنانا ہے صفحہ ۷۳

یہاں سے معلوم ہوا کہ طریقہ مستقیم صرف ایک ہے اور اُسی کو اختیار کرنے سے اوصاف حمیدہ مل سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے طریقہ ہائے انحراف بے شمار ہیں۔

یہی سبب ہے کہ اسبابِ خیر کی نسبت شر و بدی کے اسباب بہت زیادہ بلکہ بے شمار ہیں۔ اب فرضِ انسان یہ ہے کہ اِن بے شمار نقطوں میں سے نقطۂ عدل کی تلاش کرے یا ان لاتعداد خطوطِ منحنی میں سے خطِ مستقیم کا متلاشی ہو۔ یہ امر آسان نہیں ہے مشکل ہے اور مشکل تر۔ پھر اس پر استقامت کرنا اور زیادہ دُشوار بلکہ دُشوار تر۔

اسی واسطے جب سورۂ ہود کا یہ حکم نازل ہُوا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ

''استقامت اختیار کرو۔ مستقیم رہو جیسا کہ حکم جاری ہو چکا ہے۔'' (سورہ ہود۔ ۱۱۲)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ

یعنی: ''مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔''

لیکن ان تمام دشواریوں کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔ تحصیل سعادت کا شائق کبھی تھک نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ نقطۂ عدل کا متلاشی ہوگا۔ لیکن اس تلاش سے پیشتر

عدل کے اقسام سمجھنے ضروری ہیں اور اس سے ارشادِ پیغمبر کی بھی تشریح ہوجائے گی۔ طالبِ سعادت کو سمجھنا چاہیے

کہ عدل کی دو قسمیں ہیں:

اوّل : عدلِ حقیقی۔

دوم : عدلِ اضافی۔

عدلِ حقیقی کی تعریف یہ ہے کہ:

طرفین سے اس کی نسبت برابر ہو۔

مثلاً:

دائرے کا نقطۂ مرکزی سب طرف سے برابر نسبت رکھتا ہے یا تعداد میں چار ۴، دو ۲ اور چھ ۶ سے یکساں مناسبت ہے۔

یعنی:

یہ عدد دو ۲ اور چھ ۶ کے وسطِ حقیقی میں واقع ہے۔

یہ ہے عدلِ حقیقی اور یہاں تک رسائی ممکن نہیں [۱]۔ اس لیے عدلِ اضافی معتبر سمجھا جاتا ہے۔

اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ:

عدلِ حقیقی سے عرفاً نزدیک ہو۔

یا یوں کہیے کہ:

''عدلِ اضافی وہ نقطہ ہے جو عدلِ حقیقی سے نزدیک تر ہو اور نوعِ انسان یا کسی انسان کے لیے اس کا حصول ممکن ہو۔''

غرض علمِ اخلاق میں عدلِ اضافی کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ طبیعتوں اور حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہُوئے اس میں اختلاف ممکن ہے۔

اس لیے:

اشخاص واوقات وحالات کے لحاظ سے اخلاق حمیدہ بھی مختلف ہوتے ہیں اور مراتبِ عدل

[۱] یہ مقام الوہیت ہے اور باعتبار مظہریت مقام نبیؐ وامامؑ۔ ۱۲



اضافی میں سے ایک ہی مرتبہ ایک شخص کے لیے صفتِ حمیدہ کہلاتا ہے۔

اور

دُوسرے کے لیے وُہی مرتبہ صفتِ رذیلہ بن جاتا ہے۔ [۲]

# فصل نمبر ۷

## ہر صفت حسنہ کے مقابل میں صفاتِ رذیلہ کے دو جنس ہُوا کرتے ہیں ایک طرف افراط دُوسری طرف تفریط

بیانِ صدر سے آپ کو معلُوم ہوا کہ ہر صفت کے مقابلہ میں افراط وتفریط سے اخلاقِ رذیلہ بیحد ہیں۔ لیکن ہر ایک کا نام معیّن وعلیٰحدہ نہیں ہے بلکہ تمام کا سمجھنا ممکن نہیں۔ اُن کی گنتی علم اخلاق کا فرض نہیں ہاں ایک قاعدہ کلّیہ مقرر ہے۔ جو تمام پر حاوی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ وسط کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا افراط وتفریط کی طرف مائل ہوجانا اخلاقِ رذیلہ میں داخل ہے پس اس بناء پر ایک فضیلت کے مقابلہ میں دو رذیلہ پائے جائیں گے اور اصُولِ فضائل چار ہیں۔

تو ان کے مقابلہ میں رذائل کی حسبِ ذیل آٹھ قسمیں ہوں گی۔

| ارکانِ فضائل واوصافِ حمیدہ | اجناسِ رذائل واخلاق ذمیمہ | |
|---|---|---|
| | افراط | تفریط |
| ۱: حکمت | ۱: جربزہ | ۲: بلاہت |
| ۲: شجاعت | ۲: تہور | ۳: جبن |
| ۳: عفّت | ۱: شرہ | ۲: خمود |
| ۴: عدالت | ۱: ظلم | ۲: تمکین |

ضدِ حکمت میں سے ایک جربزہ ہے یعنی فضول و بیکار ضرورت سے زیادہ فکر کرنا اور فکر کا جائے معیّن میں نہ ہونا یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا بلاہت وہ یہ کہ قوتِ فکر کا ضرورت کے وقت بالکل

[۲] حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ۱۲

عاجز رہنا یہ حدِ تفریط ہے۔ اس کو کبھی نقطۂ اوّل سے اور کبھی جہلِ بسیط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ضدِّ شجاعت میں سے ایک تہوّر ہے۔ یعنی ایسے امُور کی طرف متوجہ ہونا جن سے عقل پرہیز کرنے کا حکم کرے۔ یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا جُبن وہ یہ ہے کہ اُن چیزوں سے مُنہ پھیر لینا۔ جن سے مُنہ پھیرنا نہ چاہیے۔ یہ حدِ تفریط ہے۔

ضدِّ عفّت میں سے ایک شرہ ہے۔ یعنی حصُولِ لذّاتِ جسمانیہ میں بلا لحاظِ شریعت یا خلافِ حکمِ عقل مشغول رہنا، یہ حدِ افراط ہے۔ دُوسرا خمود یعنی قوّتِ شہویہ کا اس قدر ترک کرنا جو حفاظتِ بدن یا بقائے نسل کے لیے ضرور ہے۔ یہ تفریط ہے

اسی طرح مقابلہ میں عدالت کے دو اضداد ہیں:

ایک ظلم : یعنی بغیر حق کے حقوق و اموالِ مردم میں تصرّف کرنا۔ یہ افراط ہے۔

دُوسرا تمکین : وُہ یہ کہ ظالم کے ظلم کو اپنے پر بطورِ ذلّت وخواری کے سہنا اور باوجود قُدرت کے دفع نہ کرنا۔ عدالت کے متعلق یہ جو کچھ بیان ہُوا، اس کی بناء اُس اصطلاح کی بناء پر ہے جو اکثر لوگوں نے اختیار کی ہے لیکن اس سے پہلے جو عدالت کی تفسیر بیان کی گئی ہے یعنی قوّتِ عملیہ کا قوّتِ عاقلہ کے ماتحت رہ کر باقی تمام قوّتوں کو اپنا مطیع رکھنا تو اس تفسیر کی بناء پر عدالت کی ضد صرف ایک ہی ہوگی جس کا نام ظلم وجور ہے اور تمام صفاتِ رذیلہ اسی ظلم کے ماتحت قرار پائیں گے

یعنی :

جس طرح کہ عدالت جمیع صفاتِ کمال کی جامع ہے۔ اسی طرح اُس کی ضد جو ظلم ہے تمام اوصافِ رذیلہ پر حاوی ہوگی۔

واضح ہو کہ :

اخلاقِ ذمیمہ جن کا اُوپر ذکر کیا گیا اُس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱: افراط

۲: تفریط

اسی طرح فضائل کی بھی چار قسمیں ہیں۔

پس جس طرح کہ فضائل کی ہر قسم کے ماتحت بہُت سی قسمیں ہیں۔ اُسی طرح رذائل کے متعلق بھی بہت سی شاخیں ہیں۔



جیسا کہ مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہوگا

اجناسِ رذائل — اقسامِ رذائل

جزبزہ (فضول اشیاء میں فکر کرنا) سے نکرا۔[1] مکر۔ حیلہ۔

بلاہت (امُوراتِ دنیوی میں کم عقل ہونا) سے حمق۔ جہل مرکّب۔

تہوّر (افراطِ غضبیہّ) سے تکبّر زیادہ گوئی۔ گردن کشی، غرور۔

جُبن (بُزدلی) سے سوءِ ظن یعنی بدگمانی۔ بے صبری

پست ہمّتی یا کمینگی۔

شرہ (حریص ہونا) سے حرص۔ بے شرمی، بخل، اسراف، ریا۔ حسد۔

خمود (سرد ہونا) سے قطعِ نسل اور اس کے مانند

ظلم وجور سے بغیر حق کے کسی کے حق اور مال میں تصرّف کرنا

تمکین سے ذلّت وخواری سہنا۔ باوجود قدرت کے ظالم کے ظلم کو دفع نہ کرنا۔

ان چیزوں کے متعلق علماءِ اخلاق نے بہت کچھ بیان کیا ہے اور ہم بھی اس کتاب میں ہدیۂ ناظرین کریں گے

واضح ہو کہ :

یہ رذائل جو بیان ہُوئے قوّتِ عاقلہ سے متعلق ہیں۔

بعض قوّتِ غضبیہّ سے۔

بعض کا تعلق قوّتِ شہویہّ سے ہے

اور بعض دو قوّتوں یا تین قوّتوں سے مرکّب ہیں۔

ان تمام کا بیان چار مقام پر کیا جائے گا۔

[1] ناشناسی۔ ضد معرفت ۱۲

# فصل نمبر ۸

## صفاتِ رذیلہ وصفاتِ حسنہ کا رفع اشتباہ اور اُن کا فرق

واضح ہو کہ اکثر اوقات انسان سے ایسے افعال ظہور میں آتے ہیں جو ظاہر میں نیک ہوتے ہیں اور وُہ صاحبِ اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کو اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پس فضائل اور مشابہ بہ فضائل میں جو فرق ہے اُس کا جاننا واجب اور لازم ہے تاکہ عاقل پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے اور وہ گمراہی میں نہ پڑے کیونکہ جو اپنے نفس کے عیوُب کو پہچانے گا تو وہ فریب نہ کھائے گا۔ اپنے کو صاحبِ اخلاق نہ سمجھے گا اور معانی اخلاق کے حاصل کرنے سے باز نہ رہے گا۔ مثلاً حکمت کی تعریف یہ ہے کہ:

حقائق موجودات کا کماحقہٗ علم حاصل ہو۔

پس جو صاحبِ حکمت ہوگا ضروری ہے کہ اُسے اطمینانِ نفس حاصل ہو اور وہ صاحبِ علم الیقین ہو۔ کیونکہ یقین اور اطمینان نفس لازمۂ حکمت ہے۔ اب اگر کسی شخص کو یہ بات حاصل نہ ہو اُس کے پاس علم الیقین ہو، اور نہ اعتقادِ جازم تو اُس شخص کو حکیم نہیں کہہ سکتے بلکہ ایسا شخص ایک طفلِ کے مانند ہے جو اپنے کو مردوں کا شبیہہ بنائے اور اُن کی سی باتیں کرے یا اُس حیوان کے مثل ہے جس نے انسان کی بعض باتیں سیکھ لی ہوں یا بعض افعالِ انسانی سیکھ لیے ہوں اور اُنھیں بجالائے۔

علیٰ ہذا آپ معلُوم کر چکے کہ قوت شہویہّ کا عقل کے محکوم رہنے کو عفّت کہتے ہیں۔ یعنی اُس کے تمام تصرّفات موافقِ امر ونہی قوّتِ عاقلہ ہوں جو اُمور مصالح دنیا وعقبیٰ پر شامل ہوں اُن کی طرف قدم بڑھائے جو باعثِ فساد ہوں اُن سے دُوری اور کنارہ کرے۔ ہرگز صوابدیدِ عقل کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو اور اُس کی فرماں برداری واطاعت کا سبب کمالِ نفس وتحصیلِ سعادتِ دُنیا و آخرت ہو۔

نہ یہ کہ لوگوں کو فریب دینے کے لیے یہ رنگ اختیار کرے۔

اور نہ یہ کہ حفاظتِ آبرو یا کسی کے خوف نے اُسے ان اُمور پر مجبور کیا ہو۔ کیونکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو دنیا کے لیے ترکِ دُنیا کرتے ہیں اور دُنیا کی بعض لذّتوں کے ترک کردینے سے



اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس سے اعلیٰ درجہ کی نعمتیں حاصل ہوں۔ ایسے اشخاص صاحبِ فضیلت و عفّت نہیں ہیں

ایسا ہی وہ شخص جس نے بے اختیاری و بے چارگی سے یا بسببِ دسترسی نہ ہونے کے یا دُوسروں کی نفرت کے خوف سے یا اشتیاقِ شہرت اور خوفِ ملامت سے ترکِ دُنیا پر کمر باندھی ہے تو ایسے شخص کو پرہیز گار نہیں کہہ سکتے۔ اور بُہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ بعض لذّات کو اس لیے ترک کرتے ہیں کہ اُن سے واقف ہی نہیں۔

ایسا ہی بہت سے جنگل اور پہاڑ کے بیٹھنے والے ہیں۔ یہ بھی پرہیز گاری کی صفت نہیں ہے بلکہ صاحبِ عقل وہ ہے جو باجُودِ صحتِ قویٰ وقدرت اور علمِ کیفیت لذّات وتہیۂّ اسبابِ لذّات وعدمِ مرض وفّت و پریشانی و بغیر امرِ مانع حصُولِ لذّتِ دنیویہّ اطاعتِ عقل وشرع سے قدم باہر نہ رکھے۔ اسی طرح صفتِ شجاعت یہ ہے کہ قوّتِ غضبیہّ فرماں بردار مطیع عقل ہو۔ جس امر کے کرنے کا عقل حکم کرے اُسے بجالائے اور جس کو منع کرے اُس سے پرہیز کرے اور اُس کی غرض بغیر حصُولِ کمال وسعادت اور کچھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی بہ سبب تحصیل مال وجاہ یا بشوقِ جمالِ معشوقہ یا بخوفِ امیر وسردار اور بادشاہ یا بخیالِ فخر وشہرت اپنے کو ہولناک کاموں میں ڈالے۔ لشکر سے تنہا بے خوف مقابلہ کرے۔ مارنے اور مار کھانے اور مارے جانے، اور بے دست و پا ہونے کی پرواہ نہ کرے تو ایسے شخص کو شجاع نہیں کہہ سکتے۔ وہ شجاعت سے بے نصیب ہے بلکہ اِن اُمور کے صادر ہونے کا منشاء شہوت کی زیادتی یا جُبن ہے۔

پس جو کوئی اِن اُمور سے کسی ایک امرِ مہلک میں اپنے کو ڈالے تو وہ زیادہ تر حریص و خائف ہے۔ وہ فضیلتِ شجاعت سے بُہت دُور ہے۔ ایسا ہی وہ لوگ جو تعصّب (حمایت) جماعت و اہلِ قرابت وقبیلہ کے سبب سے اُمورِ مہلکہ میں داخل ہوتے ہیں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اُمورِ مہلکہ میں داخل ہُوا، اُسے غلبہ بھی حاصل ہُوا اور کسی قسم کا خوف باقی نہ رہا۔ لیکن اب بھی وہ قتل وغارت سے باز نہیں رہتا۔ ایسا شخص ہرگز شجاع نہیں۔ بلکہ اس کی طبیعت کو غالب رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ایسا شخص اُن حیواناتِ درندہ کے مانند ہے جو بغیر عجز وخوف آدمی سے یا اپنے جنس سے مقابلہ کرتے ہی رہتے ہیں اس لیے وہ قوّتِ عاقلہ سے بے نصیب ہیں۔ صرف قوّتِ غضبیہّ اُن پر مسلّط ہوتی ہے۔ اُن کا حملہ ملکہ شجاعت کے سبب

سے نہیں ہوتا۔

حاصلِ کلام واقعی شجاع وُہ شخص ہے کہ جس کے افعال اشارۂ عقل پر صادر ہوں اور اُس میں کوئی سبب دنیوی نہ ہو۔ بعض مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عقل اُن سے پرہیز کرنے کا حکم دیتی ہے۔

پس ایسے مقامات سے فرار کر جانا منافی شجاعت نہیں۔ بلکہ ایسی جگہ کھڑے رہنا حماقت ہے۔

مثلاً کوئی شخص صاعقہ وزلزلہ شدید سے خوف نہیں کرتا تو یہ شجاعت نہیں، جنون کی علامت ہے۔ وہ جانوروں کے زمرہ میں شریک ہے اور عقل سے بے نصیب۔

جاننا چاہیے کہ شجاعِ حقیقی کے نزدیک حفاظتِ ننگ و نام زندگی چندروزہ سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ رُسوائی وعیب کو ہرگز روا نہیں رکھتا، بلکہ موت اور ہلاکت کو پسند کرتا ہے۔ ہاں مردانِ شجاعت بلا ومصیبت کے ساغر بے پروائی سے پیتے ہیں۔ عیب و بدنامی کا جامہ نہیں پہنتے اور نیک نامی کے ساتھ مرنا زندگی جانتے ہیں اور ذکرِ نیک کو حیاتِ ابدی مانتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ مردانِ میدانِ دین نے حفاظتِ شریعت میں خنجر وتیر وشمشیرِ خونریز سے مُنھ نہیں پلٹایا۔ یہی وجہ تھی کہ سوارانِ معرکہ مذہب وآئین حمایتِ مذہب میں گرزِ گراں وتیغِ برّاں کو اپنے سر پر پسند کر چکے ہیں۔

جس شخص نے صفحہ روزگار میں نامِ نیک رکھنے کو اور عوضِ اعمال آخرت میں ملنے کو اور حقیقتِ عمر ناپائدار کو معلُوم کیا تو وہ باقی کو فانی پر اختیار کرتا ہے۔ حمایتِ دین وشریعت میں اپنے سینہ کو سُپر کرتا ہے۔ تیغِ ملامتِ ابنائے روزگار سے نہیں ڈرتا۔ وہ طریقہ مردانِ شیر دل جانتا ہے کہ دین کے لیے خون میں تڑپنا سعادتِ ابدیہ کو پہنچاتا ہے۔ وہ دنیائے دوروزہ میں ذلیل خوار رہنا (زندگی بسر کرنا) اور مرتبہ شہادت سے دُور رہنا پسند نہیں کرتا۔

اسی وجہ سے شیر بیشۂ شجاعت، بادشاہِ تختِ ولایت اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ اِنْ لَمْ تُقْتَلُوْا تَمُوْتُوْا وَالَّذِیْ نَفْسُ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ بِیَدِهٖ لَاَلْفُ ضَرْبَةٍ بِالسَّیْفِ عَلَی الرَّأْسِ اَهْوَنُ مِنْ مِیْتَةٍ عَلَی الْفِرَاشِ فِیْ غَیْرِ طَاعَةِ اللهِ۔

یعنی: ’’اگر تم نہ مارے جاؤ گے تو اک دن ضرور مرو گے۔ قسم ہے اُس خدا کی



جس کے ہاتھ میں پسرِ ابوطالب کی جان ہے کہ ہزار ضربِ شمشیر اُس کے سر پر زادہ آسان اور گوارا ہے۔ اُس موت سے جو بستر پر واقع ہو‘‘ اور س میں اللہ کی اطاعت نہ ہو۔

صاحبِ شجاعت سے جس وقت جو عمل ظاہر ہوتا ہے موافق طریقۂ عقل ومناسب وقت ہوتا ہے۔ نہ اس کو مصیبت وعذاب کا کھینچنا اور نہ زہرِ رنج والم کا چکھنا گوارا ہوتا ہے۔ نہ وہ حادثاتِ زمانہ سے بیقرار ہوتا ہے۔ جو امر دوسروں پر گراں ہے اُس کے آگے سہل وآساں ہے۔ جو اوروں پر سخت ودُشوار ہے۔ اُس کے نزدیک نرم وہموار ہے۔ اگر غصّہ ہو تو عقل کے حکم سے باہر نہیں ہوتا۔ اگر رنجیدہ ہو تو شرع کے راستہ کو نہیں کھوتا۔ یہی حال عدالت کا ہے۔ یعنی قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کی اس طرح فرماں بردار ہو کہ انسان سے کوئی عمل مقتضائے عقل کے خلاف واقع نہ ہو۔ یہ ملکہ نفسِ انسان میں اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے تمام افعال طریقۂ اعتدال پر ہوں اور کوئی غرض دنیاوی مدّ نظر نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ریاکاری کے ساتھ اپنے آپ کو اہلِ عدل کے مشابہ بنائے اور اُس کی غرض یہ ہو کہ لوگوں کے قلوب مسخّر ہوں۔ اُن سے مال ومتاع حاصل ہو یا کوئی منصب وجاگیر ملے۔ اور بادشاہ یا وزیر کا تقرّب حاصل ہو تو ایسا شخص ہرگز عادل نہیں خیال کیا جاتا۔ اُسے مرتبۂ عدالت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت اُن تمام صفاتِ فاضلہ کی ہے جو ان فضائل کے ماتحت ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ مثلاً: سخاوت اُس کو کہتے ہیں کہ بغیر کسی غرض کے مستحقین کو مال عطا کرے۔ اگر بخشش وعطا کی غرض یہ ہو کہ اس ذریعہ سے اور زیادہ مال حاصل ہو یا مضرّتوں کا دفعیہ مدّنظر ہو یا مناصب دنیویہ کا حصُولِ غرضِ اصلی ہو یا لذّاتِ حیوانیہ حاصل کرنا چاہتا ہو یا شہرتِ نیک نام منظور ہو یا فخر وافتخار کا خواہاں ہو تو اُس کا نام سخاوت نہیں ہے۔ بخششِ غیر مستحق و زیادتی خرچ کی کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص بے اندازہ و بیجا خرچ کرے۔ وہ قدرِ مال سے جاہل ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مال سے حفاظتِ اہل وعیال بمرتبۂ کمال ہوتی ہے اور مال وثروت کو اجرائے احکام وشریعت میں اور اعلانِ فضائل وحکمت میں بہت زیادہ دخل ہے۔ ایسی وجہ سے صحیفۂ سلمانیہ میں وارد ہُوا ہے:

اِنَّ الْحِکْمَةَ مَعَ الثَّرْوَةِ یَقْظَانٌ وَمَعَ الْفَقْرِ نَائِمٌ

یعنی: ''علم وحکمت مال وثروت کے ساتھ بیدار ہے اور فقر و تہی دستی کے ساتھ حکمت سوجاتی ہے۔''

اور اکثر وہی لوگ اسراف سے کام لیتے ہیں جو نہیں جانتے کہ مالِ حلال کس مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ یا وہ لوگ جنہیں بغیر زحمت کے مال ملا ہے۔ کسی کی میراث پائی ہے یا کسی اور طریقہ سے مفت آ گیا ہے وہ بے اندازہ و بے جا خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ مالِ حلال کے حاصل کرنے میں زحمت نہیں اٹھائی۔ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ وُہ نہیں جانتے کہ حصولِ مالِ حلال مشکل ہے اور اکتساب مالِ حلال کے طریقے نہایت کم ہیں اور بزرگوں کے لیے ہر ایک پیشہ جائز و ناجائز میں مشغول ہونا مشکل ہے اسی لئے صاحبانِ دل کا حصہّ دُنیا میں بہت کم ہے اور وہ ہمیشہ فقر وفاقہ میں بسر کرتے ہیں۔ بخلاف دوسروں کے جو تحصیلِ مال میں بے پرواہ ہیں نہ فکرِ حلال ہے، نہ ذکرِ حرام، نہ خوفِ عذاب۔ مال جہاں سے بھی ملے، لے لیتے ہیں۔ ہر ایک مقام پر صرف کرتے ہیں۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ:

''مال کا حاصل کرنا اس طرح ہے کہ پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں اور اُس کا خرچ مثل اس کے ہے کہ پہاڑ کی بلندی سے اُس پتھر کو چھوڑ دیں۔''



# تیسرا باب

# اخلاقِ حسنہ کی محافظت اور اخلاقِ رذیلہ کے مُعالجات کا کلیہ

## فصل نمبر ا

### اخلاقِ حسنہ کے حصول کی ترتیب اور ابتداء میں کونسی صفت حاصل کی جائے اور بعد میں کون سی۔

واضح ہو کہ فضائل وصفاتِ حسنہ حاصل کرنے کے لیے ایک ترتیب مقرر ہے۔ جس سے تجاوز کرنا سزاوار نہیں۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ:

جو شے ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں منتقل ہوتی ہے وہ لامحالہ درجۂ اُولیٰ سے درجۂ ثانیہ تک بذریعۂ حرکات وافعال ترقی کرتی ہے اور یہی حرکات وافعال نقص سے کمال تک پہنچاتے ہیں۔ اب یہ حرکت یا تو ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ اور یا تو ہمارے اختیار میں ہے۔

پس وہ حرکت جو ہمارے اختیار سے باہر ہے اُسے حرکتِ طبعیہّ کہتے ہیں۔ مثلاً نطفہ رحم میں جس وقت قرار پکڑتا ہے تو مختلف صورتوں میں حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ مرتبۂ حیوانیت پر فائز ہوتا ہے۔ اب رہی وہ حرکت جو ہمارے اختیار میں ہے مثلاً ایک سُوکھی لکڑی کو تراش کر اُس سے مختلف چیزیں بنا لینا۔ اس حرکت کا نام نامِ حرکتِ صناعیہّ ہے۔

اب یہ بھی معلُوم کیجئے کہ حرکتِ طبعیہ کا عالمِ اعلیٰ سے تعلّق ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کی ہر ایک شان حکمت ومصلحت کی تصویر ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ قانُونِ فطری جس انتظام اور تدریج کے ساتھ اپنا عمل کر رہا ہے۔ اُس میں حُسن ہی حُسن ہے۔

پس اب ہمارا فرض ہے کہ اکتسابِ فضائل اور تہذیب اخلاق کی کوشش کے وقت ہم اُسی

قانون کو مدِّنظر رکھیں۔

دیکھئے پہلی شے جس کی ضرورت بچّہ کو پڑتی ہے وہ غذا ہے اور پہلی خواہش بچّہ کی طبیعت میں یہی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ رحمِ مادر میں بذریعۂ ناف غذا حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ پیدا ہوتا ہے اور یہ قوّت بھی طاقت پکڑتی جاتی ہے۔

پس پہلی شے جس کا ظہُور بچّہ کے لئے ہوتا ہے وہ قوّتِ شہویّہ ہے۔ جب یہ قوّت اُس میں کامل ہو چکتی ہے تو قوّتِ غضبیّہ کا ظہور ہوتا ہے اور اُس میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے سے تکلیفات کو دُور کرے اگرچہ ماں باپ یا دُوسروں کی مدد سے ہو۔ اس کے بعد قوّتِ ادراک وتمیز ظاہر ہوتی ہے۔ نُمو کرتی ہے یہاں تک کہ وُہ تعلیم وتعلّم کے قابل ہوتا ہے۔ اُس وقت قوّتِ صنّاعی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب اگر اس قوّت کو آدمی درجۂ کمال تک پہنچائے تو انسان کمالِ حقیقی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ تمام انسان صاحبِ نفسِ مقدّسہ نہیں پیدا کیے گئے ہیں۔ ہاں استعداد ہر انسان کی مختلف ہوتی ہے۔ اب تہذیبِ اخلاق کے لیے ضروری ہے کہ اسی ترتیب کے موافق اُس میں کوشش کی جائے یعنی اوّل قوّتِ شہویّہ کے فضائل میں سے ہے بعد قوّتِ غضبیّہ کو درست کرے اور ملکۂ شجاعت کو جو اس کا کمال ہے حاصل کرے۔ پھر قوّتِ عاقلہ کی تکمیل میں اجتہاد کرے۔ فضلیتِ حکمت کو اختیار میں لے۔ اس ترتیب سے آدمی اگر اخلاقِ نیک کے حصُول میں کوشش کرے گا تو سہولت وآسانی سے مُراد پر پہنچے گا۔

کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں قوّتِ شہویّہ پر قابُو پانا سہل ہے، اور اس سے قوّتِ عاقلہ کو بھی مدد مل جاتی ہے اور قوّتِ غضبیہ کا سبب بھی کسی قدر کم ہو جاتا ہے اور اِن دونوں قوّتوں پر قابُو پانے کے بعد حکمت کا ملکہ حاصل کرنا جوان دونوں سے زیادہ مشکل ہے۔ آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔ جو شخص اس ترتیب کو ہاتھ سے کھوتا ہے تو اسے اپنی تکمیل اور تہذیبِ اخلاق میں نہایت مشکل پیش آتی ہے۔

پس طالبِ سعادت کو چاہیے کہ کسی حالت میں طلب سے ہاتھ نہ اُٹھائے رحمتِ خداوندِ متعال سے مایُوس نہ ہو۔ دامنِ ہمّت نہ چھوڑے۔ توفیق وتائیدِ پروردگار کا اُمیدوار ہو۔

واضح ہو کہ جو کوئی صفاتِ کمال نہیں رکھتا تو اُسے لازم ہے کہ اُس کے حاصل کرنے اور اُس کے اضداد کو دفع کرنے میں کوشش کرے۔ اگر کوئی صفاتِ کمالیّہ رکھتا ہے تو اُن کے



بقاوثبات میں کوشش سے کام لے۔ مثلاً اگر کسی کو کوئی مرض ہو تو اُس کے دفع کرنے میں اور صحت کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیے۔ اگر صحیح وتندرست ہو تو حفاظتِ صحت وتندرستی کی رعایت ضرور ہے۔ اسی وجہ سے فنِ طب کو دو قسموں، ایک حفاظتِ صحت دُوسرے مرض کے دُور کرنے پر تقسیم کیا گیا ہے۔

چونکہ علمِ اخلاق بھی مانند علمِ طب کے ہے بلکہ طبِّ حقیقی یہی ہے۔ اس لئے علمِ اخلاق کی بھی دو قسم پر تقسیم ہوتی ہے۔

ایک فضائل میں

دُوسرا دفعِ رذائل میں۔

بوجۂ مشابہت اس علم کو طبِّ روحانی کہتے ہیں اور طبِّ معرُوف کو طبِّ جسمانی۔

یہی وجہ تھی کہ جالینوس طبیب نے جو نامہ خدمتِ حضرتِ مسیح علی نبیّنا وعلیہ السلام میں بھیجا اُس میں لکھا تھا کہ:

مِنْ طَبِیْبِ الْاَبْدَانِ اِلٰی طَبِیْبِ النُّفُوْسِ

یعنی: ''یہ نامہ طبیب بدن کی جانب سے طبیبِ ارواح کی طرف ہے۔''

# فصل نمبر ۲

## وہ اُمور کہ تہذیبِ اخلاق کے طالب کو جن کی رعایت لازم ہے۔

واضح ہو کہ اوصافِ رذیلہ سے نفس پاک کرنے والے کو اور صفاتِ جمیلہ سے آرائش کرنے والے کو چند اُمور لازم ہیں۔

پہلا یہ کہ :-

بُری صحبت سے اجتناب کرے۔ بُروں سے دُور رہنا واجب جانے اُن کے قصّہ وحکایت سُننے سے پرہیز کرے۔ نیکوں کی صحبت میں بیٹھے۔ اُن کی معاشرت اختیار کرے۔ دل کو بزرگانِ دین ومذہت کی راہِ نیک سے ایما کرے۔ ہمشیہ اُن کی کیفیت کو سُنا کرے۔ کیونکہ ہر کسی کی صحبت

بڑی دخل رکھتی ہے۔

## مثنوی مولانا رُومؒ

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

انسان کی طبیعت چور ہے جو کچھ دُوسرے کی طبیعت سے مکّرر دیکھتا ہے اخذ کرتا ہے کیونکہ انسان کے نفس میں چند قوتیں ہیں کہ بعض خیر وفضائل پر مائل، بعض شر وفساد کی مقتضی ہیں۔ ہمیشہ یہ قویٰ ایک دُوسرے سے مخالفت کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کو تھوڑی سی قوّت حاصل ہُوئی اور کُچھ اعانت پہنچی تو وہ دُوسرے پر اُسی قدر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ نفس کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کسی صاحبِ صفت کی صحبت رکھنا، اس کی حکایت کا سُننا۔ اُس کے افعال کو دیکھنا اُس میں اثر کرتا ہے۔ جو لوگ ہمیشہ ایک جگہ ایک صحبت رکھتے ہیں۔ اُن کے اخلاق و اوصاف قریب قریب ایک درجہ کے ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی انسانی قویٰ اخلاقِ رذیلہ کے طالب ہوتے ہیں تو آدمی بہت جلد شر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اُس کی خواہش صفاتِ بد کی طرف بہ نسبت صفاتِ نیک کے زیادہ آسان ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے، کہ حصُولِ صفات نیک بمنزلہ اس کے ہے کہ پستی سے بلندی پر جائیں۔ خواہش صفاتِ بد کی ایسی ہے کہ بلندی سے نیچے آئیں۔

جیسا کہ حضرتِ رسُول صلعم نے فرمایا ہے کہ:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔

یعنی : ''جنت مکروہات سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ شہوات وخواہشات سے۔''

دُوسرا یہ کہ:

ہمیشہ ایک ہی عملِ نیک جاری رکھنے سے اُس صفتِ حسنہ کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ نفس کو ایک ہی فعل کی عادت ہوتی ہے۔ اس کے طلب کرنے والے یا اُس کے بقا وحفاظت کے درپے ہونے والے کا مقتضیٰ یہی ہے۔



مثلاً : کوئی شخص سخاوت وجُود کی محافظت کا ملکہ یا اُن کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ اپنے مال کو موافق طریقۂ عقل وشرع مستحقین کو بخشش کرے۔ جس وقت اپنی خواہش بخل کی طرف مائل دیکھے تو اپنے نفس پر عتاب کرے۔ جو شخص صفتِ شجاعت کی حفاظت یا شجاع ہونے کا عادی ہونا چاہتا ہے۔ تو چاہیے کہ ہمیشہ اُن امُورِ ہولناک اور خطرناک میں جن کو عقل وشرع نے منع نہ کیا ہو قدم رکھے۔ جب اپنے میں آثارِ جبن پائے تو قہر و جنگ میں ڈالے۔ یہ مقابلہً ریاضتِ بدن ہے جو دفع مرضِ بدن یا حفاظت کے لیے کام میں لاتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ:

ہمیشہ اپنی حالت پر غور کرے۔ اپنے اعمال وافعال پر متوجہ رہے جو عمل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے شروع کرنے سے قبل تامّل اور فکر کرے کہ خلافِ مقتضائے خُلقِ حسن اُس سے ظاہر نہ ہو۔ اگر احیاناً اُس سے کوئی امر ظہور میں آیا جو موافقِ صفاتِ پسندیدہ نہیں ہے تو اپنے نفس کو تادیب کرے اپنے کو سرزنش وملامت کرے پھر اُن امُور کو برداشت کرنے کی کوشش کرے جو اُس پر شاق گزرتے ہیں۔

مثلاً بھُوک برداشت نہیں کرسکتا تو اس کا علاج یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی عادت ڈالے۔ اسی طرح اگر اُس سے کوئی بے جا غضب سرزد ہو تو پھر دُوسرا مقام جو اُس سے بھی زیادہ سخت ہے اختیار کرکے صبر سے کام لے اور اس طرح نفس کو تعذیر کرے، یا نفس کو ایسے مقاماتِ اہانت میں قائم کرے جنھیں وہ مکروہ سمجھتا ہو یا تصدّق ونذورات سے اِس غضبِ بے جا کی تلافی کرے۔ غرض کسی حال میں ہرگز غافل نہ ہو۔ حصُولِ صفاتِ نیک یا حفاظتِ صفاتِ حسنہ میں برابر کوشش کرتا رہے۔ اگرچہ مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ غفلت کے سبب سُستی پیدا ہوتی ہے۔ اور سُستی کی وجہ سے فیوضِ عالمِ قدس قطع ہوتے ہیں۔ فیض کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور کوشش سے روز بروز نفس میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔ اور لحظہ بہ لحظہ کمالات میں ترقی ہوتی ہے۔ جب اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو دیدۂ بصیرت سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ جائے اسرارِ ملک وملکوت بلکہ خلوتِ جبروت کا محرم ہوتا ہے۔ ایسا شخص دُنیا کے امُور وتعلقات میں ضرورت سے زیادہ سعی نہیں کرتا۔ حدِّ لازم سے زیادہ ملتفت نہیں ہوتا۔ علائقِ دنیویہ سے الگ ہوتا ہے اور اپنے کو ہمیشہ کی خرابی میں گرفتار نہیں کرتا۔ کس قدر بدبخت ہے وہ شخص جو ٹھیکریوں کے بدلے عالمِ قدس کے جواہرِ بے بہا کو اس ظلمت کدۂ

دُنیامیں برباد کرڈالے۔

چوتھا یہ کہ:

جن اسباب سے قوّتِ شہویہّ یاغضبیہّ کی تحریک ہوتی ہے،اُن سے پرہیز کرے۔جن امُور سے غفلت یاشہوت کی زیادتی ہوتی ہے،اُن کو نہ دیکھے نہ سُنے۔اوراُن کا تصوّر وخیال دل میں نہ لائے۔کیونکہ تصوّر وخیال سے آتشِ شوق وشعلۂ غضب تیز ہوتا ہے۔ہاں صرف دیکھنا اور سُننا بغیر رغبتِ دل کے زیادہ اثرنہیں کرتا۔جوشخص کہ ان دوقوتوں کی حفاظت نہ کرے مِثل اس کے ہے کہ:

شیرِ درندہ یا دیوانے کُتّے یا سرکش گھوڑے کو چھوڑ دے اُس کے بعد اپنے کو اُس سے بچانا چاہے۔

پانچواں یہ کہ:

اپنے نفس کا فریب نہ کھائے۔اپنے اعمال وافعال کو صحیح نہ سمجھے۔

پس طالبِ سعادت وسالکِ رہِ نجات کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں کو اپنے عیوُب کے ڈھونڈنے کے واسطے مقرر کرے اوراُن پر لازم ہے، کہ عیوُب سے مطلع کریں۔

بہتر یہ ہے کہ:

عیب کا اظہار کرنے والا دوست کم ہوتا ہے۔کیونکہ اُس کی نظر دوستی کی نظر ہے۔اُسے کبھی عُیوب نظر نہیں آتے۔پس عقلمندوُہ ہے کہ:

جب دُشمن کوئی عیب ظاہر کرے تو اُس کی شکرگزاری کرے اوراس کے علاج کی طرف متوجہ ہو۔اور بہتر یہ ہے کہ دُوسروں کے افعال پر نظر کرے۔اور جو فعل اُن کا بُرامعلوم ہواُسے اپنے نفس سے دُور کرنے میں سعی وکوشش کرتا رہے اور جوبات اچھی نظر آئے اُس کے حصُول میں کوشاں ہو۔پھر رات دن اپنے افعال پر غور وفکر کرے۔اگر کوئی بدی اُس سے ظاہر نہ ہوتو خداوندعالم کا شکر بجالائے۔اگر مرتکب بُرے کام کا ہوتو اپنے نفس پر عتاب وملامت کرے توبہ اورانابت سے کام لے۔



# فصل نمبر ۳

## اخلاقِ رذیلہ کے مُعالجہ کا قاعدہ کلیہ

علمِ اخلاق ایک طبّ روحانی ہے اورامراض خواہ جسمانی ہوں یا روحانی،ان کے علاج کا قاعدۂ کلّیہ یہ ہے کہ ابتداء میں مرض تشخیص کیا جاتا ہے۔پھر مرض کے پیدا ہونے کا سبب تلاش کرتے ہیں اوراُس مرضِ معیّن کے علاج کے درپے ہوتے ہیں اور معالجۂ کلیہ اُس کو کہتے ہیں جو کسی خاص مرض سے مخصوص نہیں ہوتا۔بلکہ تمام امراض پر مشتمل ہوتا ہے۔اور معالجۂ جزئیہ وہ ہے جو کسی خاص مرض سے متعلق ہو لہٰذا حکیمِ ارواح اور معالجِ نفس کو لازم ہے کہ قانُونِ کلی پر اس کی نظر قائم ہو،اور تشخیصِ امراضِ نفسانیہ کے وقت اُسے ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اخلاق کا حدِ اعتدال سے منحرف ہوجانا ہی مرض کہلاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ قوائے انسانیہ جن سے اخلاق وصفات متعلق ہیں۔تین قسم پر ہیں:

۱: قوّتِ تمیز وادراک۔

۲: قوّتِ غضب کہ اس کو قوّتِ دفع بھی کہتے ہیں۔

۳: قوّتِ شہویہّ کہ اس کو قوّتِ جذب بھی کہتے ہیں۔

ان میں سے ہرایک کے مرض کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہرایک یا تو اپنی اصلی مقدار سے تجاوز کرجائے یہ کہ اصل کیفیت ہی جاتی رہے،اور نابود ہوجائے۔مقدار سے تجاوز کرجانے کی دوحالتیں ہیں:۔

۱: یا تو حد سے بڑھ جائے

۲: یا نقطۂ اعتدال سے تفریط یعنی کمی کی طرف مائل ہو۔

ان کی مثالیں امراضِ جسمانیہ میں موجود ہیں جیسا کہ آدمی کا مزاج حالتِ صحت میں غذا کی خواہش رکھتا ہے۔مگر بعض وقت زیادتی میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔یہ بھوک کی بیماری ہے یعنی اعتدال سے زیادہ غذا کی خواہش کرے بلکہ وہ جس قدر کھائے سیر نہ ہواور کبھی کمی کی طرف تجاوز کرتا ہے یعنی اس کی بھوک بند ہوجاتی ہے۔طبیعت غذا کی طرف مائل نہیں ہوتی۔یہ دومثالیں

مقدار کی ہیں۔

اب دُوسری حالت دیکھو کہ اُس کی بھوک تو حدِ اعتدال پر ہے لیکن طبیعت اُن چیزوں کی طرف میل رکھتی ہے جن کو صحیح مزاج والے پسند نہیں کرتے، مثلاً کوئلہ، خاک، جلا ہُوا گوشت وغیرہ۔

یہاں سے معلوم ہُوا کہ قوائے نفسانیہ مذکورہ کے امراض تین قسم کے ہوتے ہیں:۔

۱ : افراط یعنی زیادتی

۲ : تفریط یعنی کمی

۳: اصل کیفیت کا ردّی ہوجانا۔

اب قوۃِ ادراک کی حدِ افراط ملاحظہ ہو:۔

۱ : حدِ اعتدال سے زائد فکر ونظر کرنا۔ ہر مسئلہ میں بسبب شہادت واہیہّ توقف کرنا۔ اُن امُور میں فکر کرنا جس کے سمجھنے کی اُس میں طاقت نہیں۔ صرف وہم وتصوّر سے مجرّدات (یعنی ارواح وملائک) پر حکم لگانا۔

۲: کمئ کیفیتِ ادراک یعنی : امُورِ دنیوی میں اور امورِ ضروری کے سمجھنے میں کم عقل ونادان رہنا۔ احکام کا مجرّدات پر جاری کرنا۔

۳: خرابی کیفیت ادراک یعنی ان علوم کو جس سے نفس کو کوئی کمال حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا جاننا۔ مثلاً علم خبرِ غیب وفال وشعبدہ وغیرہ یا اسی طرح طریقۂ لڑائی اور مناظرہ کا ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا۔

اب قوّتِ غضبیہّ کی زیادتی ملاحظہ ہو۔

۱ : اس قدر غصّہ کرنا درندوں کی شباہت پیدا ہوجائے اور بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرنا۔

۲: کمی قوّتِ غضبیہّ کی، مثلاً ہرگز غیرت وحمیّت نہ ہو ہر شخص سے ذلّت و حقارت کو برداشت کرے

اور اپنے اعمال وافعال میں لڑکوں اور عورتوں کا شبیہ بنائے۔

۳: خرابی قوّتِ غضبیہّ کی۔ مثلاً جمادات اور حیوانات پر غصہّ کرنا یا اپنے برتن اور اشیاء کو توڑ ڈالنا یا اپنے کو مار لینا یا اپنے کپڑے پھاڑ لینا۔



اسی طرح قوّتِ شہویہّ کی زیادتی۔ مثلاً :

۱: ضرورت سے زیادہ مباشرت کرنا باوجود گمانِ مرض جماع سے پرہیز نہ کرنا۔ بغیر رغبت کے طعام کھانا۔

۲: کمی قوّتِ شہویہّ کی۔ مثلاً قوّتِ ضروری کے حاصل کرنے میں کوتاہی کرنا اور اہل وعیال کو خراب

چھوڑ دینا یا ازدواج کو ترک کر کے اپنی نسل کو منقطع کرنا۔

۳: خرابی قوّتِ شہویہّ کی۔ مثلاً لڑکوں سے مقاربت کی خواہش رکھنا۔ روزیٔ حرام ومشتبہ سے پرہیز نہ کرنا

واضح ہو کہ امراضِ نفسانیہ کے اسباب اور اُن کا حدِ اعتدال سے۔۔۔۔۔ انحراف کرنا تین قسم پر ہے:۔

۱ : نفسانی

۲ : خارجی

۳ : جسمانی

اسبابِ نفسانیہ وہ ہیں جو آدمی کو شروعِ پیدائش میں حاصل ہوتے ہیں مثلاً اُس کی قوّتِ ادراک ضعیف ہو یا اُس میں قوّتِ شہویہ کچھ بھی نہ ہو۔

اسبابِ خارجیہ وہ ہیں کہ بسببِ عارضۂ خارجیہ کے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً صحبتِ بد میں بیٹھا ہو یا اُن کی حکایتیں سُنی ہوں اور اُن کی خواہش وشوق کی پیروی ومتابعت کر کے اعمالِ ناشائستہ کا مرتکب ہوا ہو۔ یہاں تک کہ اُس کا ملکہ حاصل ہوجائے۔

اسبابِ جسمانیہ وہ ہیں کہ بسببِ ناخوشی ومرضِ جسم کے صفتِ بد حاصل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض امراض کے سبب سے آدمی کج خلق ہوجاتا ہے یا قوّتِ شہویہّ میں ضعف وفتور پیدا ہوتا ہے۔

پس معالجۂ امراضِ نفسانیہ کا طریقۂ کلّیہ یہ ہے کہ جب اُس کا سبب مرض جسمانی ہو تو معالجۂ بدن میں کوشش کی جائے۔ اُس کو بدن سے دفع کریں اور جب سببِ نفسی یا خارجی ہو تو طریقۂ معالجہّ کلّیہ مثل امراضِ جسمانیہ کے علاج کرنا چاہیے۔

طریقہ کلّیہ علاج امراض جسمانیہ کا یہ ہے کہ ابتداً خلافِ طبع مرض غذاؤں سے علاج

کرتے ہیں۔یعنی امراضِ گرم میں غذائے سردی جاتی ہے اور مرض سردی سے ہوتو غذائے گرم استعمال کراتے ہیں۔اب اگر مرضِ خفیف ہوتو اُس سے دفع ہوجاتا ہے اور مرض سخت ہوتو غذا اس دفع نہیں ہوتا۔ایسی حالت میں دوا اور شربتِ ناگوار پلاتے ہیں۔اگر دوا بھی فائدہ نہ دے تو زہر سے علاج کرتے ہیں۔بعض مرض ایسا ہوتا ہے کہ زہر سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔اُس کا علاج یہ ہے کہ داغ دیتے ہیں، جلاتے ہیں اور کبھی کسی عضو کو کاٹنا بھی پڑتا ہے۔

پس معالجۂ مرضِ نفسانیہ اور دفع صفاتِ رذیلہ میں بھی یہی قاعدۂ کلّیہ مقرر ہے۔یعنی جب آدمی حدِّ اعتدال سے انحراف کرے اور صفاتِ بد اُس میں پائی جائیں تو چاہیے کہ اُن صفاتِ نیک کو بجالائے جو اُن صفاتِ بد کے مخالف ہیں۔یہ طریقہ بطور غذائے خلافِ مرض ہے ۔یعنی جیسا کہ غذائے سرد سے حرارتِ مزاج دفع ہوتی ہے۔اسی طرح ہر صفتِ نیک صفتِ بد کو زائل کرتی ہے جو اس کے مخالف ہے۔اگر اس عمل نے فائدہ نہ دیا تو اپنے نفس پر دل وزبان سے سرزنش و ملامت کرے۔اُس صفت کی خرابی کا دل میں تصوّر کرے، اپنے پر عتاب اور اس طرح خطاب کرے کہ :

’’اے نفسِ امّارہ ! تُو نے مجھ کو اور اپنے کو ہلاک کیا۔غضبِ پروردگار میں ڈالا، اور بادشاہیٔ لازوال سے اپنے کو محروم رکھا۔ایک چشمِ زدن میں جب وقت مرنے کا آئے گا تو مجھ کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔انواع واقسام کے عذاب تجھ پر ہوں گے۔‘‘

یہ سرزنش بجائے دوا و معجون و شربت کے ہے۔جب یہ بھی فائدہ نہ کرے اور پھر اُس صفتِ رذیلہ کا مرتکب ہو جو ضد اُس رذیلہ کی ہے مثلاً اپنے میں صفت بخل کی پائے اور کسی طرح اُس کا علاج نہ ہوتو اپنے مال کو خواہ مخواہ اندازہ سے زیادہ صرف کرے اور مسرف بننے کی کوشش کرے اگر صفتِ جُبن (بزدلی) کو مشاہدہ کرے تو اپنے کو جائے ہولناک میں ڈالے۔مقامِ خوف وخطر سے پرہیز نہ کرے۔اُس کے ساتھ ہی جب صفتِ بخل وجُبن نزدیک بہ زوال ہوتو فوراً اپنے آپ کو روک لے۔تاکہ اسراف یا تہوّر کی صفت کہیں پیدا نہ ہوجائے۔یہ علاج بہ منزلۂ زہر ہے جو بیمار کو دیتے ہیں کبھی اُن اعمالِ نیک کا مرتکب ہونا پڑتا ہے جن کو صاحبانِ اخلاق پسند نہیں کرتے۔لیکن جب کہ علاج بدن میں زہر مباح ہوتا ہے تو یہ عمل بھی معالجۂ نفس میں جائز ہوجاتا ہے۔

مثلاً : دفعِ تکبّر کے لیے ایسے امور بجالانا جو اُس کی شان کے لائق نہ ہوں، مثلاً پانی



باؤلی سے کھینچنا اور طعام بازار سے خرید کر کے گھر میں لانا یا اپنے کو نادان بنانا اور رفعِ رذیلہ عجب و غرور کے لیے جہل پر اقرار کرنا وغیرہ۔اگر اس معالجہ سے بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا تو اُس وقت اپنے نفس کو تکلیفِ ناگوار و ریاضتِ سخت و مشکل سے عذاب دے۔

پس قوّتِ شہویہّ کے اصلاح کے لیے آب و غذا اور آرام و خواب ترک کرے۔الّا یہ کہ جس قدر بقائے حیات کے لیے ضروری ہو۔اسی طرح غضبیہّ میں عمل کرے۔یہ بطور قطع و داغ کے ہے۔

واضح ہو کہ جب صفاتِ رذیلہ مستحکم ہوجائیں اور ان کا دفعیہ انھیں اعمال پر موقوف ہو تو پھر ایسے شخص کو یہ اعمال بجالانا چاہیے۔بشرطیکہ دائرۂ شریعت کے باہر نہ ہو جو عمل کہ شرع میں صراحتاً منع کیا گیا ہے اُس کا مرتکب نہ ہو اور وہ کام نہ کرے جس کا فساد اُس صفتِ رذیلہ سے بھی بڑھ کر ہے۔اسی لیے سالکِ راہِ سعادت کے لیے ایک ایسے اُستادِ حاذق کی ضرورت ہے جو ہر مرض کے علاج سے واقف اور اُس کے اندازے سے باخبر ہو اُن لوگوں پر افسوس ہے، جن کے نفس جانور اور درندوں کے اوصاف اور شیاطین کی خصلتیں گھیرے ہوئے ہیں۔وہ رات دن مثل عورتوں کے بدن کی آراستگی میں، اور مثل چارپایوں کے کھانے اور پینے کی فکر میں ہیں۔مُسلمان اُن کی ایذا و اذیّت سے نالاں اور بندگانِ خدا اُن کے ظلم سے پریشان ہیں۔نہ حرام جانتے ہیں نہ حلال۔نہ اُن کے پاداش و نتیجہ سے ڈرتے ہیں۔اور ایسے لوگوں کو جو اپنے نفس کے معالجۂ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُن پر زبانِ ملامت دراز کرتے ہیں۔انہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔حالانکہ خود بیوقوف ہیں۔

یہ معالجۂ کلّیہ کا بیان تھا۔اب ہر مرض کا تفصیلی علاج بابِ آئندہ میں حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

## چوتھا باب

# اقسامِ اخلاق کی تفصیل ہر ایک کے حصول کی کیفیت

# رذائلِ فاسدہ کی شرح اور ہر ایک کا علاجِ مخصوص

قبل اس کے معلوم ہو چکا ہے کہ قوائے انسانیہ صفات و اخلاق میں جو داخل ہیں وہ چار ہیں:۔

۱ : عاقلہ

۲ : عاملہ

۳: غضبیّہ

۴: شہویّہ

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ قوتِ عاملہ اعمالِ حسنہ بجالانے کے لیے تمام قوتوں پر حکمرانی کرے اور پھر قوتِ عاقلہ کی مطیع ہو جائے، تو اس کو عدالت کہتے ہیں۔

پس تمام قوتیں جب کامل ہوں گی تو عدالت حاصل ہوگی اور جس قدر اُن میں نقص ہوگا اُسی قدر عدالت ناقص رہے گی۔ اسی لیے عدالت ایک ایسی صفت ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہے اور اسی واسطے اکتسابِ عدالت کے لیے مخصوص کیفیت نہیں اور نہ اس کی ضد (جور) کے لیے کوئی علاج مخصوص ہے لیکن اس پر بھی عدالت چونکہ ایک ایسی صفت ہے جو جامعِ جمیع کمال ہے۔ اس لیے اس کا ذکر علیحدہ مقام پر اور باقی امور کا بیان چار مقامات میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔



## پہلا مقام

# قوتِ عاملہ کے متعلقات جنہیں عدالت کہتے ہیں!

# فصل نمبر ا

## شرافت عدالت جس کے عام معنی تمام اُمور میں میانہ روی کے ہیں!

واضح ہو کہ عدالت جامعِ کمالات بلکہ عینِ کمالات ہے۔ اسی طرح اس کی ضد (جور) جامعِ رذائل بلکہ عینِ رذائل۔ یہی ایک ایسی کیفیت ہے جس سے انسان تمام افعال وصفات کی درستی پر قادر ہوتا ہے اور مخالفت ونزاعِ قوائے مختلفۂ انسانیہ کو دور کر کے وسط میں قائم رہتا ہے اور اخلاقِ فاضلہ وصفاتِ کاملہ عدالت ہی پر مرتّب ہوتے ہیں۔

اسی سبب سے افلاطون الٰہی نے کہا ہے کہ صفتِ عدالت کے سبب سے تمام اجزائے نفس روشن ونورانی ہوتے ہیں۔ ایک جُز و دوسرے جُزو سے اکتسابِ ضیاء کرتا ہے۔ دیدۂ نفس کُھل جاتا ہے۔ افعالِ نیک کے بجالانے پر متوجہ ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم کے قرب کا لائق ہوتا ہے۔

عدالت کی صفتِ خاص یہ ہے کہ اس کے سبب سے اُمورِ مختلفہ میں نزاع نہیں ہونے پاتا۔ تمام چیزیں افراط وتفریط سے الگ رہ کر حدِّ وسط پر قائم رہتی ہیں اور یہ حدِّ وسط ایک ہی ہے۔ گویا وحدت کا پرتو لیے ہوئے ہے، برخلاف اس کے نقطہ ہائے مخالف بکثرت اور بے انتہا ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ وحدت کا مرتبہ کثرت سے بہت بلند ہے۔ مختلف آوازیں متناسب ہو کر جب تک ایک خاص اتحاد پیدا نہ کر لیں۔ کوئی نغمہ موزوں اور دلربا نہیں ہوسکتا۔ اعضائے مختلفہ میں تناسب کے ساتھ جب تک جوہر اتحادی پیدا نہ ہوا اُس وقت تک دل کشا صُورت کا ظہور نہیں ہوتا۔

پس یہ وحدت جس قدر مرتبہ کمال میں ہوگی اُسی قدر شرافت کا پایہ بلند ہوگا۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ اشرفِ موجودات واحدِ حقیقی ہے جس کا دامنِ جلال گردِ کثرت اور غبارِ ترکیب سے پاک ہے۔ اُس نے موجودات کو نُورِ وحدت بقدرِ قابلیّت عطا فرمایا ہے۔ ہر صاحبِ وجود پر اُسی وحدت کا پرتو ہے، عالم امکان کی ہر ذات اُس کی وحدانیت کا سایہ ہے اور اُمورِ

مختلفہ میں ہر اتحاد اُس کی یکتائی کے باعث حاصل ہے۔

اے ہر دو جہان محو خود آرائی تو
کس رانبود ملک بہ زیبائی تو
یکتاۓ تو باعثِ جمعیّت ما
جمعیّت ما شاہد یکتائی تو

ہمارے اعتدال پر پرِتو حق تعالیٰ کا نہ ہوتا تو ہم وجود میں نہ آتے۔ اگر طریقۂ اتحاد عناصرِ اربعہ میں نہ ہوتا تو موالیدِ ثلاثہ (یعنی نباتات، جمادات، حیوانات) ان سے پیدا نہ ہوتے۔ اگر اعتدالِ مزاجی آدمی کے جسم کو حاصل نہ ہوتا تو رُوحِ ربّانی ونفسِ پاک اُس کے ساتھ تعلق نہ رکھتا۔ اسی وجہ سے جس کا مزاج اعتدال سے باہر ہو تو اس کا نفس قطعِ تعلق کرتا ہے اور نظرِ تحقیق دیکھ رہی ہے کہ ہر ایک حُسن اعتدال اور وحدت کے ہی ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور بلحاظِ اختلاف مقام اس کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ عناصر میں اس کو اعتدالِ مزاجی کہتے ہیں۔ اعضائے انسانیہ میں حُسن و جمال، حرکات میں ناز وغیرہ، نگاہ میں عشوۂ رُوح افزاء، آواز میں نغمۂ دلربا، گفتار میں فصاحت اور ملکاتِ نفسانیہ میں عدالت۔ غرض ہر جا اُس کا جلوہ اور ہر جگہ اُس کا ایک علیحدہ نام۔ جس مظہر میں ظاہر ہو مطلوب ہے اور جس صورت میں جلوہ گر ہو محبوب جس لباس میں اپنے کو آراستہ کرے نفس اُس کا عاشقِ زار ہے اور جس جگہ سے برآمد ہو رُوح اس کی گرفتار۔ یہ وحدت اگرچہ بالعرض ہو (جیسی کہ ممکنات میں) لیکن پھر بھی یہ ایک ہوا ہے کہ دوست کے پیراہن کی بُو لاتی ہے۔ یہ ایک خاک ہے جس میں محبُوب کے قدم کا نشان موجود ہے۔

مجملش گفتم نہ کردم زان بیان
ورنہ ہم این ہالبسوزد ہم زبان

الغرض امُورِ مختلفہ میں مساوات پیدا کرنا اور افراط وتفریط سے بچ کر حدِّ وسط اور میانہ روی پر باقی رہنا عدالت ہے۔

اس سے واجب ہُوا کہ اخلاق وافعال و تقسیمِ اموال وعطا و بخشش وحکمرانی وسیاست میں عدالت کا لحاظ رکھا جائے، اور عادل وُہ ہے، جو افراط یا تفریط کی طرف میل جائز نہ رکھے۔ افراط و تفریط نہ کرے بلکہ مساوات میں سعی کرے۔ ہر ایک کام کو حدِّ وسط اور افراط وتفریط کا جاننا لازم



ہے مگر نہایت مشکل۔ یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے بلکہ ایک ترازوئے عدل کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے زیادتی ونقصان معلوم کیا جائے۔

پس ہر امر کے حدِّ وسط کو جاننے کے لیے ترازوئے عدل شریعتِ حقّۂ الٰہیہ وطریقۂ سنّتِ نبوّیہ ہے۔ وہ ایک میزانِ عدل ہے جو تمام مراتبِ حکمتِ عملیہ کی متکفّل ہے۔ لہٰذا عادلِ واقعی کو واجب ہے کہ حکیم ہو اور قواعد شریعتِ الٰہیہ کا عالم ہو۔ واضح ہو کہ علمائے اخلاق نے عادل کی تین قسمیں بیان کی ہیں:۔

## ۱۔ عادلِ اکبر:

وہ شریعتِ الٰہیہ ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے صادر فرمائی ہے جو بندوں کے درمیان مساوات کی محافظت کرتی ہے۔

## ۲۔ عادلِ اوسط:

وہ بادشاہِ عادل ہے جو شریعتِ مصطفویؐ کا تابع ہو وُہ خلیفۂ مذہب وجانشینِ شریعت ہے۔

## ۳۔ عادلِ اصغر:

وہ سونا اور چاندی ہے کہ معاملات میں مساوات کی حفاظت کرتی ہے۔ کتابِ الٰہی میں ان تینوں عادل کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اور فرماتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

یعنی: ’’ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدالت پر قائم ہو جائیں اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ جس میں سخت خوف بھی ہے اور لوگوں کے لیے نفع بھی۔‘‘ (سورہ حدید۔ ۲۵)

پس قرآن سے شریعتِ پروردگار مراد ہے۔ میزان سے درہم ودینار کی طرف اشارہ ہے اور لوہے سے شمشیرِ سلطانِ عادل مراد ہے جو آدمیوں کو سیدھے راستہ پر رکھتی ہے۔ تہدید وسختی

سے تمام اُمور میں حفاظت کرتی ہے عادل کی ضد جابر ہے۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں :

ا : جابرِ اعظم وہ ہے جو شریعت کے حکم سے باہر ہو۔ شرع کی متابعت نہ کرے۔ اُس کو کافر کہتے ہیں۔

۲ : جابرِ اوسط وہ ہے کہ اطاعتِ احکامِ بادشاہِ عادل کا منحرف ہو اُس کو باغی و طاغی کہتے ہیں۔

۳: جابر اصغر وہ ہے جو دینار و درہم کے معاملہ میں مساوات کی رعایت نہ کرے۔ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرے اور دُوسروں کو اُس کے حق سے کم دے اُس کو دزد و خائن کہتے ہیں۔

# فصل نمبر ۲

## اقسامِ عدالت و حقوقِ برادرانِ دینی

واضح ہو کہ عدالت تین قسم پر ہے :۔

پہلی عدالت وہ ہے :

جو خالق اور بندوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے، کہ بقدرِ امکان عملِ مساوات کا نام عدالت ہے۔ اب دیکھو کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے مخلوق کو حیات بخشی اور وہ تمام کمالات عطا کیے جن کی ہر ایک جاندار کو ضرورت ہے۔ اپنے خوانِ نعمت سے ہر ایک کی روزی مقرر کی ہے جو کچھ نعمتیں ہر ایک ساعت میں پہنچ رہی ہیں۔ اُن کی تعداد سے زبان عاجز ہے۔ ہر لحظہ جو کچھ عطا ہو رہا ہے اُس کا حصر نہیں ہو سکتا۔ وہ درجاتِ اعلیٰ و سرور و بہجت و عیش و راحت جو علمِ آخرت میں مہیا کیے گئے ہیں۔ ایسے ہیں کہ ان کا مثل و نظیر نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور کسی کے دل میں گزرا۔

پس البتہ ایک حق خداوند عالم کا بندوں پر واجب و ثابت ہے، اور ضرور ہے کہ انسان اس معاملے میں عدالت سے کام لے۔ کیونکہ اگر کسی سے کوئی فیض یا نعمت دُوسرے کو حاصل ہو اور وہ اُس کے عوض میں کوئی عمل بجا نہ لائے۔ تو البتہ ظالم و جابر ٹھہرے گا۔ یہ عوض بھی مختلف ہُوا کرتے



ہیں۔ چنانچہ احسانِ پادشاہی کا عوض دعائے بقائے دولت و شکرِ نعمت و کمر بستگیٔ اطاعت و خدمت ہے۔ لیکن درگاہِ کبریائی حضرتِ آفریدگار کو ہماری اعانت و سعی کی احتیاج نہیں ہے۔ اُس کا عرصۂ جلال ہمارے اعمال و افعال کی ضرورت سے پاک ہے۔

پس بندوں پر اُس کی معرفت کی تحصیل اُس کے پیغمبروں کی اطاعت میں کوشش کرنا اور احکامِ شریعت و آدابِ دین و مذہب کی فرماں برداری کرنا واجب ہے۔ ہر چند کہ یہ توفیق بھی اُس کی نعمت ہے۔ لیکن چونکہ بندہ کو گناہ سے باز رہنے اور اطاعت پر عمل پیرا ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ جب اختیار کو مناسب موقع پر خرچ کرتا ہے تو جورِ مطلق سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اصل قدرت اختیار اُسی کا عطیہّ ہے، بلکہ وجود و حیات اُسی کا فیض ہے۔

دُوسری وہ عدالت کہ:

انسانوں کو آپس میں ایک دُوسرے کے مقابل میں بجالانا واجب ہے۔ مثلاً :

☆ حقوق کا ادا کرنا۔
☆ امانت کا واپس کرنا۔
☆ معاملات و تعظیم و احترامِ بزرگان۔
☆ فریادرسی و دستگیری کرنا۔

اس عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی اپنے حقوق پر راضی ہو اور اپنے پر ایک حد تک ظلم روا نہ رکھے۔ جس قدر استطاعت و امکان ہو، اپنے برادرِ دینی کے حقوق بجا لائے۔ ہر ایک کو اپنا بھائی جانے اور جو مرتبہ کہ اُس کے لائق ہے اُسے بلاتکلّف دے دے اور خدا کی طرف سے جو حق ہر ایک کو عطا ہُوا ہے اُس کو ادا کرے۔

حدیث نبویؐ میں وارد ہے کہ برادرانِ مومن کے حقُوق جو ایک دوسرے پر ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

ا : اگر کسی کے حق میں کسی برادر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو یا کوئی تقصیر صادر ہو تو معاف کرے۔

۲ : اگر غریب ہو تو اُس کی دلداری اور اُس کے ساتھ مہربانی کرے۔

۳: جب دوسرے کے عیب پر واقف ہوتو اُس کو پوشیدہ کرے۔

۴: اگر کوئی لغزش ظاہر ہوتو اُس سے چشم پوشی کرے۔

۵: اگر کوئی عذر کرے تو اُس کا عذر قبول کرے۔

۶: اگر برادر مومن کی کوئی غیبت کرے تو اُس کو منع کرے۔

۷ : جو بات اس کے حق میں بہتر سمجھے اُسے ظاہر کر دے اور پند و نصیحت سے اغماض نہ کرے۔

۸: اُس کی دوستی قائم رکھے اور دوستی کے شرائط بجالائے۔

۹: اُس کے حقوق کو منظور کرے۔

۱۰ : اگر مریض ہوتو اُس کی عیادت کرے۔

۱۱: اُس کے جنازہ میں حاضر ہو۔

۱۲ : جس وقت وہ بُلائے اُس کے یہاں جائے

۱۳ : اگر ہدیہ بھیجے تو قبول کرے۔

۱۴ : اگر وہ کوئی نیکی کرے تو نیکی سے اُس کا عوض کرے۔

۱۵ : اگر اُس کے ذریعہ سے کوئی نعمت حاصل ہوتو اُس کا شکریہ بجالائے۔

۱۶ : اُس کی مددگاری کرے۔

۱۷ : اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔

۱۸ : اُس کی حاجت کو پُورا کرے۔

۱۹ : وہ جو سوال کرے اُس کو رد نہ کرے۔

۲۰ : وہ عطسہ کرے تو تسمیہ کرے۔

۲۱ : بھُولے ہُوئے کو راستہ بتائے۔

۲۲ : اُس کے سلام کا جواب دے

۲۳ : اُس کے ساتھ گفتگوئے نیک سے تکلّم کرے۔

۲۴ : جو نعمت اُس سے ملے اُس کو نیک سمجھے۔



۲۵ : اس کے بخششوں کی تصدیق کرے۔

۲۶ : اس کے ساتھ دوستی کرے اور اُس کے دشمنوں سے پرہیز کرے۔

۲۷ : جب وہ مظلوم ہوتو اُس کی مددگاری کرے اور ظالم ہوتو ظلم سے باز رکھے۔

۲۸ : جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرتا ہُو وہ دُوسروں کے لیے پسند نہ کرے۔

تیسری وہ عدالت ہے :

جو زندوں اور مُردوں کے درمیان ہوتی ہے، مثلاً :

☆ مرے ہُوؤں کا قرض ادا کرے۔

☆ اُن کی وصیّتوں کو بجالائے۔

☆ اُن کو نیکی ودعا سے یاد کرے۔

# فصل نمبر ۳

## ہر شخص کو عدالت اور میانہ روی سے متصّف ہونا چاہیے۔

بیان مذکورالصدر سے معلوم ہُوا کہ ہر شخص کو عدالت و میانہ روی کی صفت سے آراستہ ہونا لازم ہے۔ یہی کمال و سعادت ہے اور دنیا و آخرت میں سوائے وسط پر قائم رہنے کے نجات حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا سعادت کی طلب میں کوشش کیجئے کہ آپ کو تمام کمالات حاصل ہوں اور تمام اُمورِ مختلفہ میں وسط اور میانہ روی کو اپنا شعار قرار دیجیے، اور پہلے علم و عمل میں متوسط رہنے کی کوشش کیجیے۔ بقدر استطاعت و امکان ان ہر دو کو جمع کیجئے۔ کسی ایک پر اکتفا نہ کیجئے جو شخص ایک پر اکتفا کرتا ہے۔ وہ پیغمبروں کی پشت توڑنے والا ہے۔ جیسا کہ سابق کی حدیث میں گزرا۔

واضح ہو کہ علم بغیر عمل کے بے فائدہ اور خرابی کا سبب ہے۔ جاہل کی ستّر لغزشوں سے چشم پوشی کی جائے گی قبل اس کے کہ عالم کی ایک لغزش سے درگزر کریں۔ اسی طرح بے علم کا عمل بھی تکلیفِ بے فائدہ ہے کیونکہ عمل وُہ ہے کہ علم و معرفت سے صادر ہو اور ظاہر و باطن میں عمل کے متوسط رہنا چاہیے نہ یہ کہ اپنے کو ظاہراً پاکیزہ بنائے۔ عبادت و اطاعت سے آراستہ کرے اور طرح طرح کی خباثت سے باطن بھرا ہُوا ہو۔ اُس بوڑھی عورت کے مانند نہ بنے جو باوجود بدصُورتی و بدنمائی کے اپنے کو خواہ لباسِ عروسانِ حُوروش سے زینت دیتی ہے اور طرح طرح کے لباس سے آراستہ ہوتی ہے، اور نہ یہی رنگ ہو کہ باطن کو نیک کرنے میں کوشش کرے اور ایک دم ظاہر سے غافل ہو جائے۔ ذرا بھی کثافاتِ ظاہریہّ سے اپنے کو نہ بچائے اور اس دُرِ شہوار کے مانند ہو جائے جو طرح طرح کی نجاستوں میں آلُودہ ہو۔ بلکہ ظاہر کا آئینہ ہونا چاہیے اور باطن تمام خباثت و کثافت سے پاک۔

غرض تمام صفاتِ باطنیہ و افعالِ ظاہریہّ متوسط درجہ پر یعنی افراط و تفریط کے درمیان ہونی چاہئیں۔ علوم باطنیۂ عقلیہ اور علومِ ظاہریۂ شرعیہّ میں حدّ وسط کا لحاظ رکھے۔ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو ظاہرِ آیات و اخبار پر اقتصار کرتے ہیں۔ ترجمۂ احادیث و آثار پر قائم رہتے ہیں۔ اور حقیقتِ قرآن و سنّت سے بے خبر ہیں۔ وہ محض تقلید کے بندے ہیں مذمت، علماء میں اُن کی زبان دراز



ہے۔ اور ایک دُوسرے کے ساتھ لعن وطعن میں ہم آواز۔ کبھی اُن کو الحاد و کُفر سے نامزد کرتے ہیں۔ کبھی اُن کو زندیق و تارکِ شریعت کہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اُن کے کلام پر غور کریں، اُن کے مطلب کو سمجھیں۔ اُن کے طریقوں سے آگاہ ہوں۔ اور اُن کے اعقائد کی تفتیش کریں۔

ہاں اُن لوگوں میں سے بھی نہ بن جائے جو اپنی عُمر علومِ عقلیہّ میں فضول صرف کر کے یونانیوں کو راضی رکھتے ہیں۔ اپنی عقلِ کوتاہ کو ہر چیز میں دلیل و رہبر جانتے ہیں۔ جو کچھ اُن کی عقلِ ناقص میں نہ آئے، اُسے پسِ پُشت پھینکتے ہیں۔ تاویلاتِ بے جا سے کام لیتے ہیں۔ آیات و اخبار کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ احکامِ شریعتِ نبویہّ کو چھوڑتے ہیں۔ آیات و اخبار کی پیروی سے دُور ہیں۔ علمائے شریعت کی مذمّت و بدگوئی کرتے ہیں۔ اُن کو بے فہمی و نادانی سے نسبت دیتے ہیں۔ انبیا کے ورثا کو جاہل و نادان گنتے ہیں اور بایں نادانی اپنے عقل بغیر رہنمائی شرع کے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔

پس اگر آپ جامعِ عقلیات و نقلیات ہونا چاہتے ہیں۔ تو وہ ہر دو کے وسط اور میانہ روی کو اختیار کیجئے۔ عقلیات میں صرف تعصّب و تقلید سے کسی ایک طریقہ کی پیروی نہ کی جائے

نہ متکلّمِ محض بننا چاہیے کہ وہ بغیر بحث وجدال کے اور کسی چیز کو نہ پہچانتا۔ نہ مشائی محض ہونا چاہیے کہ دین اور شریعت اس کے نزدیک بے کار ہے۔۔ نہ صُوفی بننا زیبا ہے کشف و مشاہدہ کے دعوے بے ثبوت کی بناء پر تمام علُوم سے ہاتھ اُٹھا لیا جائے،

بلکہ چاہیے کہ تمام مراتب کو جمع کر کے سب کی حدِّ وسط کو اختیار کرے لہٰذا طالب علم پر لازم ہے کہ ابتداء میں صاحبِ شرع و دین کو اپنا رہبر بنائے اور اپنی عقل کو اُس کے نقشِ قدم پر لگائے۔ استدلال کے عصا کو ہاتھ میں لے۔ نفس کو عبادت و طاعت و مجاہدہ و ریاضت سے تصفیہ کر کے قابلِ قبولِ صورِ علمّیہ بنائے۔

اب یہ استدلالِ واقعیہّ جس طرف لے جائیں وہی طریقہ اختیار کرے خواہ موافقِ طریقۂ حکماء و متکلّمین کے ہو خواہ مطابق قاعدۂ مشائین یا اشتراقیّن۔ خواہ اقوالِ عرفا کے موافق ہو خواہ متصّوفین کے مطابق۔

اسی طرح علُومِ شریعت میں محض تقلید کی بناء پر کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے، نہ اُن اخبار پین میں سے ہو جو قواعدِ اصُولییّن میں سے ہو کہ احکامِ شریعت کے اخذ کرنے میں قواعِدِ اہلِ خلاف کا

کام میں لاتے ہیں، اپنی رائے وگمان کو حجّتِ قاطع سمجھتے ہیں۔ ترجیحِ احکام میں گمان پر اعتبار کرتے ہیں۔ قیاساتِ عامہ سے متمسّک ہوتے ہیں۔ بلکہ تمام طریقوں کو جمع کرے اور عقلِ صریح و نقلِ صحیح جس طرح کھینچے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ دُنیا اور خرت کا کام پورا ہوا اور سعادتِ ابدیہّ حاصل ہو۔

# فصل نمبر ۴

## جو شخص عادل و میانہ رو نہ ہو وہ دوسروں کی اصلاح کی قابلیت نہیں رکھتا۔

جاننا چاہیے کہ حقیقتِ عدالت اور اُس کا لازمہ یہی ہے کہ عقل جو خلیفۂ خدا ہے تمام قوتوں پر غالب ہوتا کہ ہر قوت کا فعل حالتِ اعتدال میں رہے اور مملکتِ انسانی کا انتظام خراب نہ ہو۔

پس ہر انسان پر واجب ہے کہ کوشش اور مجاہدہ کرے کہ عقل جو خدا کی طرف سے حاکم عادل و خلیفہ ہے تمام قوتوں پر حاوی ہو۔ اُن کے اختلاف کو دُور کرے۔ خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دے اور سب کو راہِ راست پر قائم رکھے۔

جب کسی نے اپنی قویٰ وصفات کو درست نہ کیا اور اپنی مملکتِ بدن میں عدالت کو قائم نہ کیا تو دُوسروں کی اصلاح کی اور دُوسروں پر اجرائے حکمِ عدالت کی، نیز اپنی منزل درستی کی قابلیّت نہیں رکھتا۔ نہ وُہ لائق سیاست وشہریاری ہے نہ سروریٔ مملکت آرائی کا سزاوار ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی اصلاح سے عاجز ہو۔ کیونکہ دُوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ جو چراغ اپنے قریب کو روشن نہ کرے اُس کی روشنی دور تک کیوں کر جا سکتی ہے۔ اسی سبب سے عُمدہ ترین اقسامِ عدالت و افضل ترین انواعِ سیاست پادشاہ کی عدالت ہے۔ بلکہ ہر عدالت اُسی کی عدالت سے نسبت رکھتی ہے۔ خیر و نیکی اس کی خیریت سے وابستہ ہے۔ اگر بادشاہ کی عدالت نہ ہو تو کوئی شخص بھی احکامِ عدالت کا اجراء نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ تحصیلِ معارف اور کسبِ علوم وتہذیب اخلاق وتدبیرِ خانہ داری وتربیّتِ عیال وفراغتِ اولاد واطمینانِ خاطر وانتظامِ احوال اسی پر موقوف ہے۔

بادشاہ کے ظلم وجور سے رعیّت پریشان اور غمگین ونالاں رہتی ہے۔ ہر طرف فتنہ برپا رہتا ہے۔ ہر جگہ تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ دل مُردہ اور افسردہ ہوتے ہیں۔ ہر گوشہ سے موانع پیدا ہوتے



ہیں۔ طالبِ کمال اور سعادت صحرا و بیابان میں حیران وسرگرداں اور صاحبانِ علوم و دانش گمنام و پنہاں رہتے ہیں۔

تحصیلِ سعادت میں خاطر جمعی اور انتظامِ معاش جو انسان کی زندگی کے لیے ضروری ہے بہم نہیں ہو سکتا۔ تمام مقاصدِ تحصیلِ کمالات وحصول مراتب سعادت وکسبِ معارف وعلوم وکلمۂ دین کا اجراء احکامِ شریعتِ سید المرسلینؐ کی ترویج یہ تمام امور بادشاہ کی عدالت سے وابستہ ہیں۔

اسی وجہ سے اخبار میں وارد ہے کہ ہر ایک عبادت کے ثواب میں جو رعیّت سے صادر ہو بادشاہِ عادل شریک ہے اور ایسی طرح ہر ایک گناہ میں جو رعایا سے سرزد ہو بادشاہِ ظالم حصہّ دار ہے۔

سیدِّ انبیاؐ سے مروی ہے کہ :

''قیامت میں خدا کے نزدیک مقرّب ترینِ مردم بادشاہِ عادل ہے اور خدا کی رحمت سے بادشاہِ ظالم بُہت دُور ہے۔''

پھر اُسی بزرگوار سے مروی ہے کہ:

عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ۔

یعنی : ''ستّر سال کی عبادت سے ایک ساعت کی عدالت بہتر ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساعت کے عدل کا اثر تمام مملکت پر ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر میری دعا مستجاب ہوتی تو بادشاہ کے نیک ہونے کی دُعا کرتا تاکہ دعا کا نفع عام ہو۔ اس کا فائدہ تمام اشخاص کو ملے۔ یہ بھی آیا کہ پادشاہِ عادل کا بدن قبر میں خراب نہیں ہوتا۔

یہ بیان عدالت کے عام معنی کا لحاظ کرتے ہوئے کیا گیا۔ لیکن عدالت بمعنی خاص جو ظلم کی ضد ہے اور سلاطین وحکاّم کے ذکر میں وہی عدالت ملحوظ ہوتی ہے اُس کا بیان مقامِ چہارم میں ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔

دُوسرا مقام

# اُن اخلاقِ ذمیمہ کے مُعالجہ میں جو قُوّتِ عاقلہ سے متعلق ہیں!

آپ معلُوم کر چکے ہیں کہ جتنے رذائل ہیں وہ افراط وتفریط سے تعلق رکھتے ہیں اور ان دونوں پہلوؤں کے ماتحت بہت سی قسمیں ہیں۔لیکن ہم اوّلاً انھیں دونوں پہلوؤں کو معہ اُن کی ضد (حدِّ وسط) کے بیان کریں گے۔ پھراُن کے اقسام کا ذکر ہوگا۔اس مقام پر دو مطلب ہیں:

## پہلا مطلب

### جربزہ جہل بسیط کا مُعالجہ اوراُن کے ضد کی تحصیل

رذائل قوّۃ، عاقلہ میں سے وہ جنس جس کا تعلّق حدِّ افراط سے ہے۔اس کا پہلا نام جربزہ ہے۔یعنی حدِّ اعتدال سے زیادہ فکر کرنا۔ یہ صفت بدذہن کوایک حالت پر قائم رہنے نہیں دیتی۔ بلکہ ذہن ہمیشہ شبہات میں گرفتار رہتا ہے۔امُورِ دقیقہ کے استخراج میں غیرِ مطابقِ واقعہ عمل کرتا ہے۔ حد سے زیادہ متجاوز ہوتا ہے۔حق پر برقرار نہیں رہتا اور بسا اوقات مسائلِ عقلیہ وعلومِ الٰہیہ میں دینِ حق سے برگشتہ ہوکر کفروفسادِ عقیدہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بلکہ سوفسطائیوں کی طرح تمام اشیاء کے انکار کی جرأت کرتا ہے اورعلومِ شرعیہّ اور مسائل ،عملیہ میں وسواس کا نشانہ بنتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اوّلاً انسان معلوم کرے کہ یہ صفتِ بد انسان کو مراتبِ علم وعمل اور بعض معارف سے محروم رکھتی ہے۔ اور انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس کے بعد اُن علماء کے استدلالات کی طرف متوجہ ہو جو استقامت سلیقہ ورسائی ذہن میں مشہور ومعروف تھے۔ انھیں کے دلائل کہ پابندی لازم کرلے اور سمجھ لے کہ ان عقلائے زمانہ کے خلاف شکوک پیدا کرنا اپنے ہی ذہن کی کجی ہے۔ پس اپنے نفس کو جبراً اُن کے طریقہ پر رکھے یہاں تک کہ قیام واطمینان کی عادت ہو۔



## دُوسرا مطلب

### جہل بسیط۔ یہ صفت قوّتِ عاقلہ کی تفریط (کمی) سے تعلق رکھتی ہے۔

جہل بسیط کے معنی یہ ہیں، کہ نفسِ انسان علم سے خالی اور جہل سے متصّف ہو۔مگر شرط یہ ہے کہ باوجُود نادانی و جہالت علم کا مدعی نہ ہو، ورنہ جہلِ مرکّب ہو جائے گا۔یعنی اپنی نادانی پر مطلع ہو۔شروع میں یہ صفت مذموم نہیں ہے بلکہ بہتر ہے ۔ کیونکہ آدمی جب تک اپنے جہل کو معلوم نہ کرے۔تحصیلِ علم نہیں کرسکتا۔لیکن اُس مقام پر باقی اور جہل پر قائم وثابت رہنا رذائل عظیمہ سے ہے جس کا رفع کرنا لازم اور باقی رکھنا ہلاکت ہے۔

اُس صفت کے زائل کرنے میں کوشش اور خرابیِ جہل پر بحکمِ عقل غور کرنا چاہیے کہ فی الحقیقت جاہل انسان انسان ہی نہیں۔ وہ صرف انسانوں سے مشابہتِ ظاہری رکھتا ہے ۔ کیونکہ انسان جسم، غضب، شہوت ، بصر، سمع اور صورت میں حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔صرف علم و دانش سے اسے حیوانات پر فضیلت حاصل ہے۔اب اگر یہی چیز اُس کے پاس نہ ہو تو اُسے سیدھے قامت کا حیوان کہیں گے اور بس۔جہل ونادانی کی مذمّت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔

چنانچہ بعض احادیث میں فرمایا ہے کہ:

جاہل ونادان جہنّم میں داخل ہوگا۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ:

چھ گروہ بسبب چھ چیز کے بے حساب داخلِ جہنّم ہوں گے۔مجملہ اُن کے وہ لوگ جو جنگل میں بیٹھتے ہیں اوراُن قریوں میں رہتے ہیں، جہاں اہلِ علم نہیں ہیں۔ بہ سبب جہل ونادانی کے دوزخ میں جائیں گے۔

# فصل نمبر ا

## شرافت علم وعلماء

ہر دو جنس مذکور الصدر یعنی جربزہ اور جہلِ بسیط کی ضد یعنی حدِّ اعتدال قوّتِ عاقلہ کا نام

حکمت ہے اور علمِ حقائقِ اشیاء کو حکمت کہتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ صفتِ علم افضلِ اوصافِ کمال و اشرفِ نعمتِ جمالِ نفسِ انسانی ہے۔ بلکہ صفاتِ ربوبیّت سے بالاتر ہے۔ علم کے ذریعہ سے انسان کو قربِ خداوندِ عالم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے ملائکۂ مقرّبین میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے انسان کی حیاتِ ابدی و سعادتِ سرمدی وابستہ ہے۔ بغیر معرفت و علم کے محرمِ حرمِ اُنسِ پروردگارِ عالم نہیں ہوسکتا۔ بساطِ قربِ حضرتِ آفریدگار پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ حکمتِ حقہّ میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ علم و تجرّد ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں۔ نفس میں صفتِ علم جس قدر زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر تجرّد کیا گیا ہے۔ کیونکہ تجرّد بہت بلند مرتبہ ہے۔ جو انسان کے لیے تصوّر کیا گیا ہے کیونکہ تجرّد کے ذریعہ سے انسان اہلِ عالمِ ملکوت و سکّانِ قدسِ جبروت سے موافقت کرتا ہے۔ منجملۂ علوم۔ معرفتِ خداوند عال ہے اور یہی معرفت سببِ ایجادِ عالمِ علوی و سفلی ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے:

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ أُعْرَفَ۔

یعنی : ''میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس مخلوقات کو خلق کیا تا کہ مجھ کو پہچانیں۔''

علاوہ اس کے خود علم فی نفسہ لذیذ و محبوب ہے۔ جو لذّت اہلِ علم کو حاصل ہے ہرگز جاہل کو میسّر نہیں۔ مسائلِ علمیہ میں سے کسی مسئلہ کے سمجھنے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز لذّتِ جسمانیہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ دنیا میں علم کے فائدے ظاہر ہیں۔ اہلِ علم اخیار و اشرار کے نزدیک قابلِ عزت و اعتبار ہیں۔ سلاطین کی گردنیں علماء کے سامنے خم ہیں۔ حکیمِ مطلق جلّ شانہ، نے اپنی حکمتِ کاملہ سے خاص و عام کی طبیعت کو اہلِ علم کی تعظیم و اطاعت اور فرماں برداری پر پیدا کیا ہے بلکہ تمام حیوانات اور درندے ان انسانوں کے مطیع و مسخّر ہیں۔ جو قوائے ادراک و تمیز سے مخصوص کیے گئے ہیں۔ اگر بنظرِ تحقیق غور کرے تو معلوم ہوگا جو شخص دُوسرے پر بزرگی و زیادتی جاہ و منصب و مال اور دولت میں تفوّق رکھتا ہے وہ زیادتیِ ادراک و تمیز کی ہی وجہ سے ہے اگرچہ مکر و حیلہ و شیطنّیت سے ہو۔ علم کی شرافت و فضیلت میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔ بمناسبتِ مقام اُن میں سے کسی قدر ذکر کیے جاتے ہیں۔



پروردگار جلّ شانہ، فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ

یعنی : ''تمام بندگانِ خدا میں سے علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔'' (سورہ فاطر۔۲۸)

پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ

یعنی : ''جو کوئی عالم ہے اور جو عالم نہیں ہے۔ یہ دونوں مرتبہ میں مساوی نہیں ہو سکتے۔'' (سورہ زمر۔۹)

پھر فرماتا ہے

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

یعنی یہ مثالیں ہم توتوکُل آدمیوں کے لیے بیان کرتے ہیں اُن کو سوائے عالم کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔'' (سورہ عنکبوت)

پھر ارشاد ہُوا:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ

یعنی : ''جس کو حکمت دی گئی اسے بہت کچھ خیر و برکت عطا کی گئی۔'' (سورہ بقرہ۲۶۹)

حضرت رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ:

''علماء ورثۂ انبیاء ہیں۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ

''خداوندا! میرے خلفاء پر رحمت کر۔''

بعض نے عرض کیا کہ:

''یا رسُول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟''

فرمایا:

''وہ لوگ ہیں جو بعد میرے آئیں، میری حدیث وآداب کو روایت کریں اور دُوسروں کو پہنچائیں۔''

نیز انھیں حضرت رسُول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا:

''ابا ذر ایک ساعت اُس مجلس میں بیٹھنا جس میں گفتگوئے علم ہوتی ہو۔ خدا کے نزدیک بیداریٔ ہزار شب سے جس میں ہر رات ہزار رکعت نماز پڑھی گئی ہو۔ نیز راہِ خدا سے ہزار وقت جہاد کرنے سے اور بارہ ہزار ختمِ قرآن سے، اور اس عبادتِ یکسالہ سے کہ جس میں ہر روز روزہ رکھا گیا ہو اور ہر رات کو شب بیداری کی گئی ہو بہتر و محبوب تر ہے۔''

جو کوئی کسی مسئلہ کی دریافت میں گھر سے باہر نکلے تو ہر قدم پر خداوند عالم ثوابِ پیغمبرؐ اور ثوابِ ہزار شہید کا شہدائے جنگ میں سے لکھتا ہے جو ایک حرف عالم سے سُنے یا لکھے ایک شہر بہشت میں اس کو عطا فرماتا ہے۔ طالب علم کو خدا دوست رکھتا ہے۔ اُس کو ملائکہ وپیغمبراں دوست رکھتے ہیں۔ علم اہلِ سعادت کا محبوب ہے۔ طالبانِ علم کس قدر خوش نصیب ہیں۔ جو کوئی عالم کو دوست رکھتا ہے۔ بہشت اس پر واجب ہے۔ اُس کی زندگی خوشنودیٔ خدا میں گزرتی ہے۔ وہ دنیا سے نہیں جاتا۔ جب تک کہ شراب، کوثر نہ چکھے۔ اس کے بدن کو قبر میں کیڑے نہیں کھاتے۔ وہ بہشت میں خضر کا رفیق ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرمایا:

''اگر مومن مرجائے اور اُس سے کوئی ورق جس میں مسئلہ علمیہّ لِکھّا ہو باقی رہے تو وہ ورق اُس کے اور آتشِ جہنّم کے درمیان حجاب ہوگا۔ ہر حرف کے عوض میں جو اُس پر لکھا ہو، خداوند عالم ایک شہر عطا کرے گا وہ دُنیا سے سات حصّہ بڑا ہوگا''

حضرت سیدّ السّاجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''اگر تم آدمی طالبِ علم کے فوائد سے واقف ہوتے تو ہر آئینہ طلبِ علم کرتے اگر چہ اُن کے خون اور بدن ضائع ہوتے۔''

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرمایا:

''اگر آدمی فضیلتِ معرفت خدا کو جانتا تو متاع ونعمت دنیا پر ہرگز نظر نہ کرتا۔ تمام دنیا اس کے آگے حقیر ہوتی۔ وہ معرفتِ الٰہی میں وہی لُطف حاصل کرتا گویا کہ وہ اولیاء اللہ کے ساتھ بہشت میں جاگزیں ہے۔''



حقیقتاً معرفتِ خدا ہر وحشت میں انیس ہے۔ ہر تنہائی کی رفیق ہے۔ ہر اندھیرے کا نور ہے۔ ہر ضیعف کی قوّت اور ہر دوا کی شفا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔ وہ حضرت اپنے پدرِ بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا واجب ہے۔ پس علم کو طلب کرو اُس جگہ سے جہاں شبہ حاصل کرنے کا ہو حقیقتاً عنداللہ علم کا حاصل کرنا نیک ہے۔ اُس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ مذاکرۂ تسبیح پروردگار ہے۔ اُس پر عمل کرنا راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ جو کوئی نہ جانتا ہو اُس کو یاد دلانا تصدیق ہے۔ علم کا اہل علم تک پہنچانا تقرّبِ خدا ہے۔ کیونکہ علم سے ہی مسائلِ حلال پہچانے جاتے ہیں۔ اُس سے بہشت کا راستہ ظاہر اور روشن ہوتا ہے۔ علمِ ہر حالت میں رہنما ہے۔ ہر دشمن کے مقابلہ میں سلاح ہے۔ دوستوں کے نزدیک زینت ہے۔ بوجۂ علم خدا کا مرتبۂ قوم کو بلند کرتا ہے۔ اُن کی نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ تمام آدمی اُن کی متابعت کریں۔ ان کے افعال واعمال کی پیروی کریں۔ ملائکہ ان کی دوستی ومحبت میں رغبت کرتے ہیں۔ اُن پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً علم سے منزلِ اخیار ومجالس ابرار میں درجاتِ بلند پر پہنچاتا ہے۔ دنیا وآخرت میں ذکرِ علم کا ثواب روزہ کے برابر ہے اور سبق پڑھانا رات کی عبادت کے برابر ہے۔ علم سے اطاعت و عبادتِ پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ انسان علم سے ہی صلۂ رحم بجالاسکتا ہے۔ علم سے ہی حلال وحرام پہچانے جاتے ہیں۔ علم پیشرو امام ہے۔ عمل، علم کا تابع ہے۔ خداوندِ عالم اہل سعادت کو علم کا الہام کرتا ہے۔ اہل شقاوت کو اُس سے محروم نہیں کیا۔

واضح ہو کہ اس مقام پر دو فائدے ہیں۔ جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔

# پہلا فائدہ

## تعلّم وتعلیم کے آداب شرائط

جاننا چاہیے کہ تعلیم وتعلّم کے لیے کئی شرائط وآداب ہیں، اور آدابِ تعلّم میں چند چیزیں ضروری ہیں:۔

## پہلا یہ کہ :

طالب علم پیرویٔ شہواتِ نفسانیہ وخواہشِ جسمانیہ وموافقتِ اہل دنیا اور مصاحبتِ صاحبانِ ہوا وہوس سے پرہیز کرے۔ جیسا کہ چشمِ ظاہر جس وقت نابینا ہو روشنی خورشید سے محروم رہتی ہے۔ ویسا ہی دیدۂ باطن، جب کہ متابعتِ ہوس وہوا ومصاحبتِ اہلِ دُنیا میں مُبتلا ہوا انوار، قدسیہ سے بے نصیب رہتا ہے۔

## دُوسرا یہ کہ :

تعلیم کی غرض صرف یہ ہو کہ انسان تقرّبِ خداوندی حاصل کرے، اور مرتبۂ بہائم سے ترقی کر کے عالمِ انسانیّت میں داخل ہو جائے۔ اُس کا مقصود خودنمائی وجدال یا حصُولِ منصب ومال وافتخار نہ ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ طالبِ علموں کی تین قسمیں ہیں:۔

۱ : پہلی قسم کے لوگ دوسروں کو خفیف واستہزا وجدال کے واسطے طلبِ علم کرتے ہیں۔ یہ طریقۂ جہالت ہے۔

۲ : دُوسری قسم یہ ہے کہ فخر ومکر کرنے کے لیے علم طالب کرتے ہیں۔

۳: تیسری قسم وہ ہے کہ دین میں بصیرت حاصل کرنے اور تکمیلِ عقل اور تحصیلِ یقین کے واسطے علم کے طالب ہوتے ہیں۔

پہلی قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وُہ اپنے برابر والوں سے جھگڑتے ہیں۔ ان کی ایذا و غلبہ کے درپے ہوتے ہیں۔ سرِ مجلس تعرض کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی بزرگی ظاہر ہو اور مجلسوں میں ذکرِ علم وصفتِ حلم اور خضوع وخشوع کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی سر جھکائے ہُوئے آہِ سرد کھینچی جا رہی ہے۔ سر اور ہاتھ سے عجیب عجیب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ چلتے وقت کمر جھکائی جاتی ہے۔ ان کا دل پرہیز گاری سے اور ان کا باطن تقوے سے خالی ہے۔ خداوند عالم ان کو ذلیل خوار کرتا ہے۔ خاک پر اُن کی ناک رگڑواتا ہے۔ اُن کو ضائع وہلاک کرتا ہے۔

دوسری قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ صاحبِ مکر وحیلہ ہوتے ہیں۔ اپنے برابر والوں



سے تکبّر کرتے ہیں۔ توانگرانِ پست مرتبہ سے تواضع وفروتنی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان کے لقمۂ تر کھا کھا کر اُن کے اور اپنے دین کو ضائع کرتے ہیں۔ خدا اُن کے نام کو دفترِ علماء سے مٹاتا ہے۔

تیسری قسم والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ محزون وغمگین رہتے ہیں اور شب بیداری کو اپنا شعار بنا کر جامۂ عبادت پہن کر اندھیری راتوں میں عنداللہ پروردگار کی پوشیدہ عبادت کرتے ہیں۔ اپنی تقصیر سے خائف اور ترساں اور ہمیشہ اپنے اعمال سے مضطرب ولرزاں رہتے ہیں۔ وہ خدا کو پکارتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ اُنکی شنوائی ہوتی ہے۔ یا نہیں اور ہمیشہ اپنے نفس کی اصلاح میں متوجہ رہتے ہیں۔ خداوند عالم ان کے اعضاء وجوارح کو عمل کے لیے مضبوط کرتا ہے ان کو امان و آرائش روزِ قیامت عطا کرتا ہے۔

## تیسرا یہ کہ:

جو کچھ سمجھا اور معلوم کیا اُس پر عمل کرے۔ جو شخص اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ جو کچھ جانتا ہے بھُول جاتا ہے۔ اور جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اُس علم سے جس کو وہ نہیں جانتا ہے خدا اُس کو کرامت فرماتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو اس سے سوائے کفر ودُوریٔ خدا وپیغمبر کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ:

"جس عالم نے اپنے علم پر عمل نہ کیا ہو۔ اُس کی بُو سے اہلِ دوزخ ایذا پاتے ہیں۔"

نیز فرمایا ہے کہ:

"سب سے زیادہ حسرت وپشیمانی اُس شخص کی بڑھی ہوئی ہے۔ جس نے دوسرے کو خدا کی طرف دعوت دی اُس نے اُس دعوت کو قبول کیا اور داخلِ بہشت ہو گیا۔ مگر خود اسی داعی نے اپنے علم پر عمل نہ کیا اور مستوجب دوزخ ہُوا۔"

## چوتھا یہ کہ:

اپنے اُستاد کے حقوق کو پہچانے۔ اُس کا ادب کرے۔ فروتنی وتواضع سے پیش آئے۔ اُس کی کوئی بات رد نہ کرے۔ اُس کو دل سے دوست رکھے۔ اگر اس کی بدی مذکور ہو تو رد کرے۔ اگر رد نہیں کرسکتا تو وہاں سے اُٹھ جائے۔ اس کے حقوق کو فراموش نہ کرے، کیونکہ وہ اُس کا پدرِ معنوی ورُوحانی ہے۔ اُس کے حقوق کو فراموش نہ کرے۔ اُس کے حقوق اصل باپ سے زیادہ ہیں۔ ایسا ہی دوسرے علماء کا ادب اور احترام کرے، خصوصاً جن سے فائدہ اٹھایا ہے یا ان کا علم جس ذریعے سے پہنچا ہے۔ وہ بھی پدرِ بالواسطہ ہیں۔ جب کوئی مطلب فوراً فہمِ ناقص میں نہ آئے تو اُن پر زبانِ اعتراض وطعن نہ کھولے۔ ان کو غلطی سے نسبت نہ دے اگر بعد کوشش کے بھی اُس کا کوئی مطلب اس کی نظر میں صحیح نہ معلوم ہو اور اعتراض کرنا چاہتا ہو تو طریقۂ نیک، اور نرمی سے دریافت کرے۔

## پانچواں یہ کہ :

اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ واوصافِ ذمیمہ سے پاک کرے۔ کیونکہ جب تک کہ لوحِ نفس نقوشِ باطلہ سے پاک نہ ہو نُورِ علوم اُس پر نہیں چمکتا۔ جب تک کہ آئینہ دل صفاتِ رذیلہ کے زنگ سے صاف نہ ہو صورتِ علم اُس میں ظاہر نہیں ہوتی۔

اسی طرح آدابِ تعلیم میں بھی چند اُمور ہیں:۔

## پہلا یہ ہے کہ :

استاد تعلیم میں خوشنودئ خدا کا قصد رکھتا ہو۔ اس کی غرض درس دینے میں حصُولِ مرتبۂ بزرگی وشہرت وخودنمائی نہ ہو۔ یا وظیفۂ سلطان یا دُوسروں کے مال کی طمع نہ رکھتا ہو بلکہ سوائے نظر ثواب کے کوئی دوسری چیز اُس کو منظور نہ ہو۔ کوئی شک نہیں کہ جو کوئی کسی کو تعلیم دے وہ ثواب میں اس کے شریک ہوگا جس کو اُس نے تعلیم دی ہے۔ ایسا ہی بوجہ ایک تعلیم کے ثواب بے انتہا حاصل ہوتا ہے۔



## دوسرا یہ کہ :

شاگرد پر استاد مہربان ہو۔ اس کو نصیحت مثل دوستوں کے کرے سبق دینے میں بقدر اُس کی سمجھ کے اکتفا کرے۔ نرمی وکشادہ روی سے بات کرے، سختی سے پیش نہ آئے

## تیسرا یہ کہ:

جب کسی کو علم کے لائق جانے تو اُس سے مضائقہ نہ کرے۔ سبق دینے میں بدگمانی وبخل سے کام نہ لے اور جب کسی کو کسی مطلب کا قابل نہ جانے تو اُس سے وہ مطلب بیان نہ کرے۔

## چوتھا یہ کہ :

خلافِ واقعہ مطلب طالب علم سے بیان نہ کرے، بلکہ جس مطلب کو نہیں جانتا یا خود کسی مسئلہ میں شبہ رکھتا ہے تو ایسے مقام پر سکوت کرے اور ٹھہر جائے۔ یہاں تک کہ جواب صحیح حاصل ہو۔ یہ جوابِ صحیح طالب علم کے سامنے بیان کرے۔ تعلیم میں یہی شرط اہم ہے۔ کیونکہ اگر شاگرد کے ذہن میں خلافِ واقعہ اُمور نقش کردیے جائیں تو پھر اُسے عادت پڑ جاتی ہے۔ اُس کی طبیعت کجی اختیار کرتی ہے۔ وُہ ترقیاتِ علمیہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

یہ چند شرائطِ تعلیم وتعلّم بطورِ کُلّیہ بیان ہُوئے۔ باقی دُوسرے آداب جزئی احادیث وعلمِ اخلاق میں تلاش کرنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس اس زمانہ میں آدابِ تعلیم وتعلّم دوسرے اوصافِ کمالیہ کے مانند نابُود ہیں۔ اُستاد اور شاگرد دونوں شرائط سے واقف نہیں ہیں۔ اسی نااہلی سے زمانہ خراب ہو رہا ہے۔ ہدایت کی کساد بازاری ہے۔ نہ استاد کی نیّت خالص ہے، نہ شاگرد کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار میں سے ایک کو بھی مرتبۂ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ عمر کا زیادہ حصّہ درس وتدریس میں بسر ہوتا ہے۔ اُس پر بھی جہالت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتا۔

## دُوسرا فائدہ

# علوم کے اقسام جو ممدوح و مذموم ہیں اور جن کا بقدرِ عقائدو ضرورت حاصل کرنا لازم ہے

واضح ہو کہ تمام علُوم سے اگر چہ رُوح کو کمال اور نفس کو جمال حاصل ہوتا ہے۔لیکن بلحاظِ شرافت ووجوبِ تحصیل اُن میں فرق مراتب موجُود ہے۔کیونکہ علُوم دوطرح کے ہیں:۔

## پہلا۔علم دُنیا

یعنی وُہ علوم جن میں دنیا کا فائدہ ہے۔مثلاً علمِ طب و ہندسہ ونجُوم وعروض وموسیقی و ہیئت و حساب۔اِن علُوم سے کوئی خوشی وسعادتِ عقبیٰ حاصل نہیں ہوتی۔اس لئے ان کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے۔ہاں بعض مسائل کی تحصیل میں بعض علوم واجبِ کفائی ہیں

## دُوسرا۔علمِ آخرت

کہ اس کا نتیجہ اصلی حصُولِ سعادت اُخرویہ ہے۔یہ تین علم ہیں۔جن کو علمِ دین کہتے ہیں:

۱: علمِ الٰہی جس سے اصُولِ دین یعنی معرفت مبداء و معاد کا تعلق ہے۔یہ تمام علوم سے اشرف وافضل ہے۔

۲: علمِ اخلاق جس سے تحصیل راہِ سعادت ہوتی ہے اور مہلکاتِ نفسیہّ پہچانے جاتے ہیں۔علمِ الٰہی کے بعد اس علم سے کوئی عِلم افضل واشرف نہیں ہے۔

۳: علمِ فقہ جس سے عبادت ومعاملہ وحلال وحرام وآداب وکیفیت احکام سمجھ میں آتی ہے۔

ان تینوں علموں کا حاصل کرنا واجب و لازم ہے۔ایسا ہی وہ علُوم جن سے تحصیلِ علُومِ



مذکورہ کی استعداد ہوتی ہے۔مثلاً علمِ لغتِ عرب وتفسیر وغیرہ لیکن اِن علوم (لغت وغیرہ) کا وجوب من باب المقدمہ ہے۔

اب رہا علمِ الٰہی یعنی علمِ اصولِ عقائد اس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے۔اور عذرِ جہالت اس مقام پر مسموع نہیں۔لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس علم کے تمام مسائلِ حکمیہّ کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہے۔بلکہ اس کی مقدار واجب جس پر کہ امّتِ مرحومہ کا اجماع ہے یہ ہے کہ انسان اس امر کا یقین کرلے کہ عالم کا پیدا کرنے والا موجُود واجب الوجُود ہے۔الُوہیّت میں اس کا کوئی شریک نہیں وُہ اجزاء ترکیب وجسمیّت وعوارض سے پاک ہے اُس کا وجُود وعین ذات اور اُس کی ذات عینِ صفات ہے۔زمان وزمانیات، مکان ومکانیات پر مقدم اور اُن سے بالاتر ہے۔نہ کسی زمانہ نے اُس پر احاطہ کیا ہے۔نہ کوئی مکان اُس کے لیے ہے نہ دستِ تصرّف زمان وزمانیات اس کے دامنِ کبریائی سے کوتاہ ہے۔وہ زندہ وقدیم وازلی ہے۔اُس کے وجُود کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔وہ ہمشیہ سے ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔ہر چیز پر وُہ قادر اور ہر امر پر توانا ہے۔جو کچھ کرتا ہے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جو کام چاہتا ہے کرتا ہے۔ہر کام اُس کے ارادے ومشیّت سے عدم سے وجُود میں آتا ہے۔قبل اس کے کہ ایجاد کرے تمام اشیاء پر اُس کے علم نے احاطہ کیا ہے۔اُس کا حکم عدل اور اس کا وعدہ سچّا ہے۔اُس کا مثل و مانند کوئی نہیں ہے۔وہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُس کے رسول ہیں۔قرآن اُس کا کلام ہے جو کچھ پیغمبرؐ لائے ہیں۔مثلاً تعیّنِ ائمہ معصومین واحکامِ شریعت ودین وکیفیت نشانی آخرت مثلاً بہشت ودوزخ وثواب وعقاب وحساب وصراط ومیزان ونامۂ اعمال وشفاعت تمام حق وثابت ہیں۔حصُولِ نجات وسعادت کے لیے اسی قدر جاننا کافی ہے۔

اب رہی اس کے صفات کی کیفیّت کہ قدیم ہے یا حادث یا دیگر کیفیاتِ آخرت اُن سے بحث کرنا لازم نہیں بلکہ بعض حدیث میں اُن کی بحث سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسی قدر اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ واجب تعالیٰ شانہ، تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف اور تمام صفاتِ نقائص سے پاک ہے گو اُس کی وجہ کو نہ سمجھیں، اس کی حقیقت کو نہ جانیں، نیز اعتقاد رکھے کہ جو پیغمبر نے فرمایا ہے سچ اور مطابقِ واقعہ ہے گو اُس ارشاد کی تفصیل وحقیقت سمجھ میں نہ آتی ہو، ہر مکلّف پر واجب ہے کہ وہ امورِ مذکور الصدر پر اعتقادِ مضبوط اور اطمینانِ کامل رکھتا ہو۔صرف زبانی تصدیق بغیر اطمینانِ قلب کے آخرت

میں نجات اور وصولِ مراتب سعادتِ حقیقیہ کے لیے کفایت نہیں کرتی۔ ہاں حفاظتِ قتل و مال وحکم طہارت میں اور اُن کے مثل احکامِ دنیویہّ میں کافی ہے، اور نجات آخروی اطمینانِ قلب پر منحصر ہے۔ اگر چہ اس کا اعتقاد و اطمینان دلائل حکمیہّ و براہین کلامیہّ سے نہ ہو۔ کیونکہ اعتقاداتِ مذکورہ کی تصدیق سے زیادہ تکلیف شرعاً ثابت نہیں۔

پس اگر کسی شخص کو صرف اس بات سے اطمینان حاصل ہو جائے کہ تمام انبیاء وحکما وعلماء امرِ خلاف واقعہ پر جمع نہیں ہو سکتے تو اُس کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح یہ اطمینان بعض شخصوں کو ایسے اُمور کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس پر وارد ہوتے ہیں مثلاً قبولیّت دعا و نجات از خطرات وغیرہ اور بعض اشخاص ایسے بھی ہیں کہ اُن کو اُمورِ مذکورہ بالا میں اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن وُہ اُس کے دلائل سے آگاہ نہیں۔ یہ اُن کی فطرت ہے جو خدا نے عطا کی ہے، اور وہ اس پر قائم ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

بلکہ ظاہر ہے کہ انسان کو جہالت کی طرفداری اور ماں باپ کی پیروی فطرت سے علیٰحدہ نہیں کرتی۔ اُس کی فطرت وجود مانع پر حام ہے۔ اگر چہ اس کو کوئی دلیل منظور نہ ہو۔ کیونکہ ہر مخلوق کے لیے خالق کی اور ہر حادث کے لیے مُوجد کی احتیاج ایک فطری امر ہے۔ ہر شخص اُس سے واقف ہے۔ اگر چہ وُہ ابھی صاحبِ تمیز وادراک نہ ہو۔

مثلاً : اگر سیب طفلِ خورد سال کے پاس رکھا ہوا اور اس کو کوئی اٹھا لے تو وُہ سوال کرتا ہے کہ سیب کس نے اٹھایا۔ گویا اُس کی فطرت نے حکم لگا دیا کہ سیب خود بخود غائب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک اٹھانے والے کی ضرورت ہے۔

انسان تو انسان، حیوانات کی جبلّت اسی مطلب پر حاکم ہے۔ مثلاً اگر مکان میں جہاں حیوان ہو کوئی آواز کرے یا کوئی پتھّر پھینکے، تو وُہ حیوان التفات کرتا ہے۔ ہر طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ آواز کرنے والے اور پتھر پھینکنے والے کو دیکھے کیونکہ اُس کی جبلّت حکم کرتی ہے کہ ہر آواز کے لیے ایک آواز کرنے والا اور پتھّر کے لیے ایک پتھّر پھینکنے والا ضروری ہے۔

پس صانع کے اثبات میں ہر شخص کی فطرت کفایت کرتی ہے اور جس وقت انسان ہر فطرت کے ساتھ بعض مقدماتِ عقلیہ بدیہیہّ کو ملا کر گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور اطاعات و عبادات کی حتی الامکان دعات کرتا ہے، تو لشکرِ شیاطین کا ہجوم قلب پر سے ہٹ جاتا ہے اور تمام



اُمورِ شرعیہّ میں اُسے اطمینانی حالت میّسر آجاتی ہے۔ طاعت وعبادات کے قبل اگر اُس کو صرف مظنہّ حاصل تھا تو یہ مظنہّ اب یقین سے بدل جاتا ہے۔ اگر چہ وُہ اُس یقین کے متعلق طریقہً استدلال سے واقف نہ ہو۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت رسُول اللہ صلعم صرف اظہارِ اسلام کو کافی سمجھتے تھے۔ اگر چہ جانتے تھے کہ خوف وبیم یا طمع و امید سے اسلام قبول کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرتؐ کو علم تھا کہ گناہوں کے پرہیز سے اطاعت کی عادت سے رفتہ رفتہ اُن کی فطرت جو ظلمتِ کُفر سے سیاہ ہو چکی ہے، حالت اصلی پر عود کرے گی۔ اُن میں نور اطاعت کا تاثیر کرے گا۔ اُن کو مرتبۂ تصدیقِ قلبی اور اعتقادِ قطعی پر پہنچائے گا۔

لیکن برخلاف اس کے اگر نفس پاک نہ ہو اور عبادات اور اطاعات کی عادت نہ ہو تو صرف دلائل و براہان سے ہرگز اطمینانِ قلب وسکونِ نفس حاصل نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات یہ دلائل و براہان زیادتی شبہہ وشک کا سبب ہو جاتے ہیں۔ محقق طوسی خواجہ نصیر الدّینؒ نے اپنے بعض فوائد میں بیان فرمایا ہے کہ:

''ہر مکلّف پر اس قدر واجب ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تصدیق کرے۔''

جب تصدیقِ رسُول کو ادا کیا تو اُس کے بعد صفاتِ خدا و احوالِ روز جزا و تعیّن ائمہ ہدیٰ سے جو کچھ خبر دی گئی ہے۔ اُن کی اُسی طرح تصدیق کرے جیسکہ قرآنِ مجید میں ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اُس میں کچھ زیادتی کرے یا کسی دُوسری دلیل کا محتاج ہو۔ خدا عالم کے صفات میں اعتقاد رکھے کہ خدا ہی قادر، عالم، مرید متکلّم ہے۔ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے۔ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اسی طرح احوالِ آخرت مثلاً بہشت و دوزخ اور صراط و میزان اور حساب و شفاعت پر ایمان لائے۔ حقیقتِ صفاتِ خدا پر بحث کرنا واجب نہیں، بلکہ اُس کا تصوّر بھی نہ کرے اور دل میں نہ لائے اور اسی حال میں مرجائے تو با ایمان مرا ہے۔ اگر کسی وقت کوئی شبہ وشک اُس کو عارض ہو تو ایسے کلام سے اسے دفع کرے جو اس کی فہم سے قریب ہو۔ اگر چہ کلام صاحبانِ جدل و مناظرہ متکلّمین کے نزدیک ناکافی ہو۔

واضح ہو کہ دلائلِ اجمالیہ یا برہانیہ یا شواہدِ عقلیہ وقرائنِ خارجیہ سے اگرچہ یقین کے بعض مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص نورانیتِ یقین ومعلوماتِ عقائد کا طالب ہو کر نورِ معارفِ ربانیہ وروشنی علومِ حقیقیہ سے اپنا دل روشن کرنا اور یقین کامل کے مرتبہ کو پہنچنا چاہتا ہے۔تو یہ مرتبہ ہرگز دلیل وبرہان وجدال وکلام سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ انسان پرہیزگار بنے۔نفس کو ہوا وہوس سے باز رکھے۔صفاتِ ذمیمہ سے بچائے۔درگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری کرے۔اسی سے امداد کا طالب ہوتا کہ نورِ الٰہی دل میں روشن ہو۔آنکھوں کے آگے سے حجاب اٹھا دیا جائے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرّور اُن کو اپنا راستہ دکھلائیں گے۔''

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ التَّعَلُّمِ اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يَّشَاءُ۔

'' زیادہ سبق پڑھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نور ہے کہ خداوندِ عالم جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔''

واضح ہو کہ بعض مراتبِ یقین کا حاصل کرنا جیسا کہ گزرا دلیل وبرہان سے ممکن ہے اور وصولِ مرتبۂ انکشاف وظہورِ تام مجاہدہ وریاضت وتصفیۂ نفس پر موقوف ہے۔لیکن یقین کے کچھ اور بھی مراتب ہیں جو مرتبہ اوّل سے بالاتر ہیں۔اُن سے بھی دل کو اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے اور اضطرابِ قلبی وتزلزل سے شبہات پیدا نہیں ہوتے، یہ مرتبہ بھی دلائلِ کلامیہ وعقلیہ سے میّسر نہیں ہوتا۔اگرچہ ریاضت ومجاہدۂ کثیر کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم یا دلائل سے عقائد معلوم کرنے کے بعد انسان اطاعت وعبادت میں مشغول ہو۔گناہوں سے پرہیز کرے۔ذکرِ حدیث وآیات کا عادی ہو۔صاحبانِ مذاہبِ فاسد وارباب ہوا وہوس کی صحبت سے دُور رہے۔

بیان مذکورہ الصدر سے معلوم ہُوا کہ کیفیتِ تصدیق وایمان میں آدمی مختلف ہیں۔بعض



کمالِ یقین وظہورِ عقائد میں روشنی خورشید کے مانند ہیں کہ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو اُن کے یقین میں کوئی کمی نہ ہوگی۔بعض ان سے کم درجہ پر ہیں۔لیکن ان کو اطمینان وسکون حاصل ہے۔ان کو کوئی اضطراب اور ان کے دل میں کوئی شبہہ نہیں ہوتا۔بعض دوسرے اس گروہ سے بھی پست ہیں۔لیکن اگر اُن کے دل میں کوئی شُبہ وسببِ اضطراب پیدا ہوتا ہے تو اُس کو دلیل وبرہان سے دفع کر دیتے ہیں یا اُس پر کچھ التفات نہیں کرتے۔بعض صرف تصدیقِ ظنیّ یا تقلیدی پر اکتفا کرتے ہیں اور ہر ایک شبہہ سے متزلزل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایمان کے چند حالات درجات وطبقات ومنازل ہیں۔بعض اُن میں کامل جو انتہائے کمال کو پہنچے ہیں۔بعض ناقص ہیں کہ اُن کا نقصان واضح ہے۔بعض راجح ہیں کہ ان کا رجحان ظاہر ہے۔کوئی شک نہیں کہ یقین کا حاصل کرنا واجب ہے۔صرف تصدیقِ ظنّی کہ مرتبہ آخر ہے۔کافی نہیں ہے۔

معلوم ہُوا کہ ابتدائے تمیز وادراک میں طفل کو عقائدِ مذکورہ کی تعلیم دینا ضروری ہے کہ اُن کو حفظ کرے اور صفحۂ دل پر نقش کر لے۔تھوڑا تھوڑا اُن کے معنی کی تعلیم دے اور سمجھائے۔نشوونما کے سبب سے اس کے دل میں پیدا ہو کر اعتقاد حاصل ہو جاتا ہے۔اگرچہ کوئی دلیل وبرہان اُس کے پاس نہ ہو۔یہ خداوندِ عالم کی مہربانی ہے کہ آدمی کے دل کو ابتداءِ ترقی میں بغیر دلیل وبرہان کے ایمان کی منزل بنا دیتا ہے۔لیکن یہ اعتقاد ابتداء میں ضعف وسُستی سے خالی نہیں۔ممکن ہے کہ شبہات سے زائل ہو جائے۔

پس بچوّں اور عوام کے دل میں اس طرح ان عقائد کو مضبوط کرنا چاہیئے کہ پھر اُن میں سے کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جدل ومناظرہ سے اُس کو تعلیم ومطالعۂ کتبِ کلامیہ وحکمیہ میں مشغول کریں۔بلکہ تاویلاتِ قرآن وتفسیر واحادیث کے پڑھنے اور اُس کے معانی کے سمجھنے میں توجہ دلائیں۔عبادتِ پنجگانہ واطاعت کی عادت کرائیں۔اُس کی وجہ سے روز بروز اُس کا اعتقاد زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔دلائلِ قرآنیہ اور حجتہائے معصومیہ کو سُنتا ہے تو اُس کے ذریعہ سے نیز عبادت سے اُس کے دل پر رفتہ رفتہ ایک نور چمکتا ہے۔صاحبانِ مذہبِ فاسد وصاحبِ رائے باطلہ ومناظرہ وجدال وصاحبانِ شک وشُبہ اور ہوا وہوس واہل دُنیا کی صحبت سے پرہیز لازم ہے۔صالحین وصاحب تقویٰ ویقین کی صحبت میں بٹھائیں تاکہ طفل اُن کے طریقہ ورفتار کو دیکھے۔

واضح ہو کہ ابتداء میں عقائد کی تعلیم دینا زمین سینہ میں مثل تخم بونے کے ہے اور باقی امُور مثل پانی دینے اور پرورش کرنے کے ہیں تا کہ اُسے نشوونما ہو اور قوّت پکڑے اور ایسا درخت بن جائے جس کا میوہ قربِ پرودگارِ احد وسعادتِ ابد ہے۔ جدل وکلام وشبہاتِ باطلۂ متکلّمین کے سننے سے حفاظت کرنا چاہیے، کیونکہ مجادلہ ومناظرہ کا فساد اصلاح سے بُہت زیادہ ہے۔

چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عوام الناس میں سے جو صاحبانِ تقویٰ اور اصلاح ہیں۔ اُن کے اعتقاد پہاڑ کے مانند ہیں جنھیں ہرگز جنبش نہیں ہوتی۔ وہ اہلِ جدل کے شُبہ وشک کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، نہ اُن کے سننے سے کوئی اضطراب انھیں لاحق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اُن کا اعتقاد جو اپنی عمر کو علمِ کلام وحکمت میں صرف کرکے رات دن مجادلہ ومباحثۂ کلامیہ میں بسر کرتے ہیں۔ اُس رسیّ کے مانند ہے جو ہوا میں لٹکی ہوئی ہو اور شب وروز متحرک رہے۔ وہ معمولی امور میں متامّل اور مشتبہ ہوجاتے ہیں اور اگر اُن کا اعتقاد قوی بھی ہے تو اُسی تعلیم کی وجہ سے ہے جو علمِ طفولیت میں حاصل کرچکے ہیں۔ جب اِن عقائد پر طفل کی نشوونما ہو اور وہ جوان ہوکر دنیا میں منہمک اور تحصیل کمال وسعادت سے باز رہ جائے۔ تو اُس نے اگرچہ کوئی ترقی حاصل نہیں کی۔ لیکن اگر وُہ اُن اعتقادات پر مرجائے تو مومن مرا ہے۔ اگر توفیقِ خداوندِ عالم شاملِ حال ہو۔ عبادت و تقویٰ میں مشغول رہے۔ نفس کی ہوا وہوس سے حفاظت کرے۔ مجاہدہ وریاضت کا متحملّ ہو اور قلب کو کدورت سے پاک کرے تو اُس پر ہدایت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ ان عقائد کی حقیقت اس کو معلوم ہوتی ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

''یہ فضلِ خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔''

واضح ہو کہ علمِ اخلاق جس سے کمالات وآفاتِ نفس معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی تحصیل بھی ہر شخص پر بقدرِ استعداد واجبِ عینی ہے۔ کیونکہ اُس کے ترک میں انسان کی ہلاکت ہے اور اُس کی تہذیب میں نجاتِ آخرت۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

''بلکہ غرضِ کلی بعثت نبیؐ کی اس علم کے سیکھنے پر مبنی ہے۔''



چنانچہ فرمایا ہے:

اِنِّيْ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

یعنی : ''مَیں اس لیے مبعوث ہُوا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کو انجام تک پہنچاؤں۔''

پس ہر کسی پر لازم ہے کہ تھوڑا یا بہت وقت عیوب وکمالاتِ نفس کے پہچاننے اور اُن کے طریقۂ مُعالجہ میں صرف کرے۔ کُتبِ اخلاق وحدیث کو دیکھے یا اس کے صاحبِ فن سے سُنے اور طریقۂ معالجہ جو کچھ اخبار وآثار وطریقۂ علماء سے معلوم ہُوا ہو اس کا پابند ہو۔ اُن طریقوں سے دُور رہے جنھیں صاحبانِ بدعت وہوا وہوس نے مقرر کیا ہے۔

اسی طرح علم فقہ بھی ہر شخص کو عبادات ومعاملات کے لیے بقدرِ حاجت اور ضرورت حاصل کرنا واجبِ عینی ہے اور اس سے زیادہ حاصل کرنا واجبِ کفائی ہے۔ تا کہ دوسروں کی احتیاج رفع ہوسکے۔ یہ علمِ فقہ یا تو ماخذ شرعیہّ سے استنباط واجتہاد کی بنا پر حاصل ہوتا ہے یا مجتہدِ حیّ کی تقلید سے اور اگرچہ ان دونوں طریقوں سے مسائل کا علم حاصل ہوتا ہے اور اُس پر عمل کرنے والا مطیع ومتمثل شمار ہوتا ہے۔ لیکن جو نورانیت وتاثیر طریقۂ اجتہاد میں ہے وہ تقلید میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی۔ عملِ مجتہد سے جو تکمیل حاصل ہوتی ہے، وہ کسی طرح مقلدّ نہیں ہوتی۔

اب جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے مسائل کو سمجھے تو اُس کو اوّلاً اپنی صحتِ نفس کا علم کرنا چاہئے۔ شیطان کا فریب نہ کھائے صِرف چند مسائل کے معلوم ہونے پر اپنے کو مجتہد نہ سمجھے اور جو کوئی تقلید سے معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُسے مجتہد کو سمجھنا چاہیے اُس کی صفتِ وعدالت کو جو علمِ اصُول میں ہے معلوم کرے۔

اے بسا ابلیسِ آدم رہی ہست
پس بہر دستے نشاید داد دست

جاننا چاہیے کہ علمِ فقہ اور اُس کے مقدمات مثل لغت وصرف ونحو وغیرہ مقصود بالذّات نہیں ہیں۔ بلکہ اِن سے غرض عبادت وبندگی ہے۔

پس اُن میں مشغول ومنہمک ہوکر اصل مقصد کو فوت کرنا زیبا نہیں۔ بلکہ بقدرِ ضرورت اکتفا کرنا چاہیے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مسائل صرف ونحو ومعافی وبیان میں اپنی عمر صرف کردیتے

ہیں۔ اور مسائلِ شرعیہّ سے بے خبر رہتے ہیں۔ حالانکہ کسی قوم کے طرزِ کلام ۔ ترکیبِ الفاظ اور محسناتِ عبادات کو سمجھنے سے نہ دُنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔

اسی طرح وہ لوگ ہیں کہ اپنی اوقات احتمالاتِ عبارت کے سمجھنے میں صرف کرتے ہیں۔ عمل وعبادت بلکہ استنباطِ مسائل سے باز رہتے ہیں، اور انھیں وجوہات واحتمالات کے متعلق صفحے کے صفحے سیاہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس عبارت کا صحتِ مسئلہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بسا اوقات قواعد فاسدۂ علمائے عامہّ مثل قیاسی واستحسان کے متعلق عبارات کی توجیہات میں وقت برباد ہوتا ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسئلہ کا ماخذ واضح ہے۔ دلیل اس کی روشن ہے۔ ترجیح اس کی ظاہر ہے۔ لیکن ایک دلیلِ ضعیف یا کوئی حدیثِ عامی سامنے آگئی۔ بس اُس کے پیچھے ہو لیے اور عمر کا ایک حصہّ اُسی کی توجیہات میں برباد ہوگیا۔ یا ایسے مسائل کے استخراج میں عمر صرف کی دی جن کی عدمِ احتیاج کا یقین یا ظن قوی ہے۔

پس طالب کمال وسعادت کو چاہیے کہ وہ اِن مہملات سے دُور رہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ بالکل اُس طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ حصُولِ ملکۂ اجتہاد اور فہمِ آیات واحادیث وکلماتِ علمائے ابرار جدّت ذہن پر موقوف ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُن امور میں بقدرِ ضرورت متوجہ ہو۔ اور بعدِ حصُولِ ملکۂ اجتہادوصُولِ مرتبۂ فہم اوّلہ واستنباط اُن امور میں چنداں منہک نہ ہو اور فہمِ احکامِ واجبہ واادائے عبادات سے باز نہ رہے۔ اس لئے کہ اگر صرف تشحیذِ ذہن اور تقویت قوت نظر ہی مقصود ہے تو اُس کی تو کوئی حد نہیں۔ پھر کیا آدمی تمام عمر اُسی میں صرف کرتا رہے گا۔



# دُوسرا مطلب

اُن تمام رذائل کا معالجہ جو قوّتِ عاقلہ کی دونون جنسوں یعنی جربزہ اور جہلِ بسیط سے متعلق ہے۔ اور اُن میں پانچ صفتیں ہیں۔

## پہلی صفت

# جہل مرکب اور اس کا مُعالجہ

## تعریف جہل مرکب

واضح ہو کہ جہلِ مرکّب کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جانے یا خلافِ واقعہ جانے مگر اُس پر دعوٰی کرے کہ مَیں جانتا ہُوں۔ یہ بدترین رذائل ہے۔ اس کا دُور کرنا نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ طالب علموں کا حال دیکھا جاتا ہے۔ جس طرح طبیبِ بدن معالجۂ امراضِ مزمنہ سے عاجز ہے۔ اسی طرح اطبّائے روحانی اس فرض رُوحی کے دور کرنے سے عاجز ہیں۔

اسی لیے حضرت عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ السّلام نے فرمایا کہ مَیں معالجۂ کورِ مادرزاد و برص سے عاجز نہیں ہوں مگر معالجۂ احمق سے عاجز ہُوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو جاہل وناقص نہیں سمجھتا۔ اس لیے تحصیلِ علم کے درپے ہی نہیں ہوتا اور ضلالت وگمراہی میں رہتا ہے۔ اس ہلاک کرنے والی صفت کی علامت اور اُس کی شناخت یہ ہے کہ آدمی اپنے مطالب اور اپنی دلیلوں کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے، جو مستقیم الذّہن اور تعصّب وتقلید سے بَری ہوں۔ اگر یہ لوگ اُس مطلب کو صائب سمجھیں اور غلطی نہ بتلائیں تو یہ آدمی جہلِ مرکّب سے بَری اور دُور ہے۔ اور اگر وُہ غلطی بتلائیں اور یہ خود اُس غلطی کا یقین نہ کرلے تو جان لیجئے کہ مرض میں مبتلا ہے۔

ہاں یہ بھی معلوم رہے کہ صِرف ایک آدھ استدلال سے یہ مرض شناخت نہیں ہوسکتا۔

واضح ہو کہ اس مرض کا سبب طبیعت اور ذہن کی کجی ہُوا کرتی ہے اور اس کا معالجہ بہترین یہ ہے کہ وہ علومِ ریاضی ہندسہ وحساب پڑھے۔ کیونکہ اُن سے ذہن قائم ہوتا ہے یا اگر وہ استدلال

میں خطا کرتا ہو،تو اُس وقت اُسے آمادہ کریں کہ استدلالِ اہلِ تحقیق علماء ومعروفین پر اپنے استدلال کو موازنہ کرے اور قواعد منطقیہ سے اپنے استدلال کو جانچے اور اگر محض وتقلید سے وہ مطلبِ حق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کا علاج یہ ہے کہ اُس سبب کا اِرزالہ کیا جائے ۔جس کا ذکر ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا۔

## دُوسری صفت

# شک وحیرت اور اُس کا مُعالجہ

## تعریفِ شک وحیرت

واضح ہو کہ تحقیق حق وردِّ مطالبِ باطل میں عاجز رہنے کو شک وحیرت کہتے ہیں۔اس کی علامت ظاہر ہے اور غالباً منشاء اس کا تعارضِ اولہ ہُوا کرتا ہے کوئی شک نہیں کہ مطالبِ ایمان میں شک وحیرت کرنا نفس کی ہلاکت وفساد کا باعث ہے۔ بلکہ اخبار سے پایا جاتا ہے کہ دنیا سے بحالتِ شک سفر کرنا کفر ہے۔اس کے زائل کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اوّل غور کرے کہ ان دونوں مطلبوں میں سے لامحالہ ایک صحیح ہے، ایک باطل ۔ یہ ناممکن ہے کہ دونوں صحیح یا دونوں باطل ہوں۔اُس کے بعد دلائلِ مناسب کے ساتھ سعی واجتہاد میں مشغول ہو۔حتیٰ کہ ایک طرف کی حقیقت کا یقین حاصل ہوجائے اور اگر کسی دلیل کے سمجھنے یا اُن کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو تو اطاعت وعبادت وقرأتِ قرآن کی ہمیشہ عادت کرے، تتبع حدیث اور اُس کی سماعت میں اوقات صرف کرے۔صاحب تقویٰ ویقین کا ہم نشین ہو۔ درگاہِ باری میں گریہ وزاری کرے۔جس کی وجہ سے ظلمتِ شک برطرف ومرتبۂ یقین حاصل ہو۔اگر شک اُن مطالب میں ہو جو ایمان سے متعلق نہیں ہیں تو اگر چہ یہ شک سببِ کفر اور اس کا دُور کرنا واجب نہیں ۔لیکن ہر ایک چیز میں کمالِ نفس یقین کے متعلق ہے لہٰذا اُس کے زائل کرنے میں بھی حتی الامکان اگر کوئی مشکل درپیش نہ ہو کوشش کرنا بہتر ہے۔



# فصل نمبر ا

# تعریفِ یقین اور اُس کی شرافت اور علامات ومدارج

ان دوصفات رذائل جہلِ مرکّب وحیرت کے مقابلہ میں یقین ہے۔اور اقلّ مراتب یقین و ہ اعتقادِ جازم ہے جو مطابق واقع ہو۔اگر کوئی اعتقاد مطابق واقع نہ ہو تو وہ یقین نہیں کہلاتا۔اگر چہ وہ خود اُس اعتقاد کو مطابق واقعہ سمجھے بلکہ جہلِ مرکّب کہلائے گا۔

معلوم ہوا کہ یقین حیرت وشک کی ضد ہے۔اس حیثیت سے کہ اس میں جزم واعتقاد شرط ہے اور حیرت وشک میں یہی اعتقاد مفقود ہوتا ہے۔اور اس جزم واعتقاد کے ساتھ جب مطابق واقعہ کی شرط بڑھادی جائے تو یقین جہلِ مرکّب کی ضد ہوجاتا ہے۔

اب اس یقین کی دوحالتیں ہیں:

۱ : یعنی یا تو اُس کا تعلق اجزائے ایمانیہ سے ہوگا مانند وجودِ واجب ومباحثِ نبوّت و امامت ومعاد وغیرہ۔

۲ : یا اس کا تعلق اُن امور سے ہوگا۔جن کو ایمان وعدمِ ایمان سے کوئی تعلق نہیں،مثلاً حقائقِ امور۔

اِن دونوں حالتوں میں علم ویقین نفسِ انسانی کا زیور ہے۔ ہاں مباحثِ الٰہیہ اور مطالبِ دینیہ میں یقین رکھنا تکمیل نفوسِ انسانیہ اور تحصیل سعادتِ اُخرویہ کے لیے نہایت ضروری اور واجب ولازم ہے۔اس کے بغیر نجات ممکن نہیں اور جو شخص اِن امور میں یقین نہیں رکھتا اسے ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ زمرۂ کفّار میں داخل ہے۔ الغرض یقین اشرف فضائل اور افضلِ کمالات میں سے ہے۔ یہ کیمیائے سعادت ہے۔معراجِ کرامت ہے یہ ایک خلعت ہے کہ جس کے جسم پر آراستہ ہوؤہ محرمِ خلوتِ اُنس ہوتا ہے۔ایک تاج ہے کہ جس بندے کے سر پر رکھا گیا۔ وہ حرمِ قدس میں قدم رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے سیدّ رسلؐ فرماتے ہیں کہ:

’’جس کے نصیب میں یقین وصبر عطا کیا گیا ہے اُسکے دن کے روزوں اور راتِ کی عبادت

کے فوت ہونے کا غم نہیں۔''

پھر فرمایا

اَلْیَقِیْنُ اَلْاِیْمَانُ کُلُّہٗ

یعنی : ''یقین تمامی ایمان ہے۔''

نیز انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ:

''کوئی آدمی نہیں جس سے بے حد گناہ سرزد نہ ہوں۔

لیکن جس کی عقل کامل ہے اور یقین محکم واستوار۔ تو اُسے گناہوں کی کثرت نقصان نہیں پہنچاتی، کیونکہ جس وقت وہ گناہ کرتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ پس اُس کے گناہ بخشے جاتے ہیں، اُس کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ اور وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ:

''تھوڑا سا عمل دوام ویقین ہو وہ خدا کے نزدیک اُس عملِ کثیر سے بہتر ہے جس میں یقین نہ ہو۔''

واضح ہو کہ اکثر اوقات شیطان انسان کو فریب دیتا ہے اور اسے باور کراتا ہے کہ وُہ صاحبِ یقین ہے اور یہ مرتبہ عظیم اُسے حاصل ہے۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ پس صاحبِ یقین کی چند علامتیں ہیں۔

جس سے مرتبہ یقین کی شناخت ہوتی ہے:

## پہلی علامت یہ ہے کہ:

اپنے امور میں بغیر پروردگار کے کسی دوسرے کی طرف ملتفت نہ ہو۔ دُوسرے سے مطلب ومقصد نہ رکھے۔ بجز حول وقوت خداوندِ عالم کے ہر حول وقوت سے بیزار رہے۔ بجز قدرتِ آفریدگار کے صاحبِ یقین کی نظر میں ہر قدر بے اعتبار وخوار ہے۔ وہ نہ کوئی کام اپنے سے دیکھتا ہے نہ اپنے یا دوسرے کو کسی امر کا منشا جانتا ہے۔ بلکہ اپنے تمام اُمور اُسی ذاتِ مقدّس سے مستند اور اپنا احوال اُسی کے وجودِ اقدس سے منسُوب سمجھتا ہے۔

نیز وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اس کو ضرور ملے گا۔ فقر۔ ثروت۔



مرض۔ صحت۔ عزّت۔ ذلّت۔ مدح۔ ذم۔ برتری۔ پستی۔ دولت۔ تہی دستی۔ اِن چیزوں میں اُس کی نظر کوئی تفاوت نہیں دیکھتی۔ ع

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

وہ تمام ذرائع سے آنکھ پوشیدہ کر کے اپنے تمام احوال کو اُسی سرچشمۂ فیض وحکیمِ مطابق کے سُپرد کر دیتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

''جس کا یقین سُست اور اعتقاد ضعیف ہو وہی دوسرے اسباب اور وسیلوں سے متوسّل ہوتا ہے۔ رسوم وعادات کی پیروی کرتا ہے۔ اس عاریت سرا میں آرائش وزر کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گو زبان سے اقرار کرتا ہے کہ ہر عطا خدا کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے۔ وہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا۔ لیکن اس کا فعل اس کے قول کے خلاف ہے زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے انکار۔''

نیز انھیں حضرت سے مروی ہے کہ:

''کوئی چیز نہیں جس کے لیے کوئی حد نہ ہو۔''

بعض نے عرض کیا کہ:

''توکلّ کی حد کیا ہے؟''

فرمایا کہ

''یقین۔''

پھر عرض کیا گیا کہ:

''حدِّ یقین کیا ہے؟''

تو ارشاد ہُوا کہ:

''سوائے خدا کے کسی چیز سے نہ ڈرے۔''

## دُوسری علامت یہ ہے کہ:

نہایت ذلّت وانکساری سے رات دن اُس کی اطاعت میں مشغول رہے۔ ظاہر وپوشیدہ از روئے شریعت اُس کی بندگی واطاعت کرے۔ اُس کے تمام نواہی سے پرہیز کرے۔ دل میں

غیر کی یاد نہ آنے دے۔ دل کو اس کی محبت کا خزانہ بنائے۔ کیونکہ صاحبِ یقین اپنے کو حضرتِ حق کے سامنے ہمیشہ حاضر اور اُس کو تمام افعال و اعمال پر مطلع اور ناظر جانتا ہے۔ ہمیشہ عرقِ خجالت و شرمندگی میں غرق رہتا ہے۔ سوائے اس کے جس میں رضائے خدا ہو اور کوئی کام نہیں کرتا۔ اپنے تمام اعمال و افعال پر خداوندِ عالم کا آگاہ ہونا یقین کرتا ہے۔ اپنے کو ہمیشہ مقامِ اطاعت و فرماں برداری میں رکھتا ہے۔ حق سُبحانہ، وتعالیٰ نے جو نعمتیں ظاہریہّ باطنیہّ عطا فرمائی ہیں اُن کا یقین کرتا ہے۔ ہمیشہ اس سے شرمسار اور شکرگزار رہتا ہے۔ جو نعمتیں آئندہ مرنے کے بعد عطا فرمائے گا اُن پر یقین رکھ کر ہمیشہ مقامِ طمع و امیدواری میں رہتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ ہر امر کا اختیار اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اُس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ موافقِ عنایت و مطابق حکمت کے ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیوی میں حوادثِ زمانہ اُس کے حالات کو متغیر نہیں کر سکتے اور مرنے کے بعد جو زحمت و عذاب ہے اس کے خیال سے ہمیشہ ملول غمگین رہے گا۔ دنیائے فانی و متاعِ دنیوی اُس کی نظر میں خوار و بے اعتبار ہوگی، حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

''حضرتِ خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو جس خزانہ کی خبر دی وہ ایک تختی تھی۔ اس میں لکھا ہُوا تھا کہ میں تعجّب کرتا ہوں اس شخص سے جو موت کا یقین رکھتا ہے اور فرحناک ہوتا ہے؟ مَیں تعجبّ کرتا ہوں اس شخص سے جو قضا و قدرِ الٰہی پر یقین رکھتا ہے اور پھر غمناک ہوتا ہے۔ مَیں تعجب کرتا ہُوں اس شخص سے جو بے وفائی دنیا کا یقین رکھتا ہے اور پھر اس کو محبوب بناتا ہے اور اس کی طرف سے مطمئن ہوتا ہے۔''

صاحبِ یقین عظمت و قدرتِ خداوندی سے ہمیشہ دہشت اور اضطراب کنندہ و خائف ہوگا۔ اسی لیے سیّدِ کائنات علیہ افضل التحیّات کا خشوع و خوف اس درجہ تھا کہ جو کوئی حضرت کو رستہ چلتے دیکھتا تو یہ گمان کرتا کہ منھ کے بل گرتے ہیں۔

صاحبانِ یقین اور انبیائے مرسلین و اولیائے کاملین کی حکایاتِ خوف و شوق اور جو تغیّر و تزلزل و اضطراب و پریشانی و خوشی حالتِ نماز میں یا دوسری حالتوں میں اُن پر طاری ہوتی تھی۔ کتبِ تواریخ میں درج ہیں۔

سیّدِ اولیاء کا وقتِ مناجات بے ہوش ہونا اور نماز کے وقت بے خود ہو جانا تمام اہلِ اسلام پر ظاہر ہے۔



واقعی جو شخص خداوندِ متعال اور اس کی عظمت وجلال پر یقین رکھتا ہے اس کو اپنے احوال و اعمال پوشیدہ سے مطلع اور آگاہ جانتا ہے وہ کیوں کر اس کا گناہ کر سکتا ہے۔ اور کیوں کر اُس کو عبادت کے وقت اس کے سامنے کھڑے رہنے میں دہشت و خوف و شرمندگی نہیں ہوتی۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی ایسے صاحب دولت کے سامنے جو تھوڑی سی شوکتِ دینوی رکھتا ہو کھڑا رہے تو اس طرح کی دہشت ہوتی ہے کہ اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور تمام حواس اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

## تیسری علامت یہ ہے کہ:

وہ مستجاب الدّعوات بلکہ صاحبِ کرامات ہوگا۔ کیونکہ جس کا یقین جس قدر زیادہ ہوا اُسی قدر اس کا حصّۂ تجرّد غالب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے تمام کائنات میں قوّتِ تصّرف جو شانِ مجرّدات ہے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بندے کو یقین مرتبۂ بلند و مقامِ ارجمند پر پہنچاتا ہے جیسا کہ رسُولِ خدا نے شانِ یقین سے خبر دی ہے کہ جس وقت حضرت کی خدمت میں ذکر کیا گیا کہ عیسیٰؑ بن مریم پانی پر چلتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا کہ:

''اُن کا یقین اگر اس سے زیادہ ہوتا تو ہوا پر بھی چل سکتے''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا یقین زیادہ ہو، اس کی قدرت کرامات پر زیادہ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یقین جامعِ تمام فضائل اور حاوی تمام خصائلِ نیک کا ہے۔

معلوم ہو کہ اس کے تین درجے ہیں:۔

## پہلا درجہ علم الیقین

یہ پہلا درجہ یقین کا ہے۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ مطابق واقعہ یقین حاصل ہو۔ یہ یقین ترتیبِ مقدمات و استدلال سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

کسی جگہ پر دھواں دیکھ کر آگ کے وجود کا یقین کریں۔

دُوسرا درجہ عین الیقین

وہ یہ کہ چشمِ بصیرت و دیدۂ باطن سے مطلوب کا نظارہ کیا جائے۔ یہ دیدہ باطن چشمِ ظاہر سے بہت زیادہ روشن ہے۔ جو کچھ اس سے مشاہدہ کیا جائے تو پوری طرح دکھائی دیتا ہے۔

سیّدِ اولیا سے دغلبِ یمانی نے پوچھا کہ:

هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ

''کیا آپ نے اپنے پرودگار کو دیکھا؟

فرمایا کہ:

لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَهُ

یعنی : ''مَیں اس خدا کی عبادت نہیں کرتا، جسے میں نے نہیں دیکھا۔''

اس ارشاد سے حضرتؑ کی مراد رؤیتِ قلبی ہے۔ تصفیۂ نفس کی ریاضت سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا تجرّد حاصل ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ:

انسان آگ کو دیکھ کر آگ کے وجُود کا یقین کرے۔

## تیسرا درجہ حق الیقین

اس سے مراد یہ لی گئی ہے کہ درمیان عاقل و معقول وجدتِ مغویہّ اور ربطِ حقیقی حاصل ہو۔ اس طرح کی عاقل اپنی ذات کو سحابِ فیض معقول کا ایک رشحہ سمجھتا ہو۔ ہر گھڑی اُس کی روشنی انوار کو اپنے میں مشاہدہ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ میں داخل ہو کر وجود آتش کا یقین کرے۔

اس درجہ کا حاصل ہونا مجاہدات، ریاضاتِ سخت، ترکِ رسوم و عادت، قطعِ شہوت، اوہام نفسایہ دافکارِ رویہّ شیطانیہ کو دل سے اور کثافتِ عالم کو اپنی طبیعت سے پاک کرنے اور علائق و آرائش دنیائے غدّار کی دوری پر موقوف ہے۔

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرپاست بسی
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنون باشی

بلکہ یقینِ حقیقی نورانی جو ظلمتِ وہم و آمیزشِ شک سے پاک ہو۔ اگرچہ وہ مرتبۂ اوّل میں



ہو۔ صرف فکر و استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ کدورتِ اخلاق ذمیمہ و ریاضت و مجاہدہ سے تصیفئہ نفس کرنا ضروری ہے۔ جب تک آئینہ دل کو زنگ عالم و عادت و غبارِ طبیعت سے صیقل نہ کیا جائے۔ حقائقِ اشیاء کی صورتوں کو قبول نہیں کرسکتا اور قلب جب تک عقل فعال کے مقابل نہ آ جائے۔ اور حجاب و موانع درمیان سے نہ اُٹھ جائیں تو ان صُورتوں کا عکس چمک نہیں سکتا جو عقلِ فعال میں موجُود ہیں۔ اگر زنگِ کدورتِ گناہ اور اخلاق ذمیمہ سے آئینہ نفس سیاہ نہ ہوتا۔ موانع و علائق و عادات اُس کے اور عالمِ انوار کے بیچ میں حائل نہ ہوتے تو ہر ایک نفس موافق فطرت قابل معرفت حقائقِ ملک و ملکوت ہوتا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اس کو تمام مخلوقات سے پسند کیا ہے۔ اس کو اپنی امانت کا محل قرار دیا ہے۔ جس کے برداشت کرنے سے زمین و آسمان نے انکار کیا۔

ے

آسمان بارِ امانت تنوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

چنانچہ سیّد رسلؐ نے اخلاقِ ذمیمہ کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

لَوْ لَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْ مُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِىْ اٰدَمَ لَنَظَرُ وْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔

'' اگر بنی آدم کے قلوب کو لشکرِ شیطان احاطہ نہ کرتا تو وہ ضرور حقائقِ ملکوتِ آسمان و زمین کو مشاہدہ کرتے۔

اور موانع و علائق و عادات کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّ دَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ۔

یعنی : '' ہر شخص فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اس کی فطرت کو متغیّر کرتے ہیں اور وہ اُن کی پیروی سے غیر مستقیم طریقوں پر چل دیتا ہے۔''

واضح ہو کہ:

جس قدر نفس کو تزکیہ و صفا ہو اسی قدر علمِ حقائق و اسرار و درکِ عظمتِ حضرت آفریدگارو

معرفتِ جلال و جمال پروردگار حاصل ہوتی ہے اور اسی قدر اس کو آخرت میں سعادت، بہجت۔ لذّت اور نعمت ملتی ہے۔ جس قدر اس کی معرفت ہوگی، اسی قدر وسعت کا اس کو بہشت عطا کیا جائے گا۔

## تیسری صفت

# شرک اور اُس کے اقسام جن میں تین فصل نمبریں ہیں

## تعریف شرک اور اُس کے اقسام

شرک وہ یہ کہ سوائے خدا کے دوسرے کو بھی مصدرِ امر و منشاءِ اثر جانے۔ یعنی علاوہ پروردگار کے اور بھی کوئی کام نکالتا ہے۔ اسی کو شرک کہتے ہیں اور اس عقیدے کے ساتھ اگر غیر کی بندگی اور عبادت کرے تو اس کو شرکِ عبادت کہتے ہیں اور اگر اس کی عبادت نہ کرے لیکن اُس کی اطاعت اُس چیز میں کرے جس میں خدا کی خوشنودی نہ ہو تو اس کو شرکِ اطاعت کہتے ہیں۔

پہلی صورت کا نام شرکِ جلی ہے۔

اور دوسری حالت کا نام شرکِ خفی۔

اسی شرکِ خفی کی طرف خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

**وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ**

یعنی: ''اِن میں سے بیشتر حصّہ ایسا ہوتا ہے جن کا ایمان شرآلود ہے۔''

کوئی شک نہیں کہ یہ صفت شرک اعظمِ اسباب ہلاک اور دُخولِ عذاب و دردناک و زمرۂ کفّار ہے۔

# فصل نمبر ۱

## اقسامِ توحید اور اُن کے فوائد

صفت شرک کی ضد توحید ہے۔ اُس کے کئی اقسام ہیں:۔



## اوّل: توحیدِ ذاتی

یعنی ذاتِ خدا کو ترکیبِ خارجی و عقلی سے پاک اور اس کی صفات کو عینِ ذات جاننا۔

## دوم: توحیدِ وجودی

یعنی خدا کو واجب الوجود جاننا۔ اور صفتِ وجوب وجود میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ کرنا۔ واضح ہو کہ علم اخلاق میں توحید کی اِن دو قسموں سے بحث نہیں ہوتی۔

## سوم: توحید تاثیر و ایجاد

یعنی سوائے پروردگار کے اور کوئی موثر فی الوجود اور فاعل نہیں ہے۔ توحید کی اسی قسم سے اس مقام پر بحث کی جاتی ہے۔

اس توحید کے چار درجے ہیں۔

## پہلا درجہ: قشرِ قشر

وہ یہ کہ آدمی کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کرتا ہے لیکن اس کے معنی کو نہیں جانتا۔ بلکہ اس کے معنی کا منکر ہے۔ مثلاً توحیدِ منافقین اس سے کوئی فائدہ مرتّب نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ دنیا میں ایسا شخص شمشیر شریعت سے محفوظ رہتا ہے۔

## دوسرا درجہ: قشر

وہ یہ کہ آدمی کلمہ توحید کے معنی پر بھی اعتقادِ قلبی رکھتا ہو۔ اور اُس کلمہ کی تکذیب نہ کرے جیسا کہ اکثر عام مسلمانوں کی زبان پر ہے ایسی توحید اگرچہ صفاءِ قلب و کشادگی سینہ کا باعث نہیں ہوتی۔ لیکن وہ آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ضعفِ اعتقاد کے سبب گناہ گار نہیں ہوتا۔

## تیسرا درجہ: لُبّ

وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ، و تعالیٰ کی طرف سے جو نُور اس پر متجلّی ہوتا ہے۔ اُس نور کے ذریعہ سے معنیِ توحید اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسیا شخص اگرچہ عالم میں بہت سے اشیاء کا

مشاہدہ کرتا ہے۔لیکن سب کو ایک ہی مصدر سے صادر اور ذات حق سے مستند پاتا ہے۔ یہ مرتبہ ومقامِ مقرّبین ہے۔

## چوتھا درجہ :لُبِّ لُبّ

وہ یہ ہے کہ بغیر ایک کے اور کسی کو موجُود نہ دیکھے اور وجود میں کسی کو اُس کا شریک قرار نہ دے۔حتٰی کہ اپنے وجود کی قطعاً نفی کر جائے۔اس درجہ کو اہلِ معرفت فنا فی اللہ اور فنا فی التّوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا شخص اپنے کو فانی جانتا ہے۔ یہ درجہ انتہائے مراتب توحید ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس درجہ کا حاصل ہونا ممکن نہیں، اور باوجُود ملاحظہ آسمان و زمین و تمام مخلوقاتِ متکثرہ صرف ایک ہی کو دیکھنا عقل میں نہیں آتا۔اس لیے جب دل دریائے عظمت و جلالِ واحدِ حق میں مستغرق ہو۔انوارِ جمال وکمال وجود مطلق غالب ہوں شعاعِ روشنیِ نُورِ واجب الوجُود اسے احاطہ کرے۔ محبّت واُنس کی آگ دل میں روشن ہو تو اس کی نظر سے تمام موجُودات غائب ہوتے ہیں۔سوائے اس کے دوسرے کے وجود سے غافل ہو جاتا ہے۔

## اشعار

نگویم درآن کس بجز یارنے
ولی غیر اوکس پدیدار نے
درآن پر تو افگن یکی نور بود
کہ ازغیرِ آن دیدہ ہا کور بود

چنانچہ جب کوئی کسی پادشاہ سے کلام کرتا ہے تو اس کی سطوت کو دیکھ کر محو اور اکثر غیر کے مشاہدے سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور عاشق جو محوِ جمالِ معشوق ہو وہ سوائے اُس کے کسی کو نہیں دیکھتا۔ ایسا ہی ستارے دن میں موجود ہیں۔ ان کا نُور نُورِ خورشید کے مقابل کم اور مدھم ہے۔ اس لیے نظر نہیں آتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص سوائے ایک وجود کے کثرت کا مشاہدہ کرے تو وہ درجۂ توحید میں ناقص ہے، اور نُورِ وجُودِ صَرف اس کے قلب پر تابند نہیں ہُوا۔



# فصل نمبر ۲

## علامات ترقی مراتب توحید

واضح ہو کہ پہلے اور دوسرے مرتبہ توحید سے تیسرے مرتبہ پر پہنچنے کی علامات یہ ہیں کہ آدمی اپنے تمام امور میں خدا پر توکّل کرے۔ اپنے کاموں کو اُس پر چھوڑ دے۔ تمام وسیلوں سے آنکھ بند کر لے۔ کیونکہ جب اس پر روشن ہو گیا کہ بغیر خدا کے اور کوئی منشاء اُمور نہیں۔ وہی ہر وجود کا مبدأ ہے۔ خلق، رزق، عطا، نفع، غنا، فقر، مرض، صحت، ذلّت، عزّت، حیات، موت سب اُسی کی طرف سے ہیں۔ ان تمام اُمور میں وہی جلوہ گر ہے اور اُس کا کوئی شریک کسی چیز میں نہیں ہے۔ اس کے بغیر کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اب ایسے شخص کو خوف اگر ہوگا تو صرف خدا کا ہوگا اور اس کا وثوق اور اعتماد اُسی سے وابستہ رہے گا۔جس کو یہ مرتبہ میّسر نہیں ہوا اس کا دل شرک سے خالی نہیں ہے۔ بوجہ وسوسۂ شیطانیہ کے وسلیۂ ظاہریہ پر ملتفت ہوتا ہے۔ چنانچہ بارش کے ہونے کی اعتماد پر زراعت کرتا ہے۔ ہوائے موافق پر سلامتیِ کشتی کا دارومدار رکھتا ہے۔کواکب کی نحوست وسعادت سے اس کے دل میں امید وہم پیدا ہوتی ہے۔بعض مخلوقات کے قہر ولُطف کو دیکھ کر ان کے قہر سے خوف کرتا ہے، اور ان کے لطف سے امید رکھی جاتی ہے۔لیکن جس پر معرفت کا دروازہ کھُل گیا۔ عالم کے تمام کام اس پر کماحقہّ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آسمان، خورشید، ستارے، اب، بادوباراں، حیوان، انسان تمام مخلوقات اسی بادشاہ لاشریک کی اطاعت میں ہیں۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں مسخر واسیر ہیں۔

اگر زراعت خراب ہو جانے والی ہے تو بارش کیا نفع پہنچائے گی؟ اگر کشتی کا دریا میں غرق ہونا اسے پسند ہے تو ہوا سے موافق کیا کرے گی؟ وہ جس سر کو خاک پر گرائے کون اُس کو اٹھا سکتا ہے؟ اگر وہ تجھ کو سلامتی سے کنارہ پر پہنچانا چاہتا ہے تو ہوائے مخالف بھی مخالفت نہ کرے گی۔ اگر وہ تیرا خرمن آباد کرنا چاہتا ہے تو بغیر بارش کے بھی غلّہ پیدا ہوگا۔

آن کہ اواز آسمان باران دہد
ہم تو اندکوز پر رحمت نان دہد

آدمی کا بعض وسیلوں سے اپنی نجات وعزت وفنا کے لیے ملتفت ومتوسّل ہونا اُس کے مانند ہے جیسے کوئی بادشاہ پہلے مار ڈالنے کا حکم صادر کرے من بعد اس کے قصور کو معاف کر کے برأت نامہ لکھ بھیجے تو وہ مجرم رہا ہونے کے بعد مدح ثناء میں کاغذ یا قلم یا منشی کے زبان کھولے اور کہے کہ:

''اگر یہ نہ ہوتے تو مجھ کو نجات میّسر نہ ہوتی۔''

اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کاغذ پر جو کچھ لکھا گیا قلم سے تھا۔ قلم ہاتھ میں منشی کے تھا اور منشی کو بغیر بادشاہ کے حکم کے برأت نامہ لکھ بھیجنے کا اختیار نہیں ہے۔ تو وہ سوائے بادشاہ کے کسی کا شکر نہ کرے گا بغیر اس کی ثناء کے دُوسرے کی ثناء نہ کرے گا۔ دوسرے کا احسان مند نہ ہوگا اسی طرح تمام مخلوقات، ماہ وخورشید، آسمان، ستارے، بادوباراں، نبات، حیوان یہ سب مثل قلم کے ہیں جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ اور لکھنے والا بادشاہ کا مسخر ومطیع۔

یہ ایک مثال ہے جو بیان کی گئی لیکن اگر غور سے دیکھیے تو کہاں کا قلم کیسا کاتب ہے؟

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

چشمِ حق ہیں اور قلبِ حق شناس کہاں؟ اگر کوئی چیونٹی اس کاغذ پر گزرے جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے اور وہ لکھ رہا ہے، تو یہ غریب اپنی ضعفِ بصارت کے سبب سے اُن حروف کو جو نوکِ قلم سے نکل کر کاغذ پر جلوہ گر ہو رہے ہیں، یہی خیال کرے گی کہ:

''یہ تمام نقوش قلم کی ہی صنعت ہیں۔''

اس کی نگاہِ ضعیف کاتب کے ہاتھ تک نہ پہنچے گی۔ لیکن اس کا یہ خیال کاتب کو معطّل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اُس کی کوتاہ نظری پر دلالت کرتا ہے۔

واضح ہو کہ جس نے مرتبۂ توحید سے ترقی کی ہے، وہ جانتا ہے کہ تمام آثار وافعال خداوندِ متعال کی طرف سے ہیں۔ کوئی دوسرا ان افعال وآثار کا مبدأ نہیں ہو سکتا۔

یہ اُمور جن کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔ حرکات وافعالِ انسانی سے قطعاً الگ ہیں۔

## جبر واختیار

واضح ہو کہ خداوندِ عالم نے انسان کو بھی فی الجملہ اختیار عطا فرمایا ہے جو ایک بدیہی امر ہے اور آیات واخبار واجماع اس پر شاہد ہیں اور اس اختیار میں بہت سے مصالح ہیں اور عطا کرنے والا



اُن مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور انہی اختیارات کے ساتھ خداوندِ عالم نے انسان کو اس عالمِ ابتلا میں بھیجا ہے۔

واضح ہو کہ انسان کے اختیارات کامل نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ مجبوریاں بھی ملی ہوئی ہیں۔ اُمورِ تکلیفیہ میں اور اکتسابِ خیر وشر میں اُس کو اختیار حاصل ہے۔ لیکن موت، حیات، ذلّت، عزت، بیماری صحت، فقر، غنا، یہ ایسے اُمور ہیں جن میں انسان مجبور ہے، ممکن ہے اس حدیثِ مشہور:

لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيْضَ بَلِ الْاَمْرُ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ

کے یہی معنی ہوں۔ یعنی:

''نہ جبر محض ہے نہ تفویضِ مطلق۔ بلکہ ایک ایسی حالت ہے جو دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔''

دوسرے معنی اس حدیث کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ:

''انسان کا وجود حالتِ امکانی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی نہ وجودِ محض ہے نہ عدمِ محض۔''

پس اب وہ حالتیں جو ماتحتِ وجود میں اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہوں گی۔ انسان کو اختیارات ضرور دیے گئے۔ نہ کہ وہ اختیارات جو واجب الوجود کی عین ذات ہیں۔ اور اسی ذاتِ مقدس سے مختص ہیں۔ جب یہ اختیارات انسان کے لیے پائے گئے تو بے اختیاری محض تو قطعاً اُٹھ گئی۔ لہذا اب انسان کی یہ حالت ہوئی کہ نہ مختار مطلق ہے اور نہ مجبورِ مطلق

تیسرے معنی یا یوں کہیے کہ اختیارات انسان ایک دوسری قدرت سے وابستہ ہیں انسان اگرچہ مختار ہے لیکن یہ اختیار دوسرے کا عطیّہ ہے اور وہ جس وقت چاہیے سلب کر سکتا ہے۔ یہ حالت اگرچہ اختیارِ مطلق سے پست ہے لیکن بے اختیاری محض سے بالاتر ہے۔ غرض ہر طرح سے انسان کے لیے حالت متوسط ثابت ہوگی۔

واضح ہو کہ انسان کے لیے ان اختیارات کے ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدائی اختیارات کی گرفت سے نکل گیا۔ نہیں، اختیارات خداوندی ہر حالت میں باقی وثابت ہیں۔

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

یہاں سے معلوہُوا کہ اگر انسان تمام افعال و احوال میں اسباب و وسائل سے چشم پوشی کر کے صاحب اختیار مطلق کی طرف رجوع کر جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان قطعاً مجبُور رہے۔ لیکن چونکہ اختیارِ خداوندی بیشتر اور اُس کی قدر کامل تر ہے۔ اس لیے اس کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

پس ہر شخص پر لازم ہے کہ:

ان امُور میں جن کا اختیار اُسے دیا گیا ہے بحکم شریعتِ مقدسہ فی الجملہ اپنے اختیار سے کام لے کر ان کے اہتمام کی توفیق کا خدا سے طالب ہو اور جو امُور اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہیں۔ ان میں لطف و کرم پروردگار پر بھروسہ رکھے

# فصل نمبر ۳

## ذرّاتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا کی تسبیح میں مشغول ہے۔

بعض عرفاء کا قول ہے کہ:

''خداوندِ عالم نے ہر ایک ذرّہ کا خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں، اربابِ قلوب و اصحابِ مشاہدہ کے حق میں گویا کر رکھا ہے۔

یہ لوگ ذرّاتِ عالم کی تسبیح و تقدیس سنتے ہیں۔ جو زبان واقعی و ملکوتی سے بلند ہوتی ہے یہ زبان نہ عربی ہے۔ نہ فارسی، نہ آواز ہے نہ الفاظ و حروف سے اسے تعلق ہے۔ اس تسبیح کو صرف گوشِ ہوش اور سمعِ ملکوتی سے سُن سکتے ہیں۔

اس مکالمہ کا نام مناجات، سِرّ ہے۔

اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔

کیونکہ اس کا منبع دریائے محیط کلامِ حق ہے۔ جس کی تھاہ نہیں ہے اور چونکہ اُن کی گفتگو اسرارِ ملک و ملکوت سے ہے۔ لہٰذا ہر شخص اُس کی محرمیّت کا قابل نہیں۔ بلکہ اہلِ قلب کے سینے ہی قبُورِ اسرار ہوا کرتے ہیں۔

یہ ذرّات ہر شخص سے بات نہیں کرتے۔ بلکہ خاصانِ درگاہ اور محرمانِ بارگاہ سے اُن کی



گفتگو رہتی ہے۔ اور یہ خاصانِ بارگاہ جو کچھ سماعت کرتے ہیں، دُوسروں سے بیان نہیں کرتے۔

اس لیے کہ:

جو کوئی کسی بادشاہ کا محرمِ اسرار ہو، وہ کوچہ و بازار میں ان اسرار کو بیان نہیں کرتا۔

اگر اس کا ظاہر کرنا جائز ہوتا تو وہ محرمِ اسرار آفریدگار یعنی رسُولِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضا و قدر کے بھید کو ظاہر کرنے سے منع نہ فرماتے۔ حیدر کرّار کو بعض اسرار سے مخصُوص نہ فرماتے اور نہ کہتے:

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْراً

یعنی: ''جو کچھ مَیں جانتا ہوں اگر تم اُسے جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور بہُت زیادہ روؤ گے۔''

الفاظِ ناسوتیہ و حروفِ صوتیہ اُس کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

نہ وہ اِن حروف کے قالب میں سما سکتے ہیں۔ یہ اسرار اسی شخص سے بیان ہو سکتے ہیں۔ جو زبانِ ملکوتی سے آشنا ہو۔

# چوتھی صفت

# اوہامِ نفسانیہ ووسوسہ شیطانیہ کی تفصیل اور اُس کا عِلاج اور اُس کی ضِد جس میں پانچ فصل نمبریں ہیں!

## فصل نمبر ۱

### آدمی کا دل ہر وقت کسی نہ کسی فکر وخیال میں رہتا ہے!

واضح ہو کہ آدمی کا دل خیال وفکر سے ہرگز خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس پر اندیشہ وخیالات و افکار ہمیشہ وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو کچھ دل میں گزرتا ہے۔ بعض اوقات انسان اس کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا۔ اس بارے میں دل اُس نشانہ کے مانند ہے جس پر اطراف وجوانب سے تیر برستے ہوں۔ یا ایک حوض ہے کہ بُہت سی نہروں سے اُس میں پانی جاری ہو۔ یا ایک گھر ہے جو بہت سے دروازے رکھتا ہو اور اس میں مختلف اشخاص داخل ہوں۔ یا ایک آئینہ ہے جو کسی مکان میں نصب ہو اور بہت سی صورتیں اس کے سامنے سے گزریں۔

پس دل لطائفِ الٰہیہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اس میں خیالات وافکار ہمیشہ نمودار ہوتے ہیں۔ اُس وقت تک کہ بدن سے نفس کا تعلق قطع ہو۔ اور ہر فکر وخیال کا ایک سبب ومنشاء ضرور ہے۔ خیال وفکر باطل کا منشاء شیطان اور خاطر وفکر نیک کا باعث فرشتہ ہوتا ہے۔

اس لیے سیدِ رسلؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

فِي الْقَلْبِ لَمَّتَانِ لَمَّةٌ مِنَ الْمَلَكِ اِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ وَلَمَّةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ اِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ۔

یعنی : ”آدمی کے دل میں افکار وخواطر دو قسم کے وارد ہوتے ہیں۔ ایک قسم ملک کی طرف سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان اُمورِ خیر کا ارادہ رکھتا ہو۔ اُمورِ حق کی تصدیق کرتا ہو۔ دُوسری قسم شیطان کی طرف سے ہے وہ یہ ہے کہ دل میں وہ



ارادے پیدا ہوں، جن سے اُمورِ شر ظاہر ہوں، اور اُمورِ حقّہ کی تکذیب پر کمر باندھی جائے۔“

## افکار وخیالات کی اقسام

واضح ہو کہ آدمی کے دل میں جو کچھ گزرتا ہے اور جو فکر اُس کے دل کو مشغول کرتی ہے اُس کی دو قسمیں ہیں:

۱ : وہ افکار ہیں جو آدمی کو عمل کی تحریک کرتے ہیں، اور انسان اُن کے سبب سے کسی عمل پر راغب ہوتا ہے۔ اسکی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ فعل جس کے لیے فکر انسان متحرک ہوتی ہے۔ وہ فعل نیک ہوگا یا بد۔

۲ : وہ فکر ہے جو کسی فعل کی محرّک اور کسی عمل کا مبدأ نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف خیال اور تصورِ ہی دل میں گزرتا ہے۔ اگر چہ ان کے ذریعہ سے بھی نفس کو صفائی یا کدورت حاصل ہوتی ہے اور اُس کے سبب سے بھی بعض افعالِ نیک یا بد واقع ہو جاتے ہیں۔ اس کی بھی دو حالتیں ہیں:

### پہلی حالت :

خیالات نیک وافکارِ نافع سے متعلق ہے۔ جن کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

### دوسری حالت :

فکرِ فاسد وامیدِ کاذب ہے اور اس کے کئی اقسام ہیں۔

مثلاً : اُن چیزوں کی آرزو کرنا جن کا وجود نہیں ہے، اور انھیں تصوّر میں لانا مثلاً خیال کرنا کہ افسوس وہ کام نہ کیا ہوتا یا وہ کام کیا ہوتا؟ کاش میرا بچہ وہ زندہ ہوتا جو اس وقت بڑا ہو کر میرا معین و یاور ہوتا۔ کاش اس غلام کو خرید یا فروخت کرتا۔ نیز اُن حالتوں کا ذکر کرنا جو اُس کو حاصل ہوئی۔ یا فی الحال جو عزّت اس کو حاصل ہے یا کوئی غم جو اس کو کسی روز پہنچا تھا۔ یا بیماری جو موجود ہے۔ یا جو خرابی اُس کی معاش میں ہے۔ اسی صورت سے اموالِ نفیسہ کا تصوّر کرنا جو موجود ہیں۔ مثلاً: مکانات وسواری وجواہر وغیرہ اور اُن کے تصوّر سے لذّت اٹھانا، یا ذکر کرنا اُن چیزوں کا جو حاصل نہیں ہیں اور اس پر غمگین ہونا۔ یا مثلاً حساب وکتاب اور خرید وفروخت کا تصوّر، یا دشمنوں کے جواب دینے اور انھیں بہ عذاب ہائے گونا گوں برطرف کر دینے کے خیالات۔ حالانکہ ان خیالات پر کوئی فائدہ یا نتیجہ

مرتّب نہیں ہوتا۔ کبھی انسان ایسے اُمور کا تصوّر کرتا ہے جن کا تحقق ہونا ہرگز اس کی نگاہ میں نہیں ہوتا، اور خوب جانتا ہے کہ یہ امور ہرگز واقع نہیں ہو سکتے لیکن محض عالمِ خیالات میں محو ہو کر اس سے لذّت اٹھاتا ہے۔ مثلاً نبوت اور پیغمبری کا خیال کرتا ہے۔ ذہن میں قواعد و احکام اختراع کرتا ہے۔ وصی و خلیفہ کا تعیّن کرتا ہے۔ یا مثلاً ایک گدگر بادشاہی سالہ پادشاہی کا تصوّر کرتا ہے۔ عالمِ خیال میں ربعِ مسکون کو اپنا مسخّر قرار دیتا ہے۔ امراء و حکام مقرر کرتا ہے وغیرہ۔

انھیں خیالات کی قسم فالِ بد ہے جسے تطیّر بھی کہتے ہیں یعنی اُمورِ اتفاقیہ سے خوفزدہ ہو کر انھیں نئے نئے رنج و آلام کی علامت سمجھنا۔ بعض اوقات یہ حالت اس حد تک پہنچتی ہے کہ آدمی اپنے لیے بعض امُور کو دلیلِ وقوعِ مکروہات قرار دیتا ہے اور ان کے صادر ہونے کے خیال سے نہایت درجہ مضطر و پریشان ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ امُور آدمیوں کی زبان پر کچھ بھی مشہور نہ ہوں اور بسا اوقات کہ قوّۂ واہمہ میں خباثت و ردائت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر اوقات اپنے مکروہات اور نئے نئے رنج و الم کا واقع ہونا تصوّر کرتا ہے۔

مثلاً : اولاد و عیال کا مرنا، مال کا تلف ہونا، ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہونا۔ ذلّت و خواری میں گرفتار رہنا۔ دشمنوں کا غالب ہونا۔ دُوسروں سے اس کو تکلیف پہنچنا۔ ایسے شخص کا ذہن کبھی فرح و مسرّت کی طرف ملتفت نہیں ایسا ہوتا۔ کبھی ہوتا ہے کہ بغیر سبب اُن اُمور کے واقع ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور غم و اندوہ بھی اس کو پہنچتا ہے۔ یہ سب خللِ دماغ کے نتائج ہیں۔

اسی سے عقائد میں بھی وسوسہ ہوتا ہے اور یہ وسوسہ اگر شک و شبہ تک پہنچ جائے تو انسان کو ایمان سے خارج کر دے گا۔



# فصل نمبر ۲

## تعریف الہام و وسوسہ اور اُس کے علامات و اسباب

بیانِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواطرِ نفسانیہ و خیالاتِ قلبیہ کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں دو قسمیں جو افکارِ محرّک عملِ خیر و خیالاتِ نیک ہیں۔ ان کو الہام کہتے ہیں اور دوسری دو قسمیں جو افکارِ محرّکِ محرّکہ کے ساتھ تخصیص دیتے ہیں۔ بہر طور وسواس کی دونوں قسمیں اثرِ شیطانی ہیں اور الہام کی دونوں قسمیں فیضِ ملائکۂ کرام۔

واضح ہو کہ آدمی کا نفس ابتداء میں ہر دو اثر کی برابر قابلیّت رکھتا ہے کسی ایک طرف ذرا بھی مائل نہیں ہوتا۔ بلکہ امُورِ خارجیہ اور ہوا و ہوس کی متابعت سے یا زہد و تقویٰ کی ہمیشگی سے کسی ایک طرف کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

پس جبکہ آدمی خواہشِ شہوت یا غضب میں مبتلا ہو تو شیطان کے لشکر خانۂ دل میں داخل ہوتے ہیں۔ اور وساوس و افکارِ ردّیہ قلب میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جب کہ دل ذکرِ خدا کی طرف متوجہ اور نفس زہد و تقویٰ پر مائل ہو تو شیطان مملکتِ بدن سے باہر نکل جاتا ہے۔ لشکرِ ملائکہ اس میں آتے ہیں۔ اُن کے فیوضاتِ الہامات و خیالاتِ نیک اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیشہ یہ دونوں لشکر آمد و شد و گیر و دار میں مصروف ہیں۔ کبھی میدانِ دل جائے اثرِ فرشتگان اور کبھی محلِّ جولان گاہِ شیطان رہتا ہے۔ یہاں تک کہ امورِ خارجیہ کی امداد سے کسی ایک غلبہ و قوت حاصل ہو جائے۔ وہ مملکتِ نفس کو تسخیر کرے اور اُس کو اپنا وطن بنا کر مقیم ہو۔ اُس وقت دُوسرے کی آمد و شد نہیں رہتی اگر کبھی گزر بھی ہُوا تو یوں ہی رواروی، قیام میسّر نہیں ہوتا۔

اب اگر ہوا و ہوس اور شہوت و غضب کی امداد پہنچ گئی تو لشکرِ شیطان غالب ہوتا ہے اور قلب کی ایک ایک رگ اس کی جولان گاہ بن جاتی ہے اور ساتھ ہی خیالات و خواہشات بد کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے اور اگر قوّۂ عاملہ امداد کرے۔ زہد و تقویٰ کی اعانت میسّر آ جائے تو سپاہِ ملائکہ غالب ہو جاتی ہے۔ شہرِ دل کو گھیر لیتی ہے۔ اپنا مسکن بناتی ہے۔ ہر لحظہ نور تازہ اور ہر گھڑی فیضِ بے اندازہ پہنچتا ہے۔ لیکن جس دل کو لشکرِ شیطان نے مسخر کر لیا اور مالک ہو گیا تو پھر جس طرح چاہتا ہے اس میں

تصرّف کرتا ہے۔اس کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ قوّۂ واہمہ وغضبیہ وشہویہ کی خلقت کا غالب مادہ آگ ہے اور یہی قوتیں مملکتِ بدن کے سردار وحکّام ہیں اور چونکہ شیطانِ لعین میں مناسبت مستحکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ قربتِ شیطان کی خواہش مند ہیں۔اس کی متابعت کے لیے بالکل راغب ہیں۔بلحاظِ قرابت ونسبت لشکرِ شیطان کو ہر طرف سے راستہ دیتی ہیں اور اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اس لیے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

''شیطان آدمی کے بدن میں مثل خون کے جاری ہے تمام راستوں سے داخل ہوتا ہے۔''

چونکہ شیطان آگ سے ہے اور جس جگہ آگ لگ جائے تو اپنی جگہ جلد پیدا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر میں فوراً زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف وہی آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ایسا ہی جب لشکرِ شیطان کسی کے دل میں تھوڑا سا راستہ پا جائے تو اپنا مقام وسیع کرتا ہے اور متواتر وپے در پے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔اس کی نسل بے انتہا ترقی کرتی ہے۔جیسا کہ ثابت ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کا تصوّر کرے تو اُسی ایک گناہ سے سینکڑوں گناہ کی شاخیں نکل آتی ہیں۔

واضح ہو کہ اخلاقِ فاضلہ و ملکاتِ حسنہ ملائکہ کے داخل ہونے کے دروازے ہیں اور اوصافِ رذیلہ ابواب الشّیاطین۔

نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اوصافِ حسنہ حکمِ وسط رکھتے ہیں۔اور وسط یعنی وہ نقطہ جو دو یا کئی چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ایک ہی ہُوا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اطراف وجوانب کے خطوط بیشمار ہوتے ہیں۔

اسی لیے شیطان کے آنے کی راہیں بے شمار ہیں اور جس کے لیے اتنے راستے کھلے ہوئے ہوں۔اسی کا غلبہ نہایت آسان ہے۔ برخلاف اس کے ملائکہ کے داخل ہونے کا صرف ایک راستہ ہے۔قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ

یعنی : ''یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ اسی کی متابعت کرو اور بہت سے



راستوں کی پیروی نہ کرو۔ کیوں کہ وہ تمھیں راہِ حق سے جدا کر دیں گئے۔''(سورہ انعام۔۱۵۳)

یہی وجہ ہے کہ خداوندِ سبحانہٗ شیطانِ لعین کے قول کو بیان کرتا ہے کہ:

لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ ؕ (سورہ اعراف۔۱۶)

یعنی ''البتہ میں ان کو تیری راہِ راست سے باز رکھوں گا۔اُن کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے حملہ کروں گا۔''

اسی لیے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک روز اصحاب کے لیے ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ:

''یہ راستہ خدا کا ہے۔''

اس کے بعد بہت سے خطوط دائیں بائیں جانب کھینچے اور فرمایا کہ:

''ان راستوں پر شیطان بیٹھا ہے اور اپنی طرف بلاتا ہے۔''

پس اُس سیدھے راستہ کا سمجھنا مشکل اور محتاج رہنمائی ہے۔ بخلافِ راہ باطل کے جو سب پر واضح اور روشن ہے۔نفس کی خواہش باطل کی طرف سہل وآسان ہے اور حق کی فرمابرداری مشکل۔جو دروازہ فرشتوں کے داخل ہونے کا ہے وہ مسدود اور بند ہے۔راستے شیطان کے کھلے ہوئے ہیں۔

پس غریب فرزندِ آدم کو چاہیے جو راستے کھُلے ہوئے ہیں۔ان کو بند کرے۔ایک دروازہ پوشیدہ جو بند ہے اس کو کھولے۔اسی بھروسہ پر شیطان نے کہا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ‏ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ‏ ﴿۸۳﴾

یعنی ''تیری عزت کی قسم ہے کہ تمام فرزندانِ آدم کو سوائے بندگانِ خالص کے گمراہ کروں گا۔''(سورہ ص۔۸۳)

اور بسا اوقات یہ ملعون بذریعۂ مکر حق کو باطل سے مشتبہ کرتا ہے اور اپنے لشکر کو فرشتہ کا لباس پہنا کر آدمی کو ہلاکت میں ڈالتا ہے، تاکہ ان سے کوئی خبردار نہ ہو۔

# فصل نمبر ۳

## مذمّت وساوسِ شیطانیہ افکارِ باطلہ

واضح ہو کہ وسوسۂ شیطانیہ اور افکارِ باطلہ کا ضرر نہایت ہی عظیم اور یہ حالت تمام مہلکاتِ عظیمہ و حالاتِ رذیل کے برابر ہے۔ اس سے دل تیرہ ہوتا ہے۔ نفس کو ظلمت لاحق ہوتی ہے۔ یہ چیز مانعِ حصولِ سعادت ہیں اور عمرِ عزیز کی برباد کر دینے والی۔

حقیقت یہ ہے کہ بندوں کا دل سرمایۂ تحصیلِ نجاتِ عمر و سامانِ تجارت ہے۔ انسان جو وقت یادِ خدا سے غفلت میں گزارتا ہے۔ گویا وہ اپنے سرمایا کو ضائع کرتا ہے۔ اور یہ افسوس تو اُس صورت میں ہے، جب کہ امورِ جائز و مباح میں یہ وساوس پیدا ہوں۔ لیکن حالت تو یہ پہنچی ہے کہ مکر، حیلہ، فریب، شیطنت کے میدان میں فکریں جولانیاں کرتی ہیں جن سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور دین و دنیا تباہ۔

واضح ہو کہ افکارِ ردّیہ امورِ مباح میں یکساں طور پر دل کو تاریک کرنے والی ہیں۔ البتہ بلحاظِ گناہ اُن میں فرق ہے۔

پس امورِ مباح جو تفکّر اور وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس پر کوئی گناہ مترتّب نہیں ہوتا اور امُورِ غیر مشروعہ میں اگر بے اختیاری کے ساتھ کوئی خیال دل میں گزر جائے تو وہ بھی قابلِ مواخذہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر جو حیطۂ اقتدار سے خارج ہو اس کی تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر بالقصد ایسا کرے، اور دل میں اس کے بجالانے کا مصمّم ارادہ کر لے، یا یہ کہ تاسفّ کرے کہ فلاں معصیت جس پر مجھے قدرت حاصل تھی کیوں نہ بجالایا؟ تو ایسا شخص عاصی اور گناہ گار اور مستحقِ عذاب ہے۔

اگرچہ اس فعل کو کسی اتفاقی ممانعت کے سبب سے بجانہ لایا ہو۔ ہاں اگر خوفِ خدا سے ترک کر دے تو اُس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ مستحقِ ثواب ہو جائے گا اور اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی، اور اگر کسی ایسے فعلِ غیر مشروع کا تصوّر کرے جس کے کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض



اوقات یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اس کام کا مستحق نہ ہوگا۔ مثلاً :

خیالِ سلطنت و نہب و غارت وغیرہ۔

تو ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی معصیت نہیں۔

یہ تفصیل ان آیات و اخبارِ مختلفہ کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی ہے جو خصوصاً قصدِ معصیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

# فصل نمبر ۴

## معالجہ وساوس و امراضِ نفسانیہ

جب اس صفتِ مہلکہ کی مضرت معلوم ہو چکی اور جان لیا کہ یہ اعظمِ مہلکات و سببِ بدبختی و وبال و نکال ہے تو اب اس کا معالجہ کرنا اور اس کے پنجہ سے رہا ہونا لازم ہے۔ اگر کسی گناہ کا وسوسہ اور اس کا قصد ہو تو خاتمۂ امور و عاقبت عصیاں دنیا و آخرت میں غور کیجیے۔ حقوقِ پروردگار کو یاد کیجئے نتیجۂ اعمال کے ثواب و عقائد کو دیکھیے اور غور کیجئے کہ وسوسۂ ابلیس سے اپنی رہائی اور صبر کرنا زیادہ آسان ہے۔ بہ نسبت عذابِ الٰہی اور اس کی آگ میں جلنے کے کہ اگر اس کی چنگاری زمین پر گرے تو تمام دنیا کو ایسی جلائے گی کہ نباتات و جمادات کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ جب ان امور کو پیشِ نظر رکھے اور نورِ معرفت و ایمان سے اس کی حقیقت پر یقین کرے تو ممکن ہے کہ شیطان ہاتھ اٹھالے اور پھر وسوسہ نہ ہو۔ مگر صرف اسی طرح معالجہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ذکر و فکر و مجاہدۂ ترکِ شہوات و ہوائے نفسانیہ سے اس کا معالجہ کرنا چاہیے اور اگر وہ خیالات باعثِ گناہ اور قصدِ گناہ ہوں بلکہ فکر رویّہ و آمانی کاذبہ یعنی بغیر قصد فعل ہوں اور بے اختیاری سے دل میں گزرے ہوں تو اس سے پوری طرح خلاصی نہایت مشکل ہے۔ بلکہ اطبائے نفوس نے اقرار کیا ہے کہ یہ بیماری سخت ہے، اور اس کا دفعیہ بالکلیہ دشوار ہے۔ بلکہ بعض نے اس کو متعذّر قرار دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کا بالکلیہ دفعیہ مشکل ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے :

''جو شخص دو رکعت نماز پڑھے تو خواطرِ نفسانیہ اُس کے دل میں نہیں گزریں گے۔ اس کے گناہانِ گزشتہ و آئندہ بخشے جائیں گے''

اس معالجہ کی صعوبت کا سبب یہ ہے کہ حسبِ ارشاداتِ نبوّیہ:

''ہر شخص کے لیے ایک شیطان ہے۔''

چونکہ شیطان صرف آگ سے خلق کیا گیا ہے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی ساکن نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کا شعلہ تیز اور متحرّک رہتا ہے اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قوۂ واہمہ وعجیبہ وشہویّہ کا بھی غالب مادہ آگ ہے اس لیے اُن میں اور شیطان میں قرابت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے شیطان کو اُن پر تسلّط حاصل ہے۔

یہ تینوں قویٰ اس کی متابعت و پیروی پر مائل ہیں اور بوجہ آتش مزاجی کے یہ تین قوتیں بھی ہمیشہ ہیجان وحرکت میں رہتی ہیں۔ اگرچہ ان کی حرکت کا سبب سے کہ بغیر آگ کے بھی خلق ہوئی ہیں۔ شیطان سے کمتر ہے۔ جیسا کہ حرکتِ شہویّہ غضبیّہ واہمہ سے کمتر ہے۔

پس شیطان بنی آدم کی رگوں میں ہمیشہ متحرّک رہتا ہے اور اُن قوتوں کو وسوسہ سے حرکت میں لاتا ہے اور وہ ان شرارتوں سے باز نہیں رہ سکتا جب تک کہ آدمی کا مطیع وفرماں بردار ہو اور انسان کی اطاعت یہ ملعون کیوں کر کرے گا۔ درآں حالیکہ ابوالبشر کے سامنے سجدہ کرنے سے اس نے انکار کیا۔ خدا کے سامنے کلماتِ تکبّر وغرور زبان سے نکالے اور قسم کھا کر کہا کہ :

''میں ضرور بنی آدم کو گمراہ کروں گا۔''

ایسی حالت میں یہ اغوا سے کیونکر دست بردار ہو سکتا ہے۔ مگر ہاں وُہ لوگ جو علائقِ دنیا کو قطع کر چکے ہیں۔ ان کا دل نورِ الٰہی کا مسکن ہے۔ اُن پر اس کا دستِ تصرف دراز نہیں ہو سکتا۔ جس کا خود اس ملعون نے اقرار کیا ہے :

اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ

''میں تیرے خالص بندوں کے سوا سب کو بہکاؤں گا۔''

پس ایسے دشمن کی طرف سے مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ بلکہ یہ مانندِ خون انسان کے بدن میں جاری وساری ہے۔ وہ اس طرح حاوی ہے جیسے پیالے پر ہوا۔ اگر ہم پیالے کو ہوا سے خالی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اس کو دوسری چیز سے نہ بھر دیا جائے۔ بلکہ جس قدر پانی سے بھر اجائے اسی قدر ہوا سے خالی ہوتا ہے۔



پس دل کا بھی پیالہ ایسا ہی ہے۔ اگر اس کو خدا کی یاد میں مشغول کر دیں اور امُورِ دین کی کوئی فکر کریں تو ممکن ہے کہ شیطان کی آمد وشد کم ہو۔ ورنہ جس وقت یادِ خدا سے دل غافل ہوتا ہے۔ اسی وقت شیطان اپنے وسوسہ کے ساتھ اُس میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ خداوندِ متعال نے کتابِ کریم میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ:

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾

یعنی ''جو کوئی خداوندِ رحمان کی یاد سے باز رہتا ہے تو ہم شیطان کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس کا ہم نشین ہو۔'' (سورہ زخرف)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَبۡغُضُ الشَّابَّ الۡفَارِغَ۔

یعنی ''خدا دشمن رکھتا ہے اُس جوان کو جو بیکار رہے۔''

کیونکہ جو کوئی کسی عمل مباح میں مشغول نہ ہو تو لامحالہ شیطان فرصت پا کر اس کے خانۂ دل میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں مسکن بناتا ہے۔ اپنی پیدائش وافزائش کرتا ہے۔ ایک نسل سے اتنی نسلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی انتہا نہیں ہے۔

پس دفعِ وسوسۂ شیطانیہ وخواطر نفسانیہ کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تمام علائقِ ظاہریہ وباطنیہ سے قطع تعلق کریں۔ جاہ ومال اور اہل وعیال کو ترک کریں یار ورفیق ودست سے بھاگیں۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھیں۔ آشنا وبیگانہ سے دوری اختیار کریں اور صرف یہی نہیں، بلکہ تاوقتیکہ آدمی کو بصیرت حاصل نہ ہو۔ آثارِ عجائبِ رب العالمین میں تفکّر نہ کرے۔ ملکوتِ آسمان وزمین کی سیر باطنی نہیں کر سکتا اور جس کو یہ بصیرت وقوّت حاصل نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ بعد قطعِ علائق، اور گوشہ نشینی کے ذکر ومناجاتِ پروردگار اور نماز ودعا اور عبادت وتلاوتِ قرآن میں حضور قلب سے اپنے کو مشغول رکھے۔ کیوں کہ ذکرِ ظاہری بغیر حضور قلب کے دل میں اثر نہیں کرتا۔

اس بیان سے ظاہر ہُوا کہ علاج وسوسہ اور خواطر کا گو ممکن ہے۔ مگر ایک دم اُن تین امور کو جو ذیل میں درج ہیں جب تک بجا نہ لائیں۔ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا۔

## پہلا امر یہ کہ:

شیطان کے بڑے راستے جو صفاتِ ذمیمہ و ملکاتِ رذیلہ ہیں بند کر دے۔ مثلاً شہوت، غضب، حرص، حسد، عداوت، عجب، کبر، طمع، بخل، بُزدلی، محبت دنیائے دنی، بیم فقر و فاقہ، ان میں سے ہر ایک شیطان کا راستہ ہے۔ جب اس کو کُھلا ہوا دیکھتا ہے تو دل میں داخل ہوتا ہے اُسے وسوسہ میں مشغول کرتا ہے۔ اور جب ان کو بند کیا جائے تو اُسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔ مگر کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح کے پوشیدہ راستوں سے داخل ہوگا۔

## دُوسرا امر یہ کہ :

اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ شریفہ و زہد و تقویٰ اور عبادت کی عادت کرنے سے فرشتوں کے آنے کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔ جو صفاتِ مذکورۂ بالا کی ضد ہے۔

## تیسرا امر یہ کہ :

دل و زبان سے خداوندِ منّان کے ذکر میں شیطان کے دروازے بند کر کے مشغول رہنا۔ اگر تصّرفِ ظاہریہ سے مملکتِ دل کی حفاظت ہوتی ہے۔ مگر یہ ملعون پوشیدہ راستوں سے کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح گزر کرتا ہے۔ جب تک یادِ خدا سے اس کو دفع نہ کریں تو ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے لیے کوئی راستہ وسیع پیدا کر لے۔ اور گوشۂ دل کو اپنا مسکن قرار دے۔ اور اگرچہ دل کو ذکرِ خدا میں قائم رکھنا دفعِ خواطر اور وسوسہ کے لیے مجرّب ہے۔ لیکن جب تک شیطان کا راستہ بند نہ ہُوا ہو۔ اخلاقِ ذمیمہ اور علائقِ دنیویہّ کو دفع نہ کیا ہو تو اُس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ یادِ خدا سے جتنا کچھ زائل ہوتا ہے، اُس سے زیادہ داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اُس حوض کی سی ہے جس میں ایک بڑی نہر سے بدبودار پانی آتا ہو اور ایک پیالے سے اس کا پانی باہر نکالیں۔ اب جس قدر پانی نکلے گا اس سے زیادہ پانی نہر سے آئے گا۔ یہاں تک کہ وہ بدبودار پانی حوض کو پُر کر دے گا۔

شیطان کی مثال سگِ گرسنہ کی سی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ غذا کے مانند ہیں اور ذکرِ خدا سے اس کتّے کو دُور کیا جاتا ہے لیکن جب تک غذا باقی ہے یہ ملعون برابر تاک میں رہے گا۔ ہاتھ سے یا زبان سے ہانک دو گے تو قدم پیچھے ہٹے گا۔ پھر واپس چلا آئے گا۔ اسی طرح شیطان کی مثال مرض کی سی



ہے۔ صفاتِ ذمیمہ اخلاطِ فاسدہ کے مانند ہیں۔ اور ذکرِ خدا غذائے مقوی کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن یہ غذائے مقوی اُسی حالت میں نفع بخش ہوگی جب کہ بدن اخلاطِ فاسدہ سے پاک ہو۔

اگر دل ہوا و ہوس سے پاک اور انوارِ زہد و تقویٰ سے نورانی نہ ہو تو ذکرِ خدا ہنگامی ہے۔

جیسا کہ خدا فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾

یعنی ”جو لوگ متقی و پرہیزگار ہیں۔ ان کو جس وقت شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے تو خدا کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس کے ذریعہ سے دیدۂ بصیرت بینا ہوتا ہے۔ وسوسہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔“ (سورہ اعراف)

واضح ہو کہ دفعِ وسوسۂ شیطانیہ و مانعِ خواطرِ نفسانیہ وُہ ذکر ہے۔ جو دل سے کیا جائے۔ دل کو یادِ خدا و تذکرۂ قدرت و عظمت و تقدیس و جلال و جمال میں مشغول کریں۔ اس کے صنع و عجائب مخلوقاتِ آسمان و زمین اور باقی اُمورِ متعلقہ دین میں تفکّر کریں۔ اور جب کہ اس کے ساتھ ذکرِ زبانی بھی شامل ہو تو دفعِ شیطان کے لیے اُس کا پُورا فائدہ ہے۔ اور محض ذکرِ زبانی اگرچہ ثواب سے خالی نہیں۔ لیکن لشکرِ شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کے وساوس دفع نہیں ہو سکتے۔ اگر وسوسۂ شیطان ذکرِ زبانی سے دفع ہو جاتا تو ہر شخص کی نماز حضورِ قلب سے ادا ہوتی اور خیالاتِ فاسدہ و وسوسۂ باطلہ اس کے دل میں نہ آتے۔ کیوں کہ ہر ذکر اور عبادت کی انتہا نماز ہے۔ مگر ہر شخص کو افکارِ ردّیہ حالتِ نماز میں ہی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ فضولیات کا خیال نماز میں ہی آتا ہے۔ اکثر جو چیز بھول گئی ہے نماز میں یاد آتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ نماز وہ عبادت ہے جو سب عبادتوں سے بالاتر ہے اور سجدہ پر مشتمل ہے۔ اسی سجدہ کے ترک کرنے سے شیطان مردُود ہُوا ہے۔

پس اُسے دیکھ کر شیطان کی عداوت جوش میں آتی ہے۔ اس کا لشکر دل کیا اطراف کو گھیر لیتا ہے۔ طرح طرح کے خیالات کا القا کرتا ہے۔ کہ مبادا اس کا سجدہ قبول نہ ہو جائے، جو میرے لیے مُوجبِ لعن ہُوا ہے۔

## اقسامِ ذکرِ خدا

واضح ہو کہ ذکرِ زبانی بے نتیجہ نہیں ہے کہ ذکر کرنے والے کے لیے کوئی اثر نہ رکھتا ہو۔ بلکہ اس سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اہلِ ذکر نے کہا ہے کہ:

''ذکر کے حسبِ مندرجہ ذیل چار مرتبے ہیں۔ وہ سب نفع دینے والے ہیں۔ گو مقدار نفع کی مختلف ہے۔''

۱ : ذکرِ محض زبانی

۲ : ذکرِ زبانی و قلبی۔ جو دل میں پوری طرح قرار نہ پکڑا ہو۔ بلکہ التفاتِ ذاکر پر اس کا قرار موقوف ہو۔ جب دل کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو ذکرِ خدا اس غافل اور وسوسہ پر مائل ہوتا ہو۔

۳: ذکرِ قلبی۔ جو دل میں قرار پکڑا ہوا اور اُس پر غالب ہُوا ہو۔ مثلاً: دل صرف ذاکر کے التفات کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بھی خدا کے ذکر میں مشغول ہو۔

۴: ذکرِ قلبی :

کہ سوائے خدا کے اور کچھ دل میں نہ ہو۔ بلکہ اُس ذکر سے بھی جو کر رہا ہے غافل ہو

اس مرتبہ والا ذکر کو حجابِ مطلوب و مقصود جانتا ہے۔ یہ مرتبہ مقصود و مطلوبِ حقیقی ہے اور باقی مراتب بالعرض مطلُوب ہیں۔

## فائدہ دفع وساوس:

اگرچہ ابوابِ خواطر کا بند کرنا اور وسوسہ کا دفع کرنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اس کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ یہی مفتاحِ خزانۂ سعادات و بابِ مرادات ہے۔ کیونکہ دل ایک ظرف کے مانند ہے۔ اس کا خالی رہنا مشکل ہے۔ لامحالہ جب وہ فکر فاس سے خالی ہوگا تو محلِّ ذکرِ خدا و لشکرِ ملک ہو جائے گا۔ اس کو یادِ خدا کی ہمیشہ محبت ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے مرتبۂ شوق لقاِ و محبت پیدا ہوگا۔ دروازے معرفت کے کھولے جائیں گے۔ فیُوضات اس عالم کے نازل ہوں گے۔ ظلماتِ شکوک و وہم سے



انسان باہر آئے گا اس وقت نفس کو مرتبہ اطمینان عقائد و معرفت میں حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے:

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾

''یادِ خدا سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔'' (سورہ رعد)

لیکن ایسا اطمینان نفس کی خواطر و وسوسہ سے خلاصی پر صفاتِ رذائل کے تخلیہ پر۔ شرائفِ ملکات سے متصف ہونے پر اور ذکرِ خدا کی عادت کرنے پر موقوف ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہا اوصافِ مذکور کے حاصل ہونے پر ہمیشگی ذکر سے نفس کو ایک طرح کی صفائی و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قوۂ عاقلہ کو ایک قسم کی تقویت پہنچتی ہے۔ جس سے وہ تمام قوتوں پر مستولی و غالب ہو جاتی ہے۔ ان کی کش مکش اُس پر اثر نہیں کرتی۔ قوۂ واہمہ و متخیّلہ کی باگ اس طرح ہاتھ میں لیتی ہے کہ بغیر امر و نہی قوّۂ عاقلہ کے اُن کے لیے کوئی تصرّف ممکن نہ ہو۔ جب یہ حالت ثابت ہوگئی اور ملکہ حاصل ہُوا تو ان دو قوتوں کو عاقلہ کی اطاعت اور فرماں برادری کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہرزہ گردی و پریشانی سے باز رہتی ہیں۔ سوائے خواطرِ نیک کے خزانۂ غیب سے اور کچھ اُس کے دل میں نہیں گزرتا۔ نفس قوّتِ عاقلہ کا مطیع ہوتا ہے۔ نزاعِ شیاطین برطرف ہوتی ہے۔ بلکہ شیطان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور لشکرِ ملک بغیر نزاع کے اُس میں قائم ہوتا ہے۔ نفس مقامِ اطمینان میں قرار لیتا ہے یا یُوں سمجھیے کہ یادِ خدا سے جب نفس کو اطمینان ہو گیا تو وسوسوں کا سدِّ باب ہو جاتا ہے۔

اُس وقت یہ لازم ہے کہ روشنی عالمِ قدس کی دل میں پرتو ڈالے۔ روشنیاں انوارِ الٰہیہ کی طاقِ ربوبیت سے اُس پر چمکیں۔ علم، معرفت میں بھی اطمینان حاصل ہو۔ خطاب کا مستحق ہو۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً ﴿۲۸﴾

یعنی: ''اے نفسِ مطمئنہ جیسا کہ عالمِ قدس سے اس عالم میں ابتداء آیا ہے ویسا ہی پروردگار کی طرف سے راضی و خوشنود واپس جا۔'' (سورہ فجر)

برخلاف اس کے وہ نفس جو صفاتِ خبیثہ سے مملو و اخلاقِ رذیلہ سے ملوث ہے۔ اُس میں ملائکہ کے راستے مسدُود اور شیاطین کے دروازے کُھلے ہُوئے ہوتے ہیں۔ لشکرِ شیطان اُس جگہ

مسکن بناتا ہے۔ وہاں سے سیاہ دُھواں اُٹھتا ہے۔ جو دل کو اطراف وجوانب سے گھیر لیتا ہے۔ اُس سے نُورِ یقین نابُود اور چراغِ ایمان خاموش ہوتا ہے۔ نیکی کا اُسے خیال بھی نہیں آتا بلکہ ہمیشہ وسوسۂ شیاطین میں گرفتار رہتا ہے۔ اگر وہ کبھی نیکی کی فکر بھی کرے تو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ اُس میں بھی شیطنت بھری ہوئی ہے ایسے قلب سے نیکی کی اُمید نہیں۔ اسکی علامت یہ ہے کہ اس پر وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ نیک بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا دیدۂ بصیرت اندھا اُس کا گوشِ ہوش بہرا ہوتا ہے بلکہ اکثر ایسے لوگ پند ونصیحت و وعظ کو فضول سمجھتے ہیں۔ آیاتِ متعدّدہ میں خدائے تعالیٰ نے اس نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چنانہ ارشاد ہُوا ہے:

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ (سورہ فرقان)

خلاصہ معنی یہ کہ: ''حضرتِ رسُولؐ سے خطاب فرماتا ہے کہ جس نے اپنے ہوا وہوس کو خدا قرار دیا یعنی اس کی اطاعت کی آیا تم اس کو اصلاح پر لا سکتے ہو۔ اس کے فساد کو دفع کر سکتے ہو؟

پھر فرماتا ہے:

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

یعنی: ''خدائے تعالیٰ نے پردۂ غفلت کو اُن کے دل اور گوش وچشم پر مضبوط کیا ہے۔ پس وہ حق کو نہیں سمجھتے۔ نہیں سُنتے، نہیں دیکھتے۔'' (سورہ بقرہ۔۷)

دُوسری جگہ فرماتا ہے:

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

یعنی ''ایسے لوگ چارپایوں کے مانند ہیں بلکہ بُہت زیادہ گمراہ ہیں۔''

(سورہ فرقان)

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾



(سورہ بقرہ)

خلاصۂ معنی یہ ہے کہ :

''تیری نصیحت وتہدید اُن کو فائدہ نہیں دیتی خواہ تُو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ دونوں حالتیں مساوی ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

ان دونفسوں کے علاوہ ایک اور نفس ہے نہ سعادت میں اوّل کے مانند ہے اور نہ شقادت میں دوسرے کے مثل بلکہ ان دونوں کے درمیان متوسّط ہے۔ وہ مراتب مختلف رکھتا ہے۔ اُس کا بیان طویل ہے۔ اکثر عام مسلمانوں کے نفوس اسی قسم کے ہیں۔

# فصل نمبر ۵

## شرافت افکارِ حسنہ وخواطرِ محمودہ اور اُن کے اقسام

واضح ہو کہ وسوسہ وخواطرِ ردّیہ کے مقابل وہ خواطرِ نیک وافکارِ حسنہ ہیں جو شرعاً یا عقلاً نیک ہوں۔ وہ چھ قسم پر ہیں۔ اس لئے خیالاتِ حسنہ یا تو کسی فعلِ حُسن کا مبدأ ہوں گے اور انسان کو کسی نیک کام پر آمادہ کریں گے اور یا اُن کا تعلق افعال سے نہ ہوگا۔ یہ آخری صُورت پانچ قِسموں پر منقسم ہوتی ہے:۔

۱۔ ذکرِ قلبی و یادِ خدا۔

۲۔ مسائلِ علمیّہ ومعارفِ حقّانیہ مثل مبدء ومعاد واحکام واوامر ونواہی واعمالِ عباد وصفات واخلاق وکیفیتِ حشر ونشر وغیرہ میں تفکر کرنا۔

۳۔ دنیا کی بے وفائی کو پیشِ نظر رکھنا اور حالاتِ گزشتگان سے عبرت حاصل کرنا۔

۴۔ عجائبِ صُنعِ پروردگار وآثارِ قدرتِ کاملہ میں غور وفکر کرنا۔

۵۔ جو اعمال وافعال اُس سے سرزد ہُوئے ہوں اور جن کے سبب سے رحمتِ خدا سے نزدیک یا دُور ہُوا ہو اُن میں تدبّر کرنا اور شُکر یا توبہ سے کام لینا۔

افکارِ حسنہ کے یہ اقسام جو بیان ہُوئے ان کے سوائے اور کوئی فکر فکرِ محمود نہیں کہلا سکتی۔

کیونکہ ان کے علاوہ افکار ہوں گے سب دُنیا کے متعلق ہوں گے اور افکارِ متعلق دُنیا سے سوائے اس کے کہ قلب مُردہ ہو اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ شرافت قسمِ اوّل یعنی قصدِ افعالِ حسنہ کی تفصیل بابِ نیّت میں کی جائے گی۔ قِسم دوم یعنی ذکرِ قلبی کی فضیلت کا بیان اُسی کے باب میں کیا جائے گا۔ قِسم سوم یعنی تدبّر مسائل و معارف کا ذکر بیانِ علم میں ہو چکا۔ قسم چہارم کا بیان طولِ امل اور مذمتِ دنیا و بیانِ موت کے باب میں کیا جائے گا۔ اس مقام پر صنائعِ الٰہی میں تفکّر اور خود اپنے اعمال پر غور کرنے کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ صنائع الٰہی میں غور کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کی شرافت ہر شخص پر ظاہر ہے۔ اس لیے کہ تفکّر اُسے کہتے ہیں کہ انسان حالاتِ آفاقیہ وانفسیہ کی سیر کرے۔ اُنھیں دیکھ کر خالقِ کائنات کو پہچانے۔ اس کی عظمتِ کاملہ کو معلوم کرے۔ خلقتِ انسان سے یہی مقصود ہے اور اسی سے انسان کو کمالِ ترقی میسّر آ سکتا ہے۔ یہ خزائنِ اسرارِ الٰہیہ کی کلید ہے۔ مشکوٰۃِ انوارِ قدسیہ ہے۔ اسی کے سبب سے گوشِ ہوش شنوا اور دیدۂ عبرت بینا ہوتے ہیں۔ یہ ایک دام ہے کہ معارفِ حقہ کو بُجز اس کے وسیلہ کے صید نہیں کر سکتے۔ یہ ایک کمند ہے کہ حقیقت یقین کو بغیر اس کی مدد کے قید نہیں کر سکتے۔ مرغِ دل کا آشانۂ قدس کی طرف پرواز کرنا سوائے اس بال و پر کے میسّر نہیں اور روح کا وطنِ حقیقی کی طرف بغیر اس مرکب کے گزر نہیں۔ ظلمتِ نادانی زائل اور نُورِ علم اُس سے حاصل۔ اسی وجہ سے آیات و اخبار اُس کی بزرگی میں وارد ہُوئے ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

یعنی: ''کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے اس کو سراسر حق پیدا کیا ہے۔ بیکار اور فضول نہیں پیدا کیا'' (سورہ روم۔۸)

پھر فرماتا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲



یعنی ''اے دیکھنے والو عبرت حاصل کرو۔'' (سورہ حشر)

پھر فرماتا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

یعنی ''بہ تحقیق کہ آسمان اور زمینوں کے خلق کرنے میں جو علاماتِ قدرتِ کاملہ خالق کے ہیں اُن کو صاحبانِ ہوش وعقل جانتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

یعنی ''جو لوگ کھڑے ہُوئے، بیٹھے ہُوئے، لیٹے ہُوئے، خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں فکر کرتے ہیں۔ (سورہ ال عمران۔۱۹۱)

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ صاحبِ بصیرتِ قلب کی زندگی تفکّر سے وابستہ ہے۔

نیز انھیں سے روایت ہے کہ:

''ایک ساعت فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''

اور اس مرتبۂ تفکّر پر وہی فائز ہوتا ہے جو توحید و معرفتِ الٰہی سے مخصوص ہو چکا ہو۔ پھر اُس جناب سے مروی ہے کہ:

''خدا اور اس کی قدرت میں فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔''

خدا میں فکر کرنے سے اُسکی عجائبِ صنائع میں فکر کرنا مراد ہے۔ نہ کہ اس کی ذاتِ مقدّس میں۔ کیونکہ ذات میں فکر کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ ذکر کیا جائے گا۔

سیدِّ اولیاءؑ سے مروی ہے کہ:

''آدمی کو اس فکر سے نیکی کی اور اُس پر عمل کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔''

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ:

''فکر سے اپنے دل کو آگاہ کرو۔''

''جولانی فکر سے نفع بخش رائے حاصل ہوتی ہے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ:

''فکر نیکیوں کا آئینہ، گناہوں کا کفّارہ۔ دلوں کی روشنی اور دین کی وسعت ہے۔ اس سے امورِ عقبیٰ بطرزِ احسن انجام پاتے ہیں۔ انجام امور پر اطلاع اور علم میں زیادتی ہوتی ہے۔ یہ ایک خصلت ہے کہ اس کے مثل کوئی عبادت نہیں۔''

حضرت امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

''نماز اور روزہ کی زیادتی عبادت نہیں، بلکہ امرِ پروردگار میں تفکّر کرنا عبادت ہے۔''

# عجائب صنع پروردگار میں فکر کرنیکی فضیلت

واضح ہو کہ موجودات میں سے ہر وجود میں عجائبِ صنعِ پروردگار اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق میں فکر و اندیشہ کے ساتھ غرائبِ قدرتِ آفریدگار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اقلیم وجود میں سوائے ذاتِ پاکِ آفریدگار کے جو کچھ پایا جاتا ہے، اُسی کے رشحاتِ وجود میں سے ایک رشحہ ہے اور اُسی دریائے فیضِ وجودِ بے پایاں کا ایک قطرہ۔ اگر بلندئ عالمِ ملائکہ سے منزلِ مادّیات کی پستی تک سیر کریں تو بجز اُس کی صنعت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر آسمان سے زمین تک نظر اٹھائیں تو بغیر آثارِ قدرتِ کاملہ کے کچھ پایا نہیں جاتا۔ مجرّدات و مادّات اُسی کی صنعتِ عجیبہ ہیں۔

زمین، فلک، عنصر، مرکّبات اُسی کے کمالاتِ غریبہ ہیں۔ ذرّاتِ عالم میں سے کوئی نہیں۔ جس میں عجائبِ حکمت و غرائبِ عظمتِ پروردگار نہ ہو۔ اگر تمام علما و حکماء عالم پیدائش سے قیامت تک ان کو معلوم کرنے کی کوشش کریں تو دس حصّہ میں سے کم از کم ایک حصّہ بھی نہیں پا سکتے۔ پھر کیونکر تمام موجودات کے آثارِ قدرتِ کاملہ کو دل میں لا سکتے ہیں۔ جو موجوداتِ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ اُن میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ہم نہیں پہچان سکتے، نہ اُن کو اجمالاً یا تفصیلاً جان سکتے ہیں، نہ اُن کا نام سنا ہے، نہ اُن کی علامت معلوم ہے۔ ہمارا دستِ تصرّف وہم اُن سے کوتاہ ہے، نہ قدمِ اندیشہ کو وہاں تک راہ ہے۔ پس اُن میں فکر کرنا اور اُن کے عجائب و غرائب کا پانا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ ہماری فکر اُنھیں پر منحصر ہے جن کے وجود کو مجملاً ہم جانتے ہیں۔ اُن کی اصل کو پہچانتے ہیں۔ اُن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جو دیکھی نہیں جاتی اور چھونے میں نہیں آتی۔ اُن کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں۔



مثلاً عالمِ عقول و نفوس و ملائکہ و جن و شیاطین۔ ان کی بیشمار قسمیں ہیں۔ سوائے خالق کے کوئی اُن کو نہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو مشاہدہ و محسوس ہوتی ہے۔ اس کے تین طبقے ہیں۔

پہلا وہ جو عالمِ افلاک پر نظر آتے ہیں وہ ثوابت و سیّارے ہیں، جن کی گردشیں لیل و نہار ہیں۔

دوسرا زمین پر مثلاً کوہ، بیاباں، دریا، صحرا، نہر، اشجار، نباتات، حیوانات، جمادات۔

تیسرا عالمِ ہوا میں۔ مثلاً رعد، برق، برف، باران، باد، ابر، صاعقہ وغیرہ۔

ان میں سے ہر ایک کے بے شمار انواع و اصناف ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک صفت و اثر و ہیئت خاص ہے۔ اُس کی خاصیّتِ ظاہری و باطنی اور حرکت و سکون پر بنائے حکمت و مصلحت ہے اور سوائے خداوندِ دانا کے اور کوئی اُس کی حقیقت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ ان میں سے ہر شے محلِّ تفکّر ہے اور دیدۂ بصیرت و معرفت کے لیے روشنی بخش۔ کیونکہ یہ سب کے سب وحدانیتِ حکمت و کمالِ قدرت و عظمتِ خالق پر متفق اور گواہانِ عادل و صادق ہیں۔

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار

جب کوئی دیدۂ بصیرت رکھتا ہو۔ قدمِ حقیقت سے عالمِ وجود میں متلاشی ہو تو اُس پر خداوندِ عالم کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ذرّہ مخلوقات میں عجائبِ حکمت و آثارِ قدرت اس قدر نظر آتے ہیں کہ اُس کی سمجھ حیران اور عقل دیوانی و سرگردان رہتی ہے اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ طبقاتِ عوالم پروردگار شرافت و وسعت میں باہم متفاوت ہیں جو طبقہ کہ حالتِ پستی میں ہے۔ اُسے مافوق سے کوئی نسبت نہیں۔ پس عالمِ خاک کہ پست ترین عوالمِ خداوند پاک ہے۔ اُس کے لیے بمقابلۂ عالمِ ہوا کچھ قدر نہیں ہے۔ اور عالمِ ہوا کی بلحاظِ قیاس عالمِ سمٰوات کوئی حقیقت نہیں۔ اسی طرح عالم سمٰوات کو عالمِ مثال کو عالم سے اور عالم مثال ملکوت سے اور عالمِ ملکوت کو عالمِ جبروت سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اسی طرح موجوداتِ ارضیہ اصل زمین کے سامنے ہیچ ہیں۔ الغرض اُن میں سے ہر ایک عالم کے متعلق افراد و انواع بے شمار ہیں۔ اور ان کے عجائب کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

علماء و حکماء نے عجائبِ صنائع و غرائبِ بدائع کے بیان میں دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ لیکن حقاق

کا ایک شمۂ بھی ادا نہ ہوسکا۔ ہم اس جگہ حیواناتِ ضعیف میں سے پشہّ (مچھر) وزنبور کے عجائبات کا ذکر کرتے ہیں اور اشرفِ حیوانات میں عجائبات انسانیہ کی طرف کسی قدر اشارہ کیا جاتا ہے۔ ایک صاحبِ فہم انھیں پر قیاس اور دیگر عوالم کی نسبت اپنی رائے قائم کرسکتا ہے۔

## عجائب خلقت پشہ

مچھرّ میں غور کیجیے کہ وہ باوجود چھوٹا سا جسم رکھنے کے ہاتھی کی صورت پر خلق ہُوا ہے جو تمام حیوانات سے بڑا ہے۔ اس کو ایک سُونڈ ہاتھی کی سُونڈ کے مثل عطا ہوئی ہے وہ تمام اعضاء جو ہاتھی کو ملے ہیں وہی اُس کو بھی۔ اور اس کے دو پر اور دو شاخ ہاتھی سے زیادہ ہیں۔ اس جثۂ ضعیف پر تمام اعضائے ظاہری و باطنی اس کے لیے موجود ہیں۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں، دو کان، سر، شکم، معدہ وغیرہ۔ نیز وہ تمام قوّتیں جو بدن کی محافظ ہیں یعنی غاذیہ وجاذبہ ودافعہ وماسکہ وہاضمہ ونامیہ اُس کو عطا ہوئی ہیں۔ پھر خونِ حیوانات کو اُس کی غذا مقرر فرمایا۔ اُس کو دو پر دیے کہ غذا کے لیے پرواز کرے۔ ایک سُونڈ بھی عطا کی جس سے خون کھینچے۔ اُس کی سُونڈ کو باوجود نہایت باریک ہونے کے کھوکھلی بنایا کہ اس کے ذریعہ سے خونِ صاف اُوپر کھینچے۔ اپنی سُونڈ کو حیوان کے جسم میں لے جائے اور خون چُوسنے کا طریقہ سکھایا۔ انسان کی دشمنی سے مطلع کیا کہ جب انسان اپنے ہاتھ کو حرکت دے اور اُس کا قصد کرے تو بھاگ جائے۔ اُسے ایسی سماعت عطا کی کہ ہاتھ کی آواز کو دُور سے سُنتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔ پھر جب ہاتھ ٹھہرا دیا جائے تو واپس آجاتا ہے۔ اُس کو دو آنکھیں کرامت فرمائیں۔ جس سے اپنی غذا کا مقام دیکھتا ہے۔ اس طرف پرواز کرتا ہے چونکہ اُس کو چھوٹی آنکھیں دی گئی ہیں۔ جن میں پلک کا مقام نہیں ہے کہ گرد وغبار سے آنکھوں کی حفاظت کرسکے۔ اس لیے تعلیم کی کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گرد وغبار کو آنکھوں سے دُور اور صاف کرے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے حیوانات مثلاً مکھّی، مچھر اپنے ہاتھوں کو آنکھوں پر دم بہ دم مارتے ہیں کہ آنکھوں سے گرد وغبار کو صاف کریں۔ اس قدر قلیل صنعتِ خدا میں اگر تمام اوّلین وآخرین جمع ہوکر اس کے عجائباتِ ظاہریہ و باطنیہ کو معلوم کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ہے۔



## عجائب خلقت زنبُور

زنبُور میں غور کیجیے۔ خداوندِ حکیم نے اس کے آبِ دہن سے کیوں کر شہد وموم پیدا کیا۔

ایک نور وضیا ہے

دوسرا مرہم وشفا ہے۔

اس کو اپنی غذا پھول اور شگوفوں سے حاصل کرنے کی تعلیم کی۔ نجاست و کثافت سے پرہیز کرنے کی تفہیم دی۔ ان میں ایک کو بادشاہ مقرر کیا۔ اُس کی ہیئت کو دوسروں سے ممتاز و بہتر کیا۔ اس کو عدل وسیاست سکھایا۔ تمام کا خیر خواہ بنایا۔ سب کو اس کے امر ونہی کا مطیع وفرماں بردار کیا۔ اُس نے گھر کے دروازے پر نگہبان مقرر کیے کہ جو نجاست لے کر گھر میں داخل ہو اُس کو منع کرے، اور مار ڈالے۔ ان کو یہ ہوشیاری عطا کی کہ پہاڑ اور درختوں اور مکانوں کی بلندی پر موم کا گھر بنائیں کہ آفتوں سے محفوظ اور زندگی سے محفوظ رہیں۔ ان کے گھروں کو دیکھیے جو مسدّس کی شکل پر بنائے جاتے ہیں۔ اگر مستدیر بنتے تو باہر کا حصہّ خراب اور پھیلا ہُوا مہمل رہتا۔ اگر مربع بناتے تو اس کے اندر کے کونے خالی رہتے لہٰذا انھوں نے مسدّس شکل کو اختیار کیا کہ باہر اور اندر کا کوئی مقام ضائع نہ ہو۔

## عجائباتِ خلقتِ انسان

ظاہر ہے کہ آدمی اوّل آبِ نجس کا ایک قطرہ ہے جو تمام اجزاء بدن میں متفرق تھا۔ خداوندِ حکیم نے اپنی حکمت سے مرد وعورت میں ایک محبت دی اُن کو کمندِ شہوت سے مجامعت کی طرف مائل کیا۔ یہاں تک کہ حرکتِ دافعہ سے نطفہ جائے متفرق سے خارج ہو اور آلۂ رجولیت کو دفع کی قوّت اور عورت کے رحم کو جذب کی طاقت عطا کی تاکہ مرد کے نطفہ کو اپنی طرف کھینچے۔ عورت کی منی کے ساتھ مل کر رحم میں قرار پکڑے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج کو پُوری قوت قریب قوّتِ ذکوریت حاصل ہوتی ہے اور اُس کے جگر کے مزاج کی حرارت کامل ہُوا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں جو منی دائیں طرف کے گُردے سے جدا ہوتی ہے۔ بہ نسبت بائیں طرف کے گُردے کے اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں آثار نطفۂ مرد ظہور میں آتے ہیں اور وہ قائم مقامِ نطفۂ مرد

ہوجاتی ہے اور جو بائیں طرف کے گردے سے نکلتی ہے وہ عورت کے نطفہ کی قائم مقام ہوتی ہے۔ اُس حالت میں اگر رحم کی قوّتِ جذب وامساک بھی قوی ہو تو ممکن ہے کہ اگر کوئی قوّت خارج سے اُسے پہنچ جائے تو صرف عورت کے ہی نطفہ سے بچہّ متولّد ہو۔ جیسا کہ رُوح القدس نے مریم بتول علیہا السّلام کے پاس بشکلِ انسان ظہُور کیا۔ ان کی امدادِ رُوحانی تمام قوتوں کو پہنچی اور حضرت عیسیٰؑ وجود میں آئے۔

## متعلق جنین

حاصل کلام یہ کہ عورت کے رحم میں مرد کا نطفہ قرار پکڑنے کے بعد جیسا کہ تنور پر خمیر بستہ ہوجاتا ہے۔ جنین کی خلقت شروع ہوگئی اور خدائے تعالیٰ نے حیض کے خون کو دفع ہونے سے منع فرمایا۔ پھر نطفۂ بے شعور کو قوت دی کہ خون کو اعماق بدن سے اپنی طرف کھینچے۔ یہاں تک کہ خون کے نقطے اُس میں ظاہر ہُوئے اور اُس کی سُرخی اور بڑھی یہاں تک کہ خون بستہ ہوگیا۔ پھر ہوائے گرم کے ہیجان سے مضغہ کی صُورت اختیار کی۔ اُس وقت خالق نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس میں نشانِ جوارح واعضاء تقسیم کر دیا۔ مثلاً رگ وپے واستخوان وگوشت وچربی وغیرہ۔ اعضائے مختلف الاشکال ظاہر ہوئے۔ سر کو متدیر بنایا۔ آنکھ، کان، مُنہ، ناک باقی تمام منافذ مقرر کیے۔ ہاتھ اور پاؤں لانبے بنائے اور ہر ایک کو پانچ انگلیاں عطا کیں۔ اور ہر انگلی میں ناخن مقرر فرمایا۔ اُس میں دماغ، دل، جگر، شش، معدہ، رحم، مثانہ، انتڑی غرض تمام اعضائے ضروریہ مع اُن کی خاص ہیئت وشکل مخصوص کے ایجاد فرمائے۔ ہر ایک کو ایک شغلِ معیّن وعملِ خاص میں مصروف کیا۔ ان تمام حالتوں میں جنین حجابِ ظلمتِ رحم میں قید ہے۔ دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ کے دونوں طرف اور کہنیاں تہگاہ پر زانو کو اپنے سینہ پر ٹھوڑی کو اپنے زانو پر رکھ کر اپنی ناف ماں کی ناف سے ملا کر خونِ حیض کو بطور غذا کے چُوستا ہے۔ لڑکے کا منہ پشتِ مادر کی طرف ہوتا ہے اور لڑکی کا مُنہ ماں کے مُنہ کی جانب۔ اُس جنین کو ان نادر نقوش کی جو اُس پر وارد ہوتے ہیں۔ کوئی خبر نہیں اور نہ باپ ماں کو کوئی اطلاع، نہ کوئی نقاش اندر پیدا ہے، نہ باہر کوئی مصوّر رہویدا ہے۔ اُس حالت میں یہ جنین گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔



## رُباعی

بالاتر از آنی که بگویم چون کن
خواهی جگرم بسوز و خواهی خوں کن
من صورتم و زخود ندارم خبری
نقاش توئی، عیب مرا بیرون کن

اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہے تو عجائباتِ اعضاء پر نظر کیجیے۔ ان ہڈیوں کو ملاحظہ کیجئے۔ اُنھیں نطفۂ سیّال سے آب وخون کے اندر کیونکر سخت اور محکم پیدا کر دیا۔ اُنھیں ستُونِ بدن قرار دیا۔ یہ سب مختلف الشّکل اور مختلف المقدار ہیں۔ بعض چھوٹی ہیں بعض جوف دار ہیں بعض ٹھوس، غرض حکمت اور مصلحت کا جو تقاضا تھا وہی ظہُور میں آیا اور چونکہ انسان کبھی تمام بدن، کبھی جزوِ بدن، کبھی بعض اعضاء کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو ایک ہڈی سے خلق نہیں کیا۔ بلکہ اُس کو بہت سی ہڈیاں دیں۔ اُن میں جوڑ مقرر کیے تاکہ ہر طرح کی حرکت حاصل ہو جو ہڈی حرکت میں دُوسرے کی محتاج نہیں۔ اُس کو ٹھوس پیدا کیا اور جو حرکت میں دوسرے کی محتاج ہے اس میں جوف کم رکھا اور جس کا ہلکا ہونا مطلُوب ہے اس میں جوف زیادہ قرار دیا۔ ہر ایک استخوان کی غذا جو مغز ہے اس کے اندر مقرر کی ہڈیاں بسبب حرکت کے خشک نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر ضائع نہ ہوں ہڈیوں کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وصل کر دیا۔ اس طرح کہ ایک ہڈی کا سرا بڑھا ہُوا ہے اور دوسرے میں گڑھا ہے۔ یہ بڑھا ہُوا سرا اُس گڑھے میں داخل ہوکر پیوست ہوجاتا ہے اور چونکہ ہڈی ایک جسم سخت ہے اور گوشت نرم اُن کا ایک دُوسرے سے وصل ہونا ممکن نہ تھا لہٰذا گوشت اور ہڈی کے درمیان ایک دوسرا جسم ہڈّی سے پیدا کیا جس کو (عضر وف) کہتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ گوشت متّصل ہوجائے اور اُس کا اتصال ہڈّی سے ہو۔

اب ذرا رگوں کے عجائبات کو ملاحظہ کیجیے کہ یہ رگیں دو قسم کی ہیں:

ایک وہ رگیں جو حرکت کرتی ہیں۔

دوسری وہ رگیں جو ساکن ہیں۔

پہلی کو شریانیں، دوسری کو اوردہ کہتے ہیں۔

شرائین وہ رگیں ہیں جو دل سے نکل کر تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا کام یہ ہے کہ دل جو سرچشمۂ حیات و منبع روحِ حیوانی ہے۔ وہاں سے اس رُوحِ حیوانی کو تمام اعضا و جوارح تک پہنچائیں۔ اُن بخاراتِ دخانیہ سے دل کی محافظت کریں جو معدے سے متصاعد ہوا کرتے ہیں، اور نسیم صاف کو خارج سے دل کے لیے جذب کریں۔

ان کی حرکت دو قسم کی ہے :۔

## ۱: انقباضی :۔

اِس حرکت کے ذریعہ سے تمام بخاراتِ رویہ دل سے خارج ہوتے ہیں۔

## ۲ :انبساطی :۔

اس حرکت کے ذریعہ سے ہوائے صاف کو جذب کیا جاتا ہے۔

چونکہ اِن رگوں کا ہمیشہ متحرّک ہونا ضروری ہے اس لیے خداوندِ حکیم جلّ شانہٗ نے اُن کو دو پوست میں پیدا کیا کہ مضبُوط رہیں اور حرکت سے شگافتہ نہ ہو جائیں اور چونکہ شُش کی غذا دل سے پہنچنا ضروری ہے لہٰذا انھیں رگوں میں سے ایک کو اس خدمت پر مقرر کیا جس کو شریانِ وریدی کہتے ہیں۔ وہ اُسی کام پر مامُور ہے اس کا ایک سِرا دل میں اور دُوسرا سرا شُش میں گیا ہے اور اُس سرے پر اُس کی بہت سی شاخیں ہوگئی ہیں۔ تاکہ غذا کو دل سے لے کر تمام اجزائے شُش میں پہنچائے۔ چونکہ شُش نرم اور اس کا پوست نازک ہے۔ لہٰذا اس رگ پر ایک پوست پیدا کیا تاکہ اس کی سختی و حرکت سے ایذا نہ ہو۔

دُوسری قسم کی رگیں یعنی اوردہ :

اُن کا کام یہ ہے کہ معدے سے جگر میں اور جگر سے تمام اعضاء میں غذا پہنچائیں۔ چونکہ وہ ساکن ہیں ان پر کوئی صدمہ وارد نہیں ہوتا۔ اس لیے انھیں ایک پوست سے خلق کیا۔ مگر ان میں سے ایک کو ورید شریانی کہتے ہیں کہ وہ جگر سے نکل کر دل میں داخل ہوئی ہے وہ غذائے شُش کو جگر سے دل میں پہنچاتی ہے اور دل اُس کو شریانِ وریدی کے سُپرد کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو دو پوست سے پیدا کیا کہ صدمہ سے حرکت دل کی خراب نہ ہو۔



اللہ اکبر کیا کیا حکمتیں ہیں؟

کیا کیا عجائب و غرائب ہیں؟

سُبْحَانَهٗ مَا اَجَلَّ شَانَهٗ وَاَعْظَمَ بُرْهَانَهٗ

## متعلق استخوانِ سر

اب آیئے، سر اور اس کے عجائباتِ خلقت میں غور کیجیے۔ اس کو مختلف اشکال کی ہڈیوں سے بنایا ہے۔ باطن کو تمام حواس کا مجمع کیا ہے۔ کاسۂ سر چھ ہڈیوں سے بنا ہے۔ اُن میں سے دو ہڈیوں بجائے سقف کے چار بمنزلہ دیوار کے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے سے وصل ہیں، اور مقامِ اتصال جیسے شئون کہتے ہیں۔ اس میں بہت سی درزیں رکھی ہیں تاکہ جو بخارات دماغ میں پہنچتے ہیں ان کے ذریعہ سے باہر نکلیں اور سر میں رہ کر بیماری کا سبب نہ ہوں۔ چونکہ اِن ہڈیوں کو جو سر کے پیچھے واقع ہے دوسرے سے زیادہ مضبُوط کی گئی۔ کیونکہ وہ پیچھے ہونے کی وجہ سے نظر سے پوشیدہ ہے۔ آنکھوں سے اُس کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اُس کو زیادہ مضبوطی عطا کی کہ ہر آفت سے محفوظ رہے۔ پھر دماغ کو چکنا اور نرم خلق کیا تاکہ جو رگیں اُس سے اُگیں وہ نرم ہوں اور ٹوٹنے نہ پائیں اور محسوسات کی صُورتیں اس سے قائم رہیں۔ اُس کے مزاج کو سرد و تر گردانا۔ تاکہ حرارتِ فکریہ کے سبب سوختہ نہ ہو جائے۔ دماغ کے دو پردے مقرر کیے جو پردہ دماغ سے متصل ہے وہ نرم و نازک ہے اور اُس میں بہت سے سُوراخ ہیں جن سے دماغ کے فضلات باہر جاتے ہیں۔

اصل دماغ کو دو قسم پر تقسیم کیا۔

ایک بہت نرم بہ نسبت دوسرے کے ہے۔ اور بیچ میں اُن کے پردۂ نازک پیدا کیا کہ نرم کو سخت سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دماغ کے نیچے پردۂ غلیظ اور ہڈی کے درمیان ایک صفحۂ فرش مشبک قرار دیا ہے۔ جو دل و جگر سے دماغ کی طرف صعود کرنے والی شریانیں سے بنا ہے۔ وہ خون و رُوح جو دماغ کی غذا کے لیے دل و جگر کی طرف سے اُوپر چڑھتے ہیں وہ اُسی صفحہ مذکُورہ میں ٹھہر کر نضج پاتے ہیں۔ اُن میں برودت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خون تدریجی طور پر برودت حاصل کر کے دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خونِ جگر اور روحِ قلب دماغ کی غذا بننے کی صلاحیّت نہ رکھتے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ حس و حرکت کا منشا اور مبدأ دماغ ہی ہے۔ باقی تمام اعضاء بذاتِ خود

کوئی حِس نہیں رکھتے

پس خداوندِ عالم نے دماغ سے بہت سی رگیں پیدا کیں اور انھیں تمام اعضاء میں پھیلا دیا تا کہ دماغ کے احساس کا اثر تمام اعضاء میں پہنچ جائے اگر یہ رگیں سب کی سب دماغ سے پیدا ہوتیں تو ضروری تھا کہ سر سنگین اور اندازے سے بڑا ہوتا۔ لہٰذا اس خرابی کو رفع کرنے کے لیے خداوندعالم نے مادۂ دماغ سے ایک سفید رگ خلق کی جسے نخاع کہتے ہیں، اور اس سُوراخ میں سے جو کاسۂ سر کے نیچے ہے۔ اُس رگ کو نکال کر استخواں کے اندر ہی اندر پیٹھ تک پہنچا دیا اور اُس رگ سے بہت سی رگیں پیدا کر کے تمام اعضا میں دوڑائیں۔

پس دماغ بمنزل چشمہ ہے اور حرام مغز یعنی پیٹھ کے جھروں کا مغز (نخاع) بڑی نہر کی مانند ہے جو اُس چشمہ سے جاری ہے۔ باقی تمام رگیں چھوٹی چھوٹی نہروں کی مانند ہیں۔

## متعلقِ چشم

آنکھ کی طرف ایک نظر دیکھیے کہ اس کو شکلِ نیک، ہیئتِ دلکش، رنگِ مرغوب، طرزِ محبوب پر پیدا کیا۔ اس کے لیے سات طبقے مقرر کیے اور تین رطُوبتیں قرار دیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی متغیّر ہو تو نگاہ میں خلل واقع ہو جائے خیال کیجیے کہ آسمان بایں، ہیئتِ بزرگ اس پُتلی میں سما جاتا ہے جو مُسور کے دانے سے زیادہ نہیں۔ پھر ہر ایک آنکھ کو پپوٹے عطا کیے تا کہ گرد وغبار اور دیگر اشیائے ایذا رساں سے آنکھ کی حفاظت کریں اور نیچے کا پپوٹا چونکہ ساکن رہتا ہے اس لیے اُسے چھوٹا خلق کیا تا کہ حدقۂ چشم کو ڈھانک نہ لے اور آنکھ کے فضلات اُس میں جمع نہ ہوں۔ اِن پپوٹوں کو مژہ سے زینت دی۔ اس لیے کہ جب کھُلی ہو تو موذیات کے ضرر کا خوف رہتا ہے، اُس وقت مژہ اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ چنانچہ جس وقت آندھی چلتی ہو اور آنکھ کھولنے میں گرد وغبار کا خوف ہو تو اُس وقت نیچے اور اُوپر کی مژہ کو ملا لیتے ہیں جو ایک قفس کے مانند بن جاتی ہے اور اُس قفس میں سے نظر دوڑائی جاتی ہے۔

## متعلق حکمتِ گوش

گوشِ ہوش سے کان کی حکمتوں کا بھی ایک شمہ سُن لیجئے۔ کیونکر خدائے تعالیٰ نے اُس کو



شگافتہ کیا اور اُس میں ایسی قوت قرار دی جو تمام مختلف آوازوں میں امتیاز کرے۔ آدمی دوسرے کے دل کی باتوں کو اُس کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے۔ دونوں کان کے سوراخ پر ایک بلندی مثل سیپی کے خلق فرمائی ہے تا کہ گرمی وسردی سے حفاظت ہو۔ کان کے سوراخ میں بہت سی گردشیں مقرر کیں کہ اگر کوئی حیوان کان میں جانے کا ارادہ کرے تو آسانی سے داخل نہ ہو سکے۔ باوجود اس کے اُس جگہ بدبُودار اور تلخ میل پیدا کر دیا تا کہ حشرات الارض اور مُوذی جانور اُس سے نفرت کریں اور کان میں داخل نہ ہوں۔

## متعلق چہرہ و پیشانی

آدمی کی صورت پر غور کیجئے اور دیکھیے کہ پیدا کرنے والے نے اس کو کس قدر زینت دی ہے۔ اس کو پیشانی، بھنویں، آنکھ، ناک، مُنہ، ٹھوڑی۔ غرض ہر شے حسبِ حکمت ومصلحت عطا کی۔ داڑھی کو مرد کے لیے حُسن اور عورت کے لیے بدصُورتی قرار دیا۔ ناک میں دو سُوراخ رکھے۔ جن میں سونگھنے کی قوت دی کہ اس کے ذریعہ سے غذائے نیک و بد کا امتیاز کریں۔ اُن سُوراخوں سے ہوائے صاف کو دل میں جذب اور ہوائے گرم و بدبُو کو دفع کیا جائے اور جو فضلات دماغ میں جمع ہوتے ہیں اُن سے دفع ہوں۔ چونکہ راستے کے بند ہونے کے باعث ہوا کا جذب ہونا اور فضلات کا دفع ہونا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے اس طرح قرار دیا کہ ہمیشہ اُن دو سُوراخوں سے ایک ہوا کے کھینچنے کے واسطے اور دوسرا دفعِ فضلات کے لیے ہو۔ اسی وجہ سے ان دو میں سے ایک کھُلا ہوا اور دوسرا فی الجملہ بند رہتا ہے۔ مُنہ کشادہ رکھا اور اس میں زبان خلق فرمائی۔ جو دلی حالت کی ترجمان ہے اُسے لغاتِ مختلفہ میں بات کرنے کی قوّت عطا کی۔ ہر حرف کا مخرج بتلایا۔ مُنھ کو دو جبڑوں سے خلق کیا۔ اور اُن میں اس طرح پیوند کر دیا کہ نیچے کا جبڑا چکّی کے مانند گردش کرتا ہے۔ کھانے کو باریک کرتا ہے اور اُوپر کا جبڑا ساکن رہتا ہے بخلاف چکّی کے کہ اُوپر کا پتھر گردش کرتا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ کاسۂ سر جو مقامِ دماغ وحواس ہے اُوپر کے جبڑے پر مقرر ہے۔ اگر وہ حرکت کرنے والا ہوتا تو حواس مضطرف و پریشان رہتے۔ اِن دونوں جبڑوں میں دانت نصب کیے، اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ ان کی صفیں آراستہ کیں۔ اُن کی جڑیں محکم کر دیں۔ اُن کی صورت بہ مقتضائے مصلحت مختلف بنائی۔ بعض کو چوڑے بنایا۔ جیسے چکّی میں دندانے ہوتے ہیں۔ ان سے

غذا چبائی جاتی ہے اور بعض کو تیز خلق کیا تا کہ اگر ٹکڑے کرنے کی ضرورت ہوتو اُن سے ٹکڑے کریں۔مثلاً آگے کے دانت جن کو رباعیات کہتے ہیں۔بعض کواُن میں سے متوسّط خلق کیا اور چونکہ غذا کا چبانا اس امر پر موقوف ہے کہ وہ دانتوں کی گردش کے نیچے آئے پھر چبائی ہوئی غذا فضائے دہن میں پہنچے اور وہ غذا جو چبائی نہیں گئی ہے دانتوں کے نیچے آئے اس لیے زبان کو تعلیم کی کہ وہ غذا جو چبائی نہیں گئی ہے دانتوں کے نیچے آئے اس لیے زبان کو تعلیم کی کہ وہ غذا چبانے کے وقت مُنہ میں گردش کر کے اس فرض کو پورا کرے۔ پھر خلق میں یہ قوت رکھی کہ چبانے کے بعد غذا نیچے اتارے اور چونکہ اکثر غذا خشک ہوتی ہے اس کا اندر جانا ممکن نہ تھا۔اس لیے زبان کے نیچے چشمہ جاری کیا کہ اس سے پانی بقدرِ ضرورت کے منہ میں آئے اور غذا اس میں خمیر ہو کر نیچے اُترے۔منہ کے آخری حصّہ میں حنجرہ خلق کیا اور اُسے تنگی اور کشادگی و ہمواری اور بلندی و کوتاہی میں مختلف بنایا۔ تا کہ مختلف آوازیں اس میں سے نکل سکیں،اور ایک دوسرے کے مشتبہ نہ ہوں۔

پھر گردن کو دراز قرار دے کر سر اُس کے اُوپر رکھ دیا اور گردن کو سات مہروں سے مرکّب کیا جو مجّوف ہیں اور ایک دوسرے پر منطبق۔اور گردن کی منفعت زیادہ تر ہے کہ وہ اِدھر اُدھر حرکت کر سکے۔لہٰذا اُس کے مہروں کے جوڑ ا ایسے خلق کیے جو ہر طرف حرکت کر سکیں اور اُنھیں بہت سے رگ و پے سے بستہ کر کے محکم کر دیا۔

## متعلق معدۂ انسان

اب نظر کیجیے کہ عجائباتِ معدہ اور اُن سامانوں پر جو ہضم وطبخِ غذا کے لیے خلق ہوئے ہیں اور ملاخطہ کیجیے کہ خُلقوم کے سِرے پر کئی طبقے ہیں جو غذا اندر جانے کے وقت کشادہ ہوتے ہیں اور غذا اُتر جانے کے بعد سکڑ جاتے ہیں۔ پھر معدہ کو دیگ کے مانند خلق کیا۔اُس میں ایک قسم کی حرارت پیدا کی۔اس حرارت سے نیز جگر طحال، پشت اور وہ چربی جو معدہ پر لپٹی ہوئی ہے ان کی حرارت سے معدہ میں غذا پختہ ہوتی ہے اور کشکاب کے مانند غلیظ ہو جاتی ہے۔اب ضرورت ہے کہ یہ کیلوس صاف ہو کر جگر میں پہنچے اور وہاں سے تمام اعضاء میں تقسیم ہو۔لہٰذا خداوندِ عالم نے معدے کے سرے پر رگیں پیدا کیں۔جن کو ماساریقا کہتے ہیں۔ یہ ماساریقا ایک دوسری رگ سے متّصل ہے جو باب الکبد کہلاتی ہے اور اس کا ایک حصّہ جگر میں نفوذ کیے ہوے ہے۔اس حصّہ سے بہت سی



رگیں نکل کر تمام اجزائے جگر میں پھیلی ہُوئی ہیں۔ان کو عروقِ لیفیہ کہتے ہیں۔

پس کیلوس کا خالص حصّہ ماساریقا کے ذریعہ سے باب الکبد میں پہنچتا ہے اور وہاں سے بتوسّطِ عروقِ لیفیہ تمام اجزائے جگر میں پہنچتا ہے جگر اُسے چُوستا ہے اور یہاں غذا طبخِ ثانی حاصل کرتی ہے۔اس طبخِ ثانی میں چار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک مانندِ کف۔جسے صفرا کہتے ہیں۔

دوسری دُرد کے مانند جو سودا ہے۔

تیسری سفیدیٔ بیضہ کے مِثل جو بلغم ہے۔

چوتھی چیز ان سب میں صاف و خالص ہے جو خون ہے اور جس میں ابھی مائیت کا حصہّ زیادہ ہوتا ہے۔یہ خون مائیت آمیز عروقِ لیفیہ میں منتشر رہتا ہے۔

اب اگر یہ سودا و صفرو بلغم و مائیت خون میں شامل رہیں تو اُس کا مزاج یقیناً فاسد ہو جائے۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے دو گردے خلق کیے۔

ایک تِلّی

اور ایک پِتہّ

ان میں سے ہر ایک اپنی گردن جگر کی طرف دراز کیے ہُوئے ہے۔گُردوں کی گردن رگ سے متّصل ہے جو محدّبِ جگر سے نکلی ہے۔اس گردن کے ذریعہ سے گُردے اُس رطوبت کو جو خون میں ملی ہُوئی ہے جذب کرتے ہیں۔اس رطوبت کے ساتھ کسی قدر خون بھی کھینچ آتا ہے۔ یہ خون تو گُردے اپنی غذا کے لیے رکھ لیتے ہیں اور غذائیت و رطوبت کو مثانہ کے حوالے کرتے ہیں جو وہاں سے براہِ مخرجِ بول خارج ہو جاتی ہے۔ پِتہّ اور تِلّی کی گردن جگر میں داخل ہے۔پِتہّ صفرا کو جذب کرتا ہے۔اور بوقتِ ضرورت انتڑیوں پر ڈالتا ہے۔اُس کی حِدّت کی وجہ سے انتڑیوں میں خراش ہوتی ہے وہ افشردہ ہو کر حرکت کرتی ہیں اور جو دُردی کیلوس معدہ میں رہ گئی تھی،وُہ براہ براز دفع ہوتی ہے۔ یہ صفرا بھی اُس دُروی کیلوس معدہ میں رہ گئی تھی،وُہ براہ براز دفع ہوتی ہے۔ یہ صفرا بھی اُس دُردی ( تلچھٹ ) کے ساتھ دفع ہو جاتا ہے اسی سبب سے پاخانہ زرد ہوتا ہے۔اب تلّی گردن سے سودا کو کھینچتی ہے اور تلّی میں پہنچ کر سودا میں تراشی و قبضی حاصل ہوتی ہے۔تِلّی ہر روز اُس میں سے بقدرِ ضرورت معدہ میں پہنچاتی ہے تا کہ بھوک پیدا ہو۔خواہشِ غذا حرکت میں آئے اس کے بعد یہ

بھی دُردی کیلوس کے ساتھ براہِ براز دفع ہو جاتا ہے۔

اب رہا خُونِ صاف یہ اُس رگ کے ذریعہ سے جو حدبۂ جگر سے نکلی ہے اور اس کی بُہت سی شاخیں ہیں تمام اعضا میں پہنچتا ہے اور ہر ایک کے حصہّ کے موافق تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسی سے گوشت واستخوان اور تمام اعضا متکوّن ہوتے ہیں۔ لیکن بلغم جگر میں نضج پا کر خون بنتا ہے اور بلغم جس طرح جگر میں یہ کیلوس کے ساتھ جگر میں آتا ہے اس کا کچھ حصہّ انتڑیوں میں باقی رہتا ہے اور حدّتِ صفرا اُسے ہمراہِ براز دفع کر دیتی ہے۔ کچھ حصہّ آبِ دہن کے ساتھ دفع ہوتا ہے۔ کبھی سر سے معدہ میں آتا ہے اور براہِ سرفہ وغیرہ دفع ہوتا ہے۔

## متعلق دل

اب قلب کے عجائبات پر توجہ کیجئے کہ اس کا جسم صنوبری شکل میں پیدا کیا چونکہ قلب شرچشمہ روح وحیات ہے اس لیے اس کو سخت خلق کیا کہ حادثات سے محفوظ رہے اور تھوڑی سی چیز سے ماؤف نہ ہو۔ اسی روح سے آدمی کی حیات قائم ہے اور جو عضو اس رُوح کے فیض سے محروم ہیں مثلاً ناخن، بال وغیرہ۔ وہ خلعتِ حیات سے بے نصیب ہیں اور جب کسی عضو کے لیے اس رُوح کے حاصل کرنے کا راستہ مسدُود ہُوا تو حِس وحرکت سے بیکار ہو جاتا ہے دل اس روح کو اُمنائے شرائین اور رگ ہائے غیر جہندہ کے سپرد کرتا ہے۔ شرائین اُسے دماغ میں پہنچاتی ہیں اور وہاں بہ سببِ برودتِ دماغ معتدل ہو کر تمام اعضائے متحرّکہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس کو روحِ نفسانی کہتے ہیں، اور رگ ہائے غیر جہندہ اس روح کو جگر میں پہنچاتی ہیں۔ جو مبدأ قوائے نباتیہ ہے اور وہاں سے تمام اعضاء میں متفرق ہوتی ہے۔ اُس کو رُوحِ طبیعی کہتے ہیں۔

## متعلق دست

آدمی کے دونوں ہاتھوں کو دیکھیے کہ کس طرح خالقِ حکیم نے اُن کو لانبے بنایا ہے تاکہ جس مطلب کے واسطے چاہیے دراز کر سکے۔ ان کی ہتھیلیوں کو چوڑا بنایا۔ اُنھیں پانچ انگلیاں عطا فرمائیں۔ اور ہر اُنگلی کو تین حِصّوں پر تقسیم کیا۔ انگوٹھے کو ایک طرف اور چار انگلیوں کو دوسری طرف اس طرح مقرر کیا کہ انگوٹھا اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ اگر اوّلین وآخرین عقلائے زمنہ متفق ہوں کہ



دوسری طرح سے انگلیوں کی واضع ودرازی وکوتاہی میں فکر کریں جو بلحاظِ زینت ومصلحت اس وضع سے بہت یا اُس کے مانند ہوں تو ہرگز ممکن نہیں ہے کیونکہ اس ترتیبِ موجُود کے بموجب وہ ہر ایک کام کے لیے موزُوں ہیں۔ اگر اُنکو پھیلائے تو ایک طبق ہے۔ اگر اُن کو بند کرکے مٹھی بنائیں تو ایک گرزِ گراں ہے۔ انگلیوں سے ہر چیز کی گرفت ہوسکتی ہے۔ انسان جو چاہے لے سکتا ہے اور جو چاہے دے سکتا ہے۔ ان سے کفچہ بنائے، صندوقچہ بنائے جو چاہے کام لے۔ انگوٹھے کو انگشتِ شہادت سے ملا کر ہر چیز کو توڑ سکتا ہے۔ انگشتِ شہادت سے ہر چیز کی طرف حسبِ دلخواہ اشارہ کر سکتا ہے۔ اگر دشمن کو پکڑنا چاہے تو پکڑ لے۔ غرض بے شمار فوائد ہیں۔ جن کا احصار دشوار ہے۔ پھر انگلیوں کو ناخن سے زینت دی تاکہ اُن کی حفاظت ہو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو جو انگلیوں سے نہ اُٹھ سکیں، ناخُن سے چُن سکتے ہیں۔ بدن کھجا سکتے ہیں۔ انسان کی کیا مجال جو اِن منافع کا احاطہ کر سکے

## متعلق پا

ہر شخص کو دو پاؤں دیے گئے جو ران، پنڈلی اور قدم بنے ہُوئے ہیں۔ ہر ایک کو شکل و ترکیبِ خاص دی گئی ہے۔ اگر کوئی تغیّر ترکیب یا شکل یا وضع میں اُن کے پیدا ہو تو انسان حرکت نہیں کر سکتا۔ اُن کو بدن کے ستون اور مرکب قرار دیا۔ جسم کو اُن پر سوار کیا۔ یہ تمام عجائباتِ بدن انسانی اس قطرۂ نطفہ میں ودیعت ہُوئے ہیں جسے رحم کے پردۂ تاریک میں خلق کیا ہے۔ یہ پردہ حائل نہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ خطوط ونقوش ورسوم واعضاء ایک دوسرے کے بعد کس طرح اس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی نقش کرنے والا ہویدا ہے نہ کوئی قلم پیدا۔ ؎

بودنقش دل ہر ہوشمندے
کہ باشد نقش ہارانقش بندے

یہ ہے اُن حِکمتوں کا شمہّ جو ظلمت کدۂ رحم کے اندر نطفہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس کا جسم بزرگ ہوا اور جائے رحم کی جائے تنگ ہوئی تو دیکھو اُس کو راستہ بتلایا کہ وہ سرنگوں ہو کر رحم کی جائے تنگ سے دنیا میں قدم رکھے۔ چونکہ باہر آنے کے بعد ضرورت غذا کی تھی۔ اس کا جسم نرم، سُست، غذائے ثقیل کا متحمّل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے حیض کے خون کو جس کا رنگ سیاہ اور اعضائے خراب کے لیے مقرر تھا بند کر کے پستان کے راستہ سے بچہّ کی غذا کے واسطے سفید کر کے بھیجا۔

پستان کو ایک نوک طفلِ شیر خوار کے مُنہ کے مطابق عطا کی اور چونکہ طفل کو ایک وقت میں زیادہ پینے کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اُن میں باریک سُوراخ قرار دیے کہ دُودھ آہستہ آہستہ چُوسنے سے باہر آئے۔ کیونکہ اس طفل کو پستانِ مادر کے چُوسنے کی رہنمائی کی۔ دانت نکلنے کے لیے ایک مہلت مقرر کی کہ ماں کی پستان کو اُن سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ دُودھ کے سبب سے اُس کے دماغ میں رطوبت بہت جمع ہوتی تھی۔ اس لیے گریہ کو مسلّط فرمایا تاکہ وہ رطوبت دفع ہو۔ آنکھ یا دوسرے کسی اعضا پر نہ گرے۔ جب تھوڑا تھوڑا زمانہ گزرا۔ اُس کا گوشت مضبوط ہوا اور سخت غذا کے کھانے کی طاقت میّسر ہوئی تو مُنہ میں دانت علی الترتیب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ چونکہ طفل خود اپنی تربیت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے ماں باپ کو اس پر مہربان کیا کہ اپنے آرام اور خواب کو حرام کر کے اُسکی پرورش میں مشغول رہیں۔ اس کے بعد اس کو تھوڑی تھوڑی سمجھ۔ طاقت عقل کرامت فرمائی۔ اُس کے قوائے باطنہ و نفسِ مجرّدہ میں کچھ ایسے اسرار سپرد کیے کہ عقول حیران ہیں۔

قوۂ خیال کو فکر کیجیے کہ وہ قابلِ قسمت نہیں ہے مگر ایک ہی وقت میں زمین و آسمان کی خبر لاتی ہے۔ قوۂ واہمہ پر نظر ڈالیے کہ کیوں کر ایک لحظہ میں معانی مختلفہ کو جمع و ترتیب دے کر اُن میں سے جو کچھ موافق مصلحت کے ہو علیٰحدہ کر لیتی ہے۔ نفسِ مجرّد کو دیکھتے کہ باوجودیکہ آلائشِ مکان سے پاک ہے مگر تمام بدن کا احاطہ کیے ہُوئے ہے۔ اس کی تدبیر میں مشغول ہُوا ہے۔ حالانکہ اپنی شناخت سے عاجز ہے۔ مگر تحصیلِ علوم کرتا ہے۔ حقیقتِ اشیاء کو معلوم کرتا ہے۔ قوّتِ عقل سے عالمِ ملک و ملکوت میں متصرّف ہے۔ نطفۂ گندیدہ کی حالت سے لے کر ملکوتِ اعلیٰ سے متّصل اور حقائقِ اشیاء پر محیط ہونے تک تماشائے مقام و سیر اطوار میں مصروف ہے۔ حالانکہ خود ایک عالم ہے۔ جس میں درندے، گزندے، شاطین، ملائکہ جمع ہیں۔ تمام موجوٗدات، درندے اور پرندے وغیرہ اُس کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہیں۔ یہ دیو اور جن کو خدمت کے لیے پابہ زنجیر کرتا ہے۔ ستاروں اور ارواح کو تسخیر کرتا ہے۔ اپنی آواز اور نغمۂ خوش سے عقلاء کو مدہوش کرتا ہے۔ حیوانات کو بیہوش کرتا ہے۔ اپنی طبیعت کو اس طرح موزوں کرتا ہے۔ ایک ساعت کے تامّل میں ہنرِ غریب ہویدا کرتا ہے۔ کبھی بدن تو لانبی اور میٹھی نیند میں پڑا رہتا ہے۔ اور یہ اطرافِ عالم میں سیر کناں، کبھی افلاک پر رواں، کبھی ارواح سے ملاقی، کبھی اسے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ اصل کائنات میں داخل ہو کر جس کو جس صورت میں چاہے دکھلائے، ہوا کو ابر بنائے، آسمان سے بارش برسائے۔ التفات سے



کسی قوم کی نجات ہو۔ دعا سے کسی کی وفات ہو۔ ملائکہ سے صحبت رکھے ایک ساعت میں اپنی کتنی صُورتیں بنائے۔ کبھی حاکمِ دیار ہو، کبھی بادشاہِ قہار ہو۔ ربعِ مسکون کو اپنا زیرِ نگیں سمجھے۔ کبھی پیغمبر مرسل ہو۔ خاک سے افلاک تک تمام کو مطیع اور فرماں بردار کرے۔ خوابِ غفلت سے بیدار اور مستیٔ طبیعت سے ہوشیار ہو کر دیدۂ بصیرت کھولیے۔ قدرتِ پروردگار کا تماشا کیجیے۔ اس نطفۂ گندیدہ کو خالقِ برتر کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے۔ یہ عجائبات جن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اگرچہ دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں ہیں۔ لیکن انسان تفکّر و تامّل سے کام لے تو اُس کی سعادت کے لیے کافی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

"مخلوق میں سے صُورتِ انسانی بزرگ ترین حجت خدا ہے وُہ ایک کتاب ہے جو یدِ قدرت سے لکھی گئی ہے۔ ایک ہیکل ہے جیسے مقتضائے حکمت کے بموجب تیار فرمایا ہے۔ اُس کی صورت میں تمام موجُوداتِ عالم ملک و ملکوت جمع ہیں۔ ایک نمونہ ہے۔ تمام علوم کا جو لوحِ محفوظ پر ثبت ہیں۔ وہ گواہ اور شاہد ہے اُن اُمور پر جو نظر سے پوشیدہ ہیں۔ وہ ہر منکرِ خالق منان کے لیے برہانِ قاطع ہے۔ انسانِ کامل کے لیے ایک سیدھا راستہ ہے جو ہر چیز پر پہنچاتا ہے۔ ایک صراط ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان کھنچا ہُوا ہے۔"

## عجائباتِ زمین

عجائباتِ زمین، بلندی، پستی، پہاڑ، صحرا، دریا، شہر، جزیرے، معدن، جمادات، نباتات، حیوانات پر غور کیجیے۔

اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو ان عجائبات کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو میں اس قدر قدرت و حکمت مشاہدہ کرتے کہ والہ و حیران ہو جاتے اور عظمت و جلالِ خالق پر یقین حاصل ہو جاتا۔ پہاڑوں کی طرف نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ خالقِ بیچون نے انھیں کس طرح قائم کیا ہے۔ اطرافِ زمین کو اُن کے سبب سے مستحکم فرمایا ہے۔ اُن کے نیچے صاف چشمے رواں ہیں۔ بُہت سے جواہرِ قیمتی جن کی قیمت لگانے سے جوہر عاجز ہیں اُن میں پنہاں ہیں۔ کس قدر معدن اُن میں پیدا کیے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو معیشتِ انسان میں انتظام ہونا ممکن نہ تھا۔ اور جو جگہ آبادی کے قابل اور

اجتماعِ انسان میں انتظام ہونا ممکن نہ تھا اور جو جگہ آبادی کے قابل اور اجتماعِ انسانی کے لیے مناسب ہے۔ اُس کے قرب و جوار کو معدنیات سے خالی رکھا تا کہ اُن کے کاموں میں خلل واقع نہ ہو۔ جس چیز کی ضرورت اُن کو زیادہ تھی مثلاً نمک وغیرہ۔ وہ اُن کے قریب اور کثرت سے پیدا کیا۔

## متعلق گیاہ

گیاہ کے اقسام پر غور کیجیے۔ اُن پر نظر ڈالیے کہ وہ بے حساب اور بے شمار ہیں جن کا حصر وشوار ہے۔ ہر ایک کے لیے خاص شکل، خاص رنگ، خاص مزہ، خاص بُو اور خاص منفعت وخاصیّت۔ ایک بدن کی غذا دوسری بدن کی قوت ہے ایک زہرِ جاں گُزا، دوسری تریاقِ راحت افزا۔ ایک سے نیند آتی ہے اور دُوسری سے نیند غائب ہوجاتی ہے۔ ایک مفرّحِ جان دوسری سببِ اندوہ وحرماں۔ ایک سرد ہے، دُوسری گرم۔ ایک خشک ہے دُوسری تر۔ حالاں کہ یہ سب ایک ہی زمین سے اُگی ہیں۔ ایک ہی چشمہ کا پانی پیتی ہیں۔

آپ ہرگز خیال نہ کیجئے کہ بوجہ اختلاف تخم یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ استخوانِ خرمہ میں یہ نخل بلند و بزرگ کہاں تھا اور ایک دانۂ گندم میں اتنے خوشے اور ہر خوشہ میں اس قدر دانے کس نے دیکھے تھے۔

## متعلق درخت

اب درختوں پر ایک نظر ڈالیے۔ جب اُن کو پانی دیا جاتا ہے تو کیونکر ان کی حالت تر و تازہ ہوتی ہے اور طراوتِ بے اندازہ آجاتی ہے۔ پانی ایک طریقہ سے ہر ایک ریشہ، تنا، ڈالی، پتا، شگوفہ اور میوہ میں پہنچتا ہے۔ ان میں علی السوّیہ تقسیم ہوتا ہے۔ اُن احمقوں کی عقل پر ہنسی آتی ہے جو اس حکمتِ ظاہرہ و مصلحتِ بیّنہ کو ایسی چیز سے نسبت دیتے ہیں جو خود اپنے وجود اور اپنی ذات سے خبر نہیں رکھتی۔ نہ اپنے افعال کو پہچانتی ہے۔ اور نہ صفات کو۔

## عجائباتِ حیوانات

اسی طرح حیوانات پر ایک لحظ غور کیجئے کہ طیوّر و وحوش، چار پائے درندے، گزندے، حشرات الارض جن کی تعداد بجز خالق کے کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے کیونکر ہر ایک کو اپنا گھر بنانا



تفہیم کیا۔ اپنی قُوت و آب و دانہ حاصل کرنا تعلیم کیا۔ نر اور مادہ کی موافقت اور تربیّتِ نسل سکھائی۔ جن کی انسان کو ضرورت تھی۔ اُنھیں ان کا رام اور فرماں بردار بنایا اور جن کی انسان کو احتیاج نہیں ہے اُنھیں وحشی رکھا۔ ہر ایک کو اس قدر عجائب و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا کہ عقل حیران رہتی ہے۔

مکڑی کو دیکھیے کہ وہ اپنا گھر مشبّک بنا کر اس کو مچھرّ اور مکھّی کے لیے دام قرار دیتی ہے۔ ایک کونے میں تاک لگائے ہُوئے بیٹھی رہتی ہے۔ جب کوئی جانور مثلاً مکھّی یا مچھرّ اُس جال میں اُلجھا تو اُس نے فوراً شکار کیا۔ مکھّی کو دیکھیے کہ بہت دُور سے شیرینی کی بُو معلوم کر کے موجود ہوجاتی ہے کیونکہ خداوندِ عالم نے اُس کو قوتِ شامہ بہت تیز عطا کی ہے۔

دریا کی سیر کیجیے اور دیکھیے کہ وہاں بھی کس قدر عجائبات ہیں۔ جو حیوان خشکی میں ہے اس کے مانند دریا میں بھی پایا جاتا ہے۔ علاوہ اُن حیوانات کے جن کا مثل خشکی میں نہیں ہے دریا میں موجود ہیں۔ نیز دریا میں ایسے ایسے بڑے بڑے حیوانات ہیں۔ جو شہر اور جزیرہ کے مانند ہیں اور مُسافران کو جزیرہ تصوّر کر کے کشتی وہاں لے جاتے ہیں۔

بعض علماء نے عجائبات دریا کے معلومات میں بہت سی کتابیں لکھّی ہیں۔ لیکن اس کا ایک شمہّ بھی بیان نہ کر سکے۔

## عجائباتِ عالمِ ہوا

اب عالمِ ہوا کی طرف آنکھ کھولیے۔ ابر، ہوا، بارش، برف، اولا، رعد، برق، صاعقہ کو دیکھیے اور غور کیجئے کہ ابر اپنے پتلے جسم سے کیوں کر وزن دار پانی اٹھاتا اور حفاظت کرتا ہے۔ شہروں اور جنگلوں پر گزرتا ہے۔ اس طرح پر کہ ایک قطرہ بھی نہیں گراتا۔ جس جگہ پر مامُور ہُوا ہے وہاں ٹھہر جاتا ہے۔ اس طرح قطرہ قطرہ متواتر پانی ڈالتا ہے کہ ایک دوسرے سے زمین پر پہنچنے تک نہیں ملتا۔ اگر آپ کو ہوش ہو تو دیکھیں کہ ہر قطرے پر قلمِ قدرت سے گویا لکھا ہُوا ہے کہ یہ یہ فلاں حیوان اور انسان اور مکان کی روزی ہے۔

## عجائباتِ آسمان

اب ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھائیے۔ عجائباتِ عالمِ افلاک، سُورج، چاند ستاروں اور

سیّاروں میں فکر کیجئے۔ ہر ایک کے لیے ایک وضع و ہیئت اور اثر و منفعتِ خاص ہے۔ یہ کبھی ایک جگہ جمع اور متّصل ہوتے ہیں اور کبھی متفرق اور دور دور ہوجاتے ہیں۔ ہر ایک کی رفتار میں ایک خاص حرکت ہے۔ یہ طبقِ فلک پر اس طرح چنے گئے ہیں کہ ان کی ترتیب سے حیوانات وغیرہ کی شکلیں پیدا ہوگئی ہیں۔ بلکہ زمین پر ایسی کم صُورتیں ہوں گی جو آسمان پر نہ پائی جائیں۔ سُورج کی رفتار پر غور کیجئے کہ وہ ایک سال میں آسمان کا دورہ تمام کرتا ہے اور اسی رفتار کے سبب سے کبھی وسط السّما کے نزدیک ہوتا ہے اور کبھی اس سے دور دوسری ایک رفتار ہے کہ جس کے سبب سے طلوع اور غروب ہوتا ہے یہ دورہ ایک رات دن میں طے کرتا ہے۔ اگر پہلی حرکت نہ ہوتی تو دنیا میں چار فصل نمبریں نہ ہوتیں۔ نباتات اور میووں کو نشوونما حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر دوسری حرکت نہ ہوتی۔ تو رات دن معلوم نہ ہوتے۔ معیشت و آرام کا وقت نہ پہچانا جاتا۔ سال، مہینے، گھنٹے، منٹ نہ ہوتے۔ حسابِ معاملات و نظم و نسق نہ ہوسکتا۔

یہ آسمان اور ستارے بغیر ستون کے قائم ہیں۔ دیکھیے کہ عوالمِ سفلیہ یعنی زمین اور دریا و عالمِ ہوا وغیرہ باوجود اس عظمت کے آسمانِ اوّل سے بہت کم ہیں۔ گویا دریائے محیط کے سامنے ایک قطرہ۔

رصد کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ آفتاب زمین کے مقابلے میں ایک سو ساٹھ درجے بڑا ہے۔ باوجود اس کے پانچواں آسمان چوتھے آسمان سے معہ اُس کے وسط کے آسمان سے لے کر زمین تک تین حصّے زیادہ ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا ستارہ جو ہم آسمان پر دیکھ رہے ہیں وُہ کُل زمین سے آٹھ گنا ہے۔ باوجود اس بزرگی و عظمت کے اس کی تیزی رفتار کو ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ آفتاب مشرق سے ایک پلک جھپکنے میں کس طرح طلوع کرتا ہے۔ اُس کی تیزیٔ رفتار ایک طرفة العین میں بمقابلۂ روئے زمین ایک سو ساٹھ درجے کی مسافت طے کرتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب سیدّ رسلؐ نے روح الامینؑ سے پُوچھا کہ:

''زوال کا وقت ہُو؟''

انھوں نے کہا کہ:

''لا۔ نعم''یعنی''ہاں،نہیں۔''

حضرت نے فرمایا کہ:



''یہ کیا جواب ہے؟''

عرض کیا:

''جب کہ مَیں نے کہا''نہیں''اس وقت آفتاب نے پانسو سال کی راہ کو طے کیا اور زوال ہوگیا۔''

پس خوابِ غفلت سے ہوشیار ہوجایئے۔ اس قادر کی قدرت کو ملاحظہ کیجئے کہ ایسے بزرگ آسمان کو آنکھ کی سیاہی میں جو مسُور کی دال سے زیادہ نہیں ہے، جگہ دے دی، اور فکر کیجئے کہ کس نے ایسے جسم کو مسخّر کیا ہے۔

اگر دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو معلوم کرتے کہ یہ تمام خدمت گار ہیں اور اس کی خدمت میں کمر بستہ و تیار۔ ان کو خداوندِ عالم کے عشق نے دیوانہ اور سرگرداں کیا ہے۔ یہ پروردگار کے حکم پر قیامت تک اسی طرح کے کعبۂ جلال کا طواف کریں گے۔

## اپنے اعمال وافعال میں فکر کرنا ضروری ہے!

جاننا چاہیے کہ اپنے اعمال و افعال میں فکر کرنے کو مراقبہ و محاسبہ کہتے ہیں۔ اگرچہ توبہ کے بیان میں صراحتاً اس کا ذکر کیا جائیگا۔ لیکن یہاں بھی بطورِ اختصار حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ دن رات میں کسی نہ کسی وقت اپنے کام میں فکر کرے۔ اپنے اخلاقِ باطنہ و اعمالِ ظاہریہ کو تلاش کرے۔ اپنے دل کی حالت پر نظر ڈالے۔ اپنے لوحِ دل کو سامنے رکھ کر ملاحظہ کرے۔ رات دن کے اپنے کاموں کو پیشِ نظر رکھ کر مطالعہ کرے۔ جب اپنے دل کو طریقۂ راستی و درستیٔ اخلاقِ جمیلہ کا متّصف اور اوصافِ رذیلہ سے خالی دیکھے۔ اپنے اعضاء وجوارح کو مشغولِ طاعت و عبادت اور گناہوں سے اجتناب کرنے والا پائے تو شکرِ الٰہی بجالائے۔ اس کے خلاف میں نظر آئے تو اس کے علاج کے درپے ہو۔ اگر معلوم ہو کہ اُس سے کوئی گناہ واقع ہُوا تو توبہ و استغفار کرے۔ اُس کا تدارک ہر بار کرے اس میں شک نہیں ہے کہ اس قسم کے تفکّر کے لیے بہت بڑی گنجائش ہے۔ انسان عمر بھر اس میں مستغرق رہ سکتا ہے لیکن مقدارِ لازم یہ ہے کہ ہر شب روز میں انسان غور سے دیکھے کہ صفاتِ رذیلہ مثلاً بخل، کبر، عجب، ریا، حسد، بزدلی، غضب، حرص، طمع وغیرہ اپنے میں کہاں تک ہیں۔ دیدۂ بصیرت کھول کر چراغِ فکر ہاتھ میں لے کر اپنے دل کے گوشوں میں ان صفاتِ

مذکورہ کی تلاش کرے۔ جب معلوم ہو کہ اُس کا دل اس سے بَری ہے تو اپنا امتحان کرے کہ کہیں شیطان نے نفس کو مشتبہ نہ کیا ہو۔

مثلاً : اگر گمان ہو کہ صفتِ تکبرّ اس میں موجود نہیں ہے تو کاروبارِ دنیا سے اپنا امتحان کرے۔

یعنی پانی کھینچے یا بازار سے گٹھہ لکڑیوں کا گھر میں لائے اور اگر اپنے کو غضب سے خالی سمجھے تو کسی سفیہ کے سامنے مقامِ اہانت میں کھڑا ہو۔ ایسا ہی نیکیوں کی بھی آزمائش کرے تا کہ اطمینان حاصل ہو۔ دیکھیے نفسِ امارہ مکار ہے۔ اور شیطان حیلہ گر اور غدّار۔

گر نماز و روزہ می فرمایت
نفسِ مکّارہ است فکری بایدت
نفس راہفصد سراست وہرسری
ازثریٰ بگذشتہ تاتحت الثّریٰ

اگر اُن صفاتِ رزیلہ سے کوئی صفت دل میں پائے تو وعظ، نصیحت، سرزنش، ملامت، مصاحبتِ نیکاں، ریاضت اور مجاہدے سے اس کی خلاصی میں کوشش کرے اور نیز اس کا علاج مکرّر کرنا ضروری ہے تا کہ وہ صفت دور ہو۔ اس کے بعد صفاتِ حسنہ میں فکر کرنا چاہیے۔ اگر اپنے گمان میں اپنے کو اُن سے متصف پائے تو آزمائش کی طرف مائل ہوتا کہ شیطان کے مکروتلبیس سے اطمینان حاصل ہو۔ اگر اپنے کو اُن میں سے کسی ایک سے خالی پائے تو اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد اپنے ہرایک اعضاء کی طرف متوجہ ہو اور اُن کے گناہانِ متعلقہ میں فکر کرے مثلاً کہیں اُس روز زبان سے کوئی غیبت یا جھوٹ یا لغو یا فحش یا خودستائی یا سخن چینی تو صادر نہیں ہُوئی ہے ایسا ہی کان، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور باقی تمام اعضاء پر نگاہ کرے۔

واجبات و مستحبّات میں اُس اطاعت کے جو ہرایک اعضاء سے متعلق ہے فکر کرے۔ اگر بعد تلاش کے کوئی معصیت نہ پائی جائے اور طاعت کا بجالانا معلوم ہو تو خداوندِ عالم کا شکر ادا کرے۔ اگر کوئی معصیت یا ترکِ طاعت واقع ہو تو پہلے اُس کا سبب و باعث تلاش کرے اُس کے دُور کرنے کے لیے درپے ہو۔ اس کا عوض توبہ وندامت سے کرے تا کہ دوبارہ یہ فعل صادر نہ ہو۔ ہر دین دار پر جو کہ اعتقادِ آخرت کا رکھتا ہو اپنی حالت پر اس قدر فکر کرنا رات دن میں لازم ہے۔



متقیانِ گزشتہ کا معمول تھا کہ صبح یا شام کے وقت اس عبادت کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ان کے پاس ایک دفتر ہوتا تھا۔ اس میں نیک و بد صفات اور افعال لکھے جاتے تھے۔ رات دن اپنے احوال کا مقابلہ کرتے تھے۔ جب کسی صفتِ رزیلہ کے زائل یا کسی فضیلت سے متّصف ہونے کا اطمینان ہوتا تو اس کو دفتر سے قلمزد کرتے۔ فکر سے ہاتھ اُٹھاتے۔ باقی کی طرف متوجہ ہوتے۔ ایسا ہی عمل کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام قلمزد کرتے۔

بعض حضرات کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اُن سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ مثلاً اکلِ حرام یا شبہ یا جُھوٹ یا غیبت یا امرِ معروف و نہی منکر میں تساہل کرنا وغیرہ تو وُہ فوراً اُس کو دفتر میں لکھتے تھے۔ ہر ایک کے دُور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

حاصل کلام صالحین گزشتہ یا یہی طریقہ و رویّہ تھا۔ اس کو محاسبہ روزِ قیامت اور لوازماتِ ایمان سے جانتے تھے۔ افسوس ہمارے حال پر کہ اس پیروی و متابعت سے ہم نے ہاتھ اٹھا رکھا ہے۔ پردۂ غفلت آنکھوں پر پڑا ہُوا ہے۔ فکرِ محاسبۂ روزِ حساب سے غافل ہیں۔ غفلت کی شراب سے مست اور بے ہوش ہیں۔ اگر وہ لوگ ہماری رفتار کو مشاہدہ کرتے تو ہمارے کفر کا حکم لگاتے۔ قیامت میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ کیونکہ حقیقتاً ہمارے اعمال اُس کے عمل سے جو بہشت اور دوزخ پر ایمان رکھتا ہو، مطابقت نہیں رکھتے۔ ہمارے افعال اہلِ ایمان کے کسی فعل سے مشابہ نہیں۔ کیونکہ جو کوئی جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے دُوری اختیار کرتا ہے اور جس کا شوق رکھتا ہے اس کی طلب میں نکلتا ہے۔ ہم جہنم سے ڈرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ترکِ معاصی کے ساتھ اس سے فرار ہوسکتا ہے لیکن گناہوں کے دریا میں غرق ہیں۔

ہم شوقِ بہشت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہاں تک پہنچنا اطاعت و فرماں برداری پر منحصر ہے۔ مگر اُس میں تقصیر کرتے ہیں۔ عمر ہوا و ہوس میں خراب اور زندگی اُمیدِ بہشت میں بیکار صرف ہوتی ہے، اور وصلِ حُر کی طمعِ خام دل میں بسی ہُوئی ہے۔

## حضرت ذوالجلال کے جمال وجلال میں فکر کرنا چاہیے

واضح کہ علماء و صالحین کا یہ طریقۂ فکر ہے جو مذکور ہُوا۔ لیکن مقرّبین اور صدّیقین کا فکر کرنا اس سے بہت بلند ہے۔ کیوں کہ ان کی شان اُن سے بزرگ ہے۔ وُہ دریائے محبتِ پروردگار میں

غرق اور دل وجان سے عظمتِ جلالِ آفریدگار کی طرف متوجہ ہیں۔ جمال وجلالِ ایزدِ متعال کی فکر میں مدہوش رہتے ہیں۔ اپنے صفات واعمال سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔

یہ اُس عاشق کے مانند ہیں جو معشوق کی صورت پر دیوانہ و حیران رہے۔ اس حالت کا حاصل ہونا بلکہ عظمت وجلالِ خدا سے لُطف اٹھانے کا ادنیٰ مرتبہ ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک میدانِ نفس کو تمام رذائل سے پاک نہ کریں۔ کیونکہ اخلاقِ بد سے متّصف ہونے کی حالت میں جلال و جمالِ جمیل مطلق سے اگر کوئی لطف اٹھانا چاہے تو اس کا حال اس عاشق کے مانند ہے جو محبُوب کے دیدارِ جمال کی حسرت وتمنّا کرے۔ لیکن اس کے پیراہن کے نیچے سانپ اور بچھو ہوں جو اس کو ایذا پہنچائیں اور دیدارِ محبوب سے باز رکھیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ایک صفتِ بد سانپ اور بچھو کا حکم رکھتی ہے۔ وہ لوگ جو علائقِ طبیعت میں غرق ہیں انھیں ان کی ایذائیں محسوس نہیں ہوتیں۔ ہاں جب حجابِ طبیعت کا اٹھ جائے گا اس وقت مشاہدہ کریں گے کہ ان میں سے ہر ایک کی تکلیف سانپ اور بچھّو سے بہت زیادہ ہے۔

پس خوابِ غفلت سے اُٹھیے۔ قیامت کے لیے کوئی فکر کیجیے قبل اس کے کہ اختیار آپ کے ہاتھ سے نکل جائے اور موت آجائے یقین کیجیے کہ ہر صفت وعمل کے لیے دنیا سے جانے کے وقت جزا ہے۔ جیسکہ قرآن میں صراحتاً او حدیثِ صحیح پیغمبرِ آخرالزّماں میں موجود ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

''جس کو چاہے دوست رکھ ایک دن اس سے جُدائی ہوگی۔ جیسا کہ چاہے زندگی گزار آخر کار ایک دن مرے گا جو کام کرنا چاہتا ہے کر اُس کا بدلہ تجھ کو ملے گا۔''

پس ایک ساعت اپنے اعمال میں فکر کیجئے۔ تھوڑا وقت عجایبِ صنعِ خداوندِ عالم میں غور فرمائے۔ دل کو وسوسہ سے خالی کرنے کی کوشش اور اپنی فکر کو اقسام شش گانۂ محمودہ پر منحصر کیجیے۔ کیونکہ اقسامِ مذکورہ کے علاوہ باقی تمام افکار وساوسِ شیطانیہ ہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ مسائلِ علمیہ اخذ کرے۔ اعمالِ نیک بجالائے۔ دوسرے کی موت سے عبرت حاصل کرے۔

تقدیس وتسبیح پروردگار میں مصروف ہو۔ صنعتِ عجائبِ آفریدگار میں غور کرے اور اپنے اعمال وافعال کو جانچے۔ لیکن خدا کی ذات میں بلکہ اس کے بعض صفات میں فکر کرنا شرعاً غیر جائز ہے۔ کیونکہ عقل اس مقام پر عاجز ہے۔ جو کوئی اُس کی ذات یا صفات میں مرکبِ خیال کو دوڑائے



تو وہ اپنی حد سے بڑھا ہُوا ہے۔

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ

یعنی: ایک مشتِ خاک کو خداوندِ پاک سے کیا تعلق۔

اس کی ذات بہت بلند ہے۔ اندیشہ کی کمند اس کے کنگرۂ جلال پر نہیں پہنچ سکتی اور مرغِ فکر اس کے اطراف گزر نہیں کرسکتا۔

# پانچویں صفت

# مذمت مکر وحیلہ

## معنی مکر وحیلہ

واضح ہو کہ صفاتِ رذائل قوّتِ عاقلہ میں سے یہ ہے کہ مطلوبات شہویہّ وغضبیہّ حاصل کرنے کے لیے مکر وحیلہ سے کام لیا جائے اور اس مقام پر اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اذیّت پہنچانے کے لئے پوشیدہ راہیں تلاش کی جائیں۔اس طریقہ کو تلبیس ومکر عذر وحیانت کہتے ہیں اور مکر کے بہت سے مدارج واقسام ہیں۔بعض ان میں سے بالکل ظاہر ہیں۔جن کو معمولی عقل والا انسان بھی معلوم کر سکتا ہے۔لیکن بعض ایسے پوشیدہ ہیں کہ عقلمند بھی ان کو معلوم نہیں کر سکتے۔

مثلاً یہ صفت ایک شخص کو آمادہ کرتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ انتہائے دوستی ومحبت کا اظہار کرے اور اُس مسکین کو غافل کر کے ہلاک کر ڈالے۔کبھی یہ صفت انسان کو اُبھارتی ہے کہ چندروز اپنی امانت اور دیانت کا نقش دلوں پر بٹھائے اور جب بطورِ امانت یا شرکت کوئی مال اس کے سپرد ہو تو صاف ہضم کر جائے اور اس صفت والا انسان کبھی عدالت اور تقویٰ کا اظہار کرتا ہے تاکہ دوسروں کا امام وپیشوا قرار پائے۔غرض اسی طرح کے ہزاروں مکر وفریب ہیں۔

## مذمت مکر

واضح ہو کہ صفتِ مکرّ ایک ملکہ عظیم ہے۔اس لیے کہ اعلیٰ ترین صفاتِ شیطانی اور بزرگ ترین لشکرِ شیطان یہی صفت ہے اس کا گناہ ظاہری ایذارسانی کی بہ نسبت بہت بڑھا ہُوا ہے کیونکہ ظاہری ایذارسانی سے انسان مطلع ہو جاتا ہے احتیاط وحفاظت کرتا ہے بلکہ اکثر اوقات اُس اذیّت کو دفع کر دیتا ہے۔لیکن جو شخص غافل ہے وہ بیچارہ احتیاط نہیں کر سکتا۔اس لیے کہ حیلہ بازمکاّر دوستی وصداقت کے لباس میں آراستہ ہو کر احسان وخیر خواہی جتلاتا ہے۔وہ مسکین غافل اس سے شرمسار وخجل اُس کی خرابی باطن سے بے خبر یہاں تک کہ وہ بدبخت اُسے ہلاک کرتا ہے۔اسی وجہ سے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:



”جو شخص مُسلمان سے مکر کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ:

”اگر عاقبت مکر وحیلہ کی آتشِ جہنّم نہ ہوتی تو مَیں سب سے بڑھ کر مکر کرنے والا ہوتا“

آپ مکرّر آہِ سرد کھینچتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

”افسوس مجھ سے مکر کرتے ہیں۔حالانکہ جانتے ہیں کہ مَیں مکر کو سمجھتا ہُوں ان کے مکر وحیلہ کے طریقوں کو پہچانتا ہوں۔لیکن جانتا ہُوں کہ مکر وحیلہ کا نتیجہ آتشِ جہنم ہے۔اس لیے اُن کے مکر پر صبر کرتا ہُوں۔وہ مرتکبِ مکر ہوتے ہیں۔مَیں مرتکب نہیں ہوتا۔

## معالجہ

اس صفتِ خراب کی خلاصی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان سُوئے عاقبت اور اس کے انجام بد پر نظر کرے اور غور کرے کہ مکارِ آتشِ جہنم میں شیطان کا ہم نشین ہوگا۔آیات واخبار اس پر ناطق ہیں۔اعتبار اور تجربے گواہِ صادق ہیں۔مکر وحیلہ کا نتیجہ مکر کرنے والے کی طرف ہی رجُوع کرتا ہے۔

مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِيْهِ وَقَعَ فِيْهِ

یعنی ”جو کوئی دوسرے کے لیے کنّواں کھودتا ہے وہ خود اُس میں گرتا ہے۔“

وہ نیکیاں جو مکر وحیلہ کی ضد ہیں۔مثلاً مسلمانوں کو خیر خواہی وغیرہ۔ان کے محاسن پر غور کرے اس کے مقام پر حوالۂ قلم کیا جائے گا اور جو کام کرنا چاہے پہلے اُس میں تامّل کر لے۔کہ حیلہ پر مبنی نہ ہو اور اگر اتفاقاً اس سے کوئی مکر صادر ہو جائے تو اپنے نفس پر عتاب کرے انشاء اللہ تعالیٰ یہ صفت صفحۂ دل سے محو ہو جائے گی۔

# تیسرا مقام

# اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ میں جو قوۂ غضبیہ سے متعلق ہیں

معنی جبن وتہور اوراُن کا علاج جس میں اکیّس صفتیں ہیں۔

## معنی جبن وتہور

جاننا چاہیے کہ صفاتِ رذیلہ قوّۂ غضبیہّ افراط وتفریط کی بناء پر دوقسم پر ہیں اوراُن میں سے ہرایک قسم کئی صفات پر مشتمل ہے۔

۱ : تہوّر۔ افراط (زیادتی) شجاعت کا نام ہے۔ یعنی ان چیزوں سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ اوراپنے کو ایسے مقامِ ہلاکت میں ڈالنا جہاں ازروئے عقل وشرع ممنوع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفتِ مہلکہٗ دنیویہّ وآخرویہّ ہے۔ آیات واخبار حفاظت کے واجب ہونے پر حدّ وحصر سے باہر ہیں۔ مگر یہاں اسی قدر کافی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یعنی: "اپنے آپ کو جائے ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

حق یہ ہے کہ اس صفت والا بحکمِ عقل اپنی حفاظت کے لزوم کی خبر نہیں رکھتا۔ وہ مجنون و دیوانہ ہے اور حکمِ شریعت کے خلاف خود اپنے قتل کا باعث اور ہلاکتِ ابدیہّ وشقاوتِ سرمدیہّ میں گرفتار ہوتا ہے۔

پس اس صفت والے کے لیے ضروری ہے کہ ان خرابیوں کو نظر میں لائے جو دنیا وآخرت کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس کے بعد جو کام کرے ابتداء میں تاملّ کرلے۔ اگر عقل وشرع اُس کا حکم دے تو اُس کا مرتکب ہو۔ ورنہ اس سے اجتناب کرے اور بسا اوقات اس مرض کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُن چیزوں سے پرہیز کرنے کی عادت ڈالے۔ جن سے پرہیز کرنا لازم نہیں یہاں تک کہ حدِّ وسط پر قائم رہے۔

۲ : جُبن (بُزدلی) جو تفریط (کمی) کی طرف واقع ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے



پرہیز کرنا نہ چاہیے اُن سے پرہیز کرے۔ یہ صفت بھی نہایت درجہ بد اور باعثِ ہلاکت ہے۔ آدمی اس کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اس کی زندگی تلخ و ناگوار ہوتی ہے۔ دوسرے آدمی اُس کے جان و مال کی طمع کرتے ہیں۔ ظالم اُس پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ وہ مضطرو بے ثبات و کاہل و راحت دوست ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تمام نیکیوں سے باز رہتا ہے۔ ہر قسم کی بدنامی و رسوائی۔ برداشت کرتا ہے۔ فحش اور دشنام کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ نام وننگ کو برباد کرتا ہے۔ اسی سبب سے سیدّ رسل صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

"مومن کو بخل اور بزدلی سزاوار نہیں ہے۔"

پھر فرمایا کہ:

"اے پروردگار بخل اور بزدلی سے پناہ مانگتا ہُوں۔"

کیفیّتِ صفتِ خوف جو لوازمِ جُبن ہے۔ اس سے پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں (تہوّر وجبن) کی ضد صفتِ شجاعت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوّۂ غضبیہّ قوّۂ عاقلہ کی مطیع ہو یہاں تک کہ جس شے سے پرہیز لازم ہے اس سے پرہیز کرے اور جس شے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اس سے نہ ڈرنے۔ یہ صفت اشرفِ صفات کمالیہ اور افضلِ ملکات نفسانیہ ہے جو مرد اس صفت سے خالی ہو حقیقت میں وہ عورت ہے۔ اس میں مردانگی نہیں ہے۔ اسی سبب سے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے مومن کے صف میں ارشاد فرمایا کہ:

"مومن کا دل پتھر کے مانند سخت ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

"وہ صفاتِ رذیلہ جو ہر دو جنس مذکورہ قوّۂ غضبیہّ سے متعلق ہیں وہ بہت ہیں۔"

# پہلی صفت

# مذمت خوف

جس میں دو فصل نمبریں ہیں۔

## معنی خوف

خوف کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی ایسے امر آئندہ کے سبب سے دردمند ہو۔ جس کا وقوع میں متحمل ہے یا کسی ایسے امر سے مشوّش ہو جس کا پیش آنا یقینی ہے یا مظنون ہے۔ اگر چہ اس آخری کیفیّت کو خوف نہیں کہتے۔ لیکن چونکہ یہ بھی ضعفِ نفس کی علامت اور موجبِ ہلاکت ہے اس لیے اسے بھی خوف میں شمار کرتے ہیں۔

## اقسامِ خوف

خوف کی دو قسمیں ہیں:۔

### (۱) خوفِ نیک :

جیسا کسی کو خداوندِ عالم کی عظمت اور اپنے گناہوں سے خوف ہو اور یہ تدبیر خدا سے امن کی ضد ہے۔

### (۲) خوف بد :

یہ قسم مہلکہ ہے اور جگہ یہی قسم مراد ہے۔ یہ قسمِ خوف صفتِ جُبن کا نتیجہ ہے۔

## فصل نمبر (۱)

واضح ہو کہ خوف کی چند قسمیں ہیں اور وہ سب کی سب خراب اور از روئے عقل موردِ عتاب وملامت ہیں۔



## اقسامِ خوفِ مذموم اور اُن کا علاج، نیز خوفِ مرگ کا مُعالجہ

۱ : کسی ایسے امر سے خوف کرنا جو ضرور وقوع میں آئے گا اور اس کا دفع کرنا قوتِ بشری سے باہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا خوف باعث جہل و نادانی ہے۔ سوائے اس کے کہ انسان کا قلب تکلیفِ عاجل میں مشغول ہو کر دینا و آخرت سے باز رہے اور کوئی فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ عاقل اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں نہیں آنے دیتا۔ مقدّراتِ الٰہیۃ پر رضامند رہتا ہے تا کہ راحتِ حال اور سعادتِ مآل حاصل ہو۔

۲ : کسی ایسے امر کا خوف ہو جس کا وجود میں آنا مظنون ہے۔ ممکن ہے کہ واقع ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو۔ لیکن اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے امتیاز میں نہ ہو۔ یہ خوف بھی پہلے کے مانند خلافِ مقتضائے عقل اور باعثِ نادانی وجہل ہے بلکہ یہ پہلے سے بھی خراب ہے کیونکہ علاج تو دونوں کا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔ مگر اس میں نہ ہونے کا گمان تو ہے۔ برخلاف اوّل کے کہ وہاں ہونے کا یقین ہے، ہاں ع

ببین تا چہ زاید شب آبستین است

ہر لحظہ فلک کی ایک نئی گردش ہے اور زمانہ کا ایک نیا رنگ، اور خداوندِ عالم کے الطافِ خفیہ بے شمار ہیں۔

بلے بنود دریں رہ ناامیدی
سیاہی رابود روزی سپیدی
زصد در گرا میدت برنیاید
بنومیدی جگر خوردن نشاید

۳: اس امر کا خوف جس کا سبب اس کے اختیار میں ہو۔ لیکن ابھی وہ سبب ظاہر نہ ہُوا ہو اور ڈرتا ہو کہ کہیں وہ سب ظاہر نہ ہو اور اس سے فلاں اثر پیدا نہ ہو جائے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے احوال کو دیکھتا رہے کہ وہ امر اس سے صادر نہ ہو اور اُس عمل کا مرتکب نہ ہو جس کے نتیجہ سے ڈرتا ہے۔ ہر ایک طرف دیکھنے پر اکتفانہ کرے۔ اگر اس فعل کے صادر ہونے کے بعد نتیجہ کی پریشانی سے ڈر رہا ہو تو وہ دوسری قسم میں داخل ہوگا۔

۴ : اُن چیزوں سے خوف کرنا کہ جن سے بے سبب طبیعت وحشت کرتی ہے۔ مثلاً جنات، میّت وغیرہ۔ خصوصاً رات کے وقت حالتِ تنہائی میں خوف کھانا۔ اس خوف کا منشا غلبۂ قوّۂ واہمہ و قصورِ عقل ہے جو ضعفِ نفس پر دلالت کرتا ہے۔ عقلمند پر لازم ہے کہ غور کرے کہ اُن امور سے کس لیے تشویش اور خوف کرتا ہے۔ حالتِ زندگی میں تو اُس سے خوف نہ کیا بلکہ اُس سے لڑائی سے بھی پرہیز نہ کیا۔ پھر بدن سے میّت کے جو بےحِس وحرکت ہے کیوں خوف کرتا ہے۔ کہیں دیکھا یا سُنا ہے کہ مُردے نے زندہ پر حملہ کیا اور غالب ہو گیا۔ اب رہے جنّات اِن کے وجُود میں بھی بین العلماء اختلاف ہے۔ آپ کس دلیل پر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں اور اگر وہ موجود بھی ہوتو کیوں آپ کے سامنے آئے گا۔ وہ اگر آئے بھی تو کس بناء پر درپے آزار ہوگا اور اگر درپے آزار بھی ہوتو کونسی قوّت کی بناء پر غالب ہوگا۔ آخر انسان بھی تو اشرفِ کائنات ایک ضعیف الوجود سے خائف ہے جس کی قوّت ناقص اور فطرت پست ہو اس سے خوف کرتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ اندھیری راتوں میں تنہا خصوصاً مقامِ وحشت انگیز میں گزرے۔ اس جگہ ٹھہرے کہ بتدریج اس کا خوف دُور ہو۔ اسی قسم میں خوفِ مرگ بھی داخل ہے۔ گو اس کا قسمِ اوّل سے بھی تعلق ہے۔ چونکہ موت سے اکثر لوگ بہت زیادہ خائف ہیں اور اس کا معالجہ بھی اہم ہے۔ لہٰذا خصوصیّت سے اس کا بیان حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

خوفِ مرگ کے چند اسباب ہیں:۔

پہلا یہ کہ

شاید انسان ایسا تصوّر کرتا ہے کہ موت سے فانی ومعدوم ہوجائے گا دوسرے وقت ہرگز اس کا وجُود کسی دوسرے عالم میں نہ ہوگا۔ منشاء اس خوف کو سُستیٔ اعتقاد اور نادانستگیٔ آخرت ہے۔ ایسا شخص زمرۂ کفّار میں داخل اور دائرہ اسلام کے باہر ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اصُولِ عقائد پر دلائل وبرہان کے ساتھ قائم ہو۔ مجاہدات وعبادات بجالائے۔ یہاں تک کہ اس کو یہ یقین حاصل ہو کہ صرف جامۂ بدن کو دور کرنے سے علاقہ قطع کرنے کو موت کہتے ہیں اور انسان خوشی اور نعمت یا عذاب میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ عیاذاً باللہ کہ موت کو عدم سے تعبیر کریں اور اگر عدم بھی مان لیں۔ جب بھی تشویش وخوف ایک مہمل چیز ہے۔ اس لیے کہ معدوم کے لیے الم کیسا وہ کسی چیز سے متاثر ہی نہیں ہوسکتا۔



اسی سبب سے بعض علماء کا قول ہے کہ اگر آگ روشن کرکے کہا جائے کہ جو کوئی اس میں داخل ہوگا معدوم ہوجائے گا تو اب مجھے خوف یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے سے پہلے مرجاؤں اور معدوم ہونے سے محروم رہوں۔

دوسرا یہ کہ:

ایسا گمان کرے کہ مرنا اُس کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ بھی غفلت ہے یہ شخص حقیقتِ مرگ سے واقف نہیں اور خود انسان کی حقیقت سے بھی جاہل ہے۔ اگر واقف ہوتو معلوم کرلیتا کہ موت باعثِ رتبۂ کمالِ انسانیت ہے آدمی جب تک نہ مرے ناقص اور ناتمام ہے۔ کیا آپ نے نہیں سُنا ہے کہ جو شخص مرگیا کامل ہوگیا۔

## مثنوی مولانا رُوم

از جمادی مردم و نامی شدم
مُردم از نامی ز حیوان سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کی ز مردن کم شدم
بارِ دیگر ہم بمیرم از بشر
تابرآرم از ملائکہ بال و پر
بارِ دیگر از ملک پرّان شوم
انچہ در وہم تو ناید آن شوم

پس انسانِ کامل ہمیشہ مشتاقِ مرگ اور مرنے کا طالب ہے۔ چنانچہ سیدِ اوصیاءؑ نے فرمایا ہے:

وَاللهِ اِنَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الصَّبِيِّ بِثَدْيِ اُمِّهٖ۔

یعنی : ''خدا کی قسم ہے کہ پسرِ ابُوطالب کو موت سے اس طرح محبت ہے جیسا کہ طفل کو پستانِ مادر سے

جس کی عقل کامل ہو وہ جانتا ہے کہ موت آدمی کو ظلمت سرائے طبیعت سے باہر نکالتی ہے۔

عالمِ خوشی ونور ونعمت وسرور میں پہنچاتی ہے۔ بذریعہ موت تنگی زندان دارِمحنت سے نجات ملتی ہے۔ الم، مرض، خوف، فقر، احتیاج سے فارغ ہوکر جائے راحت وصحت کا دامن میسّر آتا ہے۔ منافقین اور اشرار کی صحبت سے دوری ہوتی ہے۔ ساکنانِ عالم قدس اور محرمانِ خلوتِ انس سے قربت رہتی ہے۔ کونسا عقلمند ہے کہ سرورِ عقلیہ اور لذّتِ حقیقہ وحیاتِ ابدی و بادشاہتِ سرمدی کو ہاتھ سے کھوئے اور اُس وحشت کے گھر میں جہاں مور و مار جمع ہوں اور طرح طرح کی مصیبت اور بلا و مرض اور رنج و عنا کا سامنا ہو ساکن ہونا پسند کرے۔ صاحبو!

خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے کہو ؎

من ملک بودم و فردوسِ برین جایم بود
آدم اوردریں دیرِ خراب آبادم

اپنے وطنِ اصلی کو یاد فرمائیے۔ ہرگز اپنے شہرِ حقیقی کو فراموش نہ کیجیے۔ آتشِ شوق کو روشن اور شعلہ اشتیاق کو حرکت میں لائیے۔ غبارِ کدورت اور عالمِ جسمانیت کو دُور کیجیے۔ اس قفسِ خاک کو توڑیئے اور آشیانۂ قدس کی طرف پرواز کیجیے۔ تنگیِ زندانِ ناسوت سے چھٹکارہ حاصل کرکے فضائے دلکش میں رہیے۔ کب تک طبیعت گرفتارِ دام اور کب تک زندانِ رنج و آلام میں محبوس رہے گی۔ کسی وقت عالمِ پاک کے یاروں اور دستوں کی بھی یاد کیجیے اور اس شہر کے رفیقوں کا خیال بھی دل میں لائیے۔

تیسرا یہ کہ:

قطعِ تعلق اولاد وعیال و منصب و مالِ ظاہری بھی سببِ خوفِ مرگ ہوتا ہے، لیکن یہ خوف موت سے ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ذخیرۂ فانیہ ولذّاتِ دنیائے دنیّہ کی جدائی کا غم ہے۔ اس خوف کا علاج یہ ہے کہ تاملّ کرے کہ جو چیزیں گذشتنی وگذاشتنی ہیں، ان سے دل بستگی کہاں تک جائز ہے۔ اگر آپ انھیں ترک نہیں کرسکتے تو وہ آپ کو ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔ غرض مفارقت ایک ضروری چیز ہے اور اس جدائی کا کوئی علاج نہیں۔ معمولی عقل والا بھی ان سے ہرگز اطمینان و محبت نہ رکھے گا۔

پس محبت دنیا سے کنارہ کیجیے اور اس خوف و رنج سے دل کو دُور رکھیے۔

چوتھا یہ کہ:



اس امر کا خوف ہو کہ ہماری موت پر دشمن شماتت کریں گے اور خوشحال ہوں گے اور اس لیے موت سے خوف کیا جائے تو یہ ایک مکر اور وسوسۂ شیطانیہ ہے۔ کیونکہ ان کی خوشی اور سرزنش نہ دین کو ضرر پہنچاتی ہے نہ ایمان کو، نہ بدن کو کوئی الم حاصل ہوتا ہے نہ جان کو۔ جب آپ اس گھر سے چلے جائیں گے تو اس قسم کے خیالات دل میں آہی نہیں سکتے۔ علاوہ اس کے دشمنوں کی شماتت اور اُن کی خوشی موت پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کی بلا ونکبت پر دشمن خوش ہُوا کرتے ہیں۔ پس اس امر سے جو شخص خائف ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی دوستی کا برتاؤ رکھے جس کا ذکر آگے حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

پانچواں یہ کہ:

مرگ سے اس لیے خائف ہے کہ اس کے مرجانے کے بعد اہل وعیال ذلیل وخوار اور ضائع و پائمال ہوں گے۔ اس کے دوست اور عزیز واقارب ہلاک اور بدحال ہوں گے۔ یہ خیال بھی وسوسۂ شیطانیہ اور خیال فاسدہ ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسا خیال کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو بھی منشاء کسی اثر کا جانتا ہے۔ دوسرے کی عزّت اور ثروت وقوّت میں اپنے وجود کی بھی مداخلت مانتا ہے۔ خداوندِ عالم کے قضا وقدر سے جاہل اور نادان ہے۔ ایک عقلمند کیونکر ایسا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ درآں حالیکہ دیکھ رہا ہے کہ اُس کے فیضِ اقدس سے ایک ایک کو وہ فیض پہنچ رہا ہے جس کا وہ سزاوار ہے اور جس شے کو جس کے لیے خلق کیا ہے اسے حاصل کررہا ہے۔ کسی مخلوق کے لیے تبدیل کو دخل نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ جس لڑکے کے نگہبان اور پرستار متعدّد تھے وہ ہلاک ہُوئے ہیں۔ اور وہ لڑکے جو بے پدر و مادر تھے کوچہ صحرا میں بیکس وتنہا زندہ رہے ہیں۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا ہے کہ بہت سے علماء اور فضلاء نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوشش کی۔ بہت کچھ سرزنش سے کام لیا۔ لیکن کوئی اثر نہ ہُوا۔ کوئی قلم میّسر نہ ہُوا۔ صاحبانِ دولت ومال اپنے فرزندوں کے لیے کس قدر مال چھوڑ گئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دولت ہاتھ سے نکل گئی۔ کوئی منفعت نہ ہوئی۔ بہت سے یتیموں کے لیے نہ کوئی مال تھا نہ کوئی تربیت کرنے والا، لیکن مربیِ ازل کے توسط سے صاحبِ کمال ہوکر مناصبِ جلیلہ پر فائز ہُوئے اور اکثر یتیم جن کے باپ زمانۂ طفولیّت میں سر پر نہیں رہتے بہ نسبت اُن لڑکوں کے جو آغوشِ پدر میں پرورش پاتے ہیں۔ ترقی دنیا وآخرت میں سبقت لے جاتے ہیں۔

تجربہ ہوا ہے کہ جس شخص نے خاطر جمع و مطمئن ہو کر اپنی اولاد کے واسطے کوئی مال چھوڑا یا اپنی اولاد کو کسی کے سپرد کیا تو آخر کار اس کی اولاد فقر اور تہی دستی میں گرفتار ہو کر ذلیل و خوار ہوئی۔ بلکہ اکثر ہُوا ہے کہ وہ مال و دولت میں ہر روز زیادتی ہوتی ہے۔ اب جو شخص عاقل اور اپنی اہل کا خیر خواہ ہوگا وہ اپنی اولاد و عیال کا کاروبار خالق پر چھوڑ دے گا۔

چھٹا یہ کہ:

بہ سبب اُن معاصی اور گناہوں کے جو اس سے صادر ہوئے ہیں۔ موت اور عذاب الٰہی سے خائف ہو۔ یہ خوف بہت اچھا ہے اور بہت بہتر ہے۔ آیات و اخبار میں اس کی تعریف وارد ہوئی ہے جیسا کہ اس کے بعد حوالۂ قلم کیا جائے گا۔ لیکن اس خوف پر باقی رہنا اور اس کا علاج توبہ و انابہ و ترکِ معصیت سے نہ کرنا جہل و غفلت ہے۔ اس خوف کی کیفیت اس کے بعد آئے گی۔ علاوہ اس کے یہ خوف حقیقتاً مرگ سے نہیں ہے بلکہ یہ خوف اُس حالت سے ہے جو مرنے کے بعد پیش ہوگی۔

یہ جو کچھ کہ اوپر بیان کیا گیا اس سے معلوم ہُوا کہ موت کا خوف بہ سبب اُن وجوہاتِ مذکورہ کی بناء پر بالکل بیکار ہے۔ عاقل کو چاہیے کہ اس کا خوف نہ کھائے اور تامّل کر کے کہ موت ایسی شیرینی ہے جس کو ہر شخص چکھے گا۔ ایک ضربت ہے کہ ہر شخص کے سر پر آئے گی۔ بلکہ از روئے فنِ حکمت یہ امر مسلمہ و مثبتہ ہے کہ ہر مرکب بالضرور فاسد ہوتا ہے۔

پس بدن جو عناصر سے مرکب ہے اس کو چاہیے کہ فاسد ہو۔ پھر آرزوئے ہمیشگی حیات اور تمنائے بقائے بدن خیال غلط و محال ہے۔ عقلمند ایسی آرزو نہیں کرتا۔ بلکہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ انتظامِ عالم بالکل خیر و صلاح پر مبنی ہے۔

پس جو کچھ ہُوا یا ہوتا ہے۔ اس پر رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا ہے۔ کسی رنج و کدورت کا دل میں خیال نہیں لاتا۔ اگر تمنّا اور آرزو طولِ عمر کی حصولِ لذّاتِ جسمانیہ کے لیے چاہتا ہے تو پیری ایک چیز ہے جس سے قویٰ و حواس میں فتور آنا لازم ہے۔ خصوصاً صحت جو عمدہ لذّت ہے وہی زائل ہوگئی تو پھر کوئی دُوسری لذّت کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے۔ روز بروز نخلِ قامت پستی کی طرف جھکے گا۔ یہاں تک کہ دوسرے بلکہ اپنے اہل و عیال خواری و بے قدری کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

جیسا کہ کتابِ خدا میں ہے کہ:



وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ۔

یعنی ”جس کو پیری اور عمر زیادہ دی گئی وہ آدمیوں میں سرنگوں اور خوار ہوا۔“

علاوہ اس کے طولِ عمر کے لیے لازمی ہے کہ احباب و اولاد کے داغ اٹھائے۔ قسم قسم کی بلاؤں میں مبتلا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص زیادتیٔ عمر سے فضائل و اخلاقِ حسنہ کے حاصل کرنے اور طاعت و عبادت کا مقصد ہو تو کوئی شک نہیں کہ زمانہ پیری میں ان کا حاصل کرنا نہایت دشوار اور مشکل ہے۔ اس کے لیے بھی زیادتی عمر لا حاصل ہے۔ کیونکہ جس نے جوانی میں بدی کو اپنے سے دور نہیں کیا۔ یہاں تک کہ زمانۂ پیری آ گیا۔ اس کی جڑوں میں مضبوط ہونے کے بعد اس کا اکھیڑنا ریاضت اور مجاہدہ پر موقوف ہے اور زمانہ پیری میں کسی ریاضت و مجاہدہ کا متحمل ہونا ممکن نہیں۔

اسی سبب سے اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ جب آدمی کا سن چالیس برس کا ہُوا اور کوئی نیکی نہیں کی تو شیطان اس کے نزدیک آتا ہے اور اس کے مُنہ پر ہاتھ پھراتا ہے اور کہتا ہے کہ:

”میرا باپ تیرے مُنہ پر فدا ہو کہ ہرگز تیرا چھٹکارا نہیں ہے۔“

باوجود اس کے طالبِ سعادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت صفاتِ بد کو دُور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور یہ طول امل (درازیٔ آرزو) خود ایک صفتِ بد ہے۔ اس سے متنفر رہنا چاہیے اور ہمیشہ حتی المقدور زندانِ دنیائے مکار سے خلاصی اور ترکِ لذّاتِ دنیا اور خواہشِ حیاتِ ابدیہ میں مشغول رہ کر دن رات خداوندِ عالم سے مناجات کرتا رہے۔ یہاں تک کہ قفسِ طبیعت سے خلاصی پا کر اوجِ عالمِ حقیقت کی طرف پرواز میسّر آئے۔

ایسی صورت میں وہ موت کا مشتاق رہے گا۔ اسے موت کی پروا بھی نہ ہوگی۔ نہ اس کو اس ظلمت کدہ کی جو مسکنِ اشقیا اور شیاطین و اشرار ہے کوئی خواہش ہوگی۔ اور نہ اس کی نظر میں اس حیاتِ فانی کا کوئی اعتبار ہوگا بلکہ اس کا دل عالمِ اعلیٰ کی طرف لگا ہوا اور وہ مصاحبتِ مجاورانِ حرمِ قدس کا شائق اور ہمیشہ بساطِ قربِ حق کا جویا رہے گا۔

# فصل نمبر (۲)

## شرافت اطمینان قلب اوراس کے تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ خوف کی ضد یہ ہے کہ امورِ مذکورہ میں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔یعنی ذرا بھی اُن امور سے مضطرب نہ ہو اور کوئی خوف اس کے دل میں نہ آئے۔

کوئی شک نہیں کہ یہی فضیلت مطلوب اور نہایت مرغوب ہے ایسا شخص ہر ایک کی نظر میں صاحبِ عزّت اور صاحبانِ بصیرت کے نزدیک باوقعت ہے اور جس میں یہ صفت نہیں ہے۔امورِ مذکورہ سے خائف اور ترساں ہے۔تو اس کا مرد کہنا بیکار ہے۔آدمیوں کی نظر میں بے وقعت و بے اعتبار ہے۔ایک بچّہ ہے کہ مرد کا جسم رکھتا ہے یا ایک مرد ہے جو عورتوں کی طبیعت رکھتا ہے۔

پس جو کوئی اپنے آپ کو مردوں کے زمرے میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔قوّتِ قلب کی عادت ڈالے۔کمزور شاخ کی مانند ہوا سے لرزاں نہ ہو۔سُوکھی گھاس کی طرح نسیم سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ مانندِ کوہ اپنے مقام پر قائم رہے اور جان لے کہ صاحبانِ قلوبِ قویہّ ونفوسِ مطمئنہ کی ایک خاص ہیبت دلوں پر طاری ہوتی ہے۔ بلکہ کسی شخص کے سامنے جب کوئی دوسرا شخص متزلزل اور مضطرب ہوتا ہے تو یہ اوّل الذّکر کی قوّتِ نفس کی وجہ سے ہے اور اکثر اوقات جس کا نفس قوی ہے وہ مباحثاتِ علمیہ اور مخاصمہ ومنازعہ کے وقت اس شخص کو زیر کر لے گا۔جس کا نفس ضعیف ہے۔

اس صفت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے آپ کو جائے خوف وبیم میں ڈالے یہاں تک کہ ملکہ حاصل ہو اور دل میں قوّت واطمینانِ کامل ہو۔



## دُوسری صفت

# عذابِ الٰہی سے بےفِکر رہنا!

جس میں چھ فصل نمبریں ہیں۔

## عذابِ الٰہی سے بےفکر رہنا کب کہا جا سکتا ہے؟

وہ یہ ہے کہ انسان تدبیر اور گرفتِ خداوندی سے اپنے آپ کو ایمن سمجھے۔عذابِ الٰہی اور اس کے امتحانات سے بےفکر ہو بیٹھے۔اس کی عظمت وجلال کا خیال اور اس کے مواخذے کا دل میں اندیشہ نہ رکھتا ہو۔

# فصل نمبر (۱)

## عذابِ الٰہی سے بےفکر ہونے کی مذمّت اور اُس کے اسباب

واضح ہو کہ سبب اس صفتِ رذیلہ کا عظمت پروردگار سے غفلت اور اس کی آزمائش و امتحانات سے ناواقفیت ہے یا روزِ قیامت کے حساب اور اعمالِ نیک وبد کی جزا پر اعتقاد نہیں رکھتا ہے، یا اسے رحمتِ واسعۂ الٰہی پر اطمینان ہے یا اپنی طاعت وعبادت پر بھروسہ رکھتا ہے۔غرض یہ صفت کسی سبب سے بھی پیدا ہو موجبِ خرابی ونقصان مآل وسببِ ضلال ہے۔کیونکہ اس کا سبب یا تو کفر ہے یا جہل یا غرور یا خود پسندی اور ان میں سے ہر شے انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔اب اگر عظمتِ الٰہی سے غفلت ہو تو یہ جہل ونادانی ہے اور اگر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے ہو تو اس کا منشا کفر و بے ایمانی ہے۔اگر بھروسہ رحمتِ الٰہی کا ہو تو یہ غرور ہے جو صاحبِ عقل سے دُور ہے اور اگر اپنے عمل پر اعتماد ہو تو خود پسندی ہے۔بیجا تفاخر ہے۔آیات واخبار مکر خدا سے ایمن ہونے کی نسبت موجود ہیں۔

خداوندِ عالم کی کتاب میں وارد ہے:

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

یعنی ”زیاں کاروں کی جماعت مکرِ خدا سے ایمن ہوتی ہے۔“(سورہ اعراف)

ثابت ومحقق ہے کہ فرشتے اور پیغمبران خدائی گرفت سے خائف اور ترساں و گریاں و نالاں ہیں۔ جیسکہ مروی ہے کہ ابلیسِ لعین اپنے کردار کی سزا پاچکا تو جبرائیل و میکائیل جو مقربانِ بارگاہِ ربِّ جلیل ہیں ایک جگہ بیٹھے ہوئے گریہ وزاری کرتے تھے۔ ان کا خطابِ الٰہی ہُوا کہ:

”کس لیے گریہ کرتے ہو۔“

عرض کیا کہ:

”اے پروردگار تیرے امتحان سے ڈرتے ہیں۔ تیری آزمائش سے خائف ہیں۔“

پس خداوندِ جلیل نے فرمایا کہ:

”ہمیشہ اسی طرح ڈرتے رہو اور میرے مکر سے بے خوف نہ ہو“

مروی ہے کہ حضرتِ رسولؐ و جبرائیل امینؑ خدا کے خوف سے روئے تو خدا نے اُن پر وحی نازل کی کہ:

”کیوں روتے ہو۔ حالانکہ مَیں نے تم کو ایمن کیا ہے۔“

عرض کیا کہ:

”خداوندا کون ہے جو تیری آزمائش اور امتحان سے بے خوف رہے؟“

گویا اس ارشادِ الٰہی پر اس لیے بے خوف نہ ہوئے کہ مبادا یہ ارشاد ہی امتحان و آزمائش کے لیے ہو۔ اگر ان کے خوف کو تسکین ہوتی تو معلوم ہوتا کہ یہ بے خوف ہو گئے ہیں اور اپنے قول پر ثابت نہیں ہیں۔ جیسکہ جب حضرتِ ابراہیمؑ خلیل کو گوپھن میں رکھا کہ آگ میں ڈالیں تو انھوں نے کہا:

حَسْبِیَ اللّٰهُ

یعنی ”خدا مجھ کو ہر حال میں کافی ہے۔ کسی چیز کی مَیں پرواہ نہیں رکھتا ہُوں۔“

چونکہ یہ بزرگی کا دعویٰ تھا اس لیے خداوند عالم نے آزمائش کی اور جبرائیل کو بھیجا۔ وہ ہوا میں ظاہر ہوئے اور ابراہیمؑ خلیل سے اُنھوں نے پوچھا کہ:



”اگر کوئی حاجت ہے تو کہو کہ اسکو پُورا کروں۔“

پھر جبرائیل نے کہا:

”جس سے حاجت رکھتے ہو اس سے طلب کرو“

تو کہا:

”عِلْمُهٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ عَنْ مَقَالِیْ۔“

یعنی ”جب اس کو میرا حال معلوم ہے تو میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔“

ایسے بزرگوار پر آفریں ہے کہ ایسی حالت میں روح القدس کی طرف التفات نہیں کیا۔ وہ امتحان میں پورے اُترے۔

اسی سبب سے خداوندِ عالم نے فرمایا ہے:

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى

یعنی ”ابراہیمؑ نے جو کچھ کہا وہ وفا کیا۔ میرے سوا کسی دوسرے کی طرف التفات واعتنا نہیں کی۔“

لہٰذا بندۂ مومن کو چاہئے کہ کسی حال میں خدا کے امتحان و آزمائش سے غافل نہ ہو جیسا کہ ملائکہ وانبیا ایمن (بے خوف) نہیں تھے۔ مواخذہ اور عذابِ الٰہی کو فراموش نہیں کیا۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام سے جادوگروں کے مقابلہ میں جو خوفِ باطنی ظاہر ہُوا وہ خوف فی الحقیقۃ امتحان و آزمائشِ خداوندی کے مقابلہ میں تھا جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خبر دی:

اَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى

موسیٰؑ نے اپنے اندر خوف محسوس کیا۔

علاج اس صفت کا علاوہ اس کے جو آگے بیان کیا جائیگا۔ وہی ہے جو عُجب وغرور کا علاج ہے۔ یعنی خوفِ خدا دل میں پیدا کرے جو اس صفت کی ضد ہے۔

# فصل نمبر (۲)

## خوفِ خدا اور اس کے اقسام

واضح ہو کہ ضد اس صفتِ مذموم (عذابِ الٰہی سے بےفکر رہنا) کی خوفِ خدا ہے۔ یہ تین قسم پر ہے:

ا: خوفِ بندہ کو عظمت و جلالِ کبریا سے ہو۔ صاحبانِ قلوب اسکو خشیّت یا رہبت کہتے ہیں۔

۲: خوف اُن گناہوں کا جو کیے ہیں اور اُن تقصرات جو اُس سے صادر ہوئی ہیں۔

۳: خوف جو ان دونوں قسمِ مذکورہ پر شامل ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ جس قدر بندہ معرفت عظمت وجلال آفریدگار کی رکھتا ہو اور اپنے عیوب اور گناہوں کا دیکھنے والا ہو اُسی قدر اس کا ترس اور خوف زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ادراکِ قدرت وعظمت پروردگار و قوّتِ قوّیہ وعزّتِ شدیدہ ضرور باعثِ وحشت واضطراب ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس کی عظمت اور قدرت وصفات اور جلال وجمال کی شدّت وقوّت بےانتہا ہے۔ کوئی شخص اس کی صفاتِ مقدّس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ کسی کو اس کا کُنہ کا ادراک میسّر نہیں ہے۔ ہاں بعض لوگ اپنی قابلیّت و طاقت کے موافق بطورِ اجمال بعض صفات کو سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ بھی حقیقتاً اس کی صفات نہیں ہیں۔ عقولِ قاصرۂ انسانی کی وہی انتہا ہے۔ بلکہ نہایت مشکل ہے اور انسان اُسے کمال تصوّر کرتا ہے اگر خورشید حقیقت کے نور کی ایک جھلک اربابِ عقول قویہ کے قلب پر پڑ جائے تو اُن کے وجود خس و خاشاک کی طرح جل اٹھیں اور معقولِ قویہ کے قلب پر پڑ جائے تو اُن کے وجود خس وخاشاک کی طرح جل اٹھیں اور عقولِ قدسیہ ونفوسِ عالیہ کا منتہائے فہم یہ ہے کہ وہ جان لیں کہ حقیقت صفاتِ جلال و جمال تک رسائی محال ہے اور اس مرتبہ کے سمجھنے میں معقول متفاوت ہیں۔ اب جس شخص کا ادراک زیادہ اور عقل کامل تر ہے اس کی حیرت اور سرگردانی بیشتر ہے۔ جو اس کی عظمت اور جلال کا زیادہ شناسا ہے۔ اس کا خوف اور دہشت زیادہ ہے۔

اسی وجہ سے پروردگارِ عالم فرماتا ہے۔



اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط

یعنی ''خدا سے خوف اور دہشت سوائے بندگان خاص اور عالم و دانا کے کسی کو نہیں ہے۔''

سیّدِ رسلؐ نے فرمایا ہے:

اَنَا اَخْوَفُکُمْ مِنَ اللّٰہِ

یعنی ''خدا سے میرا خوف بہ نسبت تمام کے زیادہ ہے۔''

یہ حالتِ خوف اولیاء وانبیاء کی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سُنا ہے کہ ہر شب امیر المومنینؑ کو پے در پے غش طاری ہوتے تھے۔ اس کا سبب کمالِ معرفتِ خدا ہے۔ کیونکہ جس کے دل میں معرفت کامل طور سے اثر کرتی ہے اس کا اضطراب بڑھتا ہے۔ سوزش زیادہ ہوتی ہے اور یہ اثر دل سے بدن میں سرایت کرتا ہے۔

پس جسم ضعیف اور لاغر رہتا ہے۔ چہرہ زرد اور آنکھیں گریاں۔ وہ لوگ گناہوں سے باز رہ کر طاعت وعبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔

پس جو شخص ترکِ معاصی میں کوشش اور طاعت کی عادت نہ کرے اس کو کوئی مرتبہ خوف حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ شخص خائف نہیں ہے کہ روئے بلکہ خائف وہ شخص ہے جو عاقبت سے ڈرے اور گناہ سے پرہیز کرے۔

ایک عارف کا قول ہے کہ:

''بندہ جس وقت خدا سے ڈرتا ہے تو گناہ سے اس طرح پرہیز کرتا ہے جیسکہ بیمار طولِ مرض کے اندیشہ سے غذائے ناموافق سے پرہیز اور خوف کرتا ہے۔''

اور یہ اثرِ خوف جب صفات و احوال سرایت کرتا ہے تو شہوت کی آگ کو کم کردیتا ہے۔ اسے دنیا کی لذّتیں مزہ نہیں دیتیں۔ اس کی طبیعت کو گناہ مکروہ وناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ جیسکہ اُس شخص کو شہد ناگوار ہوتا ہے۔ جو یہ جانے کہ اس میں زہر ملا ہُوا ہے۔ اس وقت میں اُس کا دل دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے۔ اور اس کی لذّتیں اس کے لیے بیکار ہوجاتی ہیں۔ صفاتِ خراب اس سے دُور ہوتے ہیں۔ وہ عظمتِ الٰہی کے سامنے ذلیل اور متواضع ہوتا ہے۔ اپنے احوال کے نتیجہ پر نظر رکھتا

ہے۔اس کو سوائے مجاہدۂ نفس اور شیطان و مراقبۂ احوال و محاسبۂ اعمال کے کوئی شغل نہیں ہوتا۔اپنی ایک ایک گھڑی غنیمت سمجھتا ہے۔اس کو بے فائدہ صرف نہیں کرتا۔ایک بات بھی فضول نہیں کہتا ہے۔جب کوئی خیال فضول اُس کے دل میں گزرے تو اپنے نفس پر مواخذہ وعتاب کرتا ہے۔اپنے ظاہر و باطن کو اس شے کے علاج پر جس سے ڈرتا ہے مشغول کرتا ہے۔اس کے دل میں امورِ مذکورہ کے سوا کوئی دوسری بات نہیں گزرتی۔جس طرح کہ کوئی شخص شیر کے پنجہ میں پھنس گیا وہ یا دریا کے طوفان میں آ گیا ہو وُہ سوائے اپنی رہائی کے اور کسی بات کا خیال نہیں کر سکتا۔اسی طرح یہ شخص بھی سوائے اپنی نجات کے دوسری طرف توجہ نہیں کرتا۔

صحابہ و تابعین وسلفِ صالحین اسی طریقہ پر کاربند تھے اور اقلِ درجہ یہ ہے کہ اس کا اثر اعمال میں ظاہر ہو اور آدمی محرّمات سے باز رہے۔اس وقت مرتبۂ درجہ ورع حاصل ہوتا ہے اور جب اس مرتبہ سے ترقی کر کے ہمہ تن بارگاہِ اقدسِ خداوندی میں حاضر ہو۔فضولیاتِ دنیا سے قطعاً الگ ہو جائے تو اس وقت زمرۂ صدیقین میں داخل ہوگا۔

## فصل نمبر (۳)

## مراتب خوف جن کی ایک دوسرے پر ترجیح ہے

واضح ہو کہ مکروہات آئندہ کے تصوّر سے انسان کو خوف اور ترس لاحق ہوتا ہے۔ان کے بہت درجے ہیں۔کیونکہ یا تو انسان کو بساطِ قرب اور لذّتِ دیدار پروردگار سے دور ہو جانے کا خوف ہوگا یہ درجۂ خوف بہت بلند ہے اور صدّیقین و مقرّبین کے واسطے یہ درجہ میسّر ہوتا ہے۔سیدّ اولیاؑ۔اس مرتبہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

فَهَبْنِيْ يَا اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَرَبِّيْ صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ.

یعنی ”اے میرے معبود و آقا و مولا پروردگار میں نے فرض کیا کہ تیرے عذاب پر صبر کر لُوں گا لیکن تیرے فراق پر کیوں کر صبر کر سکوں گا۔“

اس مرتبہ سے کم درجہ کا خوف عابد و زاہد کا ہے۔اس کے بھی کئی اقسام ہیں۔مثلاً جان کنی یا



اس کی سختی یا سوالِ منکر و نکیر یا عذابِ قبر ہولناک وتنہائی کا یا میدانِ قیامت کے ہول کا یا پروردگار کے سامنے کھڑے رہنے کا یا اس کی ہیبت یا اپنے گناہوں کی حیا وخجالت کا، یا رسوائی محشر یا اس کی شرمساری کا، یا بازارِ قیامت کے محاسبہ سے عاجز رہنے کا یا حسرت و پشیمانی اور ندامت کے الم کا، یا روزِ محشر کی شفاعت سے محرومی کا، یا صراط سے گزرنے کا، یا دوزخ کے سانپ اور بچھوّ کی ایذا کا، یا محرومئ بہشت یا حورانِ پاک سرشت سے دوری کا خوف ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس امر کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا مرنے سے پہلے توبہ نہ کر سکوں یا توبہ ٹوٹ جائے یا ادائے حقوقِ پروردگار میں تقصیر ہو، یا نفسِ امّارہ اور شیطان مکّار غالب آ جائے یا دنیائے دنی فریب دے یا حقوق النّاس ذمہّ رہ جائیں یا نعمت وثروت وعزّت وصحت برباد ہو جائے یا طاعت و عبادت قبول نہ ہو لیکن نیکیوں اور متقیوں کے دل پر زیادہ تر خوف نتیجۂ خاتمہ کا ہوتا ہے۔اسی سے عارفوں کا دل پارہ پارہ ہے اور ان سب اقسام سے بڑھا ہوا روزِ ازل کا خوف ہے۔

اسی سبب سے عبداللہ انصاری کا قول ہے کہ آدمی روزِ آخر سے ڈرتے ہیں اور میں روزِ اوّل سے ڈرتا ہوں۔

حضرتِ رسولؐ نے ایک روز سیدھا دستِ مبارک بند کر کے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

سب نے عرض کیا کہ:

”خدا اور رسُول زیادہ جاننے والے ہیں۔“

فرمایا کہ:

”اہلِ بہشت کے اور ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں۔جو قیامت تک اہل بہشت ہوں گے۔“

پھر فرمایا کہ حکمِ خدا ہے اور حکمِ خدا عدل پر مبنی ہے کہ:

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ

یعنی ”ایک طائفہ بہشت میں ہے اور ایک طائفہ دوزخ میں۔“

دوسری حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ فرمایا۔ہوسکتا ہے کہ نیک آدمی کو اشقیا کے

راستہ سے لے جائیں تا کہ لوگ کہیں کہ یہ کس قدر اشقیا سے مشابہ ہے بلکہ انھیں میں سے ہے۔ ناگاہ فوراً اِس کو سعادت گھیر لے گی، اور وہ نیکوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ شقی کو اہلِ سعادت کے راستہ سے لے جائیں اور لوگ کہیں کہ یہ کس قدر نیکیوں کے مشابہ ہے بلکہ انھیں میں سے ہے۔ پس فوراً اس کو شقادت پکڑ لے گی اور اہل شقادت کے ساتھ خاتمہ ہوگا۔

# فصل نمبر ۴

## شرافت خوفِ خدا اور اُس کی حد

واضح ہو کہ خوفِ خدا رکھنے والے کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ صفتِ خوف افضلِ فضائلِ نفسانیہ واشرفِ اوصافِ حسنہ ہے۔ کیونکہ ہر صفت جس قدر تحصیلِ سعادت میں معین و مددگار ہوگی۔ اسی قدر اشرف گنی جائے گی اور کوئی سعادت میں معین و مددگار ہوگی اسی قدر اشرف گنی جائے گی اور کوئی سعادت ملاقاتِ پروردگار اور اس کے مرتبۂ قرب سے بڑھ کر نہیں یہ مرتبۂ قرب سوائے محبتِ خدا کے حاصل نہیں ہوسکتا اور محبت معرفت پر موقوف ہے اور معرفتِ فکر و ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمیشہ فکر و ذکر میں مشغول رہنا سوائے ترکِ شہوات کے اور کسی چیز سے متحقق نہیں ہوتا اور لذّات وشہوات کو کوئی سوائے خوف کے نیست ونابود کرنے والی نہیں ہے۔

اسی وجہ سے فضیلت میں اس صفت کی آیات واخبار متواتر آئے ہیں خدائے تعالیٰ نے اہلِ خوف کے لیے علم، ہدایت، رضوان، رحمت کو جو مقاماتِ اہل بہشت کا مجمع ہے جمع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط

یعنی ''خوفِ خدا صرف اہل علم کے لیے ہے۔'' (سورہ فاطر۔ ۲۸)

اور فرمایا:

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

یعنی ''ہدایت اور رحمت ان اشخاص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے خائف و



ترساں ہیں۔'' (سورہ اعراف)

پھر فرمایا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

یعنی ''ان سے خدا راضی اور خوشنود ہے وہ خدا سے راضی وخوشنود ہیں۔''

(سورہ بیّنہ)

یہ مرتبہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ آیات متعدّدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ خدا لازمۂ ایمان ہے جو شخص خدا کا خوف نہیں رکھتا۔ وہ ایمان میں پورا نہیں ہے۔

چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

یعنی ''سوائے اس کے کوئی مومن نہیں ہے۔ جس کے سامنے خدا کا نام لیا جائے اس کے دل پر خوف طاری ہوجائے۔'' (سورہ انفال۔ ۲)

اور فرمایا ہے:

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

یعنی ''اگر صاحبِ ایمان ہو تو مجھ سے ڈرو۔'' (سورہ آل عمران)

خوف کرنے والوں کے واسطے بہشت کا وعدہ کیا گیا ہے۔:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

یعنی ''جو شخص اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے اور ہوا و ہوس سے باز رہتا ہے تو بہشت اس کا مسکن ہے۔'' (سورہ نازعات)

اور فرماتا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

یعنی '' جو شخص اپنے پروردگار سے خوف کرتا ہے۔ اس کے لیے بہشت ہے۔'' (سورہ رحمٰن)

حدیثِ صحیح میں وارد ہُوا ہے کہ میری عزت کی قسم ہے کہ بندہ کو دو خوف نہیں دیے جاتے اور نہ کسی بندہ کے لیے دو امن قرار دیے گئے ہیں۔ پس جو کوئی دنیا میں ایمن ہو تو قیامت میں اس کو ڈراؤں گا اور جو کوئی دنیا میں مجھ سے ڈرتا ہے اس کو قیامت میں بے خوف رکھوں گا۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا:

''جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے اس سے خدا سب کو ڈراتا ہے جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا ہے اس کو خدا تمام چیزوں سے ڈراتا ہے۔''

ایک روز حضرتؐ نے ابنِ مسعود سے فرمایا کہ اگر تو قیامت میں مجھ سے ملاقات چاہتا ہے تو میرے بعد بھی خدا سے خائف رہنا۔

لیث ابنِ ابی سلیم سے منقول ہے کہ:

''میں نے ایک مردِ انصاری سے سنا کہ ایک روز موسمِ گرما میں حضرتِ رسولؐ کی خدمت میں ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا تھا کہ ایک مرد آیا اور لباس اتار کر ریگِ گرم پر لوٹنے لگا کبھی اپنی پیٹھ کو اور کبھی اپنے پیٹ کو اور کبھی اپنے مُنہ کو داغ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ریگِ گرم کی حرارت چکھ۔ کیونکہ جو کچھ مَیں نے اپنے ساتھ کیا ہے اس کے لیے عذابِ خدا شدید ہے۔ حضرت رسول صلعم اس کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ جب اس نے لباس پہن لیا، حضرتؐ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر اس کو بلایا اور فرمایا:

''اے بندۂ خدا تجھ سے کونسا امر صادر ہُوا؟''

اُس نے عرض کیا کہ:

''خوفِ خدا سے میری یہ حالت ہے۔''

حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''بے شک تُو حقِ بجالایا۔ خدا اہلِ آسمان کے سامنے تیری تعریف کرتا ہے۔''

پھر حضرتؐ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ تاکہ تمھارے واسطے دعا کرے

نیز حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ:

کوئی بندہ مومن نہیں ہے کہ جس کی آنکھ سے خوفِ خدا میں آنسو باہر آئے۔ اگرچہ وہ مکھی



کے سر کے برابر ہو۔ مگر خدا آتش جہنّم کو اس پر حرام کرتا ہے۔''

پھر فرمایا کہ:

''جب مومن کا دل خوفِ خدا سے کانپے تو اس کے گناہ مثل درخت کے پتوں کے جھڑتے ہیں۔''

پھر فرمایا کہ:

''جو شخص خدا کے خوف سے گریہ کرتا ہے وہ داخلِ جہنّم نہیں ہوتا۔''

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

''جس زمانہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام عراق میں تشریف فرما تھے، ایک روز نمازِ صبح کی جماعت سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا۔ خود گریہ کیا، حاضرین کو رُلایا اور ارشاد کیا خدا کی قسم ہے کہ زمانۂ رسولؐ میں ایک قوم کو مَیں نے دیکھا کہ اُن کے بال پریشان تھے۔ بدن غبار آلُود تھے۔ بھُوکے رہتے تھے اور صبح و شام گریہ کرتے تھے۔ کثرتِ سجدہ سے ان کی پیشانی پر گٹے پڑ گئے تھے۔ تمام رات قیام و سجود میں بسر کرتے تھے۔ کبھی ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر عبادت کرتے تھے۔ کبھی سجدے میں جا کر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے تھے۔ آتشِ جہنم سے خلاصی چاہتے تھے۔ باوجود اس کے خائف و ترساں رہتے تھے۔ گویا آتشِ جہنّم کی آواز اُن کے کانوں میں آتی تھی۔ جب ان کے سامنے خدا کا نام لیا جاتا تو بید کے مانند کانپتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ کسی نے حضرت کو خنداں نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ دنیا سے مفارقت فرمائی۔ نیز حضرتؑ سے مروی ہے کہ مومن ہمیشہ دو خوف کے درمیان ہے۔ ایک خوف اُن گناہوں کا جو کیے ہیں اور نہیں جانتا ہے کہ خدا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ دوسرا زمانۂ آئندہ کا خوف کہ اس میں کیا کیا گناہ سرزد ہوں گے۔ پس کوئی صبح ایسی نہیں جس میں وہ خائف و ترساں نہ اٹھے۔

پھر انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا سے اس طرح ڈر گویا تُو اس کو دیکھتا ہے۔ اگر تو اس کو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور پھر اس کا گناہ کرتا ہے تو شاید وہ تیری نظر میں تمام دیکھنے والوں سے کم ہے۔ کیونکہ دوسروں کے خیال سے تو ضرور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ غرض خوف اور اس کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں۔ ان کا بیان کیا جائے تو ایک علٰیحدہ کتاب ہو جائے اور

جو کچھ حدیثیں زہد وتقویٰ اور گریہ ورجا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ تمام فضیلتِ خوف پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں سے بعض سبب خوف ہیں۔بعض خوف کی پیدا کرنے والی ہیں اور بعض لوازمِ خوف میں سے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فضیلت و مدحِ خوف میں مذکورہ ہُوا اس سے یہ مراد ہے کہ کسی وقت میں حدِ شائستہ سے تجاوز نہ کیا جائے ورنہ مذموم ہو جائے گا صراحت اس کی یہ ہے کہ خدا کا خوف تازیانہ کا حکم رکھتا ہے جو بندوں کو علم وعمل اور طاعت وعبادت پر متوجہ کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے قربِ الٰہی پر فائز ہوں اور لذّتِ محبتِ خدا حاصل ہو۔جیسکہ اطفال کو تازیانہ سے تادیب کی یا گھوڑے کو چلانے کی ایک حد معیّن ہے۔اگر اُس سے کم ہو تو تادیب طفل اور رمرکب چلانے میں کوئی نفع نہیں ہوتا۔اگر اس سے تجاوز کیا جائے تو طفل یا مرکب کی ہلاکت ہے۔

پس ایسا ہی خوف تازیانہ خدا ہے جس کی حد معیّن یہ ہے وہ آدمی کو مقصدِ مذکورہ پر پہنچا دے۔اگر اس حد سے کم ہو تو فائدہ بہت کم بلکہ بے اثر ہے۔مثلاً باریک لکڑی مرکبِ قوی کو ماریں جس سے کچھ بھی اثر نہ ہو۔یہ خوف مانند رقّتِ قلب کے ہے کہ مستورات بمجرّد سننے بیانِ دردناک کے گریہ کرتی ہیں۔جب وہ بیان موقوف کیا جائے تو حالتِ اوّل پر قائم ہو جاتی ہیں یا اس آدمی کے خوف کے مانند ہے کہ جس وقت خبر وحشت سُنے تو اس کا اثر نفس میں مشاہدہ کرے اور جب نظر سے غائب ہو تو فوراً دل غافل ہو جائے یہ خوف بھی بے فائدہ ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ کبھی اگر حدیثِ مرگ ودوزخ سُنے تو کچھ دل میں اثر ہوتا ہے۔مگر اعضاء وجوارح اس اثر سے خالی ہیں۔طاعت پر متوجہ نہیں ہوتے اور آدمی گناہوں سے باز نہیں رہتا۔ایسے خوف کو خوف نہیں کہتے ہیں۔بلکہ یہ حدیثِ نفس وحرکتِ خواطر ہے جس کا وجود وعدم برابر ہے اور اگر حد سے تجاوز کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان رحمتِ خدا سے نااُمید اور مایوس ہو جاتا ہے جو یہ حدِّ ظلال وکفر ہے۔

لَا يَايۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴿۸۷﴾ (سورہ یوسف)

کوئی شک نہیں کہ جب خوف حدِّ یاس پر پہنچ جائے تو وہ آدمی کو عمل وطاعت سے باز رکھتا ہے۔کیونکہ جب امید ہی نہ ہو تو دل کو اطاعت کی طرف توجہ کیوں کر ہوسکتی ہے اور کوئی خوشی وشوق



کس طرح حاصل ہوسکتا ہے۔جب خوشی وشوق نہ ہو تو کاہلی وسستی آجاتی ہے اور عمل سے باز رکھتی ہے ایسا خوف از روئے عقل وشرع مذموم ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ کسی لڑکے کو اس قدر تادیب کی جائے کہ وہ مرجائے یا اس کا کوئی عضو جاتا رہے۔

پس اصل خوف یہ ہے کہ وہ آدمی کو گناہوں سے باز رکھے اور تحصیلِ فضائل کا ذریعہ ہو جائے۔

# فصل نمبر (۵)

## طریقۂ تحصیل خوفِ خُدا

واضح ہو کہ جب آپ نے فضیلتِ خوف کو معلوم کیا تو اس کے حاصل کرنے کے درپے ہونا اور اپنے کو اُس صفت سے آراستہ کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ خوفِ خدا کی کمی کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انسان عظمت وجلالِ خداوندی سے بے خبر ہو مواخذۂ قیامت سے بے پرواہ ہو۔ مثلاً ایک شیر کہیں بیٹھا ہے۔ لیکن انسان اس کے موجود ہونے کی خبر نہیں رکھتا یا اگر خبر بھی رکھتا ہے تو اس کی خاصیتِ درندگی سے خبردار نہیں ہے۔ پس ایسا شخص بے خوف اس کی طرف چلا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان محاسبۂ روزِ قیامت سے غفلت وفراموشی اختیار کرے اور اس کی دہشت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جیسکہ کوئی شخص شیر کی خاصیّتِ درندگی سے مطلع ہو لیکن طوالتِ زمانہ سے اس کی طرف ملتفت نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ انسان رحمتِ خدا پر مطمئن ہو کر بے خوف ہو جائے یا اپنے اعمال پر مغرور ہو۔ جیسکہ کوئی شخص اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے شیر کے سامنے چلا جائے۔ اب انسان کو لازم ہے کہ تحصیلِ خوف کے لیے اُن اسباب کو ترک کرے جو قلّتِ خوف کا سبب ہوتے ہیں۔ اور ان کی توضیح وتشریح مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا یہ کہ:

انسان کا ایمان قوی ہو۔ روزِ اجزا بہشت، دوزخ، حساب اور عتاب کے بارے میں یقین حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جب ان کا یقین ہو تو دوزخ سے خائف رہے اور بہشت کا امیدوار ہو۔ بدیں وجہ دُنیا کی مشقّتِ وزحمت پر صبر کرے۔ ذکرِ خدا اور طاعت وعبادت پر آمادہ ہو۔ ذکر و فکر کی وجہ سے پروردگار سے مانوس ہو اور اس کی معرفت حاصل کرے محبّتِ خدا اور مقدّراتِ الٰہی پر راضی رہے۔

دوسرا یہ کہ:



احوالِ روزِ حساب کا متفکّر اور انواعِ عذاب کا ذکر کرنے والا رہ کر موت کو پیشِ نظر رکھے۔ عالمِ برزخ کی سختی کا تصوّر کرے۔ مواخذۂ روزِ قیامت کو یاد کرتا رہے۔ عرصۂ محشر کی دہشت اور گناہ گاروں کی سزا سُنے اخبار وآثار جو روزِ حساب کے بیان میں آئے ہیں ان کا ملاحظہ کرے۔

تیسرا یہ کہ:

خدا سے خوف کرنے والوں کے حالات دیکھے۔ انبیاء واولیاء کے حکایات کو کہ ان کا خوف پروردگار سے کس حد تک تھا ملاحظہ کرے اور اپنے کام کیطرف متوجہ ہو۔

حضرتِ رسول صلعم فرماتے ہیں کہ کوئی وقت جبرائیل میرے نزدیک نہیں آئے مگر یہ کہ پروردگار کے خوف سے لرزاں تھے۔ ایک روز حضرتؐ نے حضرت جبرائیلؑ سے سوال کیا کہ:

''میکائیل کو مَیں کس وقت خنداں نہیں دیکھتا ہُوں؟''

عرض کیا کہ:

''جس روز سے آتشِ جہنّم خلق ہوئی ہے۔ میکائیل خنداں نہیں ہوئے مروی ہے کہ ابراہیم خلیل اللہؑ باوجود اس کے کہ اس کی محبت کا خلعت جسم میں اور تاجِ کرامت سر پر رکھتے تھے لیکن جب وہ نماز میں کھڑا ہوتے تو ان کے دل کے دھڑکنے کی صدا کافی فاصلہ سے سُنی جاتی تھی۔

حضرتِ داؤدؑ پیغمبرؑ سے جب ترکِ اولیٰ صادر ہُو، تو جب تک وُہ زندہ رہے نوحہ کرتے تھے اور ہمیشہ گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ ایک روز اپنی خطا کا تذکرہ کر کے بے اختیار فریاد کی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر سر پر ہاتھ رکھے ہوئے جنگل وصحرا کی طرف چلے جاتے تھے اور نوحہ وگریہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چوپائے اور درندے ان کے راستے میں جمع ہوئے تو کہا واپس چلے جاؤ۔ مَیں تم کو نہیں چاہتا۔ مَیں ان کی خواہش کرتا ہُوں جو اپنے گناہ پر روتے ہیں۔ تمام آدمی کہتے تھے کہ آپ کب تک گریہ کریں گے اور اپنے کو رنجیدہ رکھیں گے تو کہتے تھے کہ چھوڑ دو کہ گریہ کروں قبل اس کے کہ گریہ کرنے کا دن آئے۔ میری ہڈیاں گل جائیں۔ آگ کا شعلہ میرے جسم کو جلائے اور ملائکہ کو میرے پکڑنے کا حکم دیں

حضرت یحییٰؑ معصوم جب نماز میں کھڑے رہتے تو اس قدر گریہ کرتے کہ ان کے گریہ سے درخت وغیرہ گریہ کرتے تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت زکریاؑ ان کے حالِ راز پر اس قدر گریہ کرتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحییٰؑ خوفِ خدا سے ہمیشہ اس قدر گریاں رہتے تھے کہ

رخسارِ مبارک کا گوشت آنسوؤں سے گل گیا تھا۔ یہاں تک کہ دانت نمایاں ہو گئے تھے۔ ان کی ماں نے دو ٹکڑے رُوئی کے دونوں رخساروں پر رکھ دیے تھے کہ آنسوؤں سے جراحت پر تکلیف نہ ہو۔ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اس قدر گریہ کرتے کہ وہ روئی کے ٹکڑے ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے ان کی ماں ان کو نچوڑتی۔ جب حضرت یحییٰ ؑ اس امر کو ملاحظہ کرتے تو ایک آہ کھینچتے اور کہتے تھے۔ اے خدا یہ میرے آنسو ہیں اور یہ میری ماں ہے اور مَیں تیرا بندہ ہوں اور تُو ارحم الرّاحمین ہے۔

خاتمِ انبیاؑء کو خوفِ خدا اس قدر تھا کہ اُن کا قد مبارک خم ہو گیا تھا جب حضرتؐ راستہ چلتے تو آدمی گمان کرتے کہ آگے گرتے ہیں۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ سیّدِ اولیاؑ ایک رات میں ستر مرتبہ خوفِ خدا سے بے ہوش ہوتے تھے۔ اس بزرگوار کی مناجات کے فقرات کو ملاحظہ کیجئے۔ سیدّ السّاجدین کی دعا کو سُنیے۔ ان کے مرتبہ خوف کو جانیے ان کا خوف باوجود مرتبۂ عصمت کے اس حد پر تھا۔ پھر ہمارا خوف کس درجہ پر ہونا چاہیے۔

چوتھا یہ کہ:

انسان تامّل کرے کہ قضاء وقدرِ الٰہی کی حقیقت کا سمجھنا اور امور خدا کی کنہ کا ادراک حاصل کرنا مجالِ قوتِ بشر نہیں ہے۔ جو کچھ پردے کے اندر ہے کسی کو اُس کی خبر نہیں ہے۔ انسان کے پاس گمان ہی گمان ہے جس کی صحت کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اپنی طاعت اور ایمان پر خوش ہونے کا مقام نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اپنی بے وقوفی اور بے خبری پر انسان خوش ہو بلکہ اگر کسی کو تمام نیکیاں حاصل ہوں اور اس نے دُنیا کو یک لخت چھوڑ دیا ہو۔ خداوندِ عالم کی خدمت میں کامل طور سے مشغول ہو تو بھی اپنے خاتمہ کو کیا جان سکتا ہے اور اپنے نتیجہ سے کیا خبر رکھتا ہے وہ کیوں کر مطمئن ہو سکتا ہے کہ اس کا دفترِ حال نہ پلٹے گا اور اس کی حالت نہ بدل جائیگی۔ حالاں کہ کہا گیا ہے کہ آدمی کے دل کی گردش جوش کرنے والے پانی کی گردش سے شدید تر ہے۔

پروردگارِ مقلّب القلوب فرماتا ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ۝۲۸ (سورہ معارج)



خلاصہ معنی یہ ہے کہ: کوئی شخص عذابِ خدا سے ایمن نہیں ہے۔''

پس انسان بے چارہ کہاں اور اطمینانِ خاطر کیسی اور جائے امن کیوں کر اور مقامِ خاطر جمعی کجا۔

پس اپنے پر گریہ اور اپنے احوال پر نوحہ کرنا چاہیے۔

# فصل نمبر (۶)

## سوءِ خاتمہ اور اس کے اسباب اور اس سے خلاصی کا طریقہ

سوءِ خاتمہ کے تین اسباب ہیں:

پہلا یہ کہ:

سکرات موت کے وقت ظاہر ہو۔ یہ سب سے بدتر ہے اس وقت انسان کے عقائد میں خلل ہوتا ہے۔ جو اس کے اور خدا کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے جس کے باعث ہمیشہ کے لیے جہنّم نصیب ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کسی امر خلاف واقعہ کا معتقد ہو، اور مرنے کے وقت یہ غلطی اس پر ظاہر ہو جائے اور اس کے سبب سے وہ سمجھنے لگے کہ میرے تمام عقائد ایسے ہی ہوں گے اور تمام عقائد صحیحہ کی طرف سے شک کرنے لگے۔

جیسا کہ منقول ہے کہ فخر رازی ایک روز روتے تھے۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے کہا کہ مَیں ستّر سال سے جس مسئلہ کا اعتقاد رکھتا تھا۔ آج اس کی غلطی معلوم ہوئی۔ ممکن ہے کہ میرے تمام اعتقاد ایسے ہی ہوں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی ایسے خطرے میں رہے اور شک رفع ہونے سے پہلے مرجائے تو کافر مرتا ہے۔ اور جو لوگ کہ خدا اور رسول اور روزِ حساب پر بطریقِ اجمال ایمان رکھتے ہیں اور ان کے دل میں ایمان راسخ ہو چکا ہے وہ اس خطرے سے دور ہیں۔

اسی وجہ سے وارد ہُوا ہے کہ اکثر اہلِ بہشت کم عقل ہوں گے۔ اسی لیے شریعتِ مقدّسہ میں صفاتِ خدا میں غور و بحث کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ کم عقل والے جو کچھ شروع میں ہے اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس پر

قائم ہیں اور چونکہ ان کا ذہن شک وشبہات کے پیدا کرنے اور ان کی تردید کرنے کی عادت ہی نہیں رکھتا۔ اس لیے ان کے دل میں شک وشبہ سے خلجان نہیں ہوتا۔ بخلاف اُن اشخاص کے جو فکر اور بحث میں مشغول رہ کر اپنے عقائد کو عقل کوتاہ و فکر کوتاہ و فکر سست سے اخذ کرتے ہیں۔ وہ کسی اعتقاد میں ثابت قدم نہیں رہتے۔ کیونکہ عقولِ ناقصہ اکثر عقائد دینیہ کے سمجھنے سے عاجز اور دلائل کی ترتیب میں مضطرب اور مغائر ہوتے ہیں بحث وفکر سے شک وشبہ کے دروازے کھُل جاتے ہیں ان لوگوں کا ذہن ہمیشہ شکوک وشبہات کا جولانگاہ ہے۔ انھیں کسی عقیدے پر بھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ ومضطرب رہتے ہیں۔

پس اگر یہ حالت موت کے وقت بھی لاحق رہے تو بعید نہیں ہے۔ ان لوگوں کی حالت اُن مسافروں کی سی ہے جو کشتی میں بیٹھے ہوں۔ طوفان آرہا ہو۔ موجیں اُٹھ رہی ہوں۔ اس حالت میں کشتی ڈوبنے کا گمان غالب ہے۔

نصیر الدّین حِلّی جو اعظم متکلّمین تھے۔ اُن سے منقول ہے کہ مَیں نے ستر سال علوم عقلیہ میں فکر کی۔ بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف کیں۔ لیکن اس سے زیادہ معلوم نہ ہُوا کہ مخلوقات کا کوئی خالق ہے اور اس یقین میں بعض قبیلہ مجھ سے بالاتر ہے۔

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ تمام اشخاص اپنے عقائد کو صاحبِ وحی سے اخذ کریں۔ اپنے باطن کو صفاتِ ذمیمہ واخلاقِ خبیثہ واخلاقِ خبیثہ سے پاک کریں۔ عملِ نیک اور طاعت میں مشغول ہوں اور اُس امر میں جو ان کی طاقت سے باہر ہے فکر نہ کریں تا کہ الطافِ ربّانیہ کے مستحق ہوں۔

دوسرا سبب سوء خاتمہ کا یہ ہے کہ:

آدمی کا ایمان ضعیف ہو تو اُس ضعفِ ایمان کے سبب سے خدا کی دوستی اس کے دل میں کم ہوتی ہے۔ محبتِ دنیا واہل وعیال ومنصب و مال محبتِ خدا پر غالب ہوتی ہے۔ ایسے شخص پر دنیا کی محبت رفتہ رفتہ اس درجہ ترقی کرتی ہے کہ محبتِ خدا نہایت کم ہوجاتی ہے۔ اب وہ نفسِ امارہ اور شیطان کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اس وجہ سے اس کا دل تاریک وسیاہ ہوجاتا ہے۔ پژمردگی وافسردگی اُسے حاصل ہوتی ہے بدی اس کو گھیر لیتی ہے۔ گناہوں کی سیاہی پھیلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نورِ ایمان بالکل برطرف ہوجاتا ہے۔ جب عالمِ سکرات آتا ہے تو اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے جدائی ہوگی۔ جو کچھ مال وفرزند اور دوست رکھتا تھا۔ ان کو ترک کرنا ہوگا۔ لہٰذا وہ تھوڑی سی محبت



خدا جو باقی رہ گئی تھی وہ بھی برطرف ہوجاتی ہے بلکہ خدا کی طرف سے اُس کے دل میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ موت خدا کی طرف سے ہے اور خدا نے ہی مجھے میری محبوب چیزوں سے الگ کردیا گویا وہ خدا کے اس فعل کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے جیسا کہ کوئی شخص جو اپنے کسی بچے کی محبت کم رکھتا ہو اور وہ بچہّ کوئی قیمتی مال ضائع کردے تو اُس مال کے ضائع کرنے سے وہ شخص اُس بچہ کا دشمن ہوجاتا ہے۔ یہی حالت اُس شخص کی خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔

پس ایسا شخص اگر اسی حالتِ انکار وبغض میں دنیا سے چلا جائے تو سوء خاتمہ پر مرا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک مثل اُس بندے کے لایا جائے گا جو اپنے مالک سے ناراض ہو کر بھاگا ہو اور اسے گرفتار کرکے مالک کے پاس لائیں۔ لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ کوشش کرے کہ دوستئ خدا اس پر غالب ہو۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس قسم کے سوء خاتمہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

یعنی ''اے پیغمبر کہو ان سے کہ اگر تمھارے باپ، فرزند، بھائی، عورتیں، خویش واقارب اور تمھارا وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو یہ تمام چیزیں تمھارے نزدیک خدا اور رسول اور راہِ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو امرِ خدا کے منتظر رہو۔'' (سورۂ توبہ۔ ۲۴)

یعنی جس وقت نزع کا عالم شروع ہوگا۔ موت کی بے ہوشی گھیر لے گی اس وقت افراطِ محبت دنیا اور قلبِ دوستی خدا اور رسول کا ضرر معلوم ہوگا۔

تیسرا سبب سوء خاتمہ کا کثرتِ عصیاں و پیروی خواہشاتِ نفسانی ہے اس لیے کہ کثرتِ گناہ کا منشاء یہی ہے کہ انسان پر خواہشاتِ نفسانیہ غلبہ کرچکے ہیں۔ یہ عادتیں اس میں راسخ ہوچکی ہیں اور جو عادت پختہ ہوجائے عموماً مرنے کے وقت وہی دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اگر

اطاعت وعبادت کی طرف زیادہ توجہ رہی ہے تو دنیا سے جانے کے وقت اطاعت میں مشغول ہوتا ہے۔ اگر اسکی ہمت گناہوں پر منحصر رہی ہوتو مرنے کے وقت وہی حاضر ہوتے ہیں۔ جس کا شغل زیادہ مسخرہ پن واستہزا ہوتو اُس وقت اس میں مشغول ہوتا ہے۔ غرض انسان اُن تمام اشغال واعمال میں وقتِ آخر مصروف ہوتا ہے۔ جن میں مدت العمر مشغول رہا ہو۔ جس شخص نے زندگی ہمیشہ گناہ ومعصیت میں گزاری ہوتو مرنے کے وقت یہی خواہش اس پر غلبہ کرتی ہے اور اُسی حالت میں اس کی روح قبض ہوتی ہے۔ اور یہ حالت اس کے اور پروردگار کے درمیان حجاب ہوجاتی ہے۔ اب وہ لوگ جن کے دل شہوات پر مائل اور سیئات اُن پر غالب ہیں سب اسی خطرہ میں ہیں۔ ایسی حالت سے خدا بچائے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہ بے ہوشی جو موت سے قبل لاحق ہوتی ہے وہ خواب کے مانند ہے۔

پس خواب میں انسان اکثر اوقات وہی چیزیں دیکھتا ہے جو اُس کی محبوب ہیں۔ یا جن کے دیکھنے کی عادت ہے۔ اور وہ چیزیں جو حالتِ بیداری میں کبھی نہیں دیکھیں انھیں ہرگز نہیں دیکھتا۔ جیسا کہ اندھے کو خواب میں الوانِ مختلفہ نظر نہیں آتے۔ یا ایک بچہّ جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچا۔ حالتِ مجامعت کا خواب میں نظارہ نہیں کرتا۔ بس یہی حالت سکراتِ مرگ کی ہے۔ اُسے وہی چیزیں اس بے ہوشی میں نظر آتی ہیں جن کی عادت کر چکا ہے۔ اگر بدی کی عادت پڑ چکی ہے تو وہی چیزیں متشکّل ہوہوکر اُس کے سامنے آتی ہیں اور وہ اُنھیں کے تصور میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اب جو کوئی چاہتا ہے کہ مرنے کے وقت اس کا دل گناہوں سے محفوظ رہے اس کو چاہیے کہ تمام عمر مجاہدے میں بسر کرے۔ اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھے، خواہشات کو دل سے باز رکھے، خواہشات کو دل سے نکالے۔ علم وعمل کی عادت کرے اپنے باطن کو مشاغلِ دنیویہ کی فکر سے دُور رکھے۔ اپنے دل کو محبتِ خدا کی منزل بنائے۔ اس کو اپنے مرنے کے وقت کا ذخیرہ قرار دے۔ کیونکہ جس نے جس حالت میں زندگی کی تو اُسی حالت میں مرتا ہے اور جس حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں محشور ہوتا ہے۔

تجربہ کیا گیا اور مکرّر دیکھا گیا ہے کہ انسان مرنے کے وقت اسی فکر میں مشغول تھا جس میں اُس کی عمر گزری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت کو سوءِ خاتمہ کا سخت خوف ہوتا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ مرنے کے وقت افکارِ ردّیہ اور خواطرِ خراب اُن کے دل میں نہ گزریں اسی حالت میں نہ مرجائیں۔ اور یہی حجاب کہیں ان کے اور پروردگار کے درمیان حائل نہ ہو۔ کیونکہ وسوسہ کے دور کرنے میں



انسان کو پورا قابو نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی چاہے بغیر انبیا وآئمہ کے کسی کو خواب میں نہ دیکھے اور سوائے عبادت واطاعت کے عالم رویا میں ملاحظہ نہ کرے تو یہ امر میسّر نہیں آتا۔ صلاح وطاعت کی عادت کرنا اس بارے میں بے اثر نہیں ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی آخر وقت میں جب کہ اُس کی رُوح باہر نکلتی ہے صحیح وسالم نہ ہوتو اس کے تمام اعمالِ نیک ضائع وبیکار ہیں۔ اور جب کہ قلب عمر افکار ردّیہ کا جولانگاہ رہا ہے تو حالت میں سالم رہنا بہت مشکل ہے۔

اسی وجہ سے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ایک شخص پچاس سال عبادت واعمال صاحبانِ بہشت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان اسی قدر فاصلہ رہ جاتا ہے جتنا کہ ایک وقت سے دوسرے وقت اونٹ کا دودھ دینے کے درمیان۔ لیکن خاتمہ اس کا اسی امر پر ہوتا ہے جو اُس کے لیے مقدر ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عالمِ سکرات میں اور تو کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوتا جو باعثِ شقادت ہو۔ البتہ افکارِ ردّیہ ہی ہوتے ہیں جو مثلِ برقِ خاطف دل میں گزرتے ہیں

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں سے تعجب نہیں جو دنیا میں ہلاک ہوئے۔ ہاں تعجب ان لوگوں پر ہے جو دُنیا سے نجات پاگئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب بندۂ مومن کی رُوح کو خیر واسلام پر لے جاتے ہیں تو ملائکہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیوں کر اس نے دنیا سے نجات پائی کیوں کہ ہمارے نیک اس مقام میں ہلاک ہوگئے۔ اسی مقام سے حضرتؑ کے اس ارشاد کا راز معلوم ہوتا ہے کہ تمام آدمی صاحبان ہلاکت ہیں مگر علماء اور تمام علماء صاحبانِ ہلاکت ہیں۔ مگر علم پر عمل کرنے والے اور تمام عمل کرنے والے صاحبانِ ہلاکت ہیں سوائے مخلصین کے۔ اور تمام مخلصین قطرِ عظیم ومقامِ تشویش وبیم میں ہیں۔ اسی خطرِ عظیم وتشویش وبیم کی وجہ سے انھیں مرتبہ شہادتِ راہِ خدا مطلوب ہوتا ہے اور مرگِ مفاجات ناگوار۔ اس لیے کہ مرگِ مفاجات بسا اوقات ایسے وقت آتی ہے۔ جب کہ آدمی کا دل افکارِ ردّیہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن شہادت راہِ خدا میں قبضِ روح اس وقت ہوتی ہے جب کہ د ل میں سوائے محبتِ خدا کے اور کوئی امر باقی نہیں رہتا۔ اور جو شخص خدا اور رسول کے حکم پر لڑائی میں آتا ہے گویا اس نے خدا اور رسول کے لیے موت اختیار کی ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شہادتِ مذکورہ کے سبب سے مقتول نہ ہوتو ایسا قتل

ہونا سببِ اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ وہ ظلم سے یا جہاد میں مارا گیا ہو۔ لیکن اس کا مقصد خدا اور رسول کی رضا نہ ہو۔

پس ہر شخص پر لازم ہے کہ اس خطرِ عظیم سے نجات پانے کے لیے کوشش کرے تاکہ اس کا خاتمہ بخیر اور اس کی عاقبت نیک ہو، اور اس کا دل مرنے کے وقت خدا کی طرف متوجہ ہو اور اسی کی محبت اس کے قلب میں جاگزیں ہو اور یہ امر کثرتِ مجاہدہ پر موقوف ہے کہ نفس کو خواہشاتِ دنیویہ سے باز رکھے فوراً محبتِ دنیا کو دل سے باہر کرے۔ گناہوں اور گناہگاروں کے احوال اور اُن کے تصوّر و فکر سے نہایت درج اجتناب کرے اہل معصیت کی داستان سننے سے پرہیز کرے بلکہ سوائے خدا کے کسی چیز کی محبت نہ رکھے۔ خانۂ دل میں سوائے خدا کے کچھ نہ ہو۔ یادِ خدا کا اس کو ملکہ حاصل ہو جائے بغیر اس اطمینان کے اس کا خاتمہ بخیر نہیں ہوسکتا۔ جب آپ نے معلوم کیا کہ مرنے کے وقت جو بے ہوشی طاری ہوتی ہے وُہ خواب کا حکم رکھتی ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے، اپنی حالت کو کہ خواب میں کسی وقت بھی محبتِ خدا کا اثر نہیں دیکھا جاتا اور کبھی دل میں نہیں گزرتا کہ کوئی خالق صفاتِ کمال سے آراستہ ہے۔ بلکہ امورِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ جن کی محبت دل میں ہے وہی خواب میں نظر آتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس وقت قبضِ روح ہو جب کہ آپ کا دل امورِ دنیویہ میں مشغول ہو اور معرفتِ خدا اور اس کی محبت میں ملتفت نہ تو مرنے کے بعد ہمیشہ وہی حالت طاری رہے گی۔ گناہ گاری و بدکاری دائمی نصیب ہوگی۔

لہٰذا خوابِ غفلت سے بیدار اور مستیٔ طبیعت سے ہوشیار ہو کر محبتِ دنیائے دنی دل سے باہر اور دل کو محبتِ خدا سے باہر کیجئے۔ دنیائے مستعار پر بقدرِ ضرورت اکتفا کر کے اُس منزل کی فکر لازم ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اس منزل میں جیسے ایک دن ترک کرنا ہے۔ اسی قدر غذا کافی ہے جس سے حیات کی حفاظت ہو۔ کیونکہ آدمی کو زیادہ کھانا قربِ پروردگار سے دور کرتا ہے۔ اور اس قدر لباس کہ جس سے بدن پوشیدہ ہوسکے کافی ہے۔ اس سے زیادہ آدمی کو آخرت سے باز رکھتا ہے۔ ایسا مکان کہ جس سے بارش اور آفتاب کی حفاظت ہو۔ کفایت کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اُس مکان کو خراب کرتا ہے۔ جہاں ہمیشہ کے لیے ہم کو رہنا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حد سے تجاوز کرے تو اسکا کاروبار دنیا میں زیادہ رہتا ہے۔ ہر دم غم تازہ ہے اور ہر ساعت الم بے اندازہ۔ ان آلامِ دنیا سے اُسے کبھی فرصت نہ ہوگی۔



عقلمند وہی ہے جو اشغالِ دنیا سے الگ رہ کر ایک لحظہ بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔ اپنی فکر کو دوسری طرف مائل نہ ہونے دے اور مراتبِ بہجتِ دائمی و سعادتِ سرمدی پر فائز ہو جائے۔

لیکن افسوس صد افسوس ہم نے اس کوشش سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ دنیا کی فضولیات ولغویات میں مشغول ہو گئے ہیں جن کو نہ بقا ہے نہ وفا۔ کسی نے اپنے نصیب سے زیادہ حاصل نہیں کیا۔ اور نہ یہاں سے کوئی چیز ساتھ لے گیا۔

## تیسری صفت

# رحمت خدا سے ناامیدی کی مذمّت جس میں تین فصلیں ہیں،

واضح ہو کہ رحمتِ الٰہی سے یاس و ناامیدی کی صفت مہلکاتِ عظیم میں سے ہے بلکہ گناہِ کبیرہ۔

قرآن میں اس کی بھی صراحت ہوئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط

یعنی اے وہ بندو جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم اور اسراف کیا ہے رحمت اللہ سے ناامید نہ ہو۔ (سورہ زمر۔ ۵۳)

پھر فرماتا ہے:

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

یعنی سوائے گمراہ کے اور کون شخص رحمت خدا سے مایوس ہوسکتا ہے۔ (سورہ حجر)

بلکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رحمت خدا سے مایوس ہونا موجب کفر ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَا يَايْــــَٔـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

یعنی: رحمت خدا سے مایوس نہیں ہوتا ہے۔ مگر کافر۔ (سورہ یوسف)

مروی ہے۔ کہ ایک شخص کثرت گناہ سے اس قدر خائف تھا کہ بخشش خدا سے ناامید تھا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے شخص رحمت خدا سے تیری مایوسی ان گناہوں سے جو تو نے کیے ہیں بدتر ہے۔

ایک روز حضرت رسول صلعم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اسے جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ صحرا میں نکلو گے۔ سینوں پر ہاتھ مارو گے۔ خداوند عالم سے



پناہ مانگو گے۔

پس حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو مجھ سے ناامید نہ کرو۔

مروی ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں سے ایک مرد تھا جو آدمیوں کو رحمت خدا سے ناامید کرتا تھا۔ ان کو بہت ڈراتا تھا۔

پس قیامت میں خدا اس سے فرمائے گا کہ آج میں تجھ کو اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہوں جیسا کہ میرے بندوں کو تو نے مجھ سے ناامید کیا۔

پس اسی قدر مذمت صفت یاس میں کافی ہے۔ کہ آدمی کو دوستی خدا سے جو تمام فضائل سے بالاتر ہے۔ باز رکھتی ہے۔ کیونکہ جب تک کوئی دوسرے سے امیدوار نہ ہو اس کو دوست نہیں رکھتا۔ ایسا ہی خدا سے ظن بد رکھنا جیسا کہ مذکور ہوگا اس صفت کی مذمت پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا ہر کسی پر لازم ہے۔ کہ اس صفت سے پرہیز کرے۔ اس کا علاج اس کی ضد کی تحصیل میں جو رحمت خدا سے رجاؤ امیدواری ہے ذکر کیا جاتا ہے۔

# فصل نمبر (۱)

## رحمت خدا سے اُمیدوار رہنے اور گمانِ نیک رکھنے کی شرافت اور اُس کے حصول کے اسباب وحد کا ذکر

واضح ہو کہ یاس کی ضد امیدداری رحمتِ خدا ہے۔ اس صفت کو رجا کہتے ہیں۔ رجا اُس خوشی وسرورِ دل سے مراد ہے۔ جو انتظار امرِ محبوب سے حاصل ہو۔ اس خوشی وسرور کو اس وقت میں رجا امیدواری کہتے ہوں۔ یہ اس شخص کے مانند ہے۔ جو بے عیب تخم کی کاشت کرے۔ اچھی زمین اس کے لیے انتخاب کرے اور وقتاً فوقتاً پانی دیتا رہے۔ لیکن بغیر فراہمی اسباب کے توقع رکھنے کو رجا نہیں کہتے بلکہ اس کا نام غرور وحماقت ہے۔

اور اگر کوئی شخص ایسے اسباب فراہم کرے جن سے مطلوب کا حاصل ہونا یقینی نہ ہو بلکہ مشکوک ہو۔ اور ایسی حالت میں حصول مطلوب کی توقع رکھے تو اس کا نام آرزو وتمنا ہے۔ جب اس

کوآپ نے معلوم کیا تو واضح ہو کہ دنیا کھیتی آخرت کی ہے۔ آدمی کا دل زمین کا حکم رکھتا ہے۔ ایمان مثل تخم اور طاعت مثل پانی کے ہے۔ کہ زمین کو اس سے سیراب کرنا چاہئے۔ گناہوں اور اخلاقِ ذمیمہ سے دل کا پاک کرنا کچرے اور پتھر اور گھانس سے جو زراعت کو خراب کرتا ہے۔ زمین کو پاک کرنے کے مانند ہے۔ اور روزِ قیامت کاٹنے کا دن ہے

پس بندے کو نمائش کی اس صاحبِ زراعت کے مانند امید رکھنا چاہئے کہ جس نے تخم کو زمین پاک میں ڈالا ہو۔ اس کو وقت پر پانی دیا ہو۔ پروردگار پر امید رکھ کر بیٹھا ہو اور امید غلّہ کے گھر لے جانے کی رکھتا ہو۔ اس اُمید کو رجا کہتے ہیں۔ عقلمندوں نے اس کو پسند کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ جب کہ بندے نے زمینِ دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کیا۔ ایمان کے تخم کو اس میں بویا۔ اطاعت کو جو مثل پانی کے ہے اس میں جاری کیا تو پروردگار سے امید رکھ سکتا ہے کہ سوءِ خاتمہ سے نگاہ رکھے اور اس کو بخشئے۔ ایسی امیدواری ورجا از روئے عقل وشرع نیک ہے مگر جو شخص زراعت سے غافل رہا۔ تمام عمر سُستی وراحت میں بسر کی یا تخم کو اُس کھاری زمین میں جس میں پانی ٹھہرتا ہے بویا اور اُس پر غلّہ کے کاٹنے اور انبار کر کے گھر لے جانے کی توقع رکھتا ہے۔ تو اس کو حماقت وغرور کہتے ہیں یا اگر تخم یقین اور ایمان کو زمینِ دل میں نہ بویا اور بویا بھی تو دل کو صفاتِ رذائل پاک نہ کیا۔ طاعت کے پانی سے آبیاری نہ کی اور ایمان ومغفرت کی امید رکھی، تو ایسا شخص مغرور واحمق ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہُوا کہ امیدواری ورجا اس وقت ہے۔ جب کہ آدمی امید کسی محبوب کی رکھتا ہو اور تمام وسائل واسباب جو اس کے اختیار میں ہیں فراہم کیے ہوں کوئی چیز باقی نہ ہو مگر اس کے سوا جو اس کی قدرت سے باہر ہے۔ ایسا شخص فضل وکرم خدا سے امیدوار ہے کہ وہ اس کو سوءِ خاتمہ سے ایمان کو شیطان سے اور اس کے دل کو ہوا وہوس سے محفوظ رکھے۔ احادیث واخبار جو ترغیبِ رجا وامیدواری وعفو ورحمتِ خدا میں آئے ہیں۔ ان لوگوں سے مخصوص ہیں۔ جو لوگ امید کے ساتھ عملِ خالص رکھتے ہیں اور دنیا ولذّاتِ دنیا میں مبتلا نہیں ہوتے۔

پس ہر صاحبِ عقل کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ شیطان اس کو فریب نہ دے۔ اطاعت وعبادت سے باز نہ رکھے۔ مبادا وقت آپہنچے اور تمام امور اختیار سے نکل جائیں۔ احوالِ انبیاء ومقربانِ بارگاہِ خدا کی عبادت پر نظر کرنا لازم ہے۔ انھوں نے کیوں کر اپنی عمر عبادتِ خدا میں صرف کی۔ رات دن



اپنے بدن کو رنج وتکلیف میں ڈالا۔ عبادت واطاعت میں مشغول ہوئے لذّاتِ دنیویہ سے آنکھ بند کی۔ شربتِ محبت وبلا کو نوش کیا۔ باوجود اس کے ہمیشہ خوفِ خدا سے لرزاں اور ان کی آنکھیں گریاں تھیں۔ آیا وہ عفو رحمتِ خدا کی امید نہیں رکھتے تھے یا اس کی وسعتِ کرم سے آگاہ نہیں تھے۔ خدا کی قسم اُن کی آگاہی مجھ سے اور آپ سے زیادہ اور اُن کی اُمیدواری بہت بڑھی ہوئی تھی لیکن جانتے تھے۔ ؎

نابردہ رنج گنج میسّر نمی شود
مزد آن گرفت جانِ برادر کہ کارکرد

انھیں معلوم تھا کہ رحمت کی امید بغیر دستاویز طاعت وعبادت کے حماقت ونادانی ہے۔
اب ہم ابتداء میں بعض احادیث وآیات جو فضیلت رجا اور امیدواری کے آئے ہیں۔ بیان کرتے ہیں اس کے بعد غرور وحماقت کی مذّمت میں جو اخبار وارد ہیں۔ ان کا ذکر کیا جائے گا۔

## اخبار باعثِ امیدواری بخدا

واضح ہو کہ آیات واخبار جو سبب رجا وامیدواری ہوتے ہیں۔ اور جن سے رجا وامیدواری کی ترغیب ہوتی ہے۔ بہت سے ہیں اور چند قسم پر ہیں۔

پہلے وہ آیات واخبار ہیں جن میں یاس ونومیدی رحمتِ خدا سے امتناع کیا گیا جیسا کہ مذکورہ ہُوا۔

دوسرے وہ احادیث ہیں جو رجا وامیدواری سے مخصوص ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ کوئی مرد حالتِ نزع میں تھا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اُس کے سرہانے موجود تھے۔ عرض کیا کہ

”اپنے کو گناہوں سے ڈرنے والا اور رحمت پروردگار کا امیدوار پاتا ہوں۔“

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

”اس وقت خوف وامید بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتے۔ مگر یہ کہ خدا اس کی امید کے موافق پہنچاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بے خوف کرتا ہے۔“

حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ:

خداوند عالم بندے سے قیامت میں فرمائے گا کہ کون امر مانع ہُوا کہ تُو نے امر منکر کو دیکھا اور اُس سے منع نہیں کیا۔

اگر اس وقت یہ عذر پیش کرے کہ پروردگار مَیں تجھ سے اُمید رکھتا تھا۔ اور آدمیوں سے ڈرتا تھا۔

خدا فرمائے گا کہ:

''میں نے تیرے اُس گناہوں کو بخش دیا۔''

پھر اُنھیں حضرتؑ سے منقول ہے کہ ایک مرد کو داخلِ جہنّم کریں گے وہ ہزار سال عذاب میں رہے گا۔ ایک روز یاحنّان و یامنّان کہہ کر فریاد کرے گا تو خداوندِ عالم جبرائیل سے فرمائے گا کہ:

''جاؤ، اُس بندے کو میرے نزدیک لاؤ۔''

پس جبرائیل اس کو لا کر مقامِ عرضِ پروردگار پر کھڑا کریں گے۔

پس خطابِ الٰہی پہنچے گا کہ:

''اپنے مقام کو تُو نے کیسا پایا؟''

وہ عرض کرے گا کہ:

''نہایت خراب مقام ہے۔''

خطاب ہوگا کہ:

''اس کو پھر اسی جگہ لے جاؤ۔''

جب وہ بندہ جہنّم کا راستہ لے گا اور روانہ ہوگا، تو پیچھے پلٹ کر دیکھے گا اس وقت خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ:

''پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا۔''

وہ عرض کرے گا کہ:

''مَیں تجھ سے امید رکھتا تھا کہ جب مجھ کو جہنّم سے نکالا ہے تو پھر وہاں نہیں بھیجے گا۔''

اس وقت خطاب ہوگا کہ اس کو پلٹاؤ اور بہشت میں لے جاؤ۔

نیز حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبادت کرنے والے اپنی



عبادت پر مطمئن نہ ہوں۔ اگر وہ عبادت میں انتہائی کوشش سے کام لیں اور تمام عمر اپنے نفس کو میری بندگی کی زحمت میں ڈالیں۔ پھر بھی قاصر ہوں گے اور میری عبادت کا حق نہیں بجا لاسکیں گے۔ ہاں اگر میری کرامات ونعیم بہشت اور میرے جوار میں درجاتِ عالیہ کے اُمیدوار ہیں تو چاہیے کہ میری رحمت پر ثابت قدم اور میرے فضل و کرم کے امیدوار رہیں مجھ سے گمانِ نیک رکھ کر مطمئن ہوں۔ میری رحمت اُن کو گھیر لے گی۔ مَیں اُن کو خوش کروں گا اور خلعتِ عفو اُن کو پہناؤں گا۔ بہ تحقیق کہ مَیں خداوندِ رحمان ورحیم ہوں اور یہ میرے نام ہیں

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

کتابِ علی ابن ابی طالبؑ میں میں نے دیکھا کہ لکھا تھا کہ حضرت پیغمبرؐ نے منبر پر فرمایا کہ اس خدا کی قسم ہے جس کے بغیر کوئی خدا نہیں ہے کہ بعض مومنین کو خدا سے گمانِ نیک رکھنے، اُس کے فضل و کرم کے امیدوار رہنے، حُسنِ خلق رکھنے اور غیبتِ مومن سے پرہیز کرنے کی وجہ سے دنیا و آخرت کی نیکی عطا ہوئی ہے اُس خدا کی قسم ہے کہ جس کے سواء کوئی خدا نہیں ہے کہ بندۂ مومن کو توبہ واستغفار کے بعد خدا عذاب نہیں کرتا۔ مگر بسببِ گمانِ بد اور کمئ امیدواریٔ خدا و بدخلقی و غیبت مومن کے۔ نیز خدا کی قسم ہے کہ کوئی بندہ گمانِ نیک نہیں رکھتا ہے۔ مگر یہ کہ خدا اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق رفتار کرتا ہے۔ کیونکہ کریم ہے تمام نیکیاں اُس کے اختیار میں ہیں۔ وہ شرم کرتا ہے کہ جب بندہ مومن گمانِ نیک اس سے رکھتا ہو۔ اس کے گمان کے خلاف کرے۔ اُس کی امید نہ بر لائے۔ پس خدا پر گمانِ نیک رکھیے اور اُس کی طرف رغبت کیجیے۔

تیسرے: جو امور باعثِ امیدواری مومنین ہیں یہ ہیں کہ حسبِ تصریح آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویؐ ملائکہ مقربین وانبیائے مرسلین مومنین کے واسطے طلبِ مغفرت کرتے ہیں۔ اور خدا سے اُن کی آمرزش طلب کرتے ہیں۔

پس انکی دعا ضرور مقبول درگاہِ پروردگار ہے۔

چنانچہ خداوندِ عالم فرماتا ہے۔

الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ط

یعنی ''فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں۔ اُس سے طلب آمرزش کرتے

ہیں۔ اُن لوگوں کے واسطے جو دنیا میں ہیں۔'' (سورہ شوریٰ۔ ۵)

حضرت رسول صلعم فرماتے ہیں۔

''جس طرح میرا زمانہ حیات تمھارے لیے بہتر ہے اسی طرح زمانۂ ممات بھی۔ کیونکہ زندگی میں تم سے احکامِ شریعت بیان کرتا ہوں۔ طریقہ اور آداب تم کو سکھاتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد جو اعمال تم سے صادر ہوں مجھ سے عرض کیے جاتے ہیں۔ جب کہ دیکھتا ہوں کہ وہ نیک ہیں۔ تو شکرِ خدا کرتا ہوں۔ اور جب دیکھتاہُوں کہ بد ہیں تو خدا سے طلبِ آمرزش کرتاہُوں۔''

چوتھے: جب بندہ کوئی گناہ کرے تو ملائکہ اس کے لکھنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ شاید پشیمان ہو اور استغفار کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب بندہ سے کوئی گناہ صادر ہو تو صبح سے شام تک لکھنے میں صار ہو تو صبح سے شام لکھنے میں تاخیر کی جاتی ہے۔ اگر توبہ کرلے تو نہیں لکھتے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو کوئی گناہ کرے تو اس کو سات گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر تین مرتبہ:

أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

کہا جائے گا تو گناہ نہیں لکھا جاتا۔

پانچویں: وسیلۂ نجاتِ مومنان و باعث امیدواریٔ گناہ گاراں اور شفاعتِ شافع روزِ قیامت وعذرخواہی گناہگاراں ہے۔ پیغمبرؐ رؤف و رحیم ہے۔ اور اُسی طرح آئمہ طاہرینؑ جب عرصہ محشر برپا ہوگا تو پیغمبرؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ طاہرین شفاعت پر کمر باندھیں گے۔ گناہگارانِ امت کی طرف سے عذرخواہی کریں گے۔ اُن کی تقصیرات کے عفو کے لیے بارگاہِ احدیت سے سوال کریں گے۔ انکی بخشائش خدا سے طلب کریں گے چنانچہ خداوندِ مہربان نے اُن برگزیدوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

یعنی ''البتہ قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ پر اس قدر بخشش وعطا کرے کہ تو راضی وخوشنود ہو۔''



اس آیہ کی تفسیر میں آیا ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلعم اپنی امت کے ایک آدمی کو بھی جہنّم میں داخل کرنا نہیں چاہیں گے۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ:

اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ۔

یعنی ''میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے صاحبانِ گناہوں کبیرہ کے لیے ذخیرہ کیا ہے۔''

حقیقتاً یہ وہ خوشخبری ہے جس سے مومنوں کی آنکھیں روشن ہیں۔ اور ان کا دل اس سے شادوخرّم ہوتا ہے۔

چھٹے: دوستوں کے لیے یہ بشارتیں وارد ہوئی ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنّم میں نہ رہیں گے۔ ان کو پیغمبرؐ اور اہلِ بیتؑ کی دوستی عذاب سے نجات دے گی۔ خواہ انھوں نے کسی قدر گناہ کیے ہوں اور کیسی ہی معصیت اُن سے سرزد ہوئی ہو۔

ساتویں: خداوندِ عالم نے آتشِ جہنّم کو کفّار کے واسطے خلق کیا ہے۔ بغیر دشمنانِ خدا کے کوئی شخص داخلِ جہنّم نہ ہوگا۔ خدا اپنے دوستوں کو اُس سے ڈراتا ہے اور فرماتا ہے۔:

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ

یعنی ''آتشِ جہنّم سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا۔'' (سورہ زمر۔ ۱۶)

اور فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

یعنی: ''اس آتشِ جہنّم سے ڈرو جو کفار کے خلق اور مہیا کی گئی ہے۔'' (سورہ آل عمران)

پھر فرماتا ہے:

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

یعنی: ''آتشِ جہنّم میں نہیں ڈالا جاتا مگر وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔'' (سورہ لیل)

آٹھویں: خصوصی وسعتِ عفو ومغفرت وزیادتیٔ رحمت کے لیے بہت سی آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں۔

چنانچہ فرماتا ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

یعنی: ’’بے شک تمھارا پروردگار کل آدمیوں کے لیے باوجود اُن کی نافرمانی کے بڑا بخشنے والا ہے۔‘‘ (سورہ رعد۔۶)

مروی ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت پیغمبر صلعم پر وحی بھیجی کہ مَیں قیامت میں تیری امت کا محاسبہ تجھ پر چھوڑ دوں گا۔

حضرتؑ نے عرض کیا کہ:

’’تو ان کے لیے مجھ سے بہتر ہے۔ان کا محاسبہ تجھ سے ہی متعلق رہے گا۔‘‘

خطاب ہُوا کہ:

’’اس وقت میں بھی تجھ کو ان کے حق میں مخذول ومنکوب نہ کروں گا۔‘‘

مروی ہے کہ جس وقت بندہ کوئی گناہ کر کے استغفار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ گناہ اس سے صادر ہُوا لیکن جانتا ہے کہ کوئی پروردگار ہے جو گناہوں کو معاف اور مواخذہ کرنے والا ہے۔ پس مَیں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ مَیں نے اُس کو بخش دیا۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہُوا ہے کہ میں خلق کو پیدا کیا کہ مجھ سے نفع حاصل کریں اور ان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ مَیں اُن سے فائدہ مند ہوں۔

مروی ہے کہ اگر بندے گناہ نہ کریں گے تو خدا دوسری خلق پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور خدا ان کو بخشے گا۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے وہ خدا جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جس طرح ماں اپنے بچوں پر مہربان ہوتی ہے خدا اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

احادیث میں وارد ہُوا ہے کہ خداوندِ عالم محشر میں اس قدر بخشے گا جو کسی کے دل میں نہ گزرا ہو یہاں تک کہ شیطان کو بھی طمع ہوگی۔آیات واخبار اس معنی میں اس قدر ہیں کہ جس کا حدّ



وحصر نہیں۔

نویں: احادیث میں وارد ہُوا ہے کہ دنیا میں جو بلا وناخوشی ومرض مومن کو پہنچتا ہے یہاں تک کہ اس کا پاؤں کسی پتھّر کے نیچے آئے تو وُہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ بخار آتش جہنم کی بُو ہے۔آتشِ جہنّم میں سے مومنوں کا حصہ اسی قدر ہے۔

دسویں: اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں بخشتا۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بوجہ ذرّہ ایمان کے یا کسی عملِ نیک کے بندے کو بخش دیتا ہے اور داخلِ بہشت کرتا ہے۔

گیارہویں: خدا سے گمانِ رکھنے کی ترغیب میں وارد ہُوا ہے کہ حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔اب وہ جیسا چاہے میرے ساتھ گمان رکھے۔ نیز آنحضرتؑ سے مروی ہے کہ آدمی کی موت خدا سے گمان نیک پر ہونا چاہیے۔منقول ہے کہ ایک عالم کو خواب میں دیکھا اُن سے پوچھا گیا کہ:

’’حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟‘‘

انھوں نے کہا کہ:

’’جب میری روح قبض کی گئی تو خطاب ہُوا کہ:

يَا شَيْخَ السُّوْءِ

یعنی ’’اے شیخ بدکردار تُو نے کیا کیا؟‘‘

پس اس درجہ مجھ پر خوف اور دہشت غالب ہوئی جس کی حد نہیں۔

مَیں نے عرض کیا کہ:

’’اس طرح کی حدیث تیرے پیغمبر صلعم سے مجھ کو نہیں پہنچی۔‘‘

حق تعالیٰ فرماتا ہے

’’کس طرح پہنچی؟‘‘

مَیں نے کہا کہ:

''تیرے پیغمبر صلعم نے کہا کہ جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جس طریقہ پر وہ گمان کرے اس سے سلوک کروں گا۔ پس میرا گمان یہ تھا کہ تو مجھ کو عذاب نہ کریگا۔''

اس وقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''میرے پیغمبر نے اور جبرائیل نے سچ کہا ہے۔ تُو بھی سچ کہتا ہے۔ اے ملائکہ لے جاؤ اس کو داخلِ بہشت کرو۔''

بارہویں: حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ قیامت کے دن کفّار اور دشمنانِ اہلِ بیتِ رسالتؐ مومنین اور ان کے دوستوں کا فدیہ ہوں گے۔ اور ان کے دوستوں کے گناہوں کو ان کے پاؤں پر لکھ کر اُن کے عوض انھیں جہنم میں لے جائیں گے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میری امّت اُمّتِ مرحومہ ہے۔ آخرت میں ان کے لیے کوئی عذاب نہیں ہے۔ اور جس عذاب و عقاب کے وہ سزاوار ہیں وہ ان کو دنیا ہی میں مختلف بلیّات و تکالیف کے ذریعہ سے پہنچ جائے گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میری امّت سے ہر ایک کے لیے ایک کافر اہلِ کتاب میں سے قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے۔

احادیثِ اہل بیتؑ میں وارد ہُوا ہے کہ ہمارے دشمنوں کو بہ سبب اس ظلم کے جو انھوں نے ہمارے دوستوں پر کیا ہے۔ ہمارے دوستوں کا فدیہ قرار دیں گے۔

حضرتِ صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ قیامت میں ہمارا دوست جس نے ہماری دوستی کی محافظت کی ہے اور اپنے دین میں تقیہ کیا ہے اور اپنے برادرِ مومن کے حقوق کو بجالایا ہے لیکن اطاعت و عبادت میں کوتاہی کی ہے اس کے مقابلہ میں ایک سو یا اس سے زیادہ نفر لائیں گے اور کہیں گے کہ یہ تمام تیرے فدیہ ہیں۔ پس اُس مومن کو بہشت میں لے جائیں گے اور اُن دشمنوں کو داخلِ جہنم کریں گے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ رجا و امیدواری رحمت و مغفرت خدا پر بعد اطاعت و عبادت کے یقین رکھنا چاہئے۔ بغیر اس کے غرور و حماقت ہے۔ آیات و اخبار اس میں بیحد و نہایت ہیں۔

چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:



اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ

یعنی ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے بوجہ متابعتِ رسولؐ اپنے وطن سے ہجرت کی ہے۔ راہِ خدا میں کفّار اور نفسِ امّارہ کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ یہی لوگ رحمت پروردگار کے امیدوار ہیں (سورہ بقرہ ۲۱۸)

اور مذمّت میں ایک گروہ کی فرماتا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا
الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ (سورہ اعراف ۔ ۱۶۹)

خلاصہ معنی یہ ہے کہ:

''گزشتہ لوگوں کے بعد کچھ لوگ آئے انھیں کتابِ خدا اپنے اسلاف سے پہنچی، مگر انھوں نے دنیا کے مال و متاع کو اختیار کیا اور پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخشے جائیں گے۔''

حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ احمق وہ ہے کہ جو ہوا و ہوسِ نفسانی کی متابعت کرے اور خدا سے امید رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''کچھ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رحمتِ خدا کے اُمیدوار ہیں وہ ہمیشہ اسی حالت میں ہیں یہاں تک کہ موت آجائے۔''

حضرت نے فرمایا کہ:

''یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کو رجا و امید سے کوئی تعلّق نہیں۔ یہ تحقیق جب کوئی کسی سے امید رکھتا ہے تو اس کے حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے، اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے اُس سے بھاگتا ہے۔''

کسی نے حضرتؑ سے عرض کیا:

''ایک قوم آپ کے دوستوں میں سے معصیت کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ ہم امید

رکھتے ہیں۔"

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

"جھوٹ کہتے ہیں۔ ہمارے دوست نہیں ہیں۔ یہ وہ قوم ہے کہ ان کی امیدیں مضطرب ہیں کیونکہ جو کوئی کسی چیز کی امید رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے عمل بھی کرتا ہے۔"

پھر انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ مومن مومن نہیں ہے جب تک کہ خوف و امید نہ رکھتا ہے۔۔ مگر اس وقت میں جبکہ اس چیز کے لیے عمل کرے جس سے ڈرتا ہے اور جس کی امید رکھتا ہے۔

# فصل نمبر (۲)

## کس شخص کو خوف بہتر ہے اور کس کو رجا

خوف و رجا صفات و اخلاقِ فاضلہ ہیں اور ان کی فضیلت اس لیے ہے کہ انسان ان کے سبب سے طاعت و عبادت پر ثابت قدم رہتا ہے اور یہی باعثِ علاج دلِ رنجور ہوتے ہیں۔ لیکن خوف و رجا کے بارے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ کوئی ایسا ہے کہ بہ نسبت طمع و امید کے ترس و خوف سے اس کا کام نکلتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے صفتِ خوف ہی اصلح ہے دوسرا شخص جو اس کے برعکس ہے اس کا حکم بھی اس کے خلاف ہے۔۔

پس جس پر صفتِ امن عذاب خدا سے غالب ہو اور وہ مکر اللہ سے ایمن ہوا ہو تو صفتِ خوف کے حاصل کرنے سے اس کی درستی ہوتی ہے۔ جس پر رحمتِ خدا سے یاس کا غلبہ ہوا ہو تو صفتِ رجا کے حاصل کرنے سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ جو کوئی دریائے معصیت میں غرق، اور دامِ شہواتِ دنیویہّ میں گرفتار ہوا ہو اس کو چاہیے کہ خوف کے حاصل کرنے کے درپے ہو اور جس نے معاصئ ظاہریہ و باطنیہ کو ترک کیا ہو تو ترس و امید مساوی ہونے پر اس کی درستی ہوگی۔

خلاصہ مطلب یہ کہ آدمی کو جو شے بیشتر منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہو اس کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر دونوں صفتوں کو اعتدال کے ساتھ مساوی طور پر حاصل کرنا چاہیے۔

جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک جماعت کے وصف میں فرماتا ہے:



يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

یعنی "وہ ترس و امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔"

(سورہ سجدۃ۔۱۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا کہ اے فرزند! خدا سے اس درجہ خوف کر کہ اگر تمام اہلِ زمین کی بھی اطاعت رکھتا ہے تو قبول نہ کرے گا اور اس طرح خدا سے امیدوار ہو کہ اگر تُو نے تمام اہلِ زمین کے گناہوں کے برابر کیا ہے تو تجھ کو بخشے گا۔

حارث بن مغیرہ کہتا ہے۔ حضرتِ صادق علیہ السّلام سے میں نے عرض کیا کہ:

"لقمان کی وصیتیں کیا تھیں؟"

فرمایا :

"اُن میں عجائبات ہیں۔ تمام سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ اپنے پسر کو وصیت کی تھی کہ اس طرح خدا سے ڈر کہ اگر طاعتِ ثقلین کو اپنے ساتھ لے جائے تو ایسا سمجھ کہ تجھ پر رحم نہ کرے گا۔"

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا کہ:

میرے باپ کہتے تھے کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہے مگر اس کے دل میں دو نُور رہیں۔ ایک نور خوف، دوسرا نورِ امید۔ جس کسی کو بھی وزن کیا جائے تو دوسرے سے زیادہ نہ ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہُوا کہ تین شخصوں کے واسطے صفتِ رجا، صفتِ خوف سے افضل و بہتر ہے۔

۱: وہ شخص کہ واجبات کو بجالائے اور محرّمات سے اجتناب کرے لیکن اس کا نفس مستحبّات کے بجالانے اور اپنی عمر کو اطاعت میں صرف کرنے سے کاہلی کرے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ خداوندِ عالم نے جو مقربین سے درجاتِ علیّین کا وعدہ فرمایا ہے اس کی امید رکھے تاکہ ایک طرح کی خوشی اس کے دل کو حاصل ہو اور اُس کو تمام اعمالِ نیک پر قائم رکھے۔

۲ : وہ شخص نے اپنی عمر گناہوں میں صرف کی ہو اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنے سے اپنی نجات سے مایوس ہو اور جب توبہ و پشیمانی کا خیال اُس کے دل میں گزرے تو اس کو شیطان ناامیدی کی راہ دکھائے اور کہے کہ تیری توبہ کہاں قبول ہوتی ہے۔ تیرے توبہ کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا

ہے اور وہ اس وجہ سے توبہ وعبادت نہ کرے پس ایسے شخص کو چاہیے کہ صفتِ رجا حاصل کرے۔ ابلیس کا فریب نہ کھائے اور جانے کہ پروردگارِ عالم کا دریا فیض ورحمت بے پایاں ہے گناہان ہفتاد سالہ کو بخش دیتا ہے

۳ : وہ شخص کہ جس پر اس قدر خوف غالب ہو کہ ہلاکت پر آمادہ ہو اور کثرتِ خوف سے اُس کے بدن پر نقصان کا گمان ہو۔

اِن تینوں شخصوں کے علاوہ وہ شخص جو صاحب معصیت نہ تو اس کے لیے خوف ورجا کو مساوی طور پر حاصل کرنا چاہیے۔لیکن جو شخص فریبِ شیطان سے مغرور اور رات دن لہو ولعب وسرور میں مشغول اور طاعت وعبادت میں کاہل ہو۔گناہوں پر دلیر اور شجاع ہو۔نہ حرام وحلال کی فکر ہو اور نہ عقاب وعذاب کا اندیشہ۔جیسا کہ اس زمانہ کے اکثر ابنائے روزگار ہیں۔

پس ان کو صفتِ رجا کی دوا دینا سمِ قاتل ہے۔کیونکہ زیادتی رحمت کے سُننے سے انسان کو گناہوں پر جرأت زیادہ ہوتی ہے۔لہٰذا واعظ کو ضرور ہے کہ ہر کسی کے مرض کو پہچانے۔اس کی علّت اور مزاج کو جانے۔جس سے مرض دور ہوتا اُس دوا سے علاج کرے۔اور وہ دوا نہ دے جس سے اس کا مرض زیادہ ہو لہٰذا اس زمانہ میں اسبابِ خوف کے بیان میں کوشش کی جائے۔آدمیوں کو عذاب سے ڈرائیں۔نہ یہ کہ وعظ سے آدمیوں کی تالیفِ قلوب کی جائے اور ان سے آفرین وتحسین کی امید رکھے اسبابِ امیدواری کے تذکرہ سے خود اور دوسروں کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔مگر جس مقام میں یہ شرو بدی نہ ہو اور گناہوں کی جرأت کا باعث نہ ہوتا ہو تو بندوں کو رحمت خدا کا امیدوار کرنا بہتر وافضل ہے۔کیونکہ جو اطاعت امید سے کی جائے وہ اطاعت خوف سے بہتر ہے۔مقرّب ترین خدا وہ ہے جو اس کو زیادہ دوست رکھے اور دوستی طمع وامید سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ ترس اور خوف سے۔اسی وجہ سے خدا نے اُس قوم کو سرزنش کی ہے جو خدا سے بدگمانی رکھتی تھی۔

اخبار میں آیا ہے کہ حضرتِ داؤد علیہ السّلام پر خداوندِ عالم نے وحی کی کہ:

''مجھ کو دوست رکھو۔کیوں کہ جو مجھ کو دوست رکھتا ہے۔وہ دوسروں کو میرا دوست کرتا ہے۔''

عرض کیا کہ:



''اے پروردگار کیونکر آدمیوں کو تیرا دوست کروں۔''

فرمایا کہ

''میری نیکیاں ان سے ذکر کرو۔میرے احسانات وانعام کو اُن سے بیان کرو اور ان کو یاد دلاؤ۔''

ایک بزرگِ دین ہمیشہ آدمیوں سے امیدواریٔ خدا کا ذکر کرتا تھا۔جب وہ دنیا سے گزر گیا تو اس کو کسی نے خواب میں دیکھا۔

اس بزرگ نے کہا کہ مجھ کو مقامِ خطاب پروردگار پر کھڑا کیا گیا اور خطاب ہُوا کہ:

''کس سبب سے ہمیشہ تو آدمیوں کو طمع وامیدواری کی دعوت دیتا تھا؟''

اس نے عرض کیا کہ:

''اُن کے دل میں تیری دوستی قائم کرنا چاہتا تھا۔''

خدا تعالیٰ نے فرمایا

''میں نے تجھ کو بخش دیا۔''

پس کیونکر صفتِ رجا خوف سے افضل نہ ہو کہ صفتِ رجا دریائے رحمت کی اور صفتِ خوف دریائے رحمت کی اور صفتِ خوف دریائے غضب کی نہر ہے۔جو شخص صفاتِ لطف ورحمت کو ملاحظہ کرتا ہے اس پر محبت غالب ہوتی ہے اور کوئی مقام محبتِ الٰہی سے بالاتر نہیں ہے۔لیکن خوف چونکہ صفتِ غضب پر موقوف ہے۔اس سے اس قدر محبت حاصل نہیں ہوتی لیکن اس زمانہ کی مخلوق چونکہ گناہ گار ومغرور ہے لہٰذا ان کی اصلاح خوف سے کرنی چاہیے۔جس قدر ممکن ہو اُن کی طاعت پر رکھیں۔خواہشاتِ دُنیا کو اُن پر تلخ اور اُن کے دل سے غرور دور کریں۔ان کے دل کو علائق عالم سے سرد کریں۔یہ علاج زمانۂ مرگ سے قبل کیا جائے اور مرنے کے وقت ہر شخص کے لیے صفتِ رجا کا غلبہ اصلح ہے۔کیونکہ خوف تازیانۂ عمل ہے اور اب چونکہ عمل کا وقت گزر چکا۔اس لیے ممکن ہے کہ صفتِ خوف کے باعث دوستیٔ خدا میں کمی واقع ہو۔درآنحالیکہ ہر شخص کو محبتِ خدا کے ساتھ دنیا سے جانا چاہیے تاکہ اس کی لقا کا شوق غالب ہو۔ایسا شخص دنیا سے خوش وخرّم جاتا ہے۔کیونکہ کوئی مسرّت اور خوشی ملاقاتِ محبوب سے زیادہ نہیں ہے۔اور کوئی رنج فراقِ محبوب سے بڑھ کر نہیں۔

پس مسکین و بے چارہ وہ ہے کہ وہ وقتِ مرگ فرزند، عیال، جاہ و مال کی دوستی اس کے دل پر غالب ہو۔ تمام دوست اس کے دنیا میں ہوں اور دنیا اس کے لیے بہشت ہو۔ کیونکہ بہشت وہ مقام ہے جہاں آدمی کی محبوب اشیاء موجود ہوں۔ پس ایسا شخص گویا موت کے باعث بہشت سے باہر جاتا ہے۔

اہلِ دنیا کے لیے یہ پہلا الم ہے جو مرنے کے وقت پہنچتا ہے۔ باقی آلام اس کے علاوہ ہیں اور جس شخص کو دنیا سے کوئی علاقہ نہیں تو دنیا اس کے لیے قفس و زنداں ہے۔ موت اُسے زنداں سے رہا کرتی ہے۔ یہ پہلی خوشی ہے جو موت سے اس کو حاصل ہوتی ہے علاوہ اُن مسرّتوں کے جو اس کے لیے آخرت میں موجود ہیں۔

# فصل نمبر (۳)

## تحصیل رجا کا طریقہ

جب آپ نے فضیلتِ رجا کو اور اس کے موقع کو معلوم کر لیا تو اب اس صفت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں جیسا کہ کہا گیا۔ اسبابِ امیدواری میں غور کرے۔ اُن کو اپنے دل میں نقش کرے۔ مکرّر اُن کا خیال کرے ہمیشہ اُن کو ذکر کرتا رہے۔

پس جو نعمتیں اور کرامتیں بے شمار بندوں کو دی گئی ہیں اُن کو ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ عنایتِ الٰہیہ نے اسبابِ دنیویہ میں جس شئے کی ضرورت تھی کسی میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ دنیا خانۂ بلا و محنت ہے۔ مقامِ سرور و راحت نہیں ہے۔ پس ایسے مقام پر جب زینت و جمال کی جملہ اشیاء پیدا کی ہیں تو خانۂ آخرت میں جو جائے فیض و نعمت و احسان و راحت ہے کیونکر بندوں کو مہمل و معطل رکھے گا۔

خود ارشاد فرماتا ہے۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي

یعنی ”میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔“

وہ دنیا کے باوجود اشغال گناہ و لہو و لعب انسان کو نعمت سے سرفراز کر رہا ہے تو کیوں کر



آخرت میں جہاں انسان کے لیے بجز اس کی درگاہ کے کوئی پناہ نہیں اُسے چھوڑ دے گا۔ اور سب سے زیادہ باعثِ امیدواریٔ بندگان یہ امر ہے کہ خداوندِ عالم خیرِ محض ہے۔ اُس میں کوئی شر نہیں ہے۔ وہ فیاضِ علی الاطلاق و بخشندۂ مطلق ہے۔ اس نے خلق کو پیدا کیا تا کہ اُن پر جود و احسان کرے۔ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرے۔ البتہ وہ اشخاص جو اُس کی وحدانیت کے قائل ہیں اور اس کے پیغمبر صلعم کی تصدیق کرتے ہیں اُن پر رحم کرے گا ان کو ہمیشہ عذاب میں نہیں رکھے گا۔

# چوتھی صفت

## ضعف نفس کی علامت اور اُس کا علاج

واضح ہو کہ ضعف نفس کی علامتِ خبیثہ یہ ہے کہ آدمی نزولِ بلا اور حوادث کے وقت عجز و زبونی واضطراب ظاہر کرے اور ہر معمولی سے معمولی حادثہ کے وقت بھی متزلزل واضطراب ظاہر کرے اور ہر معمولی سے معمولی حادثہ کے وقت بھی متزلزل ہوجائے۔ یہ صفت نہایت خبیث ہے۔ ایسا شخص عقلا کی نظر میں ذلیل وخوار ہے۔ اُس کا لازمہ ذلّت وخوف ہے۔ اموراتِ مہمہّ کو یہ شخص انجام نہیں دے سکتا۔ امر بالمعروف و نہی منکر سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ تھوڑی سی بلا سے مضطرو خائف ہوجاتا ہے۔ اس صفت والا مرتبہ بلند ومنصبِ ارجمند سے محروم ومہجور اور ہر دو عالم کی بزرگی اور عزّت سے دُور ہے۔ اس کا دل ہمیشہ مضطرب ولرزاں ہے۔ ہمیشہ حادثۂ دنیا سے خائف و ترساں ہے۔ ہر ساعت تشویش وغم میں ہر لحظہ بیم والم میں گرفتار ہے۔ اس کی طبیعت لڑکوں کی طبیعت کے مانند ہے اور جبلّت عورتوں سے مشابہ۔

اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ مومن کو ہر کام میں اختیار دیا ہے لیکن یہ اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے کو ذلیل و بے قدر کرے۔ خدا نے جو فرمایا ہے آیا اس کو نہیں سُنا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی ''عزّت خدا و پیغمبر و مومنین کے لیے ہے۔'' (سورہ منافقون۔۸)

پس مومن کو چاہیے کہ اپنے کو عزیز ورکھے، ذلیل نہ کرے اور نیز پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو۔ پہاڑ کو تیشہ سے ٹکڑے کرسکتے ہیں۔ مگر مومن کے دین میں سے کوئی چیز نہیں توڑی جاسکتی۔ علاج اس صفتِ بد کا جیسا کہ جبن وخوف میں گزرا اس کے ضد میں حاصل کرنا ہے

## فصل نمبر(۱)

### قوّتِ نفس کی شرافت اور اس کے تحصیل کا طریقہ۔

واضح ہو کہ ضد صفتِ مذکورہ کی بزرگی نفس اور مضبوطی قلب ہے اس کی علامت یہ ہے کہ جو



کچھ اس پر وارد ہو۔ اُسے برداشت کرے۔ مانند گھاس کے ہوا سے نہ ہلے۔ مثل ہوش وروباہ کے اِدھر اُدھر متحرک نہ ہو۔ بلکہ مانند پہاڑ کے ایک جا قائم رہے ہوائے مختلف پر التفات نہ کرے مثلِ شیرِ قوی پنجہ کے دلیروں کے حملہ سے مُنہ نہ پھیرے۔

حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ مومن صاحبِ صلابت ومہابت وعزت ہے۔ یہ تمام بزرگی نفس وقوت کی جڑیں ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مومن کو خدا نے تین خلعت کرامت فرمائے ہیں

۱: دنیاوآخرت میں عزت۔

۲: دنیاوآخرت میں ظفرورستگاری۔

۳: اہلِ ظلم ومعصیت کے قلب میں اس کی مہابت۔

یہ صفت حقیقتاً سرآمدِ صفات ہے۔ اس صفت والے کی نگاہ میں خواری وعزّت اور مفلسی و ثروت یکساں ہے۔ نہ ابنائے روزگار کی دوستی سے اسے خوشی نہ اُن کی دشمنی سے کوئی خوف، نہ انکی تعریف سے شاد، نہ ان کی مذمّت سے غمگین۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ اگر تمام عالم تلوار کھینچ کر اگر وہ مجھ پر حملہ کریں تو کوئی فرق میرے حال میں نہ ہوگا بلکہ جس شخص کو یہ صفت عنایت ہوئی ہو اس کو مرض وصحت بلکہ حیات وموت میں کوئی تفاوت معلوم نہ ہوگا۔ گردشِ روزگار وانقلاب لیل ونہار کا اُس پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ یہ صفت فاضلہ ایسی نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو۔ یہ وہ چشمہ نہیں ہے کہ ہر بے سروپا اس سے پانی پیئے۔ یہ وہ سراپردہ نہیں ہے کہ ہر شخص اس کے اطراف گردش کرے۔ سوائے سوارِ معرکہ میدان کوئی یہاں گھوڑا نہیں دوڑا سکتا۔ یہ وہ راستہ ہے کہ سوائے نامدارانِ شیر دل کے کوئی قدم اس جگہ نہیں رکھ سکتا۔ اس صفت کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو حصُولِ صفتِ شجاعت ورفعِ خوفِ مذموم میں بیان کیا گیا۔

# پانچویں صفت

## پست ہمّتی کی مذمّت اور علو ہمتی کی فضیلت

واضح ہو کہ کارہائے بزرگ و امورِ عظمیہ کی تحصیل میں قاصر رہنا اور شغلہائے پست و اعمالِ جزئیہ پر قناعت کرنا۔ یہ خراب صفت نتیجہ کم دلی و ضعفِ نفس ہے اس صفت کی ضد علو ہمّتی ہے یعنی مراتب و مناصب عالیہ کی تحصیل میں کوشش کرنا۔ جس شخص کی ہمّت بلند ہو وہ امورِ جزئیہّ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور منافع خسیہّ دنیویہّ کی طمع میں اپنے آپ کو آلودہ نہیں کرتا اور نقصان کے خوف سے مطلوب سے ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ دنیا و مافیہا اس کی نظر میں خوار اور لذّاتِ جسمانیہ اس کے آگے بے اعتبار ہیں نہ وہ دنیا کے حاصل ہونے سے شادو فرحناک ہوتا ہے نہ اس کے عدمِ حصول سے محزون و غمناک، بلکہ اس صفت والا راہِ طلب میں قدم رکھتا ہے اور حصولِ مقصود کے درپے ہوتا ہے تو اس کو نہ جان کا خوف ہے نہ سر کی پروا، نہ شمشیر سے ڈرتا ہے نہ خنجر سے، ؎

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا جان رسد بجانان یا جان زتن برآید

جب یہ صفت مرتبہ کمال کو پہنچے تو اس صفت والا مقصدِ اعلیٰ کا طالب ہوتا ہے اور حقیقتِ ایمان اس کو حاصل ہوتی ہے وہ معرفت کا مشتاق ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ موت سے بہتر اور کوئی تحفہ اس کے نزدیک محبوب نہیں ہوتا۔ یہ صفت بالاترین فضائلِ نفسانیہ و اعظمِ مراتبِ انسانیت ہے۔ اس لیے جو شخص مراتبِ عالیہ پر فائز ہو وہ اسی صفت کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اس صفت والا ہرگز مرتبہ پست پر راضی اور امورِ جزئیہّ دنیہّ پر متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ جس کام کو طلب کرتا ہے اس میں کوشش و اجتہاد کرتا ہے اور مطلوب کو حاصل کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ

یعنی ''جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے
ہم ضرور بالضرور اُن کو اپنا راستہ دکھلائیں گے۔''

مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَّ وَجَدَ



یعنی ''جو کوئی کسی چیز کو طلب کرے اور کمرِ اجتہاد باندھے البتہ اس کو وہ پاتا ہے۔''

واضح ہو کہ شہامت جو ایک صفتِ نیک ہے وہ نتیجہ بلند ہمّتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی امورِ عظیمہ کو انجام دینے پر حریص ہوتا کہ صفحۂ روزگار میں اس کا نام باقی رہے۔

# چھٹی صفت

## بے غیرتی و بے حمیتی کی مذمّت اور غیرت و حمیّت کی شرافت

واضح ہو کہ بے عزّتی و بے حمیّتی یہ ہے کہ جن چیزوں کی مثلاً دین اور ناموس و اولاد و اموال کی حفاظت و نگہبانی کرنا لازم ہے۔ اس میں کوتاہی بے پروائی کی جائے، یہ مرض مہلکاتِ عظیمہ و صفاتِ خبیثہ میں سے ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ یہ دیوّثی کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ:

''مردِ بے غیرت کا دل اُلٹا ہوتا ہے۔''

اور فرمایا ہے کہ:

''اگر کوئی مرد اپنے اہلِ خانہ سے کوئی ایسا امر دیکھے جو منافیٔ غیرت ہو اور اُسے غیرت نہ آئے تو خداوندِ عالم ایک مرغ بھیجتا ہے جس کو قندر کہتے ہیں۔ وہ اس کے گھر پر چالیس روز بیٹھتا ہے اور فریاد کرتا ہے کہ خدا غیّور ہے اور صاحب غیرت کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اس مرد کو غیرت آئی اور جو کچھ منافی غیرت کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اس مرد کو غیرت آئی اور جو کچھ منافی غیر ہے اپنے سے دُور کیا تو فبہا۔ ورنہ وہ پرواز کرتا ہے۔ اس کے سر پر بیٹھتا ہے اور اپنے پروں کو اُس کی آنکھوں پر مارتا ہے اور اُڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روحِ ایمان مفارقت کرتی ہے اور ملائکہ اس کو دیوّث کہتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام جب کہ عراق میں تشریف رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا

کہ:

''اے اہلِ عراق سُنتاہُوں کہ تمھاری عورتیں مردوں سے شانہ بشانہ ہو کر چلتی ہیں۔ آیا تم لوگ حیا نہیں کرتے۔ تمھیں غیرت نہیں آتی کہ تمہاری عورتیں بازار کو جاتی ہیں اور کافروں کے کاندھے سے کاندھا ملاتی ہیں کہ راستہ ملے۔''

اس صفت کی ضد غیرت وحمیّت ہے جو نتیجہ شجاعت و قوّتِ نفس اور اشرفِ ملکات و صفاتِ فضائل ہے۔ جو کوئی یہ صفت نہیں رکھتاؤہ مردوں کے زمرے سے خارج ہے اور اس کو مرد نہیں کہتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ غیّور ہے اور غیرت کی صفت کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کی غیرت ہے کہ اس نے تمام اعمالِ ناشائستہ ظاہریہّ اور باطنیہ کو حرام کیا ہے۔

# فصل نمبر(۱)

## طریقۂ غیرت متعلق دین وعیال واولاد و مال

جب آپ کو معلوم ہوا کہ حمیّت وغیرت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین اور ناموس واولاد و اموال کی نگہبانی کرے تو ان کی محافظت اور نگہبانی کا ایک طریقہ ہے کہ صاحب غیرت وحمیّت کو اُس سے تجاوز کرنا زیبا نہیں۔ اب غیرت وحمیّت دینی یہ ہے کہ بدعت کے دُور کرنے میں کوشش کرے اور دین کے باطل کرنے والے دعویٰ کو دفع اور شبہ منکرین کو رَد کرے اور رواجِ احکامِ دین میں لازمۂ جدوجہد کو عمل میں لائے۔ مسائلِ حلال وحرام کے ظاہر کرنے میں نہایت مبالغہ کرے اور امرِ معروف اور نہیٔ منکر میں دلیری سے کام لے۔ جو لوگ کہ ظاہراً معصیت کرتے ہیں اُن سے دوستی نہ کرے اور بقدرِ ضرورت مخفی طور پر غضبناک ہو۔

ناموس وحرم میں غیرت یہ ہے کہ اپنے اہلِ خانہ سے غافل نہ ہو اور ابتداء میں ایسے امر میں بے پروائی نہ کرے۔ جس کا نتیجہ فساد کی طرف منجر ہو۔

پس دیکھنے سے نامحرموں کے اپنی عورتوں کی حفاظت کرے۔ اُن کو کوچہ وبازار میں جانے



سے روکے۔

حضرتِ رسول صلعم نے حضرت فاطمہ علیہا السّلام نے فرمایا کہ:

''عورتوں کے واسطے کیا بہتر ہے؟''

عرض کیا کہ:

''وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد بھی اس کو نہ دیکھے۔''

پس حضرتؐ نے فاطمہ علیہا السّلام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اصحابِ پیغمبر نے مکان کے سوراخ کو بند کر لیا تھا کہ ان کی عورتیں غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔ ایک روز حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

''جو کوئی اپنی عورت کو حمام وعروسی اور عیدگاہ ومجالس میں جانے اور باریک لباس پہننے کی اجازت دے یا اُن امور پر راضی ہو تو خدا تعالیٰ اس کو جہنم میں اُلٹا لٹکائے گا۔''

حضرتِ پیغمبرؐ کے زمانے میں عورتیں مسجد میں حاضر ہوتی تھیں اور مخصوص اس زمانے کی عورتوں کو حضرت نے اجازت دی تھی۔ کیونکہ حضرتؐ کو اس زمانے کی عورتوں کے احوال کا علم تھا اور جانتے تھے کہ ان سے کوئی برائی صادر نہ ہوگی۔ اس زمانہ کی عورتوں کو مسجد وقبرستان میں بغرض فاتحہ و زیارت جانے سے منع کرنا لازم وواجب ہے تو کوچہ وبازار اور حمام ومجمعِ لہو ولعب کا کیا ذکر۔ کیونکہ عورتوں کا مکر حد سے زیادہ گزر گیا ہے اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ کے بعد صحابہؓ نے یہ رفتار مقرر کی اور فرمایا کہ اگر اس زمانہ کی عورتوں کے احوال سے پیغمبر مطلع ہوتے تو فرماتے کہ گھر کے باہر نہ جائیں

حضرتِ صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ:

''عید اور جمعہ کی نماز کو گھر کے باہر جاسکتی ہیں؟''

فرمایا کہ:

''نہیں، مگر وہ عورتیں جو بوڑھی ہوں۔''

الغرض جو کوئی اس زمانہ کی عورتوں کے حالات سے واقف ہو اور کسی قدر رگِ مردی وصفتِ غیرت وحمیّت اُس میں ہو تو عورتوں کو وہ ضرور اِن اُمور سے منع کرے گا جن سے احتمال فساد و ناخوشی ہو۔ مثلاً نامحرموں کو دیکھنا اور اُن کی آواز سُننا۔ جب تک ضرورتِ شرعیہّ نہ ہو۔ علیٰ ہذا اغنا وخواندگی کا

سُننا بلکہ گھر کے باہر جانے سے اور غیر کے گھر کی آمدورفت سے اور حمام ومسجد اور کسی محفل یا مجلس میں جہاں تعزیہ سید الشہداء ہو اور زیارتِ مستحبّہ کے سفر کرنے سے جب کہ اندیشہ فساد ہو منع کرے گا۔ اس لیے کہ غالب اوقات یہ امور فساد سے خالی نہیں ہیں اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی ان کی نظر نامحرموں پر پڑتی ہے جو طریقہ عفّت کے منافی اور شیوۂ غیرت سے دُور ہے۔

پس اس زمانہ کے مرد صاحبِ غیرت پر لازم ہے کہ اپنے اہل خانہ وحرم کی حفاظت میں حتی المقدور کوشش کرے۔ اُن کو گھر کے باہر جانے سے روکے مگر سوائے اُن صورتوں کے جواز روئے شرع واجب ہوں۔ مثلاً سفرِ حج واجب یا کسی عالمِ خداترس کے گھر میں مسائل واجبہ کے معلوم کرنے کے لیے جانا۔ جب کہ مرد مسائل معلوم کر کے عورت کو نہ پہنچا سکتا ہو۔ اسی طرح زیارتِ آئمہ یا عورتوں کے تعزیہ خانہ میں ان کے مثل جہاں فساد کا اندیشہ نہ ہو شرکت کی اجازت دینا ان کو جائز ہے۔ ایسا ہی بوڑھی عورتوں کا جانا اِن مقامات پر کوئی ضرر نہیں رکھتا۔ نیز مقتضائے غیرت یہ ہے کہ عورتوں کو حکایاتِ شہوت انگیز وسخنانِ عشرت آمیز کے سُننے سے اور اُس بوڑھی عورت کی مساجبت سے جو مردوں کے پاس آمدورفت رکھتی ہو منع کرے۔ اسی وجہ سے احادیث میں عورتوں کو سورۂ یوسف کے پڑھنے اور سُننے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

''سورۂ یوسف عورتوں کو تعلیم نہ دو اور اُن کو نہ سُناؤ۔ سورۂ نُور اُن کو یاد دلاؤ کیونکہ اس میں وعظ ونصیحت ہے۔''

اور فرمایا کہ:

''عورتوں کو زین پر سوار نہ کرو۔''

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ:

''عورتوں کو برآمدوں میں نہ بیٹھنے دو اور لکھنا سکھاؤ اور انکو رُوئی کا تنا سکھاؤ اور سورۂ نور یاد دلاؤ۔''

مردِ صاحب غیرت کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو عورت کی نظر میں باوقعت رکھے کہ اس سے ہمیشہ عورت ڈرتی رہے اور اپنی ہوا وہوس کی پیروی نہ کرے۔ کسی وقت عورت کو بے کار نہ بیٹھنے



دے۔ بلکہ ہمیشہ کسی کام میں گھر کے یا کسی کسب میں مشغول رکھے۔ کیونکہ بحالتِ بیکاری شیطان فکر باطل میں ڈالے گا۔ باہر نکلنے اور سیر وخود آرائی وخودنمائی کی خواہش ہوگی۔ لہو ولعب اور ہنسی اور کھیل کی رغبت ہوگی۔ آخرکار وہ خرابی پیدا کریگی۔ نیز مردِ صاحبِ غیرت کو چاہیے کہ تمام ضروریاتِ خوراک وپوشاک اور تمام اشیائے ضروری خانہ داری مہیّا رکھے تاکہ اپنی ضروریات کے سبب سے مضطر ہو کر اعمال واقوال ناشائستہ کی مرتکب نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ صفت غیرت کی اگرچہ بہتر اور زروئے شرع اور عقل متحسن ومرغوب ہے۔ مگر اس میں زیادتی نہ کرے اور آدمی کو نہ چاہیے کہ بے سبب اپنے اہل خانہ سے بدگمان رہے۔ سختی سے کام لے اور پوشیدہ طور پر اس کی نگرانی کرے۔ کیونکہ ایسا ہی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت مانند ٹیڑھی ہڈی کے ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنا چاہتا ہے تو ٹوٹ جائے گی۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ:

بعض قسم کی غیرت کہے کہ خدا ورسول اس کو دشمن رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ مرد بغیر وجہ کے اپنے اہل خانہ سے غیرت کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مخفی طور پر اپنے اہل خانہ کے احوال کے دریافت کرنے میں زیادتی کرنا نازیبا ہے اور طریقہ شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ اس وقت میں مرد بدگمانی رکھے گا جو شرعاً مذموم ہے چنانچہ مذکور ہوگا۔

اب اولاد کے متعلق مقتضائے غیرت یہ ہے کہ ابتداء میں ان کا خبر گیراں رہے اور ان کی پرورش کیلئے دایہ صاحب عفت ونیک کو معین کرے غذائے حلال ان کیلئے مہیا کرے۔ کیونکہ جو طفل غذائے حرام سے پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت خبیث ہوتی ہے۔ ان کی طینت خباثت سے خمیر کی جاتی ہے۔ جب کسی قدر تمیز پیدا ہو تو ان کو آداب نیک اور آداب مجلس سکھانے چاہئیں۔ ان کو سیدھے ہاتھ سے کھانا اور شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا تعلیم دے۔ اپنے کھانے سے لقمہ اٹھائے اور دوسرے کے کھانے پر ہاتھ دراز نہ کرے اور نگاہ نہ رکھے۔ جلدی سے غذا نہ کھانے لقمہ اچھی طرح چبائے۔ لباس کو غذا سے آلودہ نہ کرے۔ زیادہ کھانے کی عادت نہ کرے۔ لڑکوں سے زیادہ کھانے کی مذمت کرنی چاہیے۔ قناعت اور کم خواری کی تعریف کرے۔ ایک ہی غذا کی عادت نہ ہو بلکہ جو کچھ ہمدست ہو اس پر قناعت کرے۔ ان کو خود آرائی وزینت سے منع کرے۔ اس کی

برائی ظاہر کے کہ زینت وخود آرائی طریقہ عورتوں کا ہے مراد اس کو برا جانتے ہیں اور ہم نشینی سے ان لڑکوں کی جو ناز ونعمت سے پرورش پائے ہیں حفاظت کرے اور طریقہ بیٹھنے ،راستہ چلنے ،اٹھنے ،سونے کا ان کو تعلیم دے۔ بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں پیٹھ دوسروں کی طرف نہ ہو۔آدمیوں کے سامنے نہ تھوکے اور انگلی ناک مین نہ کرے اور نہ چھینکے اگر ضرورت ہو تو پوشیدہ طور سے ناک کو پاک کرے۔آدمیوں کے سامنے جمائی نہ لے۔ پاؤں پر پاؤں نہ ڈالے۔ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے نہ رکھے۔ ہر طرف نہ دیکھ۔سر کھلا نہ رکھے۔ہم نشینوں سے تواضع اور فروتنی کے ساتھ پیش آئے۔کشادہ روئی وخوش کلامی کو اپنا شعار قرار دے۔ بزرگوں کی اطاعت اور ان کی تعظیم کرے۔ان کے سامنے نہ کھیلے۔جھوٹ بولنے اور قسم کھانے سے روکے۔اگرچہ وہ راست ہو۔فحش ودشنام ولغو اور مسخرہ پن سے منع کرے۔اس کو سچ کہنے اور سوچ کر بات کرنے اور سننے کی عادت ڈالے۔ دوزانوں بیٹھنے اور دوسرے کو جگہ دینے اور باقعت اور خودداری کی حرکات سکھائے۔، بری صحبت سے حفاظت کرے کہ اصل ادب یہی ہے۔کسی سے کوئی چیز مانگنے سے ڈرائے اور سمجھائے کہ عطا اور بخشش میں بزرگی اور مانگنے میں ذلت وخواری ہے۔کتوں کی عادت ہے کہ غذا کے انتظار میں اپنی دم ہلاتے ہیں اور خوشامد کرتے ہیں۔کسی استاد دیانت دار کے سپرد کرے کہ اس کو قرآن پڑھائے۔نیکوں کی حکایات اس سے بیان کرے اور فضول باتوں سے اس کو منع کرے اور اس کو تعلیم کرے کہ جب استاد مارے تو صبر کرے۔دوسروں سے متوسل نہ ہو۔اس کو کہے کہ یہ طریقہ جواں مردوں کا ہے۔اس وقت میں مثل عورتوں اور غلاموں کے فریاد نہ کرے۔ضرور ہے کہ جب مدرسہ سے فارغ ہو تو اس کو کھیلنے اور سیر کرنے کی اجازت دے تا کہ اس کا دل پژمردہ نہ ہو۔ جب اس کو کسی قدر تمیز ہو تو اخلاق نیک سکھانا اور صفات رذائل سے دور رکھنا چاہیے۔ صفات نیک مثلاً صبر وشکر ،توکل ،رضا،شجاعت ،سخا،صدق ،صفا اسے بتلائے۔ ان اوصاف والوں کی اس سے تعریف کرے۔ اخلاق رذیلہ مثلاً حسد ،عداوت ، دزدی ،خیانت کی اس سے برائی ظاہر کرے۔ان اخلاق والوں کو برا کہے ۔ اس کو طہارت ونماز سکھائے ۔ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی تاکید کرے۔ اصول عقائد وآداب شریعت اس کو تعلیم کرے۔ اور آدمیوں کے سامنے اس کو اچھا کہے اور اس پر احسان کرے۔اگر کوئی برا فعل اس سے ظاہر ہو تو پہلی دفعہ دیکھ کر انجان ہو جائے اور اس سے بیان نہ کرے اور ایسا ظاہر کرے کہ کبھی اس کام کے کرنے کی پھر اس کو جرأت نہ پیدا ہو۔ اگر دوسرے



وقت وہ کام اس سے سرزد ہو تو پوشیدہ طور پر عتاب وخطاب کرے اور ظاہر کرے کہ اگر اس سے یہ فعل ظاہر ہوگا تو آدمیوں میں رسوا ہوگا۔زیادہ تر اس پر غصہ نہ کرنا چاہیے۔باپ کو چاہیے کہ اپنا وقار قائم رکھے اپنے کو لڑکے کی آنکھ سے نہ گرا دے ۔ماں کو ضرور ہے کہ باپ کو خوف دلائے ۔اس کو اعمال ناشائستہ سے منع کرے۔ جب زیادہ تمیز پیدا ہو تو عبادت کرنے کی تاکید کرے۔اس کی نظر میں دنیا کو ذلیل کرے۔اس کو پروردگار سے امیدوار بنائے ۔اس کے سامنے آخرت کی تعریف کرے۔ بزرگی خدا کو اس سے ذکر کرے ۔جب اس طرح عمل کرے تو یہ اخلاق لڑکے کے دل میں مضبوط ہوتے ہیں۔بالغ ہونے کے بعد وہ زمرہ اخیار میں داخل اور باپ کیلئے باقیات صالحات ہوگا۔اگر اس کے برخلاف اس کی تادیب میں بے پروائی برتی گئی تو وہ لڑکا بیہودگی میں پرورش پاتا ہے۔اس بے شرمی وفحش وشکم پرستی کی عادت ہوتی ہے۔وخبیث النفس ہوا ہے۔ماں باپ کیلئے ناگوار بلکہ باعث رسوائی ہوتا ہے۔اور خود دنیا میں سختی وافلاس اور عقبیٰ میں عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ پس مہربان باپ کو لازم ہے کہ تادیب فرزند میں سعی کرے اور جانے کہ یہ امانت منجانب خدا اس کو ملی ہے اس کا دل پاک اور اس کا جوہر صاف ہے۔ جو قابلیت ہر نیک وبد کی رکھتا ہے۔جیسی تعلیم دی جائے اس میں ترقی کرتا ہے۔ اس کا باپ اس کے ثواب میں شریک ہے۔ پس اس کو ضائع ومہمل نہ چھوڑے ۔اس سے غافل نہ ہو۔لڑکی کو بھی لڑکے کے مانند تربیت کرے۔مگر اکثر امور میں تفاوت ہے ۔اس کو پردہ نشینی وحجاب وحیا اور ان کے مثل تعلیم دے ۔لڑکے کو ان آداب کی تعلیم کرنے کے بعد جس علم وصنعت کی قابلیت واستعداد رکھتا ہو اس کی تعلیم دے کسی دوسرے امر میں جس کی استعداد نہ ہو مشغول نہ کرے کہ اس کی عمر ضائع ہو۔

مال کی غیرت یہ ہے کہ جانے ہر شخص کو جب تک کہ دنیا میں ہے مال کی احتیاج ہے اور اس پر حصول آخرت موقوف ہے کیونکہ معرفت وطاعت بقائے بدن وحیات پر اور ان کی بقا غذا وقوت پر منحصر ہے۔ پس عقلمند کو چاہیے جو مال حلال سے پیدا کرے اس کی حفاظت میں کوشش کرے اس طریقہ پر کہ بغیر ضرورت کے صرف نہ کرے جس میں فائدہ دنیا وآخرت نہ ہو اس میں ہرگز خرچ نہ کرے اور بغیر مستحق کے نہ دے۔خودنمائی وجود فروشی میں خرچ نہ کرے ۔چور اور خیانت کرنے والے سے حفاظت کرے۔ جہاں تک ممکن ہو ظالموں کو اس پر مسلط نہ کرے اور ان کو مال پر قابو نہ دے بلکہ مقتضائے غیرت مال یہ ہے کہ جب تک آپ زندہ ہیں اپنا مال صرف کرے تا کہ اس

کا فائدہ اپنے کو حاصل ہو۔ وارث کیلئے نہ چھوڑے مگر سوائے اس صورت کے جب کہ لڑکا صاحب خلق ہو۔ جس کا وجود بمنزلہ اپنے وجود کے ہوتا کہ اس کے ثواب میں آپ شریک ہو سکے۔ صاحب غیرت وحمیت کیونکر راضی ہوگا کہ جس مال کے حاصل کرنے کیلئے رات دن تکلیف اٹھائی ہو اور اس کے جمع کرنے میں اپنی اوقات ضائع کی ہو جس کا عرصہ محشر میں حساب دینا ہوگا وہ اپنی عورت کے مرد کے لئے چھوڑ جائے وہ اس کو کھا کر قوت پکڑے اور اس عورت سے ہم صحبت ہو۔ حقیقت یہ کہ وہ محنت ہے اور اپنے کو بے غیرت اور دیوث بناتا ہے۔ ایسا ہی وہ لوگ بھی صاحب غیرت وحمیت نہیں جو ان وارثوں کیلئے مال چھوڑ جاتے ہیں۔ جو حق میت بیچارہ کو نہ جانیں۔ اس کو کبھی یاد نہ کریں۔ بدگہر لڑکے، داماد، بھائی، بھتیجے، چچا وغیرہ۔ اگرچہ عورت کے شوہر کی طرح نہیں ہیں لیکن جب کہ یہ صاحبان اخلاق حسنہ نہ ہوں تو ان کیلئے مال چھوڑنا سوائے فحش ودشنام حاصل ہونے کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس زمنہ میں دیکھا جاتا ہے۔



## ساتویں صفت

# مذمت عجلت وشتاب کاری

واضح ہو کہ عجلت کے معنی یہ ہے کہ بجز داس کے کہ کوئی امر آدمی کے دل میں گزرتے ہی بغیر نتیجہ کے سوچنے کے اس کے کرنے پر آمادہ ہو جائے یہ صنعت کم دل وضعف نفس کا سبب ہے۔ اس صفت میں بنی آدمی ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا کہ جلدی شیطان کی طرف سے اور دیری خدا کی جانب سے ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ جب عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے تو شیاطین ابلیس کے آگے جو سب کا سردار ہے آئے اور کہا کہ:

آج تمام بت سرنگوں ہوئے ہیں۔

ابلیس نے کہا کہ:

کوئی حادثہ ضرور واقع ہوا ہے۔ ٹھہر جاؤ میں جا کر دریافت کروں۔

پس وہ مشرق ومغرب میں تلاش کرتا ہوا پھرا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ کے مقام تولد پر آیا۔ ملائکہ ان کے اطراف کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر واپس ہوا۔ اپنے لشکر سے کہا کہ:

آج کی رات ایک پیغمبر دنیا میں آیا ہے۔ امید نہ رکھو کہ آئندہ کوئی بت پرستی کرے گا۔ لیکن فرزندان بنی آدم کو جلدی وتیزی کرنے پر آمادہ کرو۔

اس صفت کی مذمت میں اخبار بہت ہیں۔ اس مذمت کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہر کسی کا فعل غور وفکر سے ہونا چاہیے کہ اس کے نتیجہ کو دیکھے جو تامل اور غور پر موقوف ہے اور یہ صفت عجلت مانع تامل ہے۔ مکرر تجربہ کیا گیا ہے کہ جو کلام بغیر تامل کے کیا جائے وہ باعث خرابی ونقصان ہوتا ہے اس کا کرنے والا نادم وپشیمان ہوتا۔ اس صفت کی مذمت میں یہی بس ہے۔ جلدی کرنے والا ہر ایک کی نظر میں خوار و بے اعتبار ہے۔ کوئی شخص ذرا غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دین کو دنیا کے ساتھ بیچنے اور بہشت آخرت وبادشاہی ابد کو اس عاریت سرا کے فضولیات سے معاوضہ کرنے کا سبب جلدی

وشتاب کاری ہے کیونکہ نفس انسان عالم امر سے متعلق ہے اور سلسلہ ایجاد میں یہ تمام مخلوقات کی بہ نسبت حضرت آفریدگار سے قرب رکھتا ہے۔

پس بالاترین لذات انسان کیلئے لذت غلبہ وسرداری وسرداری ہے جو صفات کمالیہ پروردگار میں سے ہے اور ہر شخص اسی کا طالب ہے۔ یہ طلب اور آرزو مذموم بھی نہیں بلکہ ہر بندے کو چاہیے کہ بادشاہی لازوال کا جویا ہو۔ اسی سعادت کا طالب ہو جس کی انتہا نہیں۔ ایسی بقا کا خواہاں ہو جس میں شائبہ فنا نہ ہو۔ اسی عزت کا متلاشی ہو جس کا انجام زیست پر منتہی نہ ہو۔ اسی غنا کی تحصیل میں سعی کرے جس میں فقر کی آمیزش نہیں اور اسی کمال کو ڈھونڈے جس میں نقص کی آمیزش نہ ہو کیونکہ یہ تمام صفات خداوندی ہیں اور ان کا طالب علو وکمال کا طالب ہے جو ممدوح ہے۔ اب طلب ریاست وعلو کی جو مذمت وارد ہوئی ہے وہ اس لئے ہے کہ انسان نے معنی ریاست کے سمجھنے میں غلطی کھائی اور شیطان نے اسے فریب دے دیا۔

توضیح اس کی یہ کہ جب شیطان ملعون سجدہ نہ کرنے کے سبب سے مطرود اور مردود ہوا تو حسد نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ فرزندان آدم کو فریب دے اور انہیں قرب الہی سے دور کردے۔

پس بنی آدم کو اس نے عجلب وشتاب کاری کے ساتھ فریب دیا اور ان کی نظر میں ریاست عاجلہ فانیہ وسروری وبزرگی چندروزہ کو جلوہ گر کیا اور سلطنت ابدی بادشاہی مخلد سے محروم کردیا۔ بے چارہ انسان چونکہ عجول وشتاب کار خلق ہوا تھا اور اسی راہ سے شیطان فریب دینے کیلئے آیا لہٰذا اس کے فریب میں آکر طلب دنیا میں مشغول ہوا اور سلطنت وبادشاہی ابدی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ حیات دوروزہ پر مغرور ہوگیا اور انجام کی خبر نہ رکھی۔ لیکن جو لوگ کہ باطن امور سے آگاہ ہیں اور توفیق زبانی ان کے شامل حال ہے وہ اس ملعون کے ساتھ کنویں مین نہیں گرتے اور اس کی پیروی نہیں کرتے اور چونکہ اس ملعون نے تمام انسانوں کیلئے یہ جال بچھایا ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے پیغمبروں کو بھیجا تا کہ لوگوں کا اس کے مکر سے خبردار کریں۔ ان کے قلوب کو اس خانہ مجازی سے الگ کر کے مملکت حقیقی اور وطن اصلی کی دعوت دیں۔

پس یہ برگزیدہ نفوس آئے اور انہوں نے کمر ہمت باندھ کر تمام دنیا میں یہ صدا بلند کی کہ اے لوگو! جب تمہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ تو تم زمیں گیر ہوجاتے ہو۔ کیا تم حیات



دنیا پر راضی ہوگئے۔ یہ حیات دنیا تو بہت ہی قلیل ہے۔

پس ان مقدس نفوس نے دنیا واہل دنیا کی مذمت میں زبان کھولی اور لوگوں کے سامنے وعدووعید بیان کیے اور غرض کلی ان کی بعثت کی یہی تھی کہ لوگوں کو مملکت بے پایاں کی دعوت دیں تا کہ تخت بادشاہی حقیقی پر جلوہ گر ہوں۔ اب شیطان انسانوں کو عجلت اور شتاب کاری کی دعوت دیتا ہے۔ سرداری دنیا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لئے کہ جانتا ہے کہ اس کو بقا نہیں اور جو کچھ ہے بھی وہ بھی قسم قسم کے آلام واسقام سے مملو ہے اور غرض اصلی اس کی یہی ہے کہ یہ لوگ آخرت سے غافل ہوکر بندۂ شہوت وغضب ہوجائیں۔ شکم وفرج کی پرستش کریں۔ یہ چارپائے بن جائیں تا کہ وہ جس حیلہ میں چاہے انہیں لے جائے۔ اس بیان سے معلوم ہوسکے گا کہ خسران دنیا اور آخر عجلب وشتاب کاری کا نتیجہ ہے۔ اس صفت بد کا علاج یہ ہے کہ اس کے فساد انجام پر نظر ڈالی جائے اور خیال کرے کہ اس سے کس قدر وخفت اور سبکی لوگوں کی نظر میں حاصل ہوتی ہے اور اس صفت کی ضد کی شرافت پر نظر ڈالے جو وقار ہے اور جو اولیاء وانبیاء کی صفت ہے۔ پس انسان کو اپنے اوپر لازم کرلینا چاہیے کہ کوئی کام بغیر تامل کے نہ کرے اور ظاہر وباطن تمام اقوال وافعال میں وقار وسکون کو اپنا شعار قرار دے تا کہ یہ صفت خبیث رفع ہو اور وقار وطمانیت حاصل ہوجائے۔

# فصل

## تعریف وقار

واضح ہوا کہ صفت عجلت کی صد وقار ہے۔ اس سے مرد یہ ہے کہ تمام گفتار وکردار اور حرکتا وسکوناً اطمینان نفس وسکون قلب کے ساتھ ہو اور ہر ایک کام فکروتدبیر کے موافق پورا ہو۔

واضح ہو کہ کسی کام کے شروع کرنے سے قبل ٹھہر جانے کو توقف کہتے ہیں اور اس کے بعد تامل کرنے کا نام تانی وانائت ہے۔

پس وقار ان دونوں کو شامل ہے اور قوت نفس وپردلی کا نتیجہ۔ یہ صفت اشراف صفات فضائل ہے۔ بلکہ اخلاق حسبہ میں سے بہت ہی کم صفات ہیں جو اس کی شرافت کو پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء اصفیاء وبرگزیدگان خدا کی مدح اس کے ساتھ کی جاتی ہے۔

سردار پیغمبراں کو صاحب الوقار والسکینہ کہتے ہیں۔ اخبار میں وارد ہے کہ مومن بالضرور صفت وقار سے متصف ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظر میں انسان کو کوئی صفت اس سے زیادہ عزیز و محترم نہیں کرتی۔

پس مومن کو سزاوار ہے کہ ہمیشہ اس صفت کی بزرگی و نیکی نظر میں رکھے اپنے اعمال و افعال و اقوال اس صفت کے موافق بجالائے تا کہ اس کی عادت و ملکہ حاصل ہو۔

## آٹھویں صفت

# خدا اور خلق سے بدگمان اور بددلی کی مذمت

واضح ہو کہ یہ صفت رذیلہ نتیجہ بزدلی اور ضعف نفس ہے کیونکہ جب کسی بزدل ضعیف النفس کے دل میں کوئی فکر فاسد گزرتی ہے تو اس کی قوت اہمہ اسے گرفت کر لیتی ہے اور وہ اسی وہم کی پیروی کرتا ہے۔ یہ صفت بد مہلکہ عظیمہ ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

یعنی اے مومنین ظن کثیر سے پرہیز کرو بہ تحقیق کہ بعض گمان گناہ ہے۔

(سورہ حجرات۔ ۱۲)

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

یعنی تم نے گمان بد کیا اور تم ہلاک ہو گئے۔ (سورہ فتح)

برادر مومن کے کسی کام کو بہترین محامل پر حمل کرنا چاہیے اور جو بات کسی برادر مومن سے سرزد ہو جب تک کہ محمل نیک اس کے واسطے ملے گمان بد نہ کرنا چاہیے۔

مروی ہے کہ خداوند عالم نے ہر مسلم کے خون کو اس کے مال و آبرو کو اور اس کے ساتھ گمان بد کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔



پس گمان بد کی مذمت میں یہی کافی ہے کہ مسلم کے کشت و خون اور اس کی عزت و آبرو میں دست اندازی کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ جو کوئی دوسروں پر گمان بد کرتا ہے تو اس کو شر و فساد سے نسبت دیتا ہے۔ ظاہراً حقارت کی نظر سے اس کو دیکھتا ہے حتی الامکان اس کی تعظیم بجا نہیں لاتا اس کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ غیبت اور اس گمان بد کے اظہار میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ تمام امور اس کی ہلاکت کے باعث ہوتے ہیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جو کوئی گمان بد مسلمان پر کرتا ہے وہ خبیث النفس و بدباطن ہے وہ ہر کسی کو اپنے مانند جانتا ہے۔ اس کے باطن کی خرابی اس کے ظاہر میں اثر کرتی ہے مومن کا دل پاک طینت اور تمام علائق سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ وہ بدگمانی کسی پر نہیں کرتا ہاں کوزے سے وہی طراوت باہر آتی ہے جو اس میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گمان بد آدمیوں پر کرنا علامت خباثت نفس ہے شارع نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ سوائے خداوند عالم علام الغیوب کے کوئی دوسرا باطن سے آگاہ نہیں اور کسی کے دل کو دوسرے کے دل سے راہ نہیں۔

پس کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جان کر اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کر کے اپنے کان سے نہ سن کر غیر کے حق میں اعتقاد کرے۔ پس آدمی کسی پر جو گمان بد کرتا ہے۔ یہ شیطان اس کے دل میں ڈالتا ہے جو ہر بدکار سے زیادہ بدکار ہے

خداوند عالم فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

یعنی اگر کوئی بدکار خبر دے تو اعتبار نہ کرو۔ (سورہ حجرات۔ ۶)

پس صاحب ایمان کو جائز نہیں کہ شیطان لعین کو سچا سمجھے۔ اگر بعض ذرائع خارجیہ سے یقین کی حد تک پہنچے۔

پس جس وقت کسی کو ظالم امیر کے گھر میں دیکھیں تو شیطان گمان ڈالتا ہے کہ وہ بسبب طمع کے اس مقام پر گیا ہے آپ کو چاہیے کہ ایسا خیال نہ کریں کیونکہ شاید فریادرسی کو گیا ہو۔ اگر کسی مسلمان کے منہ سے بوئے شراب آتی ہو تو اس پر شراب پینے کا گمان نہ کریں کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے کلی کی ہو یا اس پر ڈالی گئی ہو یا اس کو پینے پر مجبور ہوا ہو یا تجویز سے حکیم حاذق کی بطور دوا کی

پیا ہو۔ یا حکیم حاذق کی تجویز سے طور دو

حاصل کلام افعال واموال مسلمین پر بغیر شہادت دو گواہ عادل کے حکم نہ کرنا چاہیے ۔اگر کوئی عادل کسی مسلم کی بدی کی شہادت دے تو توقف کرنا ضرور ہے۔ نہ تکذیب اس عادل کی کی جائے کہ دروغ گوئی وتہمت یا عداوت یا حسد کا اس پر گمان ہو۔ نہ اس کی تصدیق کریں کہ شاید اس مسلمان پر گمان بد عاید ہو سکے۔ چنانچہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس عادل نے سہو کیا ہو یا اس پر مشتبہ ہوا ہو۔

واضح ہو کہ گمان بد کرنے سے مراد جو شرعاً مذموم ہے جس کی نسبت منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ اپنے دل میں اس کا خیال کرے اور اپنے نفس کو اس کی طرف مائل کرے اور بدی کی طرف رجحان ہو یا اس کا اظہار کرے۔لیکن مجرد دل میں گزرنے کے یا بغیر ترجیح کے کوئی شک ہو تو گمان بد نہیں ہے گمان بد اور دل میں صرف گزرنے کا امتیاز یہ ہے کہ جس کا تصور کیا گیا ہے۔آپ کے دل میں کوئی تغیر اس شخص کی نسبت واقع ہو۔مثلاً کوئی کراہت یا نفرت اس وجہ سے آپ کو حاصل ہوئی یا آپ کی خواہش اس سے کم ہوئی ہو یا آپ کی رفتار میں اس سے بہ نسبت سابق کے کوئی فرق ہوا جس پر گمان بد کیا ہے۔اس کا دور کرنا لازم ہے اگر کچھ بھی فرق واقع نہ ہوا ہو صرف دل میں گزرا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گمان بد سبب ہلاکت ابدیہ ہے اسی وجہ سے شارع نے منع فرمایا ہے کہ جو امور باعث تہمت ہوتے ہیں اور ان کے سبب سے دوسرے بدگمان ہوتے ہیں، ان سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ حضرت رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ:

اِتَّقُوا مَوَاقِعَ التُّهَمِ

یعنی مقام بدگمانی سے پرہیز کرو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے کو مقام ملامت میں ڈالتا ہے۔ اگر کوئی اس سے بدگمان ہو تو وہ اس کی ملامت نہیں کرسکتا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

صفیہ بنت حی بن اخطب حرم محترم حضرت رسولؐ نے حکایت کی کہ ایک وقت حضرت



رسول صلعم مسجد میں تشریف فرما تھے۔میں آں جنابؐ کے دیکھنے کو گئی اور سر شام اپنے گھر کو واپس ہو رہی تھی۔آں جنابؐ بھی تھوڑی دور کے فاصلہ پر میرے ہمراہ تشریف لاتے تھے اور تکلم کرتے تھے۔ اس وقت ایک انصاری اس طرح سے گزرے تو آنحضرت صلعم نے ان کو آواز دی اور فرمایا کہ:

یہ میری عورت صفیہ ہے۔

اس نے عرض کیا کہ:

اس اظہار کا کیا موقع تھا۔میں نے آپ سے بدگمانی نہیں کیا۔

حضرتؐ نے فرمایا:

چونکہ شیطان انسان کے رگ وخون میں موجود ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدگمان باعث ہلاکت ہو۔

یہ فعل وارشاد حضرت پیغمبر کا امت کیلئے ہے۔ ایک یہ کہ گمان بد سے نہایت پرہیز کرے۔دوسرے یہ کہ کوئی شخص اگرچہ کہ وہ مثل پیغمبر کے ہو اپنے کو مقام تہمت سے دور رکھے ۔اگر کوئی تمام عالم میں بہتری و دیانت میں پرہیزگار مشہور ہو تو بھی مغرور نہ ہو کہ کوئی مجھ پر گمان بد نہیں کرتا اور اس وجہ سے مقام تہمت سے اپنی حفاظت نہ کرے۔ کیونکہ جو کوئی زیادہ ترمتقی اور پرہیزگار و عالم ہو تو تمام اشخاص اس کو ایک نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور تمام افعال کو بہتر سمجھتے ہیں اور بعض ایسے اشخاص ہیں کہ اس کے عیب تلاش کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد نہیں رکھتے۔یہ لوگ ضرور کوئی نہ کوئی تہمت اس پر کرتے ہیں۔دوستی کی آنکھ ہر ایک عیب کو پوشیدہ کرتی ہے لیکن عداوت اور دشمنی کی آنکھ بدی کو ظاہر کرتی ہے۔ ہر دشمن دشمنی کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور بہتری کو پوشیدہ کرتا ہے اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے بالضرور دوسروں پر گمان بد کرتا ہے۔ ان کو اپنے مانند سمجھتا ہے اور رسوا کرتا ہے اس کے عیبوں کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے کہ آدمی اس کی عزت اور اس کی تعریف نہ کریں۔

پس ہر مومن کو لازم ہے کہ اپنے کو مقام تہمت سے دور رکھے کہ بندگان خدا گمان بد اس پر نہ کریں اور گناہ گار نہ ہوں ورنہ یہ شخص بھی ان کے گناہ میں شریک ہوگا کیونکہ جو شخص دوسرے کے

گناہ کا سبب ہوتا ہے وہ بھی اس کے گناہ میں شریک ہے۔اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ ان اشخاص کو جو سوائے خدا کے دوسرے کی پرستش کرتے ہیں۔ان کو دشنام نہ دو ورنہ وہ خدا کو دشنام دیں گے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو کوئی دوسرے کے ماں باپ کو دشنام دے اور وہ دوسرا بھی اس کے ماں باپ کو دشنام دے تو گویا اس نے خود اپنے ماں باپ کو دشنام دیا ہے۔

خداوخلق کی بدگمان کا طریقہ معالہ یہ ہے کہ اس کی خرابی جو بیان کی گئی اور اس کی ضد گمان نیک کی جو شرافت ہے اس کو ملاحظہ کرے۔جس وقت کسی کی طرف سے گمان بد آپ کے دل میں گزرے تو اس پر اعتنا نہ کریں۔اپنے دل کو اس سے برا نہ کریں اپنی رفتار کو نہ بدلیں تعظیم وتکریم جس طرح ہمیشہ کرتے ہیں اس میں کمی نہ کریں۔بلکہ بہتر یہ ہے کہ تعظیم ودوستی آس سے بڑھائیں۔خلوت میں اس کی نسبت دعا کریں کہ اس سبب سے شیطان کو غیظ آئے اور خوف سے زیادتی احترام ودعا کرے دوسرے وقت گمان بد آپ کے دل میں نہ ڈالے۔اگر کوئی خطا ولغزش اس سے معلوم ہو تو خلوت میں اس کو نصیحت کریں۔ابتدا میں اس کی غیبت وبدگوئی نہ کریں۔اسی خطا سے اس طرح محزون ہونا چاہیے۔جیسا کہ اپنی خطا پر محزون ہوتے ہیں۔آپ کی غرض اس کو نصیحت کرنے سے یہ ہو کہ وہ ہلاکت سے خاصی پائے۔جب آپ اس طریقہ کو اختیار کریں۔گے تو تین قسم کے ثواب آپ کو حاصل ہوں گے

۱۔دوسروں کی خطا پر غمگین ہونے کا۔
۲۔نصیحت کرنے کا۔
۳۔اس کی نجات کا۔

# فصل نمبر (۱)

## خداوخلق سے گمان نیک رکھنے کی شرافت

واضح ہو کہ بدگمان کی ضد گمان نیک ہے۔اس کے فوائد بہت ہیں گمان نیک خدا سے رکھنے کی فضیلت جو اس کے قبل مذکور ہوئی کہ وہ باعث نجات ہے عبادت کرنے میں اس سے مسرت



ہوتی ہے اور محبت الٰہی کا مقام اعلیٰ اس سے میسر ہوتا ہے۔لہٰذا ہر بندے پر لازم ہے کہ خدا کو ماں باپ سے ہزار مرتبہ زیادہ اپنے پر مہربان سمجھے۔

ایسا ہی لازم ہے کہ کسی مسلمان پر کسی طرح کا گمان بد نہ کرے۔اس کے اقوال وافعال کو بدی پر محمول نہ کرے۔بلکہ جو عمل جس کسی سے دیکھے اور جو بات جس کسی سے سنے تو اس پر بہتری کا خیال کرے اس کی تکذیب نہ کرے۔اگر اس کے دل میں گمان بد گزرے تو اپنے کو خطاکار سمجھے اور اسی قائم رہے۔جب اس طرح چند روز گزریں تو اس صفت کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔اس کے دل سے بدگمانی مرتفع ہو جاتی ہے۔ہاں اگر کسی کی نسبت گمان بد کیا جائے کہ اس گمان کے سچا ہونے کی حالت میں کوئی ضرر دینی یا دنیوی لاحق ہوگا تو لازم ہے کہ حزم واحتیاط سے کام لیں اور اپنے امور دین ودنیا کو اس پر نہ چھوڑیں تا کہ ضرر ونقصان سے محفوظ رہیں۔

# نویں صفت

# اسباب غضب

واضح ہو کہ غضب وہ حالت نفسانیہ ہے جو غلبہ وانتقام کیلئے اندر سے باہر کی طرف باعث حرکت حیوانی ہوتی ہے جب اس کی زیادتی ہو تو وہ زیادتی باعث حرکت شدید ہوتی ہے جس سے حرارت مفرط پیدا ہوتی ہے اور اس حرارت کے باعث سیاہ دھواں اٹھتا ہے جو دماغ اور رگوں پر چھا جاتا ہے اور عقل کی روشنی کو پوشیدہ اور قوۃ عاقلہ کے اثر کو ضعیف کرتا ہے۔اسی وجہ سے غصہ والے کو کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔بلکہ وعظ ونصیحت سے اس کی سختی وشدت اور حرکت قوۃ غضبیہ زیادہ ہوتی ہے یا بسبب کسی ایسی امر کے دفعیہ کیلئے جو ابھی وقوع میں نہیں آیا ہے بلکہ واقع ہونے احتمال ہے شعلہ غضب جوش میں آتا ہے یا بسبب ایسے امر کے ہو جو واقع ہوا ہو تو یہ حرکت انتقام کیلئے ہوتی ہے۔اگر انتقام ممکن ہو اور اس پر قدرت رکھا ہو تو غصہ کی حالت میں خون باطن سے ظاہر کی طرف میل کرتا ہے اور رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور اگر انتقام لینا ممکن نہ ہو اور مایوس ہو تو خون باطن کی طرف میل کرتا ہے،اس وجہ سے رنگ آدمی کا رزد ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ غصہ والے آدمی تین قسم پر ہیں:

١۔بعض کوغصہ کی اس قدر زیادتی ہوتی ہے کہ ان کوکوئی ف کر وہوش باقی نہیں رہتا یہاں تک کہ عقل وشرع کے حکم سے باہر ہوجاتے ہیں۔

٢۔بعض کو بالکل غصہ نہیں ہوتا۔جس جگہ عقلاً وشرعاً غضب کرنا لازم ہے وہاں بھی بالکل غصہ نہیں ہوتا۔

٣۔بعض کا غصہ حداعتدال پر ہوتا ہے کہ ان کا غضب موقع پا ور ان کی سختی بجا ہوتی ہے ۔غصہ کی حالت میں شرع وعقل کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حدِاعتدال مرغوب ومطلوب ہے یہ حقیقت میں غضب نہیں ہے بلکہ شجاعت وقوت نفس ہے اور کمی غضب اگر چہ غضب نہیں ہے لیکن وہ قبیح ہے اور نتیجہ بز دلی وخواری ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غضب حداعتدال پر ہونے سے صاحب تدبیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ جس کسی کوغصہ نہیں ہوتا وہ بے غیرت ہے اور صاحت حمیت نہیں ہے اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جوشخص غضب کے وقت غضب میں نہیں آتا وہ گزرہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

حضرت پیغمبرؐ دنیا کے واسطے ہرگز غضب میں نہیں آتے تھے لیکن جس وقت حق کیلئے غضب ناک ہوتے تھے کسی کو نہیں پہچانتے تھے۔حضرت کا غضب دورنہیں ہوتا تھا جب تک کہ حق کی یاری نہیں کرتے تھے۔

بہرحال بیان مذکورہ سے معلوم ہوا کہ غضب مذموم وہ ہے کہ حد سے زیادہ ہو۔کیونکہ اس کا اعتدال ممدوح ہے اور اس کی کمی غضب نہیں ہے اگر چہ وہ صفت خبیثہ ہے۔



# فصل نمبر(١)

## مذمت زیادتی غضب

واضح ہو کہ زیادتی غضب مہلکہ عظیمہ وآفت جسمیہ ہے اور اکثر اوقات غضب باعث ہلاکت وشقاوت ابدیہ ہوتا ہے مثل قتل نفس یا قطع عضو کے اس وجہ سے کہتے کہ غضب جنون ہے اور اکثر اوقات زیادتی غضب باعث مرگ مفاجات ہوتی ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ وہ کشتی جوگرداب میں ہو بڑی بڑی موجیں اس کو اطراف سے گھیرے ہوں۔ہوائے سخت اس کو ہر طرف پھینکتی ہو۔اس کی خلاصی ونجات آسان ہے۔بہ نسبت اس کے جس کا شعلہ غضب تیز ہو۔اخبار وآثار خصوص غضب کی مذمت میں بیحد وار ہوتے ہیں۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا:

غضب ایمان کواس طرح فاسد کرتا ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ایک شعلہ شیطانی ہے جوفرزند آدم کے باطن میں ہے جب کوئی شخص غضب ناک ہوتا ہے تواس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اس میں داخل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ہر بدی اور شر کی کنجی ہے۔

پھر انہیں حضرت سے مروی ہے کہ غضب عقلمند کے دل کو ہلاک کرتا ہے، جوکوئی اپنے قوۃ غضب کا مالک نہیں ہے۔وہ اپنی عقل کا بھی مالک نہیں ہے۔

واضح ہوا کہ غضب علاوہ اسک ے کہ صفات مہلکہ واوصاف خبیثہ میں سے ہے۔اس پر چند لوازم وآثار بھی مترتب ہوتے ہین۔جوتمام مہلک اور قبیح ہیں۔مثلاً دشنام فحش اظہار، بدی وشماتت واظہار راز وعیوب مسلمانان ومسخر گی۔سوائے ان کے دوسرے امور جوعقلمند سے صادر نہیں ہوتے نیز لوازم غضب سے یہ ہے کہ غضب کے دور ہونے کے بعد آدمی بالضرور پشیمان ،افسردہ خاطر وغمناک وشکستہ دل ہوتا ہے۔دوستوں کی دشمنی ،دشمنوں کی شماتت وخوشی رزائل واوباش کی مسخر گی وغمگینی دل وتغیر مزاج کا سبب ہوتا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ بعض ایسا خیال کرتے ہیں کہ زیادتیٔ غضب جوانمردی ہے باوجود اس کے جوافعال غصہ والے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ افعال بچے اور دیوانوں کے ہوتے ہیں۔ ایسے افعال عقلمند اور جوانمردوں کے نہیں ہوتے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کو غضب زیادہ ہو۔ حرکات خراب اور افعال ناشائستہ دشنام وہرزہ گوئی اور ہلکی باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ ماہ وخورشید اور ابروبادوباراں وغیرہ کو دشنام دیتا ہے۔ اپنی اشیاء کو توڑتا ہے۔ جب کسی جگہ دسترسی نہ ہوتو اپنے جامہ کو پھاڑتا ہے۔ اپنے سر اور صورت پر مارتا ہے۔ اپنے ماں باپ کو دشنام دیتا ہے کبھی مانند مستوں اور مدہوشوں کے ہر طرف دوڑتا ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ بیہوش ہوکر زمین پر گر جاتا ہے کیوں کر ایسے افعال جوانمردی کی علامت ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ شجاع وہ شخص ہے جو کوئی حالت غضب میں اپنے کو سنبھالے۔

# فصل نمبر (۲)

## معالجہ غضب

خرابی غضب کا علاج چند چیزوں پر موقوف ہے:

پہلا یہ کہ وہ اسباب جن سے ہیجان غضب ہوتا ہے۔ ان کے زائل کرنے میں کوشش کرے۔ مثلاً فخر، کبر، عجب، غرور، استہزا، حرص، دشمنی، حب جاہ ومال۔ یہ تمام اخلاق ردیہ وصفات مہلکہ ہین۔ ان کے موجود رہنے پر غضب سے خلاصی ممکن نہیں ہے۔ پس ابتداً ان کو زائل کیجئے تاکہ غضب کا زائل کرنا سہل وآسان ہو۔

دوسرا ان اخبار وآثار کو ملاحظہ کیجئے جو مذمت میں غضب کے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا۔

تیسرا وہ اخبار وحدیث جو مدح واثواب میں غضب نہ کرنے کے وارد ہوئے ہیں اور ان کے فوائد کو نظر میں رکھے۔ جیسا کہ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو شخص آدمیوں پر غصہ نہ کرے خدا روز قیامت عذاب اس پر نہ کرے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ توریت میں حضرت موسیٰ پر جو احکام نازل



ہوئے ان کے من جملہ یہ بھی کلمہ تھا کہ:

اپنے غصہ کو سنبھالو میں نے تم کو صاحب اختیار کیا ہے تاکہ میں بھی اپنا غضب تم پر نہ کروں۔

حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے پیغمبروں پر خدا نے وحی بھیجی کہ اے فرزند آدم جس وقت تو غصہ میں آئے تو مجھ کو یاد کرتا کہ میں بھی تجھ کو غصہ کے وقت یاد کروں اور تجھ کو ہلاک نہ کروں۔

پھر انہیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ایک مرد صحرا نشین نے خدمت حضرت پیغمبر میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ:

میں جنگل میں بیٹھتا ہوں۔ مجھ کو کوئی ایسی بات تعلیم کیجئے جو دنیا اور آخرت میں کام دینے والی ہو۔

آنحضرت نے فرمایا کہ:

ہرگز غضب نہ کر۔

تین مرتبہ اس اعرابی نے اسی طرح عرض کیا تو حضرتؐ نے یہی جواب فرمایا۔ انہیں بزرگوار سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے غضب کو روکتا ہے۔ خدا اس کے عیوب کو ہر کسی سے پوشیدہ کرتا ہے۔ اس خصوص میں اخبار بے حد اور نہایت ہیں۔

چوتھا: ضد غضب جو حلم ہے اس کے فوائد کو اور جو مدح اس خصوص میں وارد ہوئی ہے۔ اس کو ملاحظہ کیجئے۔ پس اپنے کو اسی طرح بنائے میں کوشش کیجئے اور حلم وبردباری کو اپنا شعار قرار دیجئے۔ غصہ کو ظاہر نہ کیجئے اگرچہ دل میں غصہ ہو۔ اگر کوئی شخص تھوڑی مدت اس طرح کرے تو بتدریج عادت ہوتی ہے اور اس کو حسن خلق حاصل ہوتا ہے۔

پانچواں: جو قول وفعل آپ سے ظاہر ہوا بتداً سے اس میں فکر کیجئے۔ آثار غضب کے صادر ہونے سے اپنی حفاظت کیجئے۔

چھٹا: جو لوگ صاحب غضب ہیں اور حلم نہیں رکھتے، ہمیشہ انتقام کے درپے رہتے ہیں۔ اسی کو مردی وشجاعت جانتے ہیں کسی کی سختی کے متحمل نہیں ہوتے اور صبر نہیں کرتے۔ ان کی مصاحبت سے پرہیز کیجئے۔ بلکہ صاحب حلم ووقار کی صحبت کو اختیار کیجئے۔

ساتواں: تامل کیجئے اور جانتے کہ جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے۔ بحکم قضا وقدر الٰہی ہے ۔تمام موجودات اس کے قبضہ قدرت مین ہیں جو کچھ بندے کیلئے خدا نے مقدر کیا ہے۔اس میں بالضرور خیر وصلاح ہے۔اکثر ہوتا ہے کہ اس کی مصلحت گرسنگی و بیماری یا فقر واحتیاج یا ذلت وخواری یا قتل میں ہے۔جاننا چاہیے کہ دوسرے پر غضب کرنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔کیونکہ ہر ایک امر منجانب پروردگار ہے جو نیکی ہی نیکی چاہتا ہے۔

آٹھواں: بیماری دل ونقصان عمل سے غضب وقوع میں آتا ہے جو باعث ضعف نفس ہے شجاعت وقوت نفس نہیں ہے۔اس وجہ سے دیوانہ بہ نسبت عقلمند کے اور مریض بہ نسبت تندرست کے بوڑھے ضعیف المزاج بہ نسبت جوانا صحیح المزاج کے اور بداخلاق بہ نسبت صاحبان نیک اخلاق کے بہت جلد غصہ میں آتے ہیں۔

جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ رزیل ایک لقمہ سے اور بخیل ایک پیسہ کے نقصان سے غضب میں آتے ہیں لیکن صاحب نفس قویہ کا رتبہ ان سے بہت بلند ہے۔اگر کوئی شک ہو تو آدمیوں کے صفات اور اخلاق ملیں نظر کیجئے۔کتب سیر وتواریخ کو دیکھیے کہ حلم وبردبار اور غصہ کے وقت اپنے کو سنبھالنا انبیاء واولیاء وعقلاء وحکماء وبادشاہان ذوالاقتدار کا طریقہ ہے اور رزیل واوباش ونادان وجہال جلد غصہ میں آتے ہیں۔

نواں: جس شخص پر انسان غصہ کر رہا ہے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس ضعیف وناتوان پر جو قدرت اسے حاصل ہے۔اس سے بہت زیادہ خداوند قہار کا اس پر تسلط ہے اور جس طرح یہ ضعیف اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔اس سے بہت بڑھ کر یہ قدرت خداوندی کے سامنے حقیر اور ناتواں ہے۔پس حالت غضب میں اتنا خیال کر لینا چاہیے کہ خداوند قہار کہیں اسی طرح اپنا غضب جاری نہ کرے۔

بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اس کے پاس ایک حکیم دانشمند رہتا تھا۔جس کے پاس ایک کتاب ہوتی تھی جس میں لکھا تھا کہ زیردستوں پر رحم کرو۔موت سے ڈرو۔اور روز جزا کو نہ بھولو۔جس وقت بادشاہ غضب ناک ہوتا ہے تو وہ حکیم اس کتاب کو بتلانا۔اس کا غضب دور ہوتا۔

دسواں: خیال کرے کہ اگر زمانہ اس ضعیف کی جس پر آپ غضب کرتے ہیں موافقت کرے اور اس کے سبب کام راست آئیں اور آپ کا وہ بالادست ہو جائے تو وہ انتقام لے گا۔



گیارہواں: یہ کہ حلیم وبردبار غالب وقاہر تمام کی نظر میں عزیز محترم ہوتا ہے اور صاحب غضب ہمیشہ پریشان حال ومغلوب اور ہر ایک کی نظر میں بے وقعت رہتا ہے۔

بارہواں: یہ کہ تصور کیجئے کہ غصہ کے وقت آپ کی کس قسم کی بری صورت اور آپ کے اعضاء کس طرح متحرک ومضطرب اور آپ کے افعال کس قدر بے ڈھنگے اور آپ کی گفتگو کس قدر بے جا ہوتی ہے منجملہ معالجات غضب کے ایک یہ ہے کہ زیادتی غصہ کے وقت شر شیطان سے پناہ لی جائے اور

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم

کہے۔اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔اگر بیٹھا ہو تو سو جائے۔آب سرد سے وضو کرنا اور غسل کرنا غصہ کی حالت میں مفید ہے۔اس سے غصہ فرو ہوتا ہے ایسا ہی اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اگر کسی ایسے شخص پر غصہ آئے جس سے قرابت رحم رکھتا ہو تو اس کے بدن پر ہاتھ رکھنے سے غصہ فرو ہوتا ہے۔

# فصل نمبر (۳)

## حلم اور غصہ کے پینے کی شرافت

واضح ہو کہ ضد غضب حلم ہے اور حلم عبارت ہے اطمینان نفس سے کہ قوۃ غضب بآسانی اسے حرکت میں نہ لا سکے اور مکروہات دنیا جلدی سے اس کو مضطرب نہ کریں۔کظم غیظ یعنی غصہ کو پینا اور حالت غیظ میں اپنے کو نگاہ رکھنا اگرچہ حلم نہیں ہے۔لیکن یہ بھی ضد غضب ہے جس سے اثر غضب کا ظاہر نہیں ہوتا۔

پس یہ دو صفت نیک غضب کی ضد ہیں۔یہ دونوں اخلاق حسنہ اور صفات فاضلہ ہیں لیکن صفت حلم بدرع صفت علم کے اشرف کمالات نفسانیہ ہے بلکہ علم بغیر حلم کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے جس وقت تعریف علم کی جاتی ہے حلم کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ خداوندا مجھ کو علم سے بے نیاز کر اور صفت حلم سے مجھ سے زینت دے۔

پھرانہیں حضرت نے فرمایا کہ پانچ چیزیں طریقہ پیغمبراں مرسل ہیں۔ان کے منجملہ ایک صفت حلم ہے۔

پھر فرمایا کہ:

مرتبہ بلند کوطلب کرو۔

عرض کیا گیا کہ:

کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا کہ:

جوکوئی تیری دوستی کو قطع کرے تواس کے ساتھ دوستی کر۔جوکوئی اپنی نیکی سے تجھ محروم کرے تواس کے ساتھ نیکی واحسان کر۔جوکوئی تیرے ساتھ طریقہ نادانی اختیار کرے توحلم سے پیش آ۔بندہ مسلمان حلم کے ذریعہ سے اس شخص کے مرتبہ پر پہنچا ہے جس نے دن کوروزہ اوررات کوعبادت میں بسر کیا ہو۔

اورفرمایا کہ:

خداحلیم کودوست رکھتا ہےاورفحش کہنے والے کودشمن۔

فرمایا کہ:

تین چیزیں ہیں جوکوئی ان میں سے کوئی چیزنہ رکھتا ہواس کا کوئی عمل فائدہ نہیں بخشتا۔

ایک تقویٰ جوگناہوں سے بازرکھے۔

دوسرا حلم جونادانوں کی زبان درازی سے بچائے

تیسرا خلق نیک جس کے ساتھ لوگوں میں زندگانی بسر کرے۔

انہیں رسول خداؐ سے مروی ہے کہ جب قیامت میں خلائق جمع ہوگی تو ندا کی جائے گی کہ اہل فضل کہاں ہیں؟

پس ایک گروہ اٹھے گا اوربہشت کی طرف جلدی سے روانہ ہوگا۔ملائکہ ان سے بہشت میں جانے کا سبب دریافت کریں گے تووہ کہیں گے کہ:

اہم اہل فضل ہیں۔

پوچھیں گے کہ:



کیا فضل ورعایت تم نے کیا ہے؟

کہیں گے کہ:

جس وقت کوئی ظلم ہم پر ہوا تو ہم نے صبر کیا۔جس نے ہمارے ساتھ بدی کی ہم نے اس کوعفو کیا۔جوکوئی ہمارے ساتھ نادانی سے پیش آیا۔ہم نے اس کے ساتھ حلم اختیار کیا۔

ملائکہ کہیں گے کہ:

بیشک تم اہل فضل ہو۔بہشت میں داخل ہوجاؤ۔

پھرانہیں حضرتؑ فرمایا کہ کسی کوخدانے جہل ونادانی کے سبب سے ہرگز عزیز نہیں کیا اور کسی کوحلم وبردباری کے سبب ذلیل نہیں کیا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ کسی خیر وخوبی مال واولاد کی زیادتی سے نہیں ہے۔بلکہ زیادتی عمل وعلم کی وجہ سے خیر وخوبی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم ہر شخص کا ناصر ویاور ہے۔اگر علم نہیں رکھتا ہے توحلم اختیار کرے۔

انہیں حضرتؑ نے فرمایا کہ جب دوآدمیوں میں کوئی جھگڑا واقع ہوتو فرشتے نازل ہوتے ہیں جوکوئی بےوقوفی ونادانی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ جوکچھ تونے دوسروں کونسبت کہا خود اسی کا سزاوار ہے اور تجھ کواس کا عوض ملے گا اوراگر ان میں سے ایک نے حلم اختیار کیا تو کہتے ہیں کہ تونے حلم اختیار کیا اورصبر کیا تجھ کوخدا جلد بخشے گا۔

ایک روزانہیں حضرتؑ نے ایک غلام کوکسی کام کیلئے روانہ فرمایا:اس غلام نے دیر کی تواس کے عقب میں حضرتؑ خود روانہ ہوئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کسی مقام پر سوگیا ہے۔حضرت نے اس کے سرہانے تشریف فرمای ہوکراس کو بیدار کیا۔جب وہ بیدار ہوا تو فرمایا کہ:

اے غلام!خدا کی قسم ہے کہ اس قدر تو اختیار نہیں رکھتا ہے کہ رات دن سوئے۔رات تیری ہے اوردن میرا ہے۔

اب رہا(کظم غیظ) یعنی غصہ کا پینا۔اگرچہ اس کی فضیلت وشرافت بقدر حلم کے نہیں ہے لیکن جب کوئی شخص اس کی عادت کرنا چاہیے تو عادت ہوجاتی ہے اوراس کی صفت حلم حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ علم تعلیم سے اور حلم تحمل یعنی غیظ کو پینے سے حاصل ہوتا ہے۔

خداوند عالم نے اپنی کتاب میں جو لوگ اپنے غیظ کو پیتے ہیں ان کی مدح فرمائی ہے۔اس کی بزرگی میں احادیث وارد ہیں اور اس کے اجر وثواب بے انتہا ہیں

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

کوئی اپنے غصہ کو پیے تو خداوند عالم قیامت میں اس کا دل خوشنودی ورضا سے بھردے گا۔

انہیں حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ ایسا گھونٹ سوائے غیظ کے نہیں پیتا ہے کہ جس کا اجر زیادہ ہو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بندا اپنے غصہ کو برداشت نہیں کرتا۔مگر یہ کہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کی غیرت کو زیادہ کرتا ہے۔

مروی ہے کہ:

جس نے تیرے حق میں خدا کی معصیت کی ہو تو اس کی مکافات اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے کہ تو اس کے حق میں خدا تعالیٰ کی اطاعت بجالائے۔



## دسویں صفت

# انتقام کی مذمت

واضح ہو کہ انتقام لینا یعنی جو کوئی کسی کے ساتھ بدی کرے، تو وہ اس کے مانند یا اس سے بڑھ کر بدی کرنے پر آمادہ ہو۔اگرچہ وہ شرعاً حرام ہو۔مثلاً غیبت کا غیبت سے فحش کا فحش سے، بہتان کا بہتان سے علیٰ ہذا دیگر افعال محرمہ کا ایسا ہی افعال سے بدلہ لینا شرعاً حرام ہے اور کوئی شک اس کی حرمت میں نہیں ہے۔

رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر کوئی تجھ کو اس بدی کے سبب سے سرزنش کرے جو تجھ میں موجود ہے تو تُو اس کو اس عیب کے سبب سے سرزنش نہ کر جو اس میں ہے۔فرمایا کہ:

جب دو آدمی ایک دوسرے کو دشنام دیں تو گویا دو شیطان ہیں کہ ایک دوسرے کو نوچتے ہیں۔

ایک روز مجلس رسولؐ میں ایک شخص نے کسی صحابی کو دشنام دی۔دوسرے نے تھوڑی دیر ساکت رہ کر اس کے عوض میں دشنام دینا شروع کیا حضرتؐ اٹھے اور فرمایا کہ جس وقت تو ساکت تھا فرشتہ تیری طرف سے جواب دیتا تھا۔جب خود تو نے دشنام دینا شروع کیا تو فرشتے چلا گیا، شیطان آ گیا اور جس مجلس میں شیطان ہوئیں وہاں نہیں بیٹھتا۔

لہٰذا مرد دیندار کو لازم ہے کہ جس وقت کسی سے کوئی ظلم صادر ہوا گر از روئے شرع اس کی جزا و انتقام مقرر ہو تو اس پر اکتفا کرے۔اس پر سختی نہ کرے اور بہتر یہ ہے کہ اس سے چشم پوشی کرے۔اس کو عفو کرے۔اگر شرعاً کوئی جزا معین نہ ہو تو دائر شرع سے قدم باہر نہ رکھے۔اگر کوئی بات جواب میں کہنا چاہے تو ایسی بات کہے جو حرام نہ ہو اور جن میں شرعاً کوئی مکافات نہ ہو۔مثلاً اے بے حیا، اے بدخلق، اے بے آبرو، اے بے شرم۔بشرطیکہ اس میں یہ صفات ہوں۔یا کہے کہ خدا تجھ کو بدلہ دے یا خدا تجھ سے انتقام لے یا تو کون ہے کہ تیرا جواب دوں۔یا اے جاہل یا اے احمق کیونکہ یہ دروغ نہیں ہے اور کوئی شخص جہل وحمق سے خالی نہیں۔

جیسا کہ مروی ہے کہ تمام آدمی ذات خدا کے پہچاننے میں احمق ہیں اور بہتر یہ ہے کہ زبان پر ایسے الفاظ بھی جاری نہ کرے اور اس کو رب الارباب کے حوالے کردے کیونکہ جواب کے وقت اپنے کو نگاہ رکھنا مشکل ہے۔ اور اکثر آدمی غصہ کی حالت میں ضبط کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر کسی مقام پر جاب نہ دیا جائے تو بے عزتی اور بے حمیتی سمجھتے ہیں۔ پس از روئے شرح حلم وحوصلہ سے مکافات کرے۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

بنی آدم کئی قسم کے ہیں بعض دیر میں غصہ میں آتے ہیں ان کا غصہ جلد دور ہوتا ہے۔ بعض جلد غصہ میں آتے ہیں ان کا غصہ جلد فرو ہوتا ہے۔ بعض جلد غصہ میں آتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے۔ بعض دیر میں غصہ کرتے ہیں اور دیر میں خوشنود ہوتے ہین۔ ان میں وہ اشخاص بہتر ہیں جو دیر میں غضب ناک ہوتے ہیں اور جلد خوشنود ہوتے ہیں اور بدتر وہ ہیں جو جلدی غضب میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں۔

واضح ہوا کہ ترک انتقام کا علاج یہ ہے کہ اس کے نتیجہ کی برائی پر تامل کرے۔ اگر انتقام کو پروردگار پر رکھا جائے تو بالضرور منتقم حقیقی اس سے بدلہ لے گا۔ جیسا کہ مکرر مشاہدہ کیا گیا ہے اخبار وآیات اس پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر اس میں جس نے بدکی ہے کسی قدر انسانیت ہے تو سکوت ومکافات نہ کرے سے اس کو زیادہ تنبیہ وتادیب ہوتی ہے اور اس کے الم وشرمساری وخجالت کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اگر انسانیت سے بے نصیب ہے تو بدلہ لینا بھی اس کو کچھ اثر پذیر نہ ہوگا بلکہ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ پھر اس کے مقابلہ وبرابری سے اپنی بے وقعتی ہوگئی۔ نیز فوائد عفو پر غور کرنا چاہیے جو ضد انتقام ہے جب مکرّر اس طرح کیا جائے تو اس کو ملکہ وعادت ہوتی ہے۔



# فصل نمبر (۱)

## فضیلت عفو وبخشش

واضح ہوا کہ انتقام کی ضد عفو وبخشش ہے آیات واخبار اس کی تعریف میں بے حد وحصر ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ

یعنی طریقہ عفو وبخشش کو نگاہ رکھو اور امر بالمعروف میں مصروف رہو۔

پھر فرماتا ہے:

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا

یعنی: عفو کرنا چاہیے۔

نیز فرمایا ہے کہ:

وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

یعنی: اگر عفو کریں تو تقویٰ وپرہیز گاری سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تین چیزوں کیلئے قسم کھا سکتا ہوں:

۱۔ یہ کہ صدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ کہ جس کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ عفو کرے تو خدا اس کی عزت روز قیامت زیادہ کرتا ہے۔

۳۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ سوال کرے اور اس پر فقر واحتیاج کا درواز نہ کھولا جائے۔

نیز انہیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ عزت عفو کو زیادہ کرتی ہے۔ پس عفو کرو کہ خدا تم کو عزیز رکھے۔ حضرت نے عقبہ سے فرمایا تو چاہتا ہے کہ اہل دنیا وآخرت کے افضل اخلاق سے تجھ خبر دوں۔ وہ یہ کہ اس سے نزدیکی کر جو تجھ سے دوری اختیار کرے۔ اس پر بخشش کر جو تجھ کو محروم کرے اور اس کو عفو کر جو تجھ پر ظلم کرے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے پروردگار! کون بندہ تیرا عزیز ہے؟

ارشاد ہوا:

جو کوئی باوجود قدرت وتوانائی کے عفو کرے۔

حضرت سید الساجد علیہ السلام نے فرمایا کہ روز قیامت خدا تعالیٰ اولین وآخرین کو جمع کرے گا۔ منادی کی ندا ہوگی کہ کون اہل فضل ہیں۔ پس ایک گروہ اٹھے گا تو ملائکہ ان کا فضل دریافت کریں گے وہ کہیں گے کہ ہم اس سے توسل کرتے تھے جو ہم سے دوری کرتا تھا اس کو عطا کرتے تھے جو ہم کو محروم کرتا تھا۔ جو ہم پر ظلم کرتا تھا ہم اس کو عفو کرتے تھے۔

ملائکہ کہیں گے کہ:

راست کہتے ہیں کہ یہ اہل فضل ہیں داخل بہشت ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ عفو کرنے کی پشیمانی نہایت آسان ہے بہ نسبت اس پشیمانی کے جو انتقام لینے سے ہوتی ہے۔ نیز فضل وشرافت عفو کے بیان میں یہی کافی ہے کہ وہ صفات پروردگار سے ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ سَمَّیْتَ نَفْسَکَ بِالْعَفُوِّ فَاعْفُ عَنِّیْ

یعنی: تو نے اپنا نام عفو کرنے والا رکھا ہے پس مجھ کو عفو کر۔



# گیارہویں صفت

# سختی ودرشتی کی مذمت اور رفق ومدارا کی شرافت

واضح ہوا کہ افعال واقوال میں سختی کرنا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت خبیث آدمیوں کی نفرت کا باعث ہے۔ جس سے زندگانی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آفریدگار عالم نے مقام مہربانی میں اپنے پیغمبر صلعم کو ارشاد فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

یعنی: اگر تو بد خصلت سخت دل ہوتا تو آدمی تجھ سے دوری وکنارہ کرتے۔ (سورہ آل عمران۔ ۱۵۹)

بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ سختی کی خصلت ایمان کو سلب کرتی ہے اور شیطان کے دخل ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند پر واجب ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کرے۔ جو کام یا جو بات کرنا چاہتا ہے کرے لیکن پہلے اس میں فکر کرے کہ کوئی سختی اور بدخوئی اس سے صادر نہ ہو۔ نرمی کی فضیلت کو یاد کرے اور اپنے کو اس پر قائم رکھے تا کہ ملکہ حاصل ہو۔ اس بر صفت کی ضد افعال واقوال میں نرمی وہمواری ہے۔ یہ صفات مومنوں اور نیکوں کے ہیں۔ اس لئے سید رسلؐ نے فرمایا ہے کہ اگر نرمی کوئی دکھائی دینے والی چیز ہوتی تو دیکھتے کہ کوئی مخلوق اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ خدا مہربان وصاحب رفق ہے اور اس صفت والے کو دوست رکھتا ہے۔ جو کچھ رفق ونرمی سے حاصل ہوتا ہے سختی سے حاصل نہیں ہوتا۔

پھی انہی بزرگوار سے مروی ہے کہ نرمی ومہربانی مبارک ہے اور سختی منحوس ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جوئی نرمی رکھتا ہے اس کا ارادہ پورا ہوتا ہے۔

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا جس خاندان کو دوست رکھتا ہے اس کو نرمی ہمواری عطا فرماتا ہے۔

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ جس کو نرمی دی گئی ہے اس کو دنیا اور آخرت کی نیکی عطا کی گئی ہے اور جو نرمی سے محروم ہے وہ دنیا اور آخرت کی نیکی سے محروم ہے۔ نیز فرمایا کہ:

نرمی کرنے والے پر آتش جہنم حرام ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ: آدمی کا نصف عیش وزندگانی نرمی ہے۔تجربہ اور مکرر ملاحظہ کیا گیا ہے کہ بہت سے امورنرمی ومدارات سے برآتے ہیں اور ہرگز سختی ودرشتی سے انجام کونہیں پہنچتے۔جو بادشاہ اپنے لشکر ورعیت پر مہربانی اورنرمی کرتا ہے۔اس کی بادشاہت کا انتظام درست اوراس کی بادشاہی ہمیشہ رہتی ہے۔جوکوئی بادشاہ سختی سے پیش آتا ہے اس کی بادشاہت میں خلل اوراس کی رعیت پریشان رہتی ہے۔تھوڑے زمانے میں ملک ودولت اس کی برباد ہوتی ہے۔تمام آدمی علماءاوامراءوصاحبان معاملہ وصنعت اس کے ملک سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

واضح ہوکہ: مدارات بھی نرمی کے قریب ہے،اور مدارات اس کو کہتے ہیں کہ جوکوئی تکلیف کسی سے پہنچے تواس پر صبر کیا جائے اوراس سے ظاہر نہ کیا جائے یہ صفت تمام صفات سے بڑھ کر آدمی کو دنیا وآخرت میں بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔جواشخاص مرتبہ عظیم پر پہنچتے ہیں،اسی صفت نیک سے پہنچتے ہیں۔

اسی لیے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ:

میرے پروردگار نے مجھے کوحکم دیا کہ آدمیوں سے مدارات کروں۔جس طرح مجھ کوحکم دیا گیا ہے کہ واجبات کو بجالاؤں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ توریت میں جواحکام خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائے ان میں لکھا ہے کہ۔اے موسیٰ! اپنے دل میں میرے اسرار کو پوشیدہ رکھو۔اپنے ظاہر میں ان کو آشکار کرو۔میرے اوراپنے دشمنوں سے میری طرف سے مدارا کرو۔

حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ایک گروہ نے آدمیوں سے مدارات کم کیا توان کو خاندان قریش سے علیحدہ کردیا گیا۔باوجودیکہ وہ خاندان قریش سے تھے اوران کے حسب ونسب میں کوعیب نہ تھا۔وہ گروہ جوقریش سے نہ تھے اورآدمیوں سے مدارات کرتے تھے۔ان کوخاندان قریش میں محسوب کرلیا گیا۔

پھرفرمایا کہ: جس نے اپنے ایک ہاتھ کو قابو میں رکھا تو بہت سے ہاتھ اس سے باز رکھے جاتے ہیں۔



# بارہویں صفت

# کج خلقی کی مذمت اورخوش خلقی کی شرافت اوراس کی تحصیل کا طریقہ

واضح ہوکہ وہ بھی سختی وبدخوئی کے قریب ہے ظاہر ہے کہ کج خلقی کا نتیجہ سختی ہے۔ایسا ہی منہ چڑھانا اوردل تنگ ہونا اور بدکلامی کرنا بھی اس کا اثر ہے۔یہ صفت قوہ غضبیہ کا نتیجہ اورآدمی کو خالق وخلق اللہ سے دور کرتی ہے آدمیوں کی نظر سے گراتی ہے۔طبیعتوں کواس سے نفرت ہوتی ہے۔کج خلق انسان مضحکہ روزگار بنتا ہے اوروہ کسی لحظہ رنج والم سے خالی نہیں رہتا ہے اس لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

جوکوئی بدخلقی کرتا ہے وہ اپنے کوعذاب میں ڈالتا ہے۔اکثر ہوتا ہے کہ کج خلقی سے اس کو نقصان عظیم پہنچتا ہے اور بڑے بڑے فوائد سے محروم رہتا ہے اورانجام کار یہ صفت آدمی کوعذاب آخرت میں ڈالتی ہے

مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسولؐ خدا سے عرض کیا گیا کہ:

فلاں عورت دن کوروزے رکھتی ہے اوررات کوعبادت کرتی ہے لیکن وہ بدخلق ہے اور کج خلقی سے ہمسایہ کوآزار پہنچاتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ: وہ اہل جہنم سے ہے۔

انہیں حضرت نے فرمایا کہ:

بندہ کوبدخلقی ساتویں طبقہ جہنم میں پہنچاتی ہے۔

پھرانہیں حضرت نے فرمایا کہ: بدخلقی کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

اس کی وجہ سے دریافت کی گئی توفرمایا کہ: ”جس وقت گناہ سے توبہ کرتا ہے توگناہ میں زیادہ پڑتا ہے۔“

اورفرمایا کہ: ”بدخلقی وہ گناہ ہے جوبخشا نہیں جاتا۔“

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ فاسق فاجر جو خوش خلق ہو تو میں اس کی مصاحبت وہم نشینی کو بہ نسبت عابد کج خلق کے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ اس بری صفت کا معالجہ بھی مثل تمام صفات بد کے یہی ہے کہ ان کے مفاسد دنیا اور آخرت کا تذکرہ کرے اور سوچے کہ یہ صفت خالق وخلائق کو اس کا دشمن کرتی ہے۔ پس اس صفت کو اپنے سے دور کرے۔ ہر قول وفعل میں لحاظ رکھے کہ کج خلقی اس سے صادر نہ ہو۔ ہمیشہ حسن خلق سے پیش آئے تاکہ ملکہ اور عادت ہو۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اس صفت مہلکہ کی ضد حسن خلق ہے جو بزرگ ترین صفات ہے عقل ونقل اس کی مدح وخوبی پر دلالت کرتے ہیں۔

پیغمبر خدا نے فرمایا کہ قیامت میں میزان اعمال کے پلہ میں حسن خلق سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

ایک روز اپنے بنی اعمال سے فرمایا کہ اے فرزندان عبدالمطلب اگر اس قدر قدرت نہیں رکھتے ہو کہ اپنا مال دوسروں پر خیرات کرو تو کم از کم ان کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آؤ۔

اور فرمایا کہ خدا نے اپنے لئے دین اسلام کو خاص کیا ہے اور سوائے سخاوت وحسن خلق کے اور کوئی چیز اس دین کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پس اس دین کو ان دونوں سے زینت دو۔

آنجناب سے عرض کیا گیا کہ: کس مومن کا ایمان افضل ہے؟

فرمایا: ''جو خوش خلق ہو۔''

پھر فرمایا کہ: ''مجھ کو زیادہ دوست رکھنے والا اور روز قیامت میں مجھ سے نزدیکی کرنے والا خوش خلق ہے۔''

پھر فرمایا کہ: ''خلق حسن گناہوں کو اس طرح کم کرتا ہے، جیسے آفتاب برف کو پگھلاتا ہے۔''

انہیں بزرگوارؐ سے مروی ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ کم عبادت کرنے والا ہو اور حسن خلق کے ذریعہ سے آخرت میں درجات عظیم وبزرگی منازل پر پہنچے۔

انہیں حضرتؐ نے اپنی زوجہ ام حبیبہؓ سے فرمایا کہ: ''خوش خلق دنیا وآخرت کی خوبی حاصل کرتا ہے۔''

انہیں حضرت سے مروی ہے کہ حسن خلق اپنے صاحب کو اس شخص کے درجہ پر پہنچاتا ہے



جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت میں مشغول ہو۔

نیز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: ''جو نیک ہے وہ خوش خلق ہوتا ہے۔ لوگ اطراف وجوانب سے اس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ اس کی مصاحبت ومحبت اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔''

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرد حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھ کو کوئی وصیت کیجئے۔ حضرت نے اس کو کئی وصیتیں فرمائیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ برادر مومن کے ساتھ کشادہ روی سے ملاقات کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نیکی وخوشی خلق شہروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتی ہے۔

پھر فرمایا کہ بہ تحقیق خدا تعالیٰ بندہ کو حسن خلق سے اس شخص کا ثواب عطا کرتا ہے۔ جو صبح وشام راہ خدا میں مشغول جہاد رہا ہو۔

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آدمیوں سے نیکی واحسان اور خوشی روئی کرنا باعث دوستی ہے اور داخل بہشت کرتا ہے اور بخل وترش روئی خدا سے دور اور داخل جہنم کرتی ہے خوش خلقی کی صفت افضل صفات پیغمبراں واشرف اخلاق برگزیدگان ہے۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے حبیب کی نسب مقام مدح وثنا میں فرمایا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

یہ صفت فاصلہ سرور پیغمبراں وسید انس وجاں میں بدرجہ کمال تھی۔ حتیٰ کہ وارد ہوا ہے کہ ایک روز وہ حضرتؐ اصحاب کی جماعت کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک کنیز کسی انصار کی داخل مسجد ہوئی اور اپنے کو آن حضرت تک پہنچایا اور پوشیدہ طور پر سے حضرتؐ کا گوشہ دامن پکڑا۔ جب حضرت کو اطلاع ہوئی تو اپنی جگہ سے اٹھے اور گمان کیا کہ کوئی کام ہوگا۔ لیکن اس کنیز نے کچھ نہ کہا اور حضرت نے بھی اسے کوئی بات نہ کی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر وہ کنیز آئی اور حضرت کا گوشہ دامن پکڑا اور پھر حضرتؐ اٹھے۔ یہاں تک کہ اس کنیز نے تین دفعہ اسی طرح عمل کیا اور حضرت کو ان کی جگہ سے اٹھایا۔ چوتھی دفعہ حضرت پیغمبر صلعم اٹھے تو کنیز نے حضرت

کا گوشہ دامن تھوڑا سا پھاڑ لیا اور روانہ ہوگئی۔

اصحاب نے کہا کہ: اے کنیز یہ کیا عمل تھا جو تو نے کیا۔ حضرتؑ کو تین دفعہ اپنی جگہ سے اٹھایا اور کوئی بات نہ کی۔ آیا تیرا مطلب کیا تھا؟

اس وقت کنیز نے کہا کہ: گھر میں ایک شخص بیمار ہے۔ صاحب خانہ نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضرت کے جامہ کا ٹکڑا لے کر آؤں۔ اس بیمار کو وہ ٹکڑا باندھیں کہ شفا پائے، میں ہر مرتبہ چاہتی تھی کہ تھوڑا ٹکڑا آنحضرتؐ کے جامہ کا حاصل کروں وہ خیال فرماتے تھے کہ مجھ کو کوئی کام ہے اور میں حضرتؐ سے تھوڑا ٹکڑا جامہ کا طلب کرنے کیلئے شرم کرتی تھی۔



## تیرہویں صفت

# عداوت دشمنی اور اس کے اقسام اور معالجہ

واضح ہو کہ عداوت اور دشمنی دو قسم پر ہے:

ا۔ جو کوئی کسی کی عداوت دل میں پوشیدہ رکھتا ہو اور موقع ڈھونڈتا ہو۔

۲۔ یا ظاہراً کسی کی ایذا اور اذیت کے درپے ہو اور اس کی عداوت کا اظہار کرتا ہو۔

پہلی قسم کو کینہ کہتے ہیں جو عداوت کو پوشید رکھنے سے مراد لی گئی ہے اور دوسری قسم کا نام عداوت ہے۔ یہ بھی پہلی قسم کا نتیجہ ہے کیونکہ جب کینہ قوت پکڑتا ہے تو سخت عداوت ہوتی ہے۔ خزانہ دل اس کی حفاظت سے عاجز ہوتا ہے اور پہلی قسم غضب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب آدمی دوسرے پر غصہ ہوتا ہے اور بوجہ عاجزی انتقام یا کسی دوسری مصلحت کے اپنے غصہ کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ دل میں پوشید رکھتا ہے۔ تو اس سے کینہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسمیں مخرب اخلاق ہیں۔

اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ مومن میں کینہ نہیں ہوتا ہے۔ اکثر اوقات دوسرے صفات مہلکہ بھی کینہ عداوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً: حسد، غیبت، دروغ، بہتان، شماتت، اظہار عیب، دوری، استہزاء، ایذا، سوائے ان کے دوسرے آفات و اعمال محرمہ جو آدمی کے دنیا و دین کو خراب کرتے ہیں۔ اگر بالفرض کوئی بھی ان میں سے حاصل نہ ہو تو خود وہی بغض و عداوت ایک مرض ہے۔ جس سے نفس پاک بیمار اور روح اس سے ہمیشہ غمگین و آزار میں رہتی ہے۔ آدمی کو بساط قرب الٰہی سے دور اور رفاقت ساکنان عالم قدس سے مہجور کرتی ہے۔ شیوہ اہل ایمان و طریقہ اہل احسان سے روکتی ہے۔ یہ صفت انسان اور باریافتگان بزم تقرب کے درمیان پردہ ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اخبار و آثار میں اس کی مذمت بے شمار وارد ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

کسی وقت جبرائیل میرے پاس نہیں آئے مگر یہ کہ کہا، اے محمد صلعم عداوت و دشمنی سے آدمیوں کی پرہیز کیجئے۔

اور فرمایا کہ: ”جبرائیل نے جس قدر آدمیوں کی عداوت سے پرہیز کرنے کی تاکید کی کسی اور امر میں اس قدر تاکید نہیں کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص تخم عداوت بوتا ہے وہی اس کا ٹتا ہے یعنی حاصل کرتا ہے۔

## معالجہ عداوت ودشمنی

اس صفت خبیثہ کا معالجہ یہ ہے کہ پہلے غور کرے کہ دشمنی وعداوت ایک درخت ہے کہ بجز اندوہ والم کے دنیا میں اس کا کوئی ثمرہ حاصل نہیں ہوتا ایک آگ ہے کہ بغیر دود کدورت کے اس سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ دشمن مسکین ہمیشہ اندوہ وغصہ ورنج ومحنت میں مبتلا رہتا ہے۔ عداوت کے سبب سے خاندان قدیم برباد ہوئے۔ بہت سی دولتیں عداوت کے سبب سے ضائع ہوئیں اور بہت سی عزتیں عداوت کی وجہ سے خراب ہوگئیں۔ بلکہ جو کچھ کتب تواریخ وسیر سے حالت زمانہ کی معلوم ہوئی ہے۔ یہ ہے کہ کوئی دولت سوائے عداوت ودشمنی کے اور کسی چیز کے سبب سے برباد نہیں ہوئی اکثر ہوتا ہے کہ کینہ وعداوت سے اس شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، جسے دشمن سمجھا جاتا ہے۔ پھر آخرت میں اس کا نتیجہ ملاحظہ کرنا چاہیے کہ آدمی کو عذاب سخت میں گرفتار کرتا ہے جب انسان ان امور پر غور کرے اور متنبہ ہو تو کوشش کرے کہ اس شخص سے جو عداوت وکینہ رکھتا ہے۔ طریقہ دوستانہ عمل میں لائے۔ اس سے مہربانی سے ملاقات کرے اس کی ضروریات کے برلانے میں کوشش کرے۔ مجمع اور محفلوں میں اس کی نیکیوں کو بیان کرے بلکہ دوسروں سے زیادہ اس پر نیکی واحسان کرے تاکہ نفس کو سزا ملے اور شیطان کی ناک خاک پر رگڑی جائے۔ ہمیشہ اس طریقہ پر عمل کرے کہ آثار عداوت دل سے دور ہوں۔ اس صفت کی ضد نصیحت ہے جو دوسروں کی خیر خواہی ونیکی سے مراد لی گی ہے۔ وہ بھی دو قسم پر ہے:

۱۔ باطنی اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر وخوبی طلب کرنے والا ہو۔

۲۔ ظاہری یہ ہے کہ ان کی خیر ونیکی کے امور بجالائے۔ اس صفت شرافت بہت زیادہ اور اس کی فضیلت بے شمار ہے جیسا کہ صفت حسد کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔



# فصل نمبر (۱)

## لوازم عداوت

واضح ہو کہ آثار ولوازم جو کینہ وعداوت پر مترتب ہوتے ہیں وہ ضرب اور فحش ولعن وطعن ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ یہ صرف غضب سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اوباش ورذائل وبدکاراں وجہال جن کو بے ہودہ بکنے اور فحش بولنے کی عادت ہوتی ہے۔ ان کی مصاحبت سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں جن کو فحش بکنے کی عادت ہوجاتی ہے ان کی زبان پر بغیر دشمنی وغصہ کے بھی فحش جاری ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مذموم وقبیح اور از روئے شرع سراحتاً حرام ہیں جو اعمال کو ضائع اور برباد کرتے ہیں۔ صاحبان شرع وحکماء وعقلاء اس کی برائی پر متفق اور شرع وعقل اس کی حرمت پر دو گواہ صادق ہیں۔ لیکن ضرب جو ہاتھ یا لکڑی یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ مارے نے سے مراد لی گئی ہے۔ پس بغیر سبب شرع اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔ کسی فرقہ بنی آدم نے کسی کو بغیر سبب شرع کے مارنے کی تجویز نہیں کی۔

اخبار وآثار میں صاف طور پر سے منع کیا گیا ہے اور وارد ہوا ہے کہ جو کوئی کسی کو تازیانہ مارے تو خدائے تعالیٰ اس کو آگ کا تازیانہ مارے گا۔ لیکن فحش ودشنام وبے ہودہ گوئی وبدگوئی منشائے خباثت نفس وحرامی طبع ہے جس کی زبان فحش پر کھلی ہوئی ہے بالضرور وہ خبیث النفس ہے، اور وہ اراذل واوباش میں شمار کیا گیا ہے بلکہ بعض اخبار میں پایا جاتا ہے کہ رذیل مخصوص کیا گیا ہے۔ اس امر سے کہ کسی بات کے کہنے اور سننے میں پرواہ نہ کرے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی طعن ولعن کرنے والا اور فحش وبے ہودہ بکنے والا ہو وہ مومن نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ فحش دینے والے پر بہشت حرام ہے۔

دوسری روایت میں انہیں حضرت سے مروی ہے کہ بے ہودہ بکنا اور بھیدوں کا کھولنا نفاق کی شاخیں ہیں۔

انہیں حضرت سے منقول ہے کہ چار اشخاص ہیں جن سے اہل دوزخ ایذا میں ہیں منجملہ ان کے ایک وہ مرد ہے جس نے دنیا میں فحش بکا ہے ہمیشہ اس کے منہ سے پیپ جاری ہوگی۔

نیز انہیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ اس پر بہشت حرام ہے۔ جو کوئی فحش و بے ہودہ بکنے والا اور کم حیا ہو کوئی بات کہنے اور سننے میں دریغ نہ کرے۔ اگر ایسے شخص کو دریافت کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ ولد الزنا یا اس کے باپ کا نطفہ اور نطفہ شیطان دونوں کا مشترک ہیں یعنی اس کے باپ کے مجامعت کے وقت شیطان بھی شریک ہوا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مرد کسی بات کے کہنے اور سننے میں کوئی پراوہ نہیں کرتا تو جانیں کہ وہ ولد الزنا ہے یا شیطان کی اس میں شراکت ہے۔ نیز حضرت سے مروی ہے کہ وہ شخص بدو شریر ہے کہ بسبب فحش بکنے کے اس کی ہم نشینی سے لوگ کراہت رکھتے ہوں۔

انہیں حضرت سے مروی ہے کہ مومن کو دشنام دینا بدکاری ہے اس کا مار ڈالنا کفر ہے۔ اس کی غیبت معصیت ہے اور اس کے مال کی حرمت مثل اس کے خون کی حرمت کے ہے۔

اور فرمایا کہ بدترین مردم خدا کے نزدیک روز قیامت وہ شخص ہے کہ آدمی جس کے شر کے خوف سے اکرام واحترام کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نطفہ آدمی میں شراکت شیطان کی علامت کے منجملہ ایک یہ ہے کہ وہ آدمی فحش کہنے اور سننے میں کوئی خوف نہ کرے۔

نیز آنحضرت نے فرمایا کہ جس کی زبان سے آدمی ڈریں وہ آتش جہنم میں داخل ہوگا۔ دشمن ترین مخلوق خدا کے نزدیک وہ بندہ ہے کہ آدمی جس کی زبان سے پرہیز کریں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ان دو اشخاص کا حال جو آپس میں ایک دوسرے کو دشنام دیتے ہیں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو کوئی شروع میں دشنام دیتا ہے وہ ظالم ہے اور دوسرے کا گناہ بھی اسی کے ذمہ ہے جب تک وہ دوسرا ظلم و زیادتی نہ کرے۔ واضح ہوا کہ امور قبیحہ کا بالفاظ صریح و الفاظ مجامعت و آلت جماع کے ساتھ ظاہر کرے کو فحش کہتے ہیں۔ صاحبان فساد اور بے شرم اس کا ذکر الفاظ مخصوصہ میں کرتے ہیں۔ اہل شرافت و صاحبان نفس پاک ان سے متعرض نہیں ہوتے بلکہ جب ضروری ہو تو کنایہ و رمز میں بیان کرتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ خداوند عالم نے جماع کا ذکر از روئے حیا کنایۃً بالفاظ لمس و ملس و مباشرت فرمایا ہے اور یہ بات کچھ جماع کیلئے نہیں ہے بلکہ ذکر بول و براز کو بھی بالفظ کنایہ مثل قضائے حاجت وغیرہ کہنا اولیٰ ہے۔



پس صاحبان حیا کو صراحتاً ایسے الفاظ جو عرفاً مکروہ و رکیک و مذموم ہوں زبان پر نہ لائے چاہئیں۔ جب اپنی یا دوسرے کی عورت کی بات کو نقل کرنا چاہے تو میری عورت یا اس کی عورت نے ایسا کہا نہ کہے بلکہ میرے گھر کے پردہ کی بیٹھنے والی یا اس کے گھر والی یا بچوں کی ماں نے ایسا کہا یا گھر میں کہتے تھے کہ بلکہ عورتوں کے نام لینے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں عرفاً برا سمجھا جاتا ہے اور یہ نہ دیکھیے کہ پیغمبرؐ اور ائمہؑ کے اہل خانہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ کیونہ زمانہ سابق میں معیوب نہ تھا اور موافق طریقہ سابق کے اس زمانہ میں بھی ان کے نام لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کے بدن میں کوئی عیب ہو اور اس کے اظہار سے شرم کرتا ہو تو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت کے وقت تصریح نہ کرے کنایۃً کہے مثلاً اگر کوئی کوڑی یا گنجا ہو اس کا سبب یا وقت دریافت کرنا چاہے تو کسی وقت میں کوڑھ ہوا یا تیرا سر کس سبب سے گنجا ہوا نہ کہے بلکہ یہ عارضہ کس وجہ سے تجھ کو ہوا یا کس وقت یہ ناخوشی پیدا ہوئی کہے۔ کیونکہ یہ تمام تصریحات داخل فحش ہیں۔

واضح ہو کہ تمام الفاظ جو بے شرمی و فحش پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ تمام مذموم و قبیح ہیں گو بعض زیادہ قبیح ہیں اور ان کی برائی زیادہ ہے۔ خواہ موقع دشنام و اذیت میں کہے جائیں یا شوخی اور ہنسی کے وقت چونکہ یہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا بعض ان میں مکروہ اور بعض حرام ہیں اور بعض نے ان لفاظ کو جو مقام دشنام و اذیت میں زبان سے نکلیں حرمت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور مقام شوخی یا بے ہودہ گوئی کی حالت میں حرام نہیں سمجھا لیکن ممکن ہے کہ بعض الفاظ جو نہایت ہی فحش ہیں حرام ہوں اگر وہ مقام دشنام میں نہ ہوں۔ اسی طرح لعن جس کے معنی خدا سے دوری کے ہیں۔ اس کی برائی میں کوئی شک نہیں ہے۔ شرعاً کسی پر لعن کرنا جائز نہیں ہے مگر جب کہ وہ اس صفت کا متصف ہو اور بہ نص شریعت اس پر لعن کرنا جائز ہو۔ اخبار میں خصوص لعن کی نسبت سخت برائی بتلائی گئی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت پیغمبرؐ نے خطبہ میں بیان فرمایا کہ تم کو خبر دوں کہ کون اشخاص بد ہیں۔ عرض کیا گیا کہ ہاں یا رسول اللہؐ

فرمایا کہ جو شخص دوسرے کو عطا نہ کرے اور اپنے غلام کو مارے، تنہا سفر کرے۔

اس وقت لوگوں کو گمان ہوا کہ خدا نے ایسی مخلوق سے بدتر اور کوئی پیدا کیا ہے پھر حضرت

ؑ نے فرمایا کہ: ''چاہتے ہو کہ ان سے بھی بدتر اشخاص کو بتلاؤں۔ عرض کیا گیا: ہاں۔

فرمایا کہ جس کے سامنے مومن کا نام لیا جائے اور وہ اسے فحش دے اور لعن کرے اور اگر اس کا نام بھی مومن کے سامنے لیں تو مومنین اس کو لعن کریں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کسی کے منہ سے لعنت نکلے تو وہ اس کے اور اس شخص کے درمیان جس پر لعنت کی گئی ہے تردد کرتی ہے۔ اگر وہ شخص مستحق لعن ہو اس کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے، ورنہ لعن کرنے والے کی طرف وہ لعنت عائد ہوتی ہے۔

اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ اگر لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت کرنے والے پر پلٹتی ہے۔ پس کسی پر سوائے ان لوگوں کے جو از روئے شریعت مستحق لعن تجویز کیے گئے ہیں لعنت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

کتاب جامع السعادات میں لکھا ہے کہ کافرین وظالمین وفاسقین پر شریعت میں لعن تجویز کیا گیا ہے۔ ایسا ہی قرآن میں وارد ہوا ہے۔ بطریقہ عام کوئی شک نہیں ہے کہ ان پر لعن جائز ہو۔ اس طرح پر کہ لعنۃ اللہ علی الکافرین یا علی الفاسقین یا علی الظالمین کہے اور فرماتے ہیں کہ کسی شخص معین پر جو ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو تو اس پر لعنت کر سکتے ہیں۔ رہا یہ توہم کہ وہ شخص معین ممکن ہے کہ اس صفت سے توبہ کرے اور صاحب اسلام ہو جائے یا توبہ کرنے کے بعد دنیا سے جائے تو اس وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن واحادیث سے پایا جاتا ہے کہ کسی شخص معین کو لعن کر سکتے ہیں۔ بلکہ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل ہجو وعناد پر لعنت کرنا بہترین عبادت ہے۔

خدا تعالیٰ حق میں کسی جماعت کے فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ

حق میں دوسری جماعت کے فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ۝

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے جھوٹ کہنے والے پر لعنت کی ہے اگر یہ وہ جھوٹ مذاقاً کہا جائے۔



حضرت امیر المومنینؑ نے ایک جماعت پر لعنت کی ہے۔ مروی ہے کہ آپ نماز واجبی کے قنوت میں بعضوں پر لعن فرماتے تھے اور ان لعنت کرنا افضل عبادات جانتے تھے باوجود اس کے کہ ان کا حلم اور ان کی پرہیزگاری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ احادیث واخبار میں روسائے اہل ضلال پر جو مستحقین لعنت ہیں لعن کرنا پایا جاتا ہے اور اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ طریقہ مستحق لعن نہ ہو اور یہ جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ اہل شام پر لعن کرنے سے منع فرماتے تھے اگر یہ صحیح ہو تو شاید اس وجہ سے ہوگا کہ ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو مستحق لعن نہ ہو یا ان میں سے کسی کے اسلام لانے کی امید ہو۔ حاصل کلام یہ کہ روسائے ظلم وضلالت اور کفر وفسق کا اعلانیہ اظہار کرنے والے پر لعن کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور سوائے ان کے حرام ہے۔ جب تک کہ کسی کی نسبت یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ صفات مذکورہ میں سے کسی صفت سے متصف ہے اور محض گمان پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ واضح ہو کہ ان اشخاص پر جو مر گئے ہیں اور ان کا مستحق لعن ہونا ثابت نہیں ہے ان پر لعنت کرنے کا وبال بہت زیادہ ہے۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ مردوں کو دشنام نہ دو۔ ایسا ہی جمادات اور حیوانات پر لعن کرنا خوب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص زمین پر لعنت کرتا ہے تو زمین کہتی ہے کہ:

لعنت ان پر جو گناہگار زیادہ ہیں۔

حضرت رسولؐ نے انکار فرمایا اس عورت سے جس نے ناقہ پر لعنت کی اور اس مرد سے جس نے شیر پر لعنت کی۔

## برادران دینی کو دعا دینے کے فوائد

واضح ہو کہ دعائے بد ونفرین کرنا مسلمانوں کے لئے مثل لعن کرنے مذموم ہے اور بہتر نہیں ہے حتیٰ کہ اہل ظلم کیلئے بھی مگر اس صورت میں جب کہ ان کے شر وضرر سے مضطر ولاچار ہو۔

حدیث میں ہے کہ: کبھی مظلوم ظالم پر اس قدر نفرین کرتا ہے کہ اس کے ظلم کا عوض ہونے کے بعد زیادتی ہو جاتی ہے اور اس زیادتی کی نسبت قیامت میں ظالم اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس کی ضد دعائے خیر ہے جو برادر مومن کیلئے ہو۔ یہ بہترین طاعت وفاضل ترین عبادت ہے۔ اس کا فائدہ بے حد اور اس کا ثواب بے انتہا ہے۔ بلکہ حقیقت میں جو کوئی دوسرے کے واسطے

دعا کرتا ہے تو گویا خود اپنے واسطے کرتا ہے۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ: جب کوئی اپنے برادر مومن کیلئے اس کی غیب میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے واسطے بھی اسی طرح دعا ہوگی۔

اور فرمایا کہ: جو دعا اپنے لیے مستجاب نہیں ہوتی وہ برادر مومن کے حق میں مستجاب ہو جاتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ: جب بندہ مومن اپنے برادر مومن کیلئے دعا کرتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں کہ خوب بھائی ہے جو اپنے بھائی کیلئے دعائے خیر کرتا ہے اور اس کی نیکی سے یاد کرتا ہے۔ حالانکہ وہ موجود نہیں ہے۔ خدا نے تجھ کو عطا کیا۔ جو کچھ تو نے اس کیلئے خواہش کی اور تیری ثنا کی جو کچھ تو نے اس کی ثنا کی اور تجھ کو اس پر فضیلت ہے۔

اس خصوص میں اخبار بے حد ہیں۔ اس سے کون سی بزرگی بہتر ہو سکتی ہے کہ ہدیہ دعا وطلب آمرزش اس برادر مومن کیلئے کی جائے جو خاک کے نیچے سویا ہے۔

غور کیجئے کہ:

اس کی روح کس قدر شاد ہوتی ہوگی کہ جس کے جورو بچے مال اور اسباب کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے مال سے خوشی مناتے ہیں۔ آپس کو یاد کرتے ہیں اور خدا سے اس کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ اس کیلئے ہدیہ بھیجتے ہیں۔

پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہ: قبر میں میت اس کے مثل ہے جو دریا میں غرق ہوتے ہوئے نجات کیلئے ہر چیز کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اپنے خویش واقارب بیٹے، باپ، بھائی کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ زندوں کی دعا سے پہاڑ کے مانند نور اموات کی قبروں میں داخل ہوتا ہے۔

یہ مثل اس ہدیہ کے ہے کہ: زندہ ایک دوسروں کو بھیجتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی میت کیلئے استغفار یا دعا کرکے تو فرشتہ اس کو اسے طبق میں رکھ کر اس میت کیلئے لے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''یہ ہدیہ تیرے فلاں بھائی نے یا تیرے فلاں خویش نے تیرے لئے بھیجا ہے۔''

وہ میت اس سے شاد وفرحناک ہوتی ہے۔

اور مسلمان پر طعن کرنا بھی اعمال ذمیمہ وافعال سیۂ میں سے ہے اور باعث ضرر دینوی وعذاب اخروی ہے۔



حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''کوئی شخص مومن پر طعن نہیں کرتا۔ مگر یہ وہ بری حالت سے مرتا ہے۔

واضح ہوا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا۔ اس کی ضد سکوت اور خاموشی ہے جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

## چودھویں صفت

# مذمّتِ عُجب وخُودبینی

واضح ہو کہ صفتِ عُجب متعلقِ قوۂ غضبیّہ ہے۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی کمال کے باعث اپنے کو بزرگ سمجھتا ہو۔ خواہ وہ کمال اس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ نیز وہ صفت جس پر وہ نازاں ہے۔ فی الحقیقت کمال ہو یا نہ ہو۔ اور وہ بعضوں نے کہا ہے کہ معجب وہ ہے جس کو کوئی صفت یا نعمت حاصل ہو جسے بہت بڑا تصور کرے اور نعمت دینے والے کو بُھول جائے عجب و کبر کے درمیان فرق یہ ہے کہ تکبر کرنے والا اپنے کو دُوسروں سے بزرگ جانتا ہے اور اپنے مرتبہ کو زیادہ سمجھتا ہے' اور عُجب کرنے والے کو دوسرے سے تعلّق نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پر ناز کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔ اپنے اُس کو صفت میں بہت بڑا آدمی جانتا ہے اور اُس صفت کے عطا کنندہ کو فراموش کرتا ہے۔

پس اگر کسی صفت پر اس راہ خوش ہوں کہ یہ نعمت منجانبِ خدا کرامت ہوئی ہے' جس وقت وہ چاہے لے سکتا ہے۔ اُس نے اپنے فیض ولُطف سے عطا کیا ہے۔ ہم کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ جب تو یہ عُجب نہ ہوگا اور اگر یہ خیال کرے کہ ہم خدا پر حق رکھتے ہیں اور اسی حق کی وجہ سے خدا نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اور خدا کے نزدیک ہمارا مرتبہ بزرگ ہے اور اس نعمت کا سلب ہونا اُس سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ پس اس مفت کو غمزہ وناز کہتے ہیں۔ یہ عُجب سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس صفت والا عُجب بھی رکھتا ہے اور اُس سے بالاتر بھی۔ اب عُجب جس طرح کہ ایسی صفت کے سبب سے ہوتا ہے جس میں فی الحقیقت کوئی کمال نہ ہو۔ اِسی طرح ایسے عمل کے سبب سے بھی ہوتا ہے جس پر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا اور وہ بے چارہ غلطی سے اُسے بہتر سمجھتا ہے۔ واضح ہو کہ تمام صفاتِ مہلکہ وارذل ملکات سے بدتر یہ بُری صفت ہے۔ حضرت رسول نے

فرمایا ہے کہ تین چیز مہلکہ ہیں

۱ : بخل

۲ : ہوا و ہوس

۳ : عُجب

اور فرمایا جس وقت آدمی بُخل سے کام لیں۔ اور اپنے ہوا و ہوس کی پیروی کریں اور اپنی رائے پر نازاں ہوں اُسے صواب سمجھیں تو اُن کی ہم نشینی سے پرہیز لازم ہے۔

انھیں حضرتؑ سے وارد ہوا ہے۔ فرمایا اگر کوئی گناہ بھی تم سے صادر نہ ہو تو میں اُس چیز سے ڈرتا ہوں جو ہر گناہ سے بدتر ہے اور وہ عُجب ہے۔ مروی ہے کہ حضرتِ مُوسیٰؑ کے پاس شیطان رنگ برنگ کا جامۂ پشمینہ پہنے ہُوئے آیا اور سلام کیا۔

حضرتؑ نے کہا : ''تو کون ہے؟''

اُس نے کہا: ''میں ابلیس ہُوں۔ چونکہ خدا کے نزدیک آپ کا بڑا مرتبہ ہے اس لیے سلام کو حاضر ہُوا ہُوں۔''

حضرتؑ نے اس جامۂ پشمینہ رنگ برنگ کی نسبت دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ:

''اس کے ذریعہ سے فرزندانِ آدم کے دل کو اپنی طرف کھینچتا ہُوں''

حضرت مُوسیٰؑ نے کہا کہ: آدمی کون سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کے باعث تُو اس پر غالب ہوتا ہے۔''

اُس نے کہا: ''جب آدمی عُجب کرے جو طاعت اُس نے کی ہو اس کو باوقعت سمجھے اور اُس کے گناہ اس کی نظر میں حقیر ہوں۔''

پروردگارِ عالم نے حضرت داؤدؑ پیغمبر پر وحی فرمائی کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو اور صدّیقوں کو خوف دلاؤ۔

عرض کیا کہ کیونکر گناہگاروں کو خوشخبری دُوں اور اطاعت کرنے والوں کو ڈراؤں۔

پس ارشاد ہُوا کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو کہ میں توبہ کو قبول کرتا ہوں اور گناہوں کو بخشتا ہوں۔ صدیقوں کو ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر عُجب نہ کریں کہ کوئی بندہ نہیں ہے کہ جس میں محاسبہ کیا جائے اور وہ ہلاک نہ ہو۔



حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ دو آدمی داخلِ مسجد ہوئے۔ ایک عابد' دُوسرا فاسق۔ جب یہ دونوں مسجد سے باہر نکلے تو فاسق زمرۂ صدیقین میں اور عابد زمرۂ فاسقین میں داخل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عابد مسجد میں آیا تو اُس نے اپنی عبادت پر ناز کیا اور فاسق اپنے گناہوں پر پشیمانی اور استغفار میں مصروف رہا۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ خدا جانتا تھا کہ مومن کا گناہ کرنا عُجب کرنے سے بہتر ہے۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو کوئی مومن گناہ میں ہرگز مبتلا نہ ہوتا۔ اور فرمایا کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے اور پشیمان ہو کر عبادت کرتا ہے تو شاد و فرحناک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پشیمانی کم ہوتی ہے اور گناہوں کو بُھول جاتا ہے۔ اگر عبادت نہ کر کے اُسی حالتِ اوّل پر رہتا تو بہتر ہوتا۔

مروی ہے کہ ایک عالم عابد کے پاس آیا اور پوچھا کہ:

تیری نماز کیسی ہے؟''

عابد نے کہا: ''مجھ جیسے شخص کی نماز کے بارے میں پُوچھتے ہو۔ میری عبادت ایسی ہے' ایسی ہے۔''

عابد نے کہا: ''تیرا رونا کس طرح ہے؟''

اُس نے کہا: ''اس قدر روتا ہُوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔''

عالم نے کہا: ''وہ ہنسی جس میں خوف شامل ہو تیرے اِس رونے سے جس پر تُو ناز کرتا ہے بہتر ہے۔''

نیز مروی ہے کہ پہلی سزا جو صاحبِ عُجب کو ملتی ہے یہ ہے کہ اسے اُس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے جس پر وہ عُجب کرتا تھا تاکہ وہ خود اپنی عاجزی و تہی دستی کی گواہی دے اور حجّت پُوری ہو جیسا کہ ابلیس سے کیا گیا اور عُجب ایک گیاہ ہے جس کا تخم کُفر' جس کی زمین نفاق جس کا پانی فساد ہے' جس کی ڈالیاں جہل و نادانی' جس کے پتے گمراہی وضلالت ہیں' جس کا میوہ لعنت و آتشِ جہنّم ہے۔ اب جس شخص نے غرور کا تخم بویا اور اُسے پرورش کیا تو بالضّرور اس کا ثمرہ پائے گا۔

نیم مروی ہے کہ ملکوں کی سیاحت کرنا حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ آپ سفر کر رہے تھے اور ایک مرد کوتاہ قد آپ کے اصحاب میں سے آپ کے ساتھ تھا۔ عیسیٰؑ نے بسم اللہ کہا اور پانی پر روانہ ہوئے۔ جب اُس مرد کوتاہ قد نے یہ حال دیکھا تو اُس نے بھی بسم اللہ کہا

اور پانی پر روانہ ہُوا۔ جب حضرت عیسیٰؑ تک پہنچا۔ اُس وقت دل میں عُجب کیا اور کہا کہ عیسیٰ رُوح اللہ ہیں پانی پر چلتے ہیں۔ میں بھی پانی پر چلتا ہُوں۔ پس اُن کی فضیلت مجھ پر کس وجہ سے ہے۔ جب اُس کے دل میں اس طرح خیال گزرا تو پانی ڈوبنے لگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ سے استغاثہ شروع کیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکالا اور کہا کہ تونے کیا خیال کیا۔ اس نے جو کچھ دل میں گزرا تھا بیان کیا تو حضرتؑ نے کہا کہ تُو اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس لیے خدا نے تجھ پر غضب کیا۔ توبہ کر۔ پس اُس نے توبہ کی تو اس کی حالت پہلے کی طرح ہوگئی۔

واضح ہو کہ عُجب باوجود صفتِ خبیثہ ہونے کے دوسری آفات وصفات کا بھی منشا ہوتا ہے۔ مثلاً کبر۔ جیسا کے آئندہ حوالہ قلم کیا جائے گا کہ ایک سبب کبر کا عُجب ہے۔ مثلاً گناہوں کا بُھول جانا۔ اُن کا خیال دل میں نہ لانا۔ اگر کبھی خیال بھی دل میں گزرے تو اُن کی کچھ وقعت نہ ہو۔ ان کے تدارک میں کوشش نہ کرے بلکہ یہ گمان کرے کے خدا بالضّرور اُس کو بخشے گا۔ اگر کوئی عبادت اُس سے ظاہر ہو تو اُس کو بہت بڑی سمجھے۔ اُس سے خوشحال ہو۔ خدا پر احسان رکھے۔ خدا کی مہربانیوں کو بُھول جائے۔ اُس وقت اپنے اعمال کے بھی آفات اور عُیوب سے غافل ہو کیونکہ اُن کی آفتوں کو وہ شخص سمجھتا ہے جو توجہ کرے اور جو متوجہ ہوتا ہے خائف وترساں ہوتا ہے۔ عُجب رکھنے والا مغرور اور مکرِ خدا سے بےفکر رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اپنا مرتبہ خدا کے پاس ہے۔ اُس پر اپنا کوئی حق ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ آپ اپنی تعریف کرتا ہے اگر اپنی عقل وفکر وعلم میں نازاں ہو تو دریافت کرنے سے باز رہتا ہے۔ مشورتِ تعلّم میں کوتاہی کرتا ہے۔ کبھی اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے۔ کسی کی نصیحت نہیں سُنتا' اسی وجہ سے اس کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رُسوا ہوتا ہے۔ پس بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کو خطاوار جانے اور اس پر اتّہام رکھے۔ اُس پر اعتماد اور وثوق نہ کرے تو عقلمندوں سے رجوع کرے اور اُن سے مدد چاہے۔



# فصل نمبر(۱)

## مُعالجے مرضِ عجب

واضح ہو کہ مرضِ عُجب کے دو مُعالجہ ہیں:

۱ : اجمالی

۲ : تفصیلی

مُعالجہ اجمالی یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچانے اور اپنی معرفت حاصل کرے اور جانے کہ بزرگی وکمال وعزّت وجلال سوائے اس کے کسی کو نہیں ہے کہ خود تمام ذلیلوں سے ذلیل اور تمام ضعیفوں سے ضعیف ہے ذلّت وخاکساری اپنے لائق ہے۔ عُجب و بزرگی سے کیا کام خود ایک ممکن شے ہے اور ممکن بحیثیت ممکن عدمِ محض ہے۔ پس یہ تمام کمال وآثارِ وجود یہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ' کے متعلق ہیں۔ وجُودِ خداوندِ عالم سے تمام وجود مستند ہیں۔ تمام کمالات اُس کے کمالات بے انتہا کا سایہ ہیں۔ تمام کائنات اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ طوقِ ذلّت وخواری سب کی گردن میں پڑا ہے۔ اگر کوئی فخر ومباہات کرنا چاہتا ہے تو اپنے پروردگار پر افتخار کرے اور اپنی ذات کو سب سے حقیر وسبک سمجھے۔ بلکہ عدمِ محض جانے۔ اِس حالت میں تو تمام ممکنات اس کے شریک ہیں۔ لیکن وہ ذلت وخواری جو اس مسکین کے لیے مخصوص ہے۔ وہ حد سے متجاوز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس کی ابتداء نطفۂ نجس ہے۔ اس کا انجام جثّۂ گندیدہ ہے اور درمیان آغاز وانجام یعنی بحالتِ دینوی حمالِ نجاسات ہے۔ ایک پیشاب گاہ سے دُوسری پیشاب گاہ میں داخل ہُوا اور پھر اسی پیشاب گاہ سے اسے باہر آنا پڑا۔ غرض تین مرتبہ اُسے پیشاب گاہ سے گزرنا پڑا۔ اگر کوئی بصیرت ہو تو قرآن کا یک آیہ اُس کو خوابِ عُجب سے بیدار کرتا ہے۔ اور اُس کی ہمت کو توڑتا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے:

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ
خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾

خلاصۂ معنی یہ ہے کہ: ”انسان قتل ہوجائے کونسی چیز اُسے کفر پر اُبھارتی ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کو کس چیز سے خدا نے پیدا کیا۔ اس کی پیدائش پانی کی بوند سے مقدر کی اس کے باہر آنے کا راستہ آسان کیا۔ اس کو جاندار کیا۔ پھر اس کو قبر میں بھیجا۔ (سورہ عبس)

اس آئیہ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے آدمی عدم میں تھا۔ کوئی چیز نہ تھا۔ اس کے بعد اس کو نجس وکم قدر چیز سے کہ نطفہ کہا جاتا ہے' پیدا کیا۔ اس کے بعد اُسکو جسمِ بدبو دیا۔ اگر تھوڑا سا غور کریں تو جان سکتے ہیں کہ کیا چیز پست ورذیل ہے۔ اُس چیز سے جس کی ابتداء عدم اور جس کا مادۂ پیدائش تمام چیزوں سے زیادہ نجس اور جس کا انجام تمام اشیاء سے زیادہ بدبو ہو۔ پھر وہ مسکین بے چارہ درمیان حیاتِ دینوی عاجز وذلیل ہے نہ اس کو پورا اختیار ہے نہ اس کو کسی کام کی قدرت ہے۔ اس پر کیا واقع ہوگا۔ اس کی خبر نہیں رکھتا۔ زمانہ کل کے روز کیا کرے گا۔ نہ اس کی اطلاع ہے طرح طرح کی بری اور سخت بیماریاں اس کے لیے موجود ہیں۔ جس وقت کوئی ارادہ کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی آفت کسی نے کسی طرف سے آجاتی ہے۔ اس کے جسم میں چار عناصر تناقض جمع ہیں۔ ہر ایک دوسرے کی ضد میں بدن کو ویران کرنے کے لیے تیار ہے وہ بے چارہ اپنے سے غافل ہے ہر گھڑی بدن میں کچھ نہ کچھ حادثہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے اختیار میں نہ بھوک ہے' نہ تشنگی' نہ صحت نہ موت اس کے ارادہ میں ہے۔ نہ وہ اپنی زندگی اور نفع کا مالک ہے نہ اپنی شر ونیکی پر اختیار رکھتا ہے۔ کسی امر کو جاننا چاہتا تو نہیں جان سکتا' اور جب کسی چیز کو بھول جانا چاہتا ہے تو اُسکا خیال دل سے دُور نہیں ہوتا ہے۔ اس کی فکر ہر طرف جاتی ہے۔ اس کے روکنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو غذا مار ڈالنے والی ہے اس کے کھانے میں بے اختیار ہے جس دوا سے حیات ہوتی ہے اس کو وہ ناگوار ہے۔ کوئی ساعت حادثہ زمانہ سے بے فکر نہیں ہے نہ کسی لحظہ آفت سے مطمئن ہے اگر ایک دم اس کی آنکھ اور کان لے لیئے یجائیں تو ہاتھ اور پاؤں تک نہیں مار سکتا۔ اگر ایک طرفۃ العین میں اس کے عقل و ہوش لے لیں تو وہ بالکل مجبور ہوجائے۔ اگر کارکنانِ عالم ایک گھڑی اس سے غافل ہوں تو اس کے تمام وجود کے اجزا ایک دوسرے سے جُدا ہوجائیں۔ اگر نگاہبانِ خطۂ اعلٰی اس کی خبر نہ رکھیں تو اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔



ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔

پس آپ خود انصاف کیجئے کہ اس پست وذلیل تر کون سی چیز ہے اور کہاں لائق ہے کہ وہ عجب ونام کرے جو کوئی باوجود غور کرنے کے پھر اپنے کو کچھ سمجھے تو عجب بے شرمی اور بے انصافی ہے۔ یہ انسان بے چارے کی حالت ہے۔ آخر اُس کو مرنا ہے۔ اس عاریت سرا سے سے گزرنا ہے۔ اس کا بدن مُردار اور بدبو ہوتا ہے۔ اُس کے وجود کی کتاب کا شیرازہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اس کی صورت زیبا متغیر ومتبدل ہوتی ہے۔ اس کا بند بند ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ اس کی ہڈیاں گل جاتی ہیں۔ اس کے بدن نازک کو کیڑے کھا جاتے ہیں۔ سانپ بچھّو اُس کے بدن کے اطراف احاطہ کرتے ہیں۔

پس وہ جسم جس کی ناز ونعمت سے پرورش کی جاتی ہے۔ کیڑوں کی خوراک ہوتا ہے۔ اس صورت سے مٹی ہوجاتا ہے۔ کبھی اس کی مٹی کو کھود کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈالتے ہیں۔ ہائے ہائے کیا بہتر ہوتا کہ اگر اُس خاک کو اُسی حال پر چھوڑتے دُوسرے وقت اُس سے کوئی کام نہ لیتے۔ جب ایک زمانہ اُسی حالت سے گزر جائے تو پھر اس کو زندہ کرتے ہیں تا کہ شدید آفتوں کا مزا چکھائیں۔ اُس متفرق مٹی کو جمع کرے پھر اُس کو صورتِ اوّل پر بناتے ہیں۔ اس قبر سے نکال کر میدانِ قیامت ہولناک میں لاتے ہیں۔ آہ آہ اُس وقت میں کیا کیا رنج دیکھتا ہے۔ آسمان پھٹا ہُوا۔ زمین گداختہ۔ پہاڑ پراگندہ۔ ستارے سیاہ۔ آفتاب ومہتاب تاریک۔ دوزخ کی آگ روشن۔ اس وقت ہر طرح کے عذاب ہوں گے۔ دفترِ اعمال کھولے جائیں گے۔ ایک طرف حساب لیا جائے گا۔ یکا یک اپنے کو معرضِ محاسبہ ومواخذہ میں دیکھے گا۔ ملائکہ عذاب کنندہ کھڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال اُس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیں گے۔ جو کچھ اس نے دُنیا میں کیا ہے اُس میں لکھا ہوگا۔ اگر اس کی نافرمانی نیکیوں پر غالب ہوگی تو اُس کو مقامِ مواخذہ وعذاب میں لائیں گے تو اس وقت کتّے اور سؤر کی حالت پر حسرت لے جائیں گے:

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا

کاش ہم خاک ہوتے اور یہ روزِ سیاہ نہ دیکھا جاتا

کوئی شک نہیں کہ بندۂ گناہگار سے حال چار پایوں کا بہت بہتر ہوگا کیونکہ اُنھوں نے پروردگار کا کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ مقامِ مواخذہ وعقاب میں گرفتار نہیں ہوئے۔ آہ آہ کیا مواخذہ کیا

عذاب ہوگا۔ اگر اہل دنیا کسی عذاب شدہ کی حالت دیکھیں تو فریاد کھینچیں۔ اگر اس کی بدبو سُونگھیں تو سب مر جائیں۔ پس تعجب ہے اُس شخص سے جو عُجب و ناز کرے۔ اپنے حال سے غافل رہے اپنے انجام کو بُھول جائے۔ اگر خدا کے عذاب سے نجات ہوئی' دوزخ کی آگ سے خلاصی ہوئی تو یقین کیجئے کہ یہ خداوند عالم کی بخشش ہے۔ کیوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ ہر گناہگار مستحق عذاب ہے۔ اُس کو عذاب نہ کیا جائے تو خدا کی بخشش ہے اور یہ بخشش وہ چیز ہے' جسے آدمی نہیں جانتا کہ اُس کو نصیب ہوگی یا نہیں۔ اس لیے اس کو ہمیشہ مخزون و ترساں رہنا چاہیے نہ یہ کہ عُجب و بزرگی کرے۔

غور کیجیے کہ اگر کسی نے بادشاہ کی نافرمانی کی ہو تو وہ لائقِ سیاست ہوگا۔ اُس کو قید خانہ میں محبوس کریں گے کہ بادشاہ کے سامنے لے جا کر سیاست کریں۔ وہ نہیں جانتا ہے کہ جب اُس کو بادشاہ کے سامنے لے جائیں گے تو وہ اس کو عفو کرے گا یا نہیں۔ کیا ایسا شخص اُس حالت میں میں کوئی غرور و عجب کر سکتا ہے پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو اور جو لائقِ سیاست پروردگار نہ ہو۔ وہ قید خانے دنیا میں اُس وقت تک محبوس ہے کہ اس کو مقامِ حساب پر لے جائیں۔ وہ نہیں جانتا کہ اُس کا کیا حال ہوگا۔ وہ کیوں کر عُجب و بزرگی کر سکتا ہے۔ جو بیان کہ گزرا وہ عُجب کا مُعالجہ اجمالی تھا۔

معالجہ تفصیلی یہ ہے کہ جس سبب سے عُجب کرتا ہے اُس کا اس طرح علاج کرے جیسا کے بیان کیا جاتا ہے زیادتی' علم۔ معرفت۔ عبادت اور کمالاتِ نفسانیہ مانندِ زہد۔ شجاعت۔ سخاوت۔ حسب نسب۔ جمال۔ مال۔ جاہ۔ عقل۔ سبب زیادتی عُجب ہیں۔ علم میں عُجب کرنا اُس کے دفع کا علاج یہ ہے کہ معلوم کرے کہ علمِ حقیقی وہ ہے کہ آدمی اُس سے پہچانا جائے اُس کو خطرہ و تشویش سے خاتمہ ے اور اُس کو عظمت و عزّت و جلالِ خداوندی سے آگاہ کرے اور سمجھے کے وہ سزا وار بزرگی کبریا ہے اور بس۔ سوائے اس کے جو کچھ ہیں وہ ہیچ و نابُود ہیں۔ کمال و صفاتِ جلال اُس سے مفقود ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ علم خوف و مذلّت و خواری کو زیادہ کرتا ہے۔ آدمی اپنے قصور و تقصیر کا اعتراف کرتا ہے۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جس کا علم زیادہ ہے اس کا دردِ دل زیادہ ہے جو علوم آدمی کو اُس پر تنبیہ نہیں کرتے وہ علومِ دنیویہ ہیں۔ وہ حقیقتاً علوم نہیں بلکہ حرف و صنائع ہیں یا اُن کا جاننے والا خبیث



النّفس و بداخلاق ہے دل کو پاک کرنے اور خباثت کو زائل کرنے کے بغیر مشغولِ علم ہو تو گویا دل کی کھاری زمین میں اس درخت کو بویا ہے پس سوائے میوۂ بدی کے اس کو دوسرا کوئی ثمرہ نہیں دے گا۔ علم مانند بارش کے ہے کہ آسمان سے نیچے آتی ہے جو نہایت صاف و خوشگوار ہے۔ تمام درخت و گیاہ اُس سے سیراب ہوتے ہیں۔ پس وہ درخت جس کا میوہ شیریں ہے۔ اس کو وہ پانی ملا تو زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ ایسا ہی علم بھی جب زمینِ دل پر متاثر ہو تو دلِ ناپاک اور خبیث زیادہ تر خبیث و سیاہ کرتا ہے اور دل پاک کی صفا و روشنی کو زیادہ کرتا ہے۔ جب آدمی کو علم حاصل ہوا تو معلوم کرے گا کہ علم میں عُجب کرنا حمق و جہالت ہے۔ علم کا ثمرہ یہ ہے کہ معلوم کرے کہ جو کوئی عُجب کرتا ہے اس کو خدا دشمن رکھتا ہے خدا کو ذلّت و پستی و حقارت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ خدا نے فرمایا کہ:

''جب تو اپنے کو بے قدر کرے گا تو میرے نزدیک تیرا قدر و مرتبہ بلند ہوگا اور جب تو اپنی قدر جانیگا تو مرے آگے تیری کوئی قدر نہ ہوگی۔''

پھر فرمایا کہ اپنے کو حقیر و سبک سمجھو تا کہ میں تم کو عظمت دُوں۔

پس عالم کیلئے ضروری ہے کہ اپنا یہ رویہ اختیار کرے اور جانے کہ اس پر خدا کا حکم زیادہ شدید اور اس کی حُجّت زیادہ محکم ہے۔ جاہل سے جو کچھ درگزر کیا جاتا ہے۔ اُس کا دسواں حصّہ بھی عالم سے درگزر نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اگر عالم سے لغزش ہو تو ایک جماعتِ کثیر سے لغزش ہوتی ہے۔ جو کوئی علم و معرفت رکھنے کے بعد معصیت کرے تو معلوم ہُوا کہ اس کے باطن میں بالضّرور زیادہ خباثت ہے۔

اسی وجہ سے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عالم کو قیمت میں لائیں گے اُس کو دوزخ کے اطراف پھرا کر جہنم میں اس طرح ڈالیں گے کہ اس کی انتڑیاں جسم سے باہر آئیں گی جس کو تمام اہل جہنم مشاہدہ کریں گے جب اس کی وجہ دریافت کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ میں آدمیوں کو بخوبی تعلیم دیتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا۔ سب کو بدی سے منع کرتا تھا اور خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں عالمِ یہود بلعم ابنِ باعور کو کتّے سے مثال دی ہے کیونکہ اس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ستّر گناہ جاہل کے بخشے جائیں گے قبل اس کے کہ عالم

کا ایک گناہ بخشا جائے۔ جو عالم آدمیوں کو فروتنی وانکساری کا حکم دے کبر وعُجب سے منع کرے اور خود تکبر وعُجب کرنے والا ہو تو البتہ وہ اُن علماء اور اُن اشخاص میں سے ہے۔ جنھوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اور یہ اُن صاحبانِ عذاب میں سے سمجھا جائے گا جن کی نسبت اخبار آئے ہیں۔ علاوہ اُن گناہوں کے جو اُس سے صادر ہوئے ہیں اس زمانہ میں کون عالم پایا جاتا ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا اور حکم پروردگار کو ضائع نہ کیا ہو اپنے تمام اعمالِ ظاہرہ وصفاتِ باطنہ کی صحت کی ہو۔ لہذا اُس کی تشویش وتکلیف دوسروں سے زیادہ ہے۔

ایک روز حذیفہ نے نمازِ جماعت پڑھا کر کہا کہ دوسرا امام اپنے لیے تلاش کر دیا تنہا نماز پڑھا کرو۔ کیونکر میرے دل میں گزرا ہے کہ تم لوگوں میں سوائے میرے کوئی بہتر نہیں ہے۔ جب ان کے مانند کسی نے شیطان سے خلاصی نہیں پائی تو کیونکر کم درجہ والے امّت کے اُس کے مکر سے نجات پاسکتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں کوئی عالمِ آخرت نہیں ہے۔ ہاں عالمِ آخرت کی علامت یہ ہے کہ وہ عالم اپنی حالت کو درست کر کے خدا کی عبادت میں مصروف رہ کر! بنائے روزگار اور دوستوں سے کنارہ کش ہو۔ دُنیا اور اُس کی نعمت سے دور رہے۔ دنیا کی عزّت اُس کی نظر میں خوار وبے قدر ہو۔ اُس کو خدا کا خوف اندھیری راتوں میں بستر سے اٹھائے اطاعت خدا بجالانے میں کسی تکلیف و بلا کا شکوہ نہ کرے۔ کسی درد کی اُسے شکایت نہ ہو۔ اُسے فکر ہو تو اسی بات کی اور اُس کی زبان پر ذکر ہو تو اسی امر کا۔

افسوس اس زمانۂ آخری میں ایسے لوگ کہاں

حریفان بادہ ہا خوردند ور فتند
تہی خمخانہ ہا کر دند ور فتند

بلکہ اس زمانہ میں ایسا عالم کم ہے جو سوائے صاحبِ دولت واہلِ دُنیا کے کسی کے ساتھ فروتنی وتواضع سے پیش آئے۔ فقیروں اور غریبوں سے تکبر نہ کرے۔ اُس کا مطلب تحصیل علم سے قرب ورضائے خدا ہو۔ پس علماء کو ضروری ہے کہ اپنے کردار وگفتار میں تامل کریں۔ جب اُن سے سوال کیا جائے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ اپنے نفس کی خرابی کو پہچانیں عُجب وتکبر نہ کریں۔ اب اگر عبادت اور طاعت کے سبب سے عُجب لاحق ہو تو جاننا چاہیے کہ عبادت کی غرض یہ ہے کہ نفسِ انسانی اظہارِ ذلت خواری کا ملکہ پیدا ہوتا کہ بندگی کے مدنی اور اُس کی حقیقت تک رسائی حاصل



ہو جائے۔ چونکہ عُجب اس کے منافی ہے اور عبادت کو باطل کرتا ہے۔ پس اس کے باطل ہونے کے بعد پھر اُس پر عُجب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بلکہ وہ عبادت جس پر عُجب کیا جائے اُس سے ترک عبادت بہتر ہے۔

گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے
بسی بہتر از عابدِ خود نمائے

علاوہ اِس کے عبادت کے شرائط وآداب بہت ہیں اور بغیر کسی ایک کے بھی عبادت فاسد وہ بے اعتبار ہوتی ہے اور وہ خرابیاں جن کے باعث عبادت ضائع ہوتی ہے بے شمار ہیں۔ لہذا اس عبادت کی شرط میں احتمال خلل یا کوئی آفت عارض ہو تو اُس سے فاسد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے پس ایسی عبادتِ مشکوک پر عاقل کیونکر عُجب کر سکتا ہے اور کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی عبادت تمام شرائط وآداب کے موافق اور تمام خرابیوں سے مبرا ہے۔ بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں اور اس کی حقیقت سے جاہل۔ علاوہ اس کے اگر تمام اہلِ عالم اپنی عمر کو طاقت و عبادت میں صرف کریں تو اُن کی عبادت درگاہِ خداوندی میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ بالفرض اگر کوئی عبادت کسی خرابی سے پاک بھی ہو اور اُس کا انجام وعاقبت نیک بھی ہو مگر اپنے آخر وقت تک کیونکر کسی کو اطمینان ہو سکتا ہے۔ پس عبادت اور اطاعت میں اگر عُجب کیا جائے تو یہ عبادت واطاعت نہیں ہے بلکہ حُمق وجہالت ہے۔ اسی طرح زہد وتقویٰ۔ صبر وشکر۔ شجاعت وسخاوت اور سوائے ان کے دیگر صفاتِ کمالیۂ نفسانیہ میں عُجب ہو تو اُس کا معالجہ یہ ہے کہ یہ صفات اس وقت نفع و مُوجبِ نجات ہو سکتے ہیں۔ جب عُجب نہ کیا جائے اور اگر عُجب کیا گیا تو صفاتِ مذکورہ ضائع وفاسد ہو جائیں گے۔ پس وہ کون عاقل ہے جو اس خراب صفت کی پیروی کرے جس سے تمام صفاتِ نیک ضائع ہوں اور کیونکر فروتنی وذلّت اختیار نہ کرے جس سے اس کی فضیلت زیادہ اور عاقبت نیک ہو۔ غور کرنا چاہئے کہ مُجملۂ صفاتِ مذکورہ کے جو صفتِ نیک بھی کسی میں ہے اُس میں اور بہت سے لوگ بھی اُس کے شریک ہیں۔ پس ایسی شے جس میں اکثر مردم شریک ہوں۔ کیونکر باعثِ عُجب وغرور ہو سکتی ہے۔ پس اس طرح غور کرنا باعثِ زوالِ عُجب ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شجاع روزگار لڑائی کے وقت جب دُشمن کے مقابل میں آتا تھا تو اُس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اس کا دل پریشان ہوتا تھا' اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپتے تھے۔

اس سے دریافت کیا گیا کہ: ”باوجود شجاع نامدار ہونے کے پھر تیری کیا حالت ہے۔“

اُس نے جواب دیا کہ: ”میں نے اپنے دشمن کی آزمائش نہیں کی۔شاید وہ مجھ سے زیادہ شجاع ہو۔“

علاوہ اس کے غلبہ و عاقبت نیک اس شخص کے لیے ہے جو اپنے کو ذلیل وخوار سمجھے نہ یہ کہ آپ اپنی قوّت وشجاعت پر مغرور ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمُنۡکَسِرَۃِ قُلُوۡبِہِمۡ

یعنی ”خدا شکستہ دلوں کے نزدیک ہے۔“

دُوسرا علاج عُجب کا یہ ہے کہ تامل کرے کہ یہ صفت جس پر عُجب کرتا ہے کہاں سے حاصل ہوئی ہے۔اس کے حُصول کی توفیق کس کی جانب سے ہے۔اگر ایسا جانے کہ تمام یہ نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں تو اس کے جود و کرم پر عُجب کرنا اور اس کے فضل و توفیق پر شاد و فرحناک ہونا چاہیے جس نے بغیر استحقاق کے ایسی فضیلت اُس سے کرامت فرمائی ہے اور اگر ایسا جانے گا بطورِ خود اپنی قوت سے یہ صفت حاصل کی ہے تو عُجب وجہل اور نادانی ہے۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت حضرت ایوب پیغمبرؑ مبتلا ہوئے ایک زمانہ بعید طرح طرح کی محنت و بلا و رنج میں گزرا تو ایک روز عرض کیا کہ اے پروردگار تو نے مجھ کو اس بلا میں مبتلا کیا ہے اور کوئی امر میرے واسطے ظاہر نہیں ہوا لیکن ہر امر میں میں نے تیری رضا کو طلب کیا اور تیری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم سمجھا۔

پس ایک ٹکڑا ابر کا اُن کے سر پر آیا اور اُس میں سے دس ہزار آوازیں نکلیں کہ اے ایوّب یہ صفت تجھ کو کہاں سے حاصل ہوئی۔پس ایوبؑ نے تھوڑی سی خاک اپنے سر ڈالی اور کہا:

مِنۡكَ يَارَبِّ

اے پروردگار! یہ بھی تیری عنایت کی ہوئی ہے۔

اسی وجہ سے سیّدِ رسلؐ نے فرمایا ہے کہ: کوئی ایسا نہیں کہ اس کا عمل وطاعت اُس کی نجات کا باعث ہو۔“

عرض کیا گیا کہ:



”آپ بھی اس طرح ہیں۔“

فرمایا: ”میں بھی ایسا ہوں۔مگر یہ کہ خدا کی رحمت مجھ کو گھیرے ہوئے ہے۔“

اب حسب ونسب پر عُجب کرنے کے علاج میں عند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) یہ کہ جانے دوسرے کے کمال پر فخر و بزرگی کرنا نادانی بے بیوقوفی ہے کیونکہ جو کوئی خود ناقص و بے کمال ہو۔اس کو باپ دادا کا کمال کیا فائدہ بخشتا ہے۔بلکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کہتے کہ یہ فضیلت ہماری ہے تجھ کو کیا فضیلت حاصل ہے۔تیری حقیقت یہ ہے کہ اُن کے فضلہ کا ایک کیڑا ہے جو کیڑا آدمی کے فضلہ سے اور جو گدھے کے فضلہ سے پیدا ہو دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔جس کے باپ دادا کو کوئی کمال حاصل ہوا اس کو دوسرے پر جس کا باپ دادا کمال نہ رکھتا ہو کیا شرف حاصل ہوسکتا ہے۔شرافت خود انسان میں ہونا چاہیے۔

اسی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ میں بذاتِ خود صفتِ فضیلت رکھتا ہوں اور میری کنّیت میرا ادب ہے خواہ عجم سے ہوں یا عرب سے۔بہ تحقیق کہ جوانمرد وہ ہے کہ کہے کہ میں وہ شخص ہوں نہ کہ یہ کہے کہ میرا باپ ایسا یا ویسا تھا۔

مروی ہے کے ایک روز حضرت رسول صلعم کی خدمت میں ابوذرؓ نے کسی شخص سے کہا کہ: ”اے سیاہ زادہ۔“

حضرتؐ نے فرمایا کہ: ”اے اباذر! سفید زادہ کو سیاہ زادہ پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔“

اباذرؓ نے تواضع کی اور اُس مرد کے پاؤں چُومے۔

جب بلالِؓ حبشی نے فتحِ مکّہ کے روز بامِ کعبہ پر اذان کہی۔ایک جماعت نے کہا کے اس حبشی نے اذان دی ہے۔

اس وقت یہ آیہ نازل ہُوا کہ:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ۔

یعنی خدا کے نزدیک زیادہ کریم و بہتر وہ ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے۔“

ایک بزرگِ یونان نے کسی غلام پر فخر کیا تو اُس غلام نے کہا کہ اگر تیرا فخر تیرے باپ دادا سے ہے تو یہ لوگ بہتر ہیں نہ کہ تو۔اگر بسبب اُس لباس کے ہے جو تُو نے پہنا ہے تو شرافت تیرے

لباس کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر اُس گھوڑے کی وجہ سے کی ہے جس پر تو سوار ہُوا ہے تو فضیلت تیرے گھوڑے کی ہے تیری نہیں ہے پھر کس چیز پر تُو عُجب و افتخار کرتا ہے۔

اسی وجہ سے صاحب مکارم اخلاق و سیّد اہلِ آفاق نے فرمایا کہ اپنے حسب و نسب کو میرے پاس نہ لاؤ بلکہ اپنے اعمال کو لاؤ۔

(۲) یہ کہ تامّل کیجئے اگر آپ اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں تو کس لیے اپنے نسبِ حقیقی کو فراموش کرتے ہیں۔ پدرِ نزدیکی آپ کا نطفہ خبیث ہے اور آپ کا جدّ اعلیٰ ذلیل سے پیدا کیا گیا ہے۔ خداوندِ عالم نے اصل نسب کو ہر کسی کے بیان فرمایا ہے کہ:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ

خلاصہ معنی یہ کہ: ''خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور نطفہ اُسکی نسل کا آبِ خراب سے مقرر کیا۔ (سورہ سجدۃ)

جس کا دادا ذلیل و حقیر اور جس کا باپ ہر چیز کو نجس کرنے والا ہو کیا مرتبہ و منزلت اس کو حاصل ہوگی۔

(۳) یہ کہ اُن بزرگوں پر نظر کیجئے جن پر عُجب و افتخار کیا جاتا ہے اگر وہ نیک و صاحبِ مکارم اخلاق اور بزرگی و شرافت تھے تو کوئی شک نہیں کہ ان کا طریقہ ذلّت و شکستہ نفسی ہوگا۔ پس اگر اُن میں یہ صفت نیک تھی تو کس واسطے آپ میں وہ صفت نہیں ہے اور ان کی پیروی نہیں کرتے اور اگر یہ صفتِ پسندیدہ اُن میں نہ تھی تو پھر کس واسطے اُن پر افتخار کیا جاتا ہے جب کہ ان پر وہی طعنِ عُجب عاید ہوتا ہے اور اگر وہ واقعی نیک تھے بلکہ یہی بزرگی ظاہری و شوکتِ مستعار ان کو بھی حاصل تھی۔ مثلاً بادشاہ و حکام ظالم اور امیر بے دیانت مثل صاحبانِ مثلاً دینو یہ تو اُن پر افسوس ہے جو ایسوں پر افتخار کرتے ہیں اور اُن پر وائے ہو کہ ایسے اشخاص کو باعثِ بزرگی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ بہ نسبت ان کی قرابت کے چار پایوں اور کتے اور سور کی قرابت بہتر ہے اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ درآنحالیکہ وہ خداوندِ عظیم سے دور اور عذاب میں ہیں۔ اگر ان کی صورت جہنّم میں دیکھیں۔ اگر اُن کی خرابی کو ملاحظہ کریں تو ضرور اُن کی قرابت سے بیزاری اختیار کی جائے گی۔



اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ: ''جو قوم اپنے باپ دادا پر فخر کرتی ہے پس وہ اگر اہل جہنم ہیں اور خدا کی درگاہ سے دُور ہیں تو اُن کو ترک کرنا چاہیے۔''

مروی ہے کہ دو آدمی حضرت موسیٰؑ کے سامنے افتخار کرتے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں۔ یہاں تک کہ نو پُشت تک ہر ایک کا نام بتلاتا تھا۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہا اُن سے کہے کہ وہ تمام اہل جہنّم سے ہیں اور تم بھی۔

اب حُسن و جمال پر عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ سوچ لے کہ اس کو بہت جلد زوال ہوتا ہے۔ تھوڑی بیماری و علّت میں جمال زائل اور حُسن باطل ہو جاتا ہے۔ کون عاقل ایسی چیز پر عُجب کر سکتا ہے کہ جس کو ایک رات کا بخار زائل کرے یا ایک دنبل اور پھوڑا اُسے فاسد کر ڈالے اور اگر کوئی بیماری و مرض بھی زائل نہ کرے تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ جوانی کے جانے پر اور پیری کے آنے پر اِس بہارِ حُسن و جمال پر بھی خزاں آجائے گی۔ وہ چاشنی موت جس کا ہر کسی کو چکھنا ضروری ہے اُس کو تباہ و برباد کرے گی۔

غور کیجئے جو صورتِ زیبا و قامتِ رعنا و بدن نازک ہے کہ کیونکر خاک میں خراب بد بُو ہوگا۔ جس سے ہر ایک نفرت کرے گا۔ علاوہ اس کے اپنے حُسن و جمال پر نظر کیجیے کہ کونسی اخلاطِ بد بُو جمع ہو کر خون اور پیپ بن کر ایک شکل حاصل ہوئی ہے۔ جو کوئی اپنے حُسن و جمال پر ناز کرتا ہے عُجب و غرور سے کام لیتا ہے۔ اگر وہ نظرِ عقل سے دیکھے تو غرور کو ترک کر دے گا۔ اوّل خود اپنے کو دیکھے کہ انسان کا کونسا عضو کثافت سے لبریز نہیں ہے۔ مُنہ ایک پانی کا چشمہ ہے اگر کوئی چیز اس میں آلودہ ہو تو خود آپ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ کی ناک کثافت سے بھری ہے۔ اگر ظاہر ہو تو خود شرمندہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے جسم کے پوست کو کسی جائے سے شگافتہ کریں یا کسی عضو کو کاٹیں تو خونِ نجس اور پیپ باہر آتی ہے۔ معدہ اور انتڑیوں میں فُضلہ اور مثانہ پیشاب سے بھرا ہُوا ہے۔ پیٹ میں کیڑے اور پتّے میں صفرا اور باطن میں بلغم موجود ہے۔ روزانہ کم از کم دو وقت حاجتِ ضروری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہاتھ اپنے حُسن و جمال پر پھیرا جاتا ہے اُسی ہاتھ سے نجاست کو پاک کرتے ہیں۔ جو کچھ باہر آتا ہے اُس کے دیکھنے سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ اُس کو نہیں سُونگھ سکتے یا ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ اگر ایک روز متوجہ نہ ہوں اور اپنے کو پاک نہ کریں تو میل اور بد بُو جسم سے آتی ہے اور لباس میں جُوئیں پڑ جاتی ہیں۔ یہ حال درمیانی ہے۔ آپ کی ابتدائی

پیدائش تمام اشیائے کثیف اور نجس سے ہے' کیونکہ آپ کا مادۂ خلقت منی وخونِ حیض ہے مقام گزر و قرار پیٹ اور عضوِ مخصوص ورم ہے۔ اگر اپنے آخر کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مردارِ گندیدہ اور تمام نجاست سے مملو ہے جس کے حُسن و جمال کی حقیقت یہ ہو اس کو عُجب و غرور سے کیا کام ہے۔

اب مال میں رفعِ عُجب کا علاج یہ ہے کہ مال کی خرابیوں کو نظر میں لائے اور فکر کیجئے کے مال کو زوال وفنا ہے بقا نہیں ہے۔ کبھی ظلم وستم سے چھین لیا جاتا ہے۔ کبھی آگ میں جلنا ہے۔ کبھی پانی میں ڈوبتا ہے۔ کبھی چور لے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی دھوکا دے کر کھا جاتا ہے۔ سوائے اِن کے آفتِ سماوی وارضی سے مال غارت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بہت سے یہود و ہنود مالدار ہیں۔ اس کی شرافت پر تُف ہے جن کے باعث یہود ہنود زیدہ مالدار ہوں۔ جس کو چور لے جائے مالدار کو مُفلس وذلیل بنائے۔ علاوہ اس کے جو آیات واخبار مذمّتِ مال وحقارت میں مالداروں کے آئے ہیں۔ تم اُن کی فضیلت میں جو فقر وعسرت کے سبب سے روزِ قیامت مستحقِ بہشت ہوں گے۔ اُن کو ملاحظہ کیجیے۔ جیسا کے اس کے بعد اُس کے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ کیونکر عاقلِ دیندار مال سے شاد وخوشحال ہوسکتا ہے اور اُس پر عُجب کرسکتا ہے۔ درآنحالیکہ بہت سے حقوق منجانبِ پروردگار اُس کے متعلق ہیں اور اُن تمام سے عہدہ برآ ہونا نہایت دشوار ومشکل ہے۔ اُس کے حلال میں پستی مرتبہ روزِ قیامت وطول حساب ہے۔ اُس کے حرام میں مواخذہ وعذاب ہے بلکہ مالدار جمع وخرچ کی فکر میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں۔ حقیقتاً قیمت مرد کی کمال و ہنر سے ہے' سیم وزر سے نہیں ہے۔ بزرگی و شرف خداوندِ عالم کی بندگی سے ہے فوج ولشکر سے نہیں ہے۔

اسی طرح قوت وقدرت پر عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ خیال کیجئے کہ امراض وتکالیف کو خدا نے بدن پر مسلط کیا ہے اور ایک رات کے بخار میں آپ کی قوت ضعیف اور آپ کا بدن لاغر و نحیف ہوتا ہے۔ اگر بدن کی ایک رگ باہر آئے تو عاجز ہوجائیں گے۔ وہ شخص احمق ہے جو اپنی قوت وقدرت پر ناز کرے۔ حقیقت یہ کہ اگر چیونٹی آپ کے کان میں داخل ہو تو رات دن فریاد کریں گے اگر کوئی کانٹا آپ کے پاؤں میں چُبھے تو عاجز ہوں گے۔ اگر کچھ خاک آپ کی آنکھ میں پڑ جائے تو آپ بے چین ہوں گے۔ آپ کو جو کچھ قوت دی گئی ہے۔ گدھے' گائے' اُونٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ کیا عُجب وافتخار اس میں ہوسکتا ہے جس میں گدھے' گائے آپ سے زائد وبہتر ہیں۔

علیٰ ہذا جاہ ومنصب وقربِ بادشاہ وکثرت انصار و اولاد وخویشان وخدم حشم کے



باعث عُجب کرنے کا علاج یہ ہے کہ یہ ایک مرض ہے کہ اہل دنیا اس میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے زیر دست ومساکین ان کے غرور سے تکلیف میں ہیں۔ وہ ماتحتوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہر کسی سے امید' خوشامد وعاجزی رکھتے ہیں اس امر سے غافل ہیں کہ تمام ریاستِ دنیوی فنا وزائل ہونے والی ہے۔ جو شخص عقل سے کام لے تو معلوم ہوگا کہ یہ جاہ ومنصب مانند سراب کے ہے۔ جو جنگل کے پیاسوں کو قریب دیتا ہے۔ ایک پلک مارنے میں تخت وتاج وجاہ وریاست چھوٹ جائیں گے۔ خانہ گور میں تنہا وذلیل خاک پر سونا ہوا۔ اس وقت کوئی فریادرس نہ ہوگا۔ نہ مال نہ دولت نہ جاہ وحشم۔ فرزند واقارب تھوڑی دُور آکر داخل قبر کر کے کیڑوں اور سانپ بچھو کے سپرد کر کے گھر کو واپس ہوجائیں گے۔ حالانکہ دنیا میں اُن کی خواہشات پورا کرنے میں کیسی کیسی تکالیف برداشت کی گئیں۔ روپے پیسے' جان ومال سے ان کی اعانت ویاری میں مصروف رہے جب آپ نے ان کو سالہا سال تک نعمت سے سرفراز اور ان کی تمام ضروریات کو مہیا کیا تو خوشامد کرتے رہے اور جب کسی روز اُن کی خواہش پوری نہ کی تو آپ کی اطاعت سے منہ موڑا بلکہ دشمنی پر آمادہ ہوکر ہر ایک سے آپ کی عیب جوئی اور غیبت کرنی شروع کردی۔ جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے پس ایسی چیزوں پر مغرور ہونا عاقل کا کام نہیں۔ ایسا ہی زیادتی' عقل پر عُجب کرنا بھی علامتِ بے عقلی و بے وقوفی ہے۔ کیونکہ عاقل عُجب نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی عقل کو حقیر سمجھتا ہے۔ اگر کسی مقام میں اُس کی تدبیر نیک اور پُوری ہوتی تو اس کو منجانب خدا سمجھتا ہے' شکر کرتا ہے۔ اپنی رائے اور تدبیر پر عُجب کرنا بدترین اقسام عُجب ہے۔ صاحبان عقل وہوش کے نزدیک اگر وہ رائے غلط بھی ہو تو اُس کی نظر میں بلحاظ جہلِ مرکب ٹھیک اور صحیح دکھائی دیتی ہے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ تمام اہلِ بدعت وضلال اپنی گمراہی وضلالت پر مصر ہیں اور اپنی رائے فاسدہ پر عُجب وافتخار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سی اُمتیں ہلاک ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ ہر ایک نے اپنی رائے مختلف پیدا کی ہے اور ہر ایک عُجب سے کام لیتا ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔

پیغمبر خداؐ نے خبر دی ہے کہ اس قسم کا عُجب اہلِ آخر الزّماں پر غالب ہوگا۔ اس کا علاج تمام اقسام سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس صفت والا اپنی غلطی سے غافل اور اپنی خطا سے جاہل ہوتا

ہے ورنہ وہ ہرگز اُسے اختیار نہ کرتا۔اب کوئی اپنے مرض کو ہی نہ جانے تو کیونکر اپنا معالجہ کرے گا۔ پس یہ مغرور اور خود پسند دوسروں کی بات ہی نہیں سُنتا۔ بلکہ ان پر تہمت رکھتا ہے۔ فی الجملہ علاج اس مرض کا یہ ہے کہ آدمی اپنے ذہن پر بہتان کرے۔ اُس پر مطمئن اور مغرور نہ ہو۔ جب تک کہ حجّت قوی عقل وشرع کے ماتحت نہ رکھتا ہو اور دلائلِ قطعہ کو عقل وشرع سے اور مقاماتِ سہو وخطا کو براہین سے نہ پہچان سکتا ہو اور یہ پہچاننا ملاحظۂ قرآن وحدیث مصاحبت اہلِ علم وعقل کامل پر موقوف ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی خطا و غلطی ہوتی ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی فکر و اہلِ مذہبِ فاسد کی متابعت نہ کرے اور طریقۂ خاندانِ رسالتؐ سے قدم باہر نہ رکھے۔

# فصل نمبر (۲)

## اپنے کو ذلیل وحقیر سمجھنے کی شرافت

واضح ہو کہ صفتِ عُجب وخودنمائی کی ضد اپنے کو حقیر وذلیل جاننا ہے۔ یہ صفت بہت بہتر ہے۔اس کا فائدہ دنیا وآخرت میں بے حساب ہے۔ یہ صفت مرتبہ بلند پر پہنچاتی ہے۔جس نے اپنے کو ذلیل سمجھا تو خدا نے اُس کو عزیز کیا۔جس نے اپنے کو حقیر جانا تو خدا نے اس کو سرفراز کیا۔خدا شکستہ دلوں میں ہے اور شکستہ دلوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ دو ملک ہوتے ہیں۔اگر کسی نے اپنے کو بزرگ سمجھا اور سر اٹھایا تو وہ ملک کہتے ہیں کہ اے خدا! اس کو ذلیل کر۔اور اپنے کو حقیر وذلیل سمجھا تو کہتے ہیں کہ اے خدا اس کو سرفراز و بلند کر۔

مروی ہے کہ خدا نے موسیٰؑ بن عمران کو وحی کی کہ اے موسیٰؑ تم کو کس واسطے برگزیدہ اور تکلّم کے لیے انتخاب کیا۔

عرض کیا کہ تُو ہی بہتر جانتا ہے۔

ارشاد ہُوا کہ میں تمام بندوں کے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں۔ میں نے کسی کو اس لائق نہیں سمجھا۔ بہ تحقیق کہ ہر وقت تو میری نماز پڑھتا ہے اور اپنے مُنہ کو خاک پر رکھتا ہے۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب خداوندِ عالم نے پہاڑوں پر وحی کی کہ میں نوحؑ کی



کشتی کسی پہاڑ پر ساکن کردوں گا تو تمام پہاڑوں نے کہا وہ کشتی مجھ پر ٹھہرے گی۔پس وہ کشتی اُس پہاڑ پر ساکن ہوئی شکستہ نفسی کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص تمام آدمیوں کے نزدیک بزرگ و محترم رہتا ہے۔سب اُس کو دوست رکھتے ہیں۔بخلاف اُس شخص کے جو اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے بالضّرور اُس سے تمام آدمی نفرت کرتے ہیں۔

## پندرھویں صِفت

# حقیقت تکبّر اور اُس کا فساد

واضح ہو کہ صفتِ تکبّر تمام صفاتِ خبیثہ سے بری ہے۔اس صفت والا اپنے کو دوسرے سے بلند مرتبہ والا اور بہتر سمجھتا ہے۔تکبر وعُجب کے درمیان فرق یہ ہے کہ صاحبِ عُجب محض خود پسند ہوتا ہے۔وہ دُوسرے پر فوقیت کا خیال نہیں کرتا۔لیکن صفتِ تکبر میں دوسرے پر فوقیت کا خیال ضرور ہوتا ہے اور وُہ اپنے کو دوسروں سے بہتر اور بلند جانتا ہے۔مثلاً دوسرے کو حقیر سمجھنا اپنے کو دوسرے پر بزرگ جاننا یا کسی کے ساتھ ہم نشینی نہ کرنا یا ایک جگہ نہ کھانا۔کسی کے بازو نہ بیٹھنا یا رفاقت نہ کرنا۔دوسرے کے سلام کا منتظر رہنا۔کسی کے آگے چلنے میں سبقت اور بات کرنے میں بے التفاتی کرنا یا حقارت سے بات کرنا۔کسی کی نصیحت کو بے وقعت سمجھنا اور خراماں خراماں چلنا۔یہ تمام علاماتِ تکبّر ہیں۔کبھی بعض افعال حسد وکینہ یا ریا بھی اس سے صادر ہوتے ہیں۔اگرچہ اپنے کو آدمی بسبب بعض حالت کے بلند مرتبہ والا نہیں سمجھتا۔واضح ہو کہ اس صفت کی خرابیاں بے حد ہیں ۔بہت سے خاص وعام اس کے ذریعہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔بہت سے بزرگانِ دہر اُس کے سبب سے دامِ شقاوت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ یہ ایک پردہ ہے کہ آدمی کو حصولِ فیض و مشاہدہ جمال سعادت سے باز رکھتا ہے۔کیوں کے یہ صفت اخلاقِ حسنہ سے مانع ہوتی ہے۔جب اس صفت کے ذریعہ آدمی اپنے کو بڑے رتبہ والا سمجھتا ہے تو تواضع وعلم وقبول نصیحت وترکِ حسد وغیبت سے باز رہتا ہے۔اسی وجہ سے آیات واخبار میں اس کی بیحد مذمّت کی گئی ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

خلاصہ معنی یہ ہے کہ: ''خدا تکبر کرنے والے کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے''

(سورہ غافر)

اور فرماتا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ

''خدا تکبّر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے''

پھر فرماتا ہے:

سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

'' ہم تکبّر کرنے والوں کا منہ اپنے آیات سے جلد پھیر دیں گے۔''

پھر فرماتا ہے

اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔

''جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو بے شک تکبر کرنے والوں کی جگہ بہت خراب ہے۔''

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا: ''وہ شخص جو اپنے کو بزرگ سمجھے اور راستہ چلنے میں تکبر کرے یعنی اکڑ کر چلے تو پروردگار اس پر غضبناک ہوگا۔''

خداوندِ عالم نے فرمایا کہ کبریائی و بزرگی وعظمت و برتری میرے لیے سزاوار ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی جو کوئی میرے ساتھ برابری کرے گا تو اس کو جہنم میں ڈالوں گا۔

فرمایا ہے کہ قیامت میں جہنم سے ایک فرشتہ باہر نکلے گا جس کی گردن آگ سے بنی ہوگی۔ جو دو کان' دو آنکھ' ایک زبان آگ کی رکھتا ہوگا اور کہے گا کہ میں تین طائفوں پر مئوکل ہوں:

۱ : جو تکبر کرنے والے ہیں۔

۲ : وہ لوگ جو سوائے خدا کے دُوسرے کی پرستش کرتے ہیں۔

۳: وہ لوگ جو صورت کو نقش کرتے ہیں۔

فرمایا کہ تین آدمی ہیں خدا تعالیٰ قیامت میں جن کے ساتھ بات نہ کرے گا۔ اُن کا عمل پاک نہ کرے گا اور اُن کے لیے عذاب سخت ہوگا۔

۱ : بوڑھا زناکار



۲ : بادشاہ جبّار و متکبّر

۳: تکبّر کرنے والا

پھر انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ وہ بندہ خراب ہے جو تکبر کرے اور خدائے تعالیٰ کو فراموش کرے۔ وہ بندہ خراب ہے جو لہولعب میں زندگی بسر کرے اور قبرستان کو اور بدن کے بوسیدہ ہونے کو بُھول جائے۔

نیز آں جنابؑ سے روایت ہوئی ہے کہ میرے زیادہ دشمن آخرت میں اور مجھ سے زیادہ دُور رہنے والے فضول گو۔ نزاکت سے بات کرنے والے اور تکبّر کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا کہ تکبّر کرنے والے قیامت میں باریک چیونٹیوں کی صُورت میں محشور ہوں گے۔ اُن کو تمام آدمی پائمال کریں گے۔ کیوں کہ وہ خدا کے نزدیک نہایت ذلیل و بے قدر ہیں۔

پھر فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے اس کو ہبہب کہتے ہیں۔ ہر جبار و متکبر کو اُس میں جگہ دی جائے گی۔

کلامِ عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ میں ہے کہ زراعت زمینِ نرم میں اُگتی ہے۔ سخت پتھر پر نہیں اُگتی۔

ایسا ہی دانائی وحکمت صاحبِ تواضع و فروتنی کے دل میں جگہ پکڑتی ہے اور تکبر کرنے والے کے دل میں نہیں پکڑتی۔ نہیں دیکھتے ہو کہ جو کوئی سر اٹھاتا ہے اُس کے سر کو چھت لگتی ہے۔ اور جو کوئی اپنے سر کو نیچے جھکاتا ہے۔ اُس کے سر پر چھت سایہ کرتی ہے اور اُسے چھپا لیتی ہے۔

جب حضرت نوحؑ کا وقتِ رحلت قریب آیا تو اپنے فرزندوں کو طلب کیا اور کہا کے تم کو:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ

کہنے کا حکم دیتا ہوں اور شرک بخدا اور تکبّر سے منع کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت سلیمانؑ ابنِ داوٗدؑ نے مرغان و جن و انس کو حکم کیا کہ بساط پر بیٹھیں جن کے ہمراہ ہزار نفر بنی آدم اور ہزار نفر جن تھے۔

ان کی بساط اس قدر بلند ہوئی کہ ملائکہ کی تسبیح کی صدا آسمانوں سے ان کے کان میں آتی تھی۔ پھر اس قدر نیچے آیا کے ان کے پاؤں دریا تک پہنچے پھر ایک صدا بلند ہوئی کہ اگر تم میں سے

کسی کے دل میں ذرہ برابر تکبّر ہوتا تو بلند ہونے سے پہلے اُسے زمین میں غرق کر دیتا۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ تکبّر کرنے والوں کے لیے جہنم میں ایک وادی ہے جس کو سقر کہتے ہیں۔ اس نے زیادتی حرارت کی خدا سے شکایت کی اور اجازتؑ چاہی کہ نفس لے۔ پس ایک سانس لیا۔ جس کے باعث جہنم جل گیا۔

پھر فرمایا کہ آسمان میں دو ملک ہیں جو بندوں پر مئوکل ہیں جو کوئی تواضع کرتا ہے اس کا بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ جو کوئی تکبّر کرتا ہے۔ اُس کا مرتبہ پست کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ شخص جبار ملعون ہے جو خدا سے جاہل ہو اور آدمیوں کو حقیر سمجھتا ہو۔

فرمایا کہ کوئی بندہ نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو حکمت و دانائی دی گئی ہے۔ ایک ملک اُس حکمت کا نگہبان ہے۔ اگر اس نے تکبر کیا تو وہ کہتا ہے کہ خدا تجھ کو ذلیل کرے۔ پس وہ اپنی نظر میں اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے اور سب کی نظر میں حقیر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی نے تواضع و فروتنی کی تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ بلند کرے۔ پس جو اپنے کو سب سے حقیر سمجھتا ہے تو اس کا مرتبہ آدمیوں کی نظر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

# فصل نمبر (۱)

## اقسام و مدارجِ تکبّر

واضح ہو کہ تکبّر کی تین قسمیں ہیں :۔

پہلا خدا سے تکبّر کرنا:

جیسا کے نمرود و فرعون نے کیا۔ یہ بدترین اقسام تکبّر ہے۔ بلکہ اعظم ترین کفر ہے اس کا سبب جہل و نافرمانی ہے۔ اس قسم کی طرف خدائے تعالٰے نے اشارہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيۡنَ ۔

"بہ تحقیق میری بندگی سے جو لوگ تکبّر اور گردن کشی کرتے ہیں۔ وہ ذلّت و خواری کی حالت میں بہت جلد جہنم میں داخل ہوں گے۔"

دوسرے پیغمبرانِ خدا سے تکبّر کرنا: اپنے کو اُن سے بلند مرتبہ سمجھنا۔ اور اُن کی اطاعت سے



باز رہنا۔

مثلاً ابوجہل ایسے ہی اشخاص کہتے تھے:

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا

"کیا یہ وہی لوگ ہم میں کے ہیں، جن پر خدا نے احسان کیا ہے۔"

اور کہتے ہیں:

اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا ۔

"کیا ہم اپنے ہی جیسے آدمیوں پر ایمان لائیں۔"

یہ قسم بھی خدا سے تکبّر کرنے کی ہے۔

تیسرے۔ بندگانِ خدا پر تکبّر کرنا۔ اپنے کو اُن سے بزرگ سمجھنا اور اپنے مقابل اُن کو پست و حقیر جاننا۔ اگر چہ یہ قسم بُرائی میں پہلی قسم سے بہت کم ہے لیکن یہ بھی مہلکۂ عظیمہ ہے۔ بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ ایسا شخص خدا سے مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صفت والا جب کبھی امرِ حق کو کسی سے سُنتا ہے تو اپنے کو اُس سے بزرگ سمجھ کر اُس کی پیروی سے عار و ننگ کرتا ہے۔ حالانکہ عظمت و تکبّر و برتری و ناز و غرور ذاتِ پاک خداوندِ علی اعلیٰ کے واسطے مختص ہے۔ پس متکبّر گویا خدا سے منازعہ کرتا ہے اور اپنے کو اُس کا شریک گردانتا ہے اور جس طرح تکبّر کی تین قسمیں ہیں اُسی طرح اُس کے تین درجہ بھی ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ:

یہ بُری صفت اس کے دل میں قائم ہو جائے۔ وہ اپنے کو دوسروں سے بہتر و بزرگ سمجھے اور اس کو اپنی گفتار و کردار میں ظاہر کرے۔ مثلاً مجلس میں مقامِ صدر پر بیٹھے اپنے کو دوسروں پر مقدم رکھے۔ اُن سے منہ پھرائے۔ تُرش روئی کرے۔ جو کوئی اس کی تعظیم میں کوتاہی کرے اُس سے ناراض ہو۔ فخر و مباہات سے کام لے۔ اُن پر مسائل علمیہ و افعال عملیہ میں غالب ہونے کی کوشش کرے۔ یہ درجہ بدترین درجات میں سے ہے۔ کیونکہ درختِ کبر کی جڑ اُس کے دل میں جگہ پکڑتی ہے۔ اُس کے شاخ و برگ بلند ہوتے ہیں۔ اور اس کے تمام اعضاء و جوارح گھیر لیتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ:

اس کے دل میں کبر ہو اور تکبّر کرنے والوں کے افعال بھی اُس سے صادر ہوں لیکن وہ زبان پر نہ لائے۔ یہ ایک شاخہ درخت بہ نسبت پہلے درجہ کے کم درجہ رکھتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ:

دل میں اپنے کو بزرگ سمجھے۔ لیکن گفتار وکردار میں کچھ ظاہر نہ کرے اور تواضع وفروتنی میں نہایت کوشاں رہے۔ اس شخص نے درختِ کبر سے شاخ وبرگ کو قطع کیا ہے۔ مگر اس کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے ایسا شخص بھی ممکن ہے کسی وقت برتری کی طرف میل کر جائے لیکن اگر مقامِ مجاہدہ میں ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ خدا نجات کی توفیق کرامت فرماتا ہے۔

## فصل نمبر (۲)

آپ کو معلوم ہوا کہ کامل ترین مہلکات ومانع وصول سعادت کبر ہے۔

## معالجہ تکبّر

اس کا سبب حمق وسفاہت وبے خبری وغفلت ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور جو اُنکے درمیان موجود ہے بمقابل مخلوقات کے ہیچ وبے مقدار ہے ایسا ہی زمین بہ نسبت آسمان کے اور موجوداتِ زمین بمقابل زمین کے اور حیوانات بمقابل اُن کے جو زمین پر ہیں اور انسان بہ نسبت حیوانات کے۔ پھر یہ غریب بے چارہ تکبّر کرنے والا بمقابل افراد انسان کے کیا چیز ہے کہ اپنے کو بزرگ وبرتر سمجھے۔ آپ اپنے قدر ومرتبہ کو پہچانیں اور دیکھیں کہ آپ کون ہیں؟ دوسروں پر کیا بزرگی رکھتے ہیں؟ انسان اپنی ہستی پر غور کرے تاکہ ظلم وتکبّر سے خلاصی ہو۔ آپ کی طرح خدائی میں بہت سے جانور ہیں۔ اپنی ابتداء وآخر کو دیکھیے اپنے باطن میں مشاہدہ کیجئے۔ ایک قطرۂ گندیدہ۔ ایک جسم نجس۔ ایک جانور متعفن ایک عاجز بے دست وپا جو ہزار ضرورتوں میں مبتلا ہے۔ آپ کہاں اور تکبّر کہاں۔ ایک جُوں آپ کا خواب وآرام لے لیتی ہے۔ چُوہا آپ کو اپنی جگہ سے اُٹھا دیتا ہے۔ ایک گھڑی کی بھوک آپ کو بے قرار کر دیتی ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں آپ اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں۔ آپ کو تکبّر کونے کی کیا ضرورت ہے معالجہ میں اس مرض کے کوشش کیجیے۔

واضح ہو کہ اس کا علاج مانند معالج عُجب کے ہے اس لیے کہ تکبّر عُجب کے معنی ہی رکھتا ہے



اور علاج مخصوص مرض تکبر کا یہ ہے کہ آدمی مذمت میں اس صفت کی نیز مدح وخوبی میں اس کی ضد کے جس کو تواضع کہتے ہیں جو آیت اخبار آئے ہیں اُن کو ملاحظہ کرے۔ علاوہ اس کے غور کرے کہ دوسرے سے اپنے کو بہتر سمجھنا نہایت جہل ونادانی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اخلاقِ کریمیہ وہ بھی رکھتے ہوں اور آپ کو کیا معلوم کہ اُن کا مرتبہ خدا کے نزدیک بلند وبہتر ہو۔ صاحبِ بصیرت کیونکر جرأت کرسکتا ہے کہ اپنے کو دوسرے پر ترجیح دے۔ باوجود اس کے انجام سے مطلب ہے اور سوائے خدا کے کسی کا انجام کوئی نہیں جانتا۔ نیز تمام اشخاص ایک ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ایک ہی درگاہ کے بندے ہیں۔ دریائے جود وکرمِ خداوندِ مجید کے تمام قطرے ہیں۔ پس لازم ہے کہ کسی کو نظرِ بد اور عداوت سے نہ دیکھے۔ بلکہ سب کو چشم خوبی ودوستی سے ملاحظہ کرے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عالمِ پرہیزگار فاسق شراب خوار سے بہ ذلّت وانکساری پیش آئے۔ اُس کو اپنے سے بہتر سمجھے باوجود اس کے کہ فسق وفجور میں ظاہرا اُس کو مشغول دیکھے اور اُس کے زہد وتقویٰ کا یقین کرے یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ مردِ دیانت دار کسی گمراہ یا کافر یا فاسق وفاجر کو دوست رکھے حالانکہ اُس کو خدا دشمن رکھتا ہے جس کی نسبت بغض عنداللہ میں احادیث متواتر آئے ہیں۔ کیونکر تواضع وفروتنی اس کو نہیں کہتے کہ ہر مقام پر نہایت ذلت وانکساری سے کام لیا جائے۔ اور نہ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو کسی امر میں بھی دوسرے پر فضیلت نہ دیں۔ کیونکر یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی عاقل علم میں اپنے کو جاہل سے بہتر نہ سمجھے۔ بلکہ حقیقت تواضع یہ ہے کہ اپنے کو فی الواقع بہتر وخوب اور خدا کے نزدیک مقرّب نہ جانے جس سے وہ دوسرے پر مستحق بہتری ہو اور اس سے تکبّر کرنے والوں کے آثار ظاہر ہوں۔

کیونکہ مطلب حُسنِ انجام سے ہے اور کوئی شخص دوسرے کے انجام کو نہیں جان سکتا۔ شاید کافر ستر سال دنیا سے ایمان پر جائے اور عابد صد سالہ کا خاتمہ بخیر نہ ہو۔ حاصل کلام یہ کہ قرب خداوند تعالیٰ وحُسنِ انجام سعادت ہے نہ کہ وہ اُمور جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اب رہا بغض لِلّٰہ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر شخص کو اس حیثیت سے کہ وہ مخلوقِ خداوندِ عالم ہے دوست رکھنا چاہیئے۔ لیکن اگر اُس سے فسق وفجور سرزد ہو تو بوجہ فسق وفجور اُس سے دشمنی کرنا کچھ ضرر نہیں رکھتا۔ کیونکہ نہ غصہ اور دشمنی خدا کے لیے ہے نہ کہ اپنے واسطے اور اُسی کے ساتھ تکبّر کیا جائے اور اسے اہل جہنم سے اور اپنے آپ کو اہلِ بہشت سے سمجھیں۔ بلکہ انسان کو سزاوار ہے کہ

اپنے پوشیدہ گناہوں پر نظر کر کے ان سے خوف زدہ ہے۔

**بغض لِلّٰہ** اس کی مثال یہ ہے کہ کسی بزرگ کے ایک بیٹا ہو ایک غلام۔ وہ غلام کو اپنے فرزند پر معین کرے کہ اس کو ادب سکھائے۔ جب قاعدہ کے خلاف کوئی بات اس سے ظاہر ہو تو اس کو تادیب کرے اور مارے۔ پس اگر وہ غلام خیر خواہ وفرماں بردار ہے تو جس وقت اُس فرزند سے کوئی امر نالائق سرزد ہوگا تو بوجہ اطاعت آقا اُس فرزند کو تادیب کرے گا اور اُس پر برتری وتفوق کا طالب نہ ہوگا۔ بلکہ تواضع وفروتنی سے پیش آئے گا اور اپنے مرتبہ کو بہ نسبت اُس فرزند کے مرتبہ کے بزرگ نہیں جانے گا۔

واضح ہو کہ مرضِ کبر کا علاج ایک یہ عمل بھی ہے جس کی عادت کرنا چاہیے۔ جو اس کی ضد تواضع ہے اختیار کرے۔ خدا وخلق اللہ سے فروتنی کرے۔ تواضع کرنے والوں کے اعمال کی پیروی کرے کہ تواضع کا ملکہ حاصل ہو اور اس کے دل سے درختِ کبر کی جڑ اُکھڑ جائے۔

# فصل نمبر (۳)

## کِبر وتواضع کے علامات

انسان کو سزاوار ہے کہ شیطان کا فریب نہ کھائے۔ اپنے آپ کو متواضع اور مرضِ کبر سے مبرا نہ سمجھے۔ جب تک امتحان اور آزمائش میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ آدمی کبر نہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض اس کے نفس میں پوشیدہ ہے۔ اگر نفس امارہ کے فریب میں آگیا۔ اپنے کو متکبر نہ سمجھا تو معالجہ ومجاہدہ سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ کبر وتواضع کے لیے چند علامات ہیں جو وقتِ امتحان معلوم ہو سکتے ہیں۔

پہلی علامت یہ کہ:

جب اپنے ہم مرتبہ والوں کے ساتھ مسائل علمیہ میں گفتگو کرے اگر اُن کی زبان پر حق جاری ہو جس کا اقرار کرنا اس کو ناگوار تھا اس کا اقرار اور اُن کی شکر گزاری کرے جنھوں نے حق سے آگاہ کیا ہے اور غفلت سے نکالا ہے پس یہ علامت تواضع کی ہے۔ اگر اُس کا قبول اور اقرار کرنا اُس پر گراں ہو تو معلوم ہوا کہ تکبّر رکھتا ہے۔ اب اس کے نتیجہ کی برائی اور اپنے نفس کی خرابی میں بغور



تامّل کرنا اور اُس کے معالجہ کے درپے ہونا چاہیے۔ اپنی عاجزی وقصور کا قائل ہو۔ خداوندِ عالم سے دعا کرے کہ یہ صفتِ کبر اُس سے دور ہو اور جس نے آگاہ کیا ہے اس کا احسان مانے۔ اکثر ہوتا ہے کہ خلوت میں حق کو قبول کرتا ہے لیکن مجمع میں آدمیوں کے گراں ہوتا ہے تو اس وقت تکبّر کرنے والا نہ سمجھا جائے گا لیکن مرض ریا میں مبتلا ہوگا۔ اس کا علاج اس طریقہ پر کرنا چاہیے جو کہ صفتِ ریا میں بیان کیا جائے گا۔

دوسری علامت یہ کہ:

جب محفل ومجمع میں آئے تو اُس کو گراں نہ ہو کہ اس کے ہم مرتبہ والے مقامِ صدر میں بیٹھیں۔ وہ ان سے نیچے بیٹھے۔ اُس کی حالت میں ہرگز تفاوت نہ ہو۔ ایسا ہی راستہ چلنے میں مضائقہ نہ کرے۔ سب کے پیچھے راستہ چلے۔ اگر ایسا کرے گا تو صفتِ کبر رکھنے والا نہ ہوگا۔ ورنہ تکبّر کرنے والا ہوگا۔ اپنا علاج کرنا چاہیے۔ ہم مرتبہ والوں سے نیچے بیٹھے۔ اُن کے پیچھے راستہ چلے تا کہ اس مرض سے نجات حاصل ہو۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ تواضع وہ ہے کہ آدمی دوسروں سے پست مقام پر بیٹھے۔ جس سے ملاقات ہو سلام کرے۔ اگر چہ وہ حق پر ہو لیکن مجادلہ نہ کرے اور اس امر کا خواہاں نہ ہو کہ تقویٰ وپرہیزگاری پر لوگ اس کی مدح کریں۔

بعض تکبّر کرنے والے مقامِ صدر کے خواہاں رہتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے کو ذلیل کرے بعض شبہ ڈالنے والے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ علم کو خوار نہ کرنا چاہیے۔ یہ شیطان کا فریب ہے کیونکہ اگر آپ مجلس میں اپنی ہم مرتبہ جماعت سے پست بیٹھ جائیں گے تو کونسی ذلّت ہوگی اور علم کی کیا خواری۔ کیونکہ وہ بھی مثل آپ کے ہیں۔ ہاں یہ عُذر اگر مسموع بھی ہو تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ کوئی مومن مجمع اہل کفر میں یا کوئی عالم محفل میں بدکاروں اور ظالموں کے جائے علاوہ اس کے ایک مرتبہ پست مقام پر بیٹھ جانے سے اس قدر آپ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اُسے ذلّت وخواری ایمان وعلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ہزاروں مسلمان مومن اور اہل علم ذلّت وخواری میں گرفتار ہیں۔ اُن کی اس حالت سے آپ کو کوئی صدمہ لاحق نہیں ہوتا۔ پس آپ کا عذرِ مذکورہ قابلِ سماعت نہیں ہے بلکہ یہ شائبہ شرک وجہل ہے۔ جو آپ کے باطن میں پوشیدہ ہے۔ بعض تکبر کرنے والے جب کسی مجمع میں آتے ہیں تو مقامِ صدر کی طرف رُخ نہیں کرتے۔

صفِ نعال میں بیٹھتے ہیں اور اپنے اور مقامِ صدر کے درمیان جو جگہ خالی رہتی ہے وہاں کمینہ لوگوں کو بٹھا لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقامِ صدر سے علیٰحدگی ہو جائے اور خود ان کی جائے نشست صدر قرار پا جائے اسی طرح راہ چلتے ہوئے اگر تقدم میّسر نہیں ہوتا تو سب لوگوں سے اس قدر پیچھے ہو جاتے ہیں کہ دونوں کے درمیان فاصلہ رہ جائے۔ یہ تمام باتیں نتیجہ خبث نفس و تکبّر و اطاعتِ شیطان ہیں۔ ایسا شخص اپنے اعمال کو خراب کرتا ہے۔ وہ ان اعمال سے اپنی عزّت کا طالب ہوتا ہے اور عقلمند ان اعمال سے اُس کی خرابی نفس کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

تیسری علامت یہ ہے کہ:

سلام میں سبقت کرنا اُس پر گراں نہ ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو تکبّر کرنے والا ہوگا اور تعجّب یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو اہلِ علم میں سے سمجھتے ہیں وہ کوچہ و بازار میں سوار ہو کر پھرتے ہیں۔ پیادوں اور بیٹھنے والوں سے سلام کے طالب ہوتے ہیں۔ حالانکہ سزاوار یہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے پر' اور سوار پیادے پر سلام کرے۔ تُف ہے اُن لوگوں پر جو سُنت پیغمبرِ آخر الزّماںؐ کو اپنے تکبّر کی علامت قرار دیتے ہیں۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ:

جب کوئی فقیر و بینوا دعوت دے تو قبول کرے وہ مہمانی یا کسی ضرورت میں بُلائے تو بلا تکلف جائے اور کاروبارِ رفقاء و احباب میں کوچہ و بازار میں آمد و رفت رکھے۔ اگر یہ اُمور اُس پر نا گوار ہوں تو تکبر کرنے والا ہوگا۔ ایسا ہی اپنے گھر کی ضروریات مثلاً پانی' لکڑی' گوشت' ترکاری وغیرہ بازار سے خرید کر کے خود گھر میں اٹھا لائے۔ اگر یہ امور اس پر گراں نہ ہوں تو تواضع کرنے والا ورنہ وہ وہ متکبر سمجھا جائے گا اور اگر خلوت میں مضائقہ نہ کرے اور مجمع میں آدمیوں کے اُس پر یہ امور گراں ہوں تو وہ ریا کار ہوگا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ''اپنی عیال کے واسطے کسی چیز کا اٹھا کر گھر میں لانا مرد کے کمال کو کم نہیں کرتا۔''

ایک روز آپ ایک درم گوشت خرید کر کے گوشۂ ردائے مبارک میں لپیٹ کر لے جا رہے تھے۔ بعض اصحاب نے عرض کیا کہ:

''یا امیر المومنین! مجھ کو عنایت کیجئے کہ میں لے چلوں۔''



فرمایا کہ:

''صاحبِ عیال کو سزاوار ہے کہ خود اٹھائے۔''

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے کسی مرد اہلِ مدینہ کو ملاحظہ کیا کہ بازار سے خرید کر کے لے جانے میں حجاب کرتا ہے۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا کہ اپنے عیال کے واسطے خرید کر کے اٹھایا ہے۔ خدا کی قسم اگر اہلِ مدینہ نہ ہوتے تو میں بھی اپنے عیال کے لیے خرید کرتا اور اٹھاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اس بزرگ کے واسطے ایسا رواج نہ تھا۔ آدمی بُرا جانتے تھے اور اس کی غیبت و مذمت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سے حضرت نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جب کسی امر کا ارتکاب عرفاً قبیح ہو اور باعثِ غیبت ہو تو اُس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ بلحاظ اہلِ شہر و زمانہ رواج مختلف ہوتے ہیں جس کا ہر شخص کو ملاحظہ کرنا چاہیے اور جس امر سے برائی و مذمت پیدا ہوتی ہے اسے اپنی نگاہ میں رکھے اور اس کے ذریعہ سے مبتلائے تکبر نہ ہو۔

پانچویں علامت یہ ہے کہ:

اُس کو ہلکا' موٹا' پُرانا اور میلا لباس گراں نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ملبوس نفیس اور جامۂ فاخرہ پہنے میں حریص ہو اور اُس کو شرف و بزرگی جانے تو وہ متکبر ہوگا۔

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں بندہ ہوں خاک پر بیٹھتا ہوں۔ جامۂ پشمینہ پہنتا ہوں۔ اُونٹ کو باندھتا ہوں۔ بعد فراغتِ طعام اپنی انگلیوں کو چُوستا ہوں۔ جب کوئی مومن دعوت دیتا ہے تو قبول کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقہ کو ترک کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

مروی ہے کہ سیّد انبیاء جس لباس کو زیبِ جسم فرمائے ہوئے تھے وفات کے وقت معلوم ہوا کہ وہ بالوں کا تھا۔ اس میں بارہ پیوند تھے جس میں گوسفند کے بالوں کے چند پیوند تھے۔

سلیمان سے پوچھا گیا کہ:

''کس واسطے نیا جامہ نہیں پہنتے ہو۔''

اُس نے کہا کہ:

''میں بندہ ہوں۔ جس وقت آزاد ہو جاؤں گا اُس وقت نیا لباس پہن لُوں گا۔''

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ: ''کم قیمت اور ہلکا لباس پہننا اہل ایمان کا طریقہ ہے۔''

سیداولیاء اپنے زمانہ خلافتِ ظاہریہ میں لباس کہنہ زیبِ جسم مبارک فرماتے تھے۔ بعض اصحاب معترض ہوئے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

''اس میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ مومنین میری پیروی کریں۔ دُوسرا یہ کہ یہ لباس دل کو تواضع کرنے والا بناتا ہے اور کبر سے پاک کرتا ہے۔''

چھٹی علامت یہ ہے کہ:

اپنی کنیزوں اور غلاموں اور خدمت گاروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر غذا کھانا اس پر ناگوار نہ ہو۔ ایسا شخص تواضع کرنے والا ہے ورنہ تکبر کرنے والا ہوگا۔

ایک شخص بلخی روایت کرتا ہے کہ میں سفرِ خراسان میں علی ابن موسیٰ رضاؑ کے ہمراہ تھا۔ جب دسترخوان پر جمع فرمایا۔

عرض کیا کہ: ''آپ پر فدا ہوں اگر دوسرا دسترخوان ان کے واسطے قرار دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔''

فرمایا کہ: ''خاموش رہ بہ تحقیق کہ سب کا ایک خدا' سب کا ایک دین' سب کے ایک ماں باپ ہیں۔ ہر کسی کے عمل کے مطابق جزا ملتی ہے۔''

واضح ہو کہ امتحان و آزمائش کبر و تواضع اُن پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت سے آثار و اعمال ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی شخص کو اپنے آگے کھڑا کرے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''جو کوئی چاہتا ہے کہ اہل جہنم سے واقف ہو تو اُس مرد کو دیکھے جو بیٹھا ہوا ہے اور اس کے مقابل میں ایک جماعت کھڑی ہوئی ہے۔''

بعض اصحاب نے نقل کی ہے کہ اصحابِ پیغمبر کے نزدیک پیغمبرؐ سے زیادہ کوئی عزیز و محترم نہ تھا لیکن جس وقت آپ تشریف فرما ہوتے تو کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اُٹھتا تھا۔ اس لیے کہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ کبریہ ہے کہ انسان جب کوچہ و بازار کو جائے۔ تو دوسرا اُس کے ہمراہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ہمراہی نہ ملے تو بعض متکبرین سوار ہو کر پھرتے ہیں۔

مروی ہے کہ جس شخص کے پیچھے کوئی راہ چلنے والا ہو تو جب تک اس کا یہ عمل رہتا ہے اُسے



خدا سے دوری ہوتی ہے۔

حضرت پیغمبرؐ بعض وقت اصحاب کے ساتھ چلتے تو اصحاب کو آگے رکھتے اور خود اُن کے بیچ میں راستہ چلتے۔ نیز علامات کبر سے ایک یہ بھی علامت ہے کہ بعض کی ملاقات میں مضائقہ کرے۔ اگرچہ اس کی ملاقات میں اس کا فائدہ بھی ہو۔ فقیروں اور مریضوں کی ہم نشینی سے کوتاہی کرے۔

مروی ہے کہ ایک مرد کو آبلے نکلے تھے جن میں پیپ آ گئی تھی۔ اس کا پوست نکل گیا تھا۔ حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں اس وقت آیا جب کے حضرت اصحاب کے ساتھ خاصہ نوش فرمانے میں مشغول تھے وہ جس کسی کے بازو میں بیٹھتا تھا تو وہ اس کے نزدیک سے اُٹھ جاتا تھا۔ جب حضرتؐ نے یہ دیکھا تو اپنے پہلو میں جگہ دی اس کیساتھ خاصہ نوش فرمایا۔

ایک روز حضرت اصحاب کے ساتھ خاصہ نوش فرماتے تھے ایک مرد جس کو خراب بیماری تھی جس سے تمام آدمی نفرت کرتے تھے آیا تو حضرتؐ نے اس کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور کھانے کا حکم فرمایا: دُوسری علامتیں کبر کی بہت سی ہیں جن سے کبر کی شناخت ہوتی ہے۔

سید انبیاء کا طریقہ جامع علامات تواضع اور کبر سے پاک تھا۔ پس امت کو سزاوار ہے کہ ان کی پیروی کریں۔

ابوسعید حذری جو اصحابِ پیغمبر سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ خود اُونٹ کو گھاس ڈالتے تھے۔ اونٹ کو باندھتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے تھے۔ نعلین کو سیتے تھے۔ اپنے جامے کو پیوند لگاتے تھے۔ خدمت گاروں کے ساتھ خاصہ نوش فرماتے تھے۔ جب خادم چکی چلانے سے خستہ ہوتا تو آپ خود چکی چلاتے۔ بازار سے آپ خود خرید فرما کر دستِ مبارک یا گوشۂ دامن میں رکھ کر گھر کو لاتے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے امیر وفقیر نماز گزار سے سلام کی ابتدا خود فرماتے۔ گھر کا اور باہر جانے کا ملبوس ایک ہی تھا۔ جو شخص حضرت کو دعوت دیتا اس کی دعوت قبول فرماتے۔ ہمیشہ پریشان وغبار آلود رہتے۔ جس چیز کی حضرتؐ کو دعوت دی جاتی اس کو حقیر نہ خیال فرماتے اگرچہ تھوڑا سا خرمہ ہی کیوں نہ ہو۔ صبح کو شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے نہ شام کو صبح کے لیے ذخیرہ فرماتے۔ آپ کی ضروریات معیشت آسان تھیں' خوش خلق و کریم الطبع کشادہ رو آدمیوں کے ساتھ زندگانی بسر فرماتے۔ تبسم فرماتے خنداں نہ ہوتے۔ اندوہناک رہتے ترشرو نہ

ہوتے۔ دین میں مضبوط اور سخت رہتے۔لیکن سختی نہ فرماتے۔بغیر ذلت وخواری کے آدمیوں کے ساتھ تواضع وفروتنی وبخشش فرماتے۔ بیجا صرف نہ فرماتے۔خویش واقارب اور تمام مسلمانوں پر مہربان رہتے۔حضرتؐ کا دل رقیق تھا۔ ہمیشہ سر جھکائے رہتے۔اس قدر خاصہ نوش نہ فرماتے کہ بدہضمی ہو اور کسی وقت میں کسی چیز کی طمع نہ فرماتے۔

# فصل نمبر (۴)

## فضیلتِ تواضع وفروتنی

صفت کبر کی ضد تواضع ہے اور وہ شکستہ نفسی ہے کہ آدمی اپنے کو بزرگ نہ سمجھے۔اس کے چند لازمہ گفتار وکردار ہیں۔ جو دوسروں کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرتے ہیں۔ان کی عادت کرنے سے مرضِ کبر کا معالجہ قوی ہوتا ہے۔ یہ صفت نیک ہے۔اس کی فضیلت میں اخبار بے انتہا ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

’’جس کسی نے تواضع کی خدا نے اس کو بلند مرتبہ عطا فرمایا۔‘‘

مروی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ:

’’میں اس کی نماز کو قبول کرتا ہوں جو میری بزرگی پر تواضع کرے اور میری مخلوقات پر تکبر نہ کرے۔اپنے دل میں میرا خوف رکھے۔دن کو میرے ذکر میں بسر کرے اور میری وجہ سے اپنی خواہشات نفسانی کا تابع نہ ہو۔‘‘

ایک روز حضرتِ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: ’’ میں تم میں کس واسطے عبادت کی حلاوت کو نہیں دیکھتا ہوں۔‘‘

عرض کیا گیا کہ:

’’وہ کیا چیز ہے ؟‘‘

فرمایا: ’’تواضع۔‘‘

انھیں حضرت سے مروی ہے کہ خدا جس کو دوست رکھتا ہے اس کو یہ چار چیزیں کرامت فرماتا ہے:



۱ : خاموشی! یہ اوّل درجہ کی عبادت ہے۔

۲ : خدا پر توکل کرنا۔

۳ : تواضع۔

۴ : دنیا میں پرہیزگاری۔

نیز آں جنابؐ سے مروی ہے کہ جو کوئی خدا سے فروتنی کرے۔خدا اس کو بلند مرتبہ والا کرتا ہے۔ جو کوئی تکبر کرے خدا اس کو گراتا ہے جو کوئی قناعت کرے خدا اس کو روزی دیتا ہے۔ جو کوئی اسراف کرے خدا اس کو محروم کرتا ہے۔ جو کوئی موت کو زیادہ یاد کرے خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو کوئی خدا کو بہت یاد کرے خدا اس کو بہشت میں اپنے سایہ میں جگہ دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہے کہ خوشا بحال تواضع کرنے والوں کا کہ اُن کو قیامت میں منبر ملے گا۔

خداوند عالم نے حضرتِ داؤدؑ پر وحی کی کہ:

’’مجھ سے زیادہ نزدیک تواضع کرنے والے ہیں۔ایسا ہی تکبر کرنے والے مجھ سے دور ہیں۔‘‘

مروی ہے کہ سلیمانؑ پیغمبر ہر صبح بزرگان اغنیا اور اشراف کے پاس سے گزرتے اور مسکین کے پاس آکر بیٹھتے اور کہتے کہ میں مسکین ہوں۔مسکینوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔

مروی ہے کہ ایک مومن اور اُس کا ایک لڑکا حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرتؑ اٹھے ان کو صدر میں بٹھایا۔آپ ان کے برابر بیٹھے کھانا لانے کا حکم فرمایا۔دستر خوان چُنا گیا۔قنبر نے سیلابچی آفتابہ حاضر کیا کہ اُن کا ہاتھ دھلائے۔حضرتؑ اٹھے اور آفتابہ لیا کہ اس مومن کے ہاتھ دھلائیں۔اس نے عرض کیا میں خود ہاتھ دھوؤں گا۔

پس وہ مومن بیٹھا اس وقت حضرتؑ نے قسم دی کہ اگر قنبر تیرے ہاتھ پر پانی ڈالتا تو جس طرح اطمینان سے اپنا ہاتھ دھوتا۔اسی طرح دھوئے۔پس حضرتؑ نے اس کے ہاتھ دھلائے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ تواضع اصل شرف و بزرگی پاک و مرتبہ بلند ہے۔اگر تواضع بیان کے لائق ہوتی اور آدمی سمجھتے تو حقیقت عاقبت پوشیدہ سے اُن کو آگاہی ہوجاتی ہے۔

واضح ہو کہ تواضع وہ ہے کہ جو خدا کے واسطے اور راہِ خدا میں کی جائے۔ سوائے اس کے مکر میں داخل ہے جو کوئی خدا کے لیے تواضع کرتا ہے خدا اس کو تمام بندوں پر شرف و بزرگی عطا کرتا ہے اہلِ تواضع کے واسطے وہ ایک کسوٹی ہے جس کو ملائکہ و عقلمند پہچانتے ہیں۔ کوئی عبادت خدا کی نہیں ہے جس کو وہ پسند اور قبول کرے مگر یہ کہ جس میں تواضع ہو۔ حقیقت تواضع کو کوئی نہیں پہچانتا ہے مگر وہ بندہ مقرب جو خدا کی وحدانیت کا قائل ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''بندگانِ خدا وہ لوگ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ راستہ چلتے ہیں۔''

خدائے عزوجل نے اپنے محبوب کو تواضع کے لیے حکم فرمایا اور کہا:

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

تو اپنے بازو جھکا دے ان مومنوں کیلئے جو تیری پیروی کریں۔

تواضع خضوع و خشوع و خشیت و حیا کی کھیتی ہے۔

حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں اپنے بھائی مومن کے ساتھ تواضع کرے پس وہ خدا کے نزدیک صدیقوں میں سے ہے بلکہ وہ حقیقت میں علی ابن ابی طالب کے دوستوں میں سے ہے۔

## فائدہ: مذمّتِ ذلّت وخواری

سابق میں ذکر کیا گیا کہ ہر فضیلت کے لیے وسط ضروری ہے اس کی زیادتی و کمی مہلک و مذموم ہے۔ پس تواضع کے لیے بھی حدِ وسط ہے۔ اس کی زیادتی کبر جس کا ذکر کیا گیا۔ اس کی کمی ذلّت وحقارت ہے۔ جیسا کہ کبر مذموم ہے۔ ویسا ہی اپنے کو ذلیل وخوار کرنا بھی مذموم ومہلک ہے۔ کیونکہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کو ذلیل وحقیر کرے۔ اگر کوئی عالم کے پاس جوتی سینے والا آئے تو عالم اپنی جائے سے اٹھتا ہے اس کو اپنی جائے پر بٹھاتا ہے۔ درس وتعلیم کو بسبب اس کی حرمت کے ترک کرتا ہے جب وہ رخصت ہو تو گھر کے دروازے تک اُس کے پیچھے جاتا ہے۔ وہ گویا اپنے کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔ سیدھے راستہ سے تجاوز کرتا ہے طریقہ نیک وعدالت وہ ہے کہ اس طریقہ پر جس کا ذکر کیا گیا اپنے برابر والوں اور ہم مرتبہ والوں سے تواضع کرے اور تواضع عالم



کی عوام کے ساتھ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خوشنودی ظاہر کرے۔ اچھی طرح اور مہربانی سے بات کرے۔ ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اگر خواہش کی جائے تو اُن کی ضروریات میں کوشش کرے۔ اپنے کو خاتمہ میں اُن سے بہتر نہ سمجھے۔

واضح ہو کہ وہ تواضع و فروتنی جس کی تعریف کی گئی ہے۔ اُن اشخاص کے متعلق ہے جو متکبر نہیں ہیں۔ لیکن جو لوگ متکبر ہیں ان سے تواضع نہ کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ فروتنی وذلت ان کے لیے جو متکبر ہیں۔ اپنی ذلت وخواری کا سبب ہے نیز تکبر کرنے والے کی گمراہی اور اُس کے تکبر کی زیادتی ہوتی ہے ممکن ہے کہ اگر آدمی اس کی تواضع نہ کریں بلکہ اس سے تکبر کریں تو وہ متنبہ ہو اور تکبر کو ترک کرے۔

اسی وجہ سے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ ء

''میری امت تواضع کرنے والی ہے دیکھے گی کہ میں ان کے ساتھ تواضع کرتا ہوں اور تکبر کرنے والے دیکھیں گے کہ میں ان کے ساتھ تکبر کرتا ہوں بہ تحقیق کہ یہ باعث ان کی ذلّت و حقارت کا ہے۔''

## سولھویں صفت

# فخر و مُباہات کی مذمّت

واضح ہو کہ فخر و مباہات یہ ہے کہ انسان اس چیز پر جسے اپنے لیے کمال سمجھ رہا ہے افتخار کرے۔ حقیقت میں یہ صفت اقسام تکبر سے ہے۔

پس جو کچھ برائی تکبر کی نسبت ہے۔ وہ اس کی بھی برائی پر دلالت کرتی ہے اور جو کچھ علاج تکبر کا ہے اس کا بھی وہی علاج ہے۔ یہ بھی مثل تکبر کے جہل و نادانی سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت سید السّاجدینؑ نے فرمایا کہ:

''تکبر و افتخار کرنے والے سے تعجب ہے کہ کل وہ ایک نطفہ گندیدہ تھا اور آئندہ مردار ہوگا۔''

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ فتحِ مکہ کے روز رسالتؐ پناہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ:

اے لوگو!

نخوتِ جاہلیّت اور افتخارِ اب وجد کو خدا نے تم میں سے اٹھالیا۔

آگاہ رہو کہ تم آدمؑ سے پیدا ہوئے ہو اور آدم خاک سے ہیں۔

بہ تحقیق کہ بندگان خدا میں سے بندہ وہ ہے جو پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے۔

منقول ہے کہ:

ایک روز کفارِ قریش ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ سلمانؓ اس وقت موجود تھے۔

انھوں نے کہا کہ:

''میں نطفہ نجس سے پیدا ہوا ہوں۔ ایک روز مُردار ہوں گا۔ نزدیک میزان اعمال کے جاؤں گا۔ اگر میری ترازوئے عمل سنگین ہو تو میں کریم ہوں گا۔ اگر سبک ہوگی تو میں لئیم ہوں گا۔''

ضد اس صفت کی یہ ہے کہ اپنی زبان اور قول سے اپنے کو حقیر سمجھے اور دُوسروں کو اپنے پر ترجیح دے۔



## سترہویں صفت

# بغاوت و سرکشی کی مذمّت

واضح ہو کہ بغاوت یہ ہے کہ جس کے فرمان کی اطاعت لازم ہے اس سے گردن کشی و سرکشی کرنا۔

یہ صفت کبر سے بدتر ہے۔ کیوں کہ جن لوگوں کی اطاعت واجب ہے مثلاً پیغمبر۔ ان کی نافرمانی منجر بکفر ہوتی ہے۔ بہت سے طائفہ کفار مانند یہود و نصاریٰ و کفارِ قریش کفر پر باقی رہے اور ہلاک ہوئے۔

اور اغلب یہ ہے کہ

مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرنا نیز اس قسم کی اور برائیاں اسی صفتِ بد کا نتیجہ ہیں اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام مہلکات عظیم ہیں۔

اسی وجہ سے حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

'' بغاوت کی خرابی ہر برائی کی خرابی سے بہت جلد پہنچتی ہے۔''

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ:

بغاوت کرنے والے کو بغاوت آگ کی طرف کھینچتی ہے پہلا شخص جس نے خدا سے بغاوت و گردن کشی کی وہ عناق جو دختر آدم تھی۔ اُس کے بیٹھنے کی جگہ ایک جریب طول میں تھی اور ایک جریب عرض میں۔ اس کی بیس اُنگلیاں تھیں اور اُنگلی میں دو ناخن مانند دو غربال کے رکھتی تھی۔

پس خدا نے ایک شیر کو مثل ہاتھی کے ایک بھیڑیے کو مثل اُونٹ کے اور ایک بام کو مثل خچّر کے اُس پر مسلط کیا۔ جنھوں نے اس کو مار ڈالا۔ بہ تحقیق کہ خدا تکبر کرنے والوں کو جبکہ وہ نہایت امن و آرام میں تھے مار ڈالا۔

اس صفت کا علاج یہ ہے کہ:

اس کی خرابی کو اور اُسکی ضد کی مدح کا ملاحظہ کرے۔ آیات و اخبار جو خدا و پیغمبرؐ و ائمہ اولوالامر و علماء و فقہاء جو زمانہ غیبت امام میں نائب امام ہیں اور جن کی اطاعت کے وجوب میں آئے

ہیں۔ انہیں دیکھے اور جن کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ ان کی اطاعت کرے ان کے ساتھ قول وفعل سے بخضوع وخشوع پیش آئے تا کہ اس کا ملکہ حاصل ہو۔

## اٹھارھویں صِفت

# خُودستائی کی مذمّت

واضح ہو کہ جب آدمی اپنا کمال ثابت کرنے کے درپے ہو کر اپنے آپ کو عیوب سے مبرا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے خودستائی کہتے ہیں۔ یہ صفت عُجب کا نتیجہ ہے۔ اس کی برائی ظاہر و بین ہے کیونکہ جس نے اپنی حقیقت کو پہچانا اور قصور وار نقصان کی جو ذاتِ انسان کا لازمہ ہے معلوم کیا تو دوسرے وقت اپنی تعریف میں کیونکر زبان کھول سکتا ہے۔

علاوہ ازیں سب کی نظر میں یہ امر برا ہے جو کوئی خودستائی کرتا ہے وہ نظروں میں بے وقعت وحقیر و بے اعتبار ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے امیرِ مومنانؑ نے فرمایا کہ

تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ لِنَفْسِهٖ قَبِيْحَةٌ

اپنی تعریف کرنا بد ہے۔ حقارت انسان کے لیے وہی کافی ہے جو بیان ہو چکا۔ پس ہر کسی کو سزاوار ہے کہ اس صفت بد سے دُوری اختیار کرے جو بات کرنا چاہے تو پہلے غور کر لے کہ وہ خودستائی پر تو مبنی نہیں ہے۔

## انیسویں صفت

# طرفداری وعصبیّت

واضح ہو کہ جب اپنی حمایت یا اس کی طرف داری میں جو از روئے دین ومال اور قبیلہ وطن وصنعت اپنے سے منسوب ہے۔ قولاً یا فعلاً سعی کی جائے تو عصبیت کہتے ہیں۔ یہ طرفداری دو قسم پر ہے۔ کیونکہ جس کی حمایت میں انسان کوشش کرتا ہے اس سے برائی کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس کی حفاظت وحمایت لازم ہے اور اس حفاظت میں وہ حق سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ بلکہ انصاف سے کام



لیتا ہے۔ تو یہ قسم نیک و پسندیدہ ہے۔ اس کو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا اور اگر اسی چیز کی حمایت کی جاتی ہے جس کی حمایت کرنا شرعاً درست نہیں ہے یا اس کی حمایت میں حق وانصاف سے تجاوز کر کے انسان باطل میں داخل ہوتا ہے تو یہ قسم مذموم ہے اور اُن رذائلِ صفات میں سے ہے جو قوتِ غضبیہ کے متعلق ہیں۔

حضرت سیدالساجدینؑ نے اس پر اشارہ فرمایا ہے جب کہ ان سے پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ طرفداری کرنے والا اپنے قبیلہ کو دوست رکھنے کی وجہ سے گناہگار نہیں ہے لیکن ظلم میں انکی اعانت کرنے سے گناہگار ہو جاتا ہے۔

پس جس عصبیت کی مذمّت میں اخبار واحادیث آئے ہیں اُن سے بھی قسم مذموم مراد ہے جو ایک صفتِ مہلکہ ہے اور آدمی کو شقاوتِ ابدی میں گرفتار کر دیتی ہے۔

حضرت رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی تعصب کرتا ہے یا جس کے لیے تعصب کیا جائے وہ دائرہ اسلام سے باہر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جو کوئی دل میں بقدر رائی کے دانہ کے عصبیت رکھتا ہو تو خدا اس کو اعرابِ جاہلیت میں محشور کرے گا۔

حضرت سیدالساجدینؑ سے مروی ہے کہ کوئی حمیت داخل بہشت نہ ہوگی۔ مگر حمیّتِ حمزہؓ ابنِ عبدالمطلب۔ کیونکہ جس وقت مشرکینِ مکہ نے اونٹ کے بچّہ دان کو حالتِ سجودِ معبود میں سرمبارک پرسید کائنات کے ڈال دیا تو حمزہؓ کی حمیت اس قدر غالب ہوئی کہ دینِ اسلام قبول کر لیا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ فرشتے جانتے تھے کہ ابلیس ہم میں سے ہے۔ مگر خداوندِ عالم جانتا تھا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں ہے۔

پس حمیّت وغضبِ ابلیس کا اس قدر رہا کہ اپنی حقیقت کو ظاہر کیا اور کہا کہ مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے خلق کیا۔

## بیسویں صفت

# اخفائے حقوق کی مذمّت

واضح ہو کہ حق کو پوشیدہ اور اس سے انحراف کرنے کا سبب طرفداری یا بُزدلی ہے کبھی اس کا سبب طمع بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی اس کا منشا ضعفِ نفس وخمودِ قوتِ غضبیہ ہے۔ بہر حال یہ صفت بدقوتِ غضبیہ کے متعلق ہے۔ خواہ جانبِ افراط سے ہو یا جانبِ تفریط سے اور اس صفت کے ضمن میں بہت سے صفات خبیثہ آجاتے ہیں۔ مثلاً شہادت کو چھپانا۔ ناحق شہادت دینا۔ اہل باطل کی تصدیق کرنا۔ حق کو جھٹلانا وغیرہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کے باعث آدمی کی خرابی ظاہر ہے۔ اس کی مذمّت میں احادیث واخبار بے حد ہیں۔

پس ہر ایک اہلِ اسلام پر اپنی حفاظت لازم اور ان سے پرہیز واجب ہے۔ جو کوئی ان میں سے کسی ایک صفت میں مبتلا ہو تو اسے اس کی خرابی پر غور کرنا چاہیے۔ اس کی ضد یعنی انصاف وحق پر قائم رہنے کے فائد کو ملاحظہ کرے۔ انصاف وحق اختیار کرے اور تمام حالتوں میں اس امر کی طرف متوجہ رہے کہ کوئی امر خلافِ حق اس سے ظاہر نہ ہو حتٰی کہ اس بلا سے نجات پائے اور انصاف کا ملکہ حاصل ہو۔

# فصل نمبر (۱)

## شرافتِ انصاف

واضح ہو کہ طرفداری اور حق کے پوشیدہ کرنے کی ضد انصاف اور حق پر قائم رہنا ہے۔ یہ دو صفاتِ کمالیہ ہیں جن کا مالک دنیا وآخرت میں عزیز ومحترم ہے اور خالق اور خلق کے نزدیک مقبول و مکّرم۔

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ بندہ کا ایمان کامل نہیں ہے جب تک یہ تین خصلتیں نہ ہوں:

۱ : باوجود تنگ دستی کے راہِ خدا میں خرچ کرنا۔



۲ : اپنے پر انصاف کرنا۔

۳: سلام کرنا۔

نیز فرمایا کہ:

''تمام اعمال سے افضل وبرتر یہ عمل ہے کہ آدمی اپنے بارے میں انصاف کرے۔''

اور فرمایا کہ:

'' مومنِ حقیقی وہ ہے جو اپنے مال سے فقیروں کی غم خواری کرے اور آدمیوں میں انصاف کرے''

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ جو کوئی انصاف کرے اور حق کہے تو خدا اس کی عزّت زیادہ کرتا ہے۔''

یہی حدیث اُن لوگوں کے واسطے۔ جو بعض تو ہماتِ فاسدہ کے لحاظ سے حق سے چشم پوشی کرتے ہیں کافی ہے۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ:

''میں اُن چیزوں کی خبر دوں جو سب سے زیادہ خدا نے واجب قرار دی ہیں۔''

چنانچہ ان چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اوّل آپ نے انصاف کا نام لیا اور فرمایا کہ:

''جو شخص لوگوں کے مقابلہ میں اپنے ساتھ انصاف نہ کرے تو وہ دوسروں کے لیے حکم نہیں کر سکتا۔'' نیز فرمایا کہ:

''جب دو شخص نزاع کریں اور ایک شخص اپنے مقابل کے لیے انصاف سے کام لے اور وہ اسے قبول نہ کرے تو یہ دوسرا خود بخود مغلوب ہو جاتا ہے۔''

## اکیسویں صفت

# قساوتِ قلب کی بُرائی اور نرم دلی کی تعریف

واضح ہو کہ قساوتِ قلب ایک ایسی حالت ہے کہ آدمی اُس چیز سے متاثر نہ ہو جس کے سبب سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس صفت کا منشاء غلبہ درندگی ہے۔ بہت سے افعالِ ذمیمہ مثلاً ظلم کرنا' ایذا دینا۔ مظلوموں کی فریاد کو نہ پہنچنا۔ فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری نہ کرنا۔ اسی صفت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس صفت کی ضد رحم دلی ہے جس پر آثارِ حسنہ وصفاتِ قدسیہ مترتّب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس صفت کی فضیلت میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔

حضرتِ پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ان بندوں سے جو مہربان ہیں۔ نیکی طلب کر ان کی پناہ میں زندگانی کرو۔ بہ تحقیق کہ میں نے اپنی رحمت ان میں قرار دی ہے۔ اخبار واحادیث مذمّت میں سخت دلی کے اور تعریف میں نرم دلی کے بے انتہا ہیں۔ اس صفتِ بد کا علاج قساوتِ قلب کا ازالہ رحم دلی کا حُصول نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ سخت دلی نفس کی ایک ایسی محکم صفت ہے جس کا دور ہونا آسانی سے میسر نہیں ہوتا۔ جو کوئی اس میں مبتلا ہو اس کو چاہیئے کے ان اعمال کے نتیجہ پر غور کرے جو قساوتِ قلب پر مترتب ہوتے ہیں اور ان اعمال کی عادت ڈالے جن سے آثارِ رحم دلی حاصل ہوتے ہیں تا کہ نفس اس کا لائق ہو سکے اور رحم دلی کے حاصل کرنے اور سختی دل کرنے میں مستعد رہے۔

## چوتھا مقام

وہ صفاتِ رذائل جو قوہ شہویہ سے متعلق ہیں ان کے معالجہ کی کیفیت و نیز فضائلِ ملکات اور ان کے حصول کا طریقہ۔

واضح ہو کہ حدِّ اعتدال ان قوتوں کا صفت عفّت ہے جس سے تمام صفاتِ کمالیہ متعلق ہیں اور قوتِ شہویہ کی افراط کا نام شرہ ہے اور تفریط کا نام خمود اور تمام رذائل صفات انہی دونوں جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں پس اوّلاً انھیں دونوں جنسوں نیز ان کی ضد (عفّت) کا بیان کیا جاتا ہے اور اس



کے بعد ان صفات کی تشریح کی جائے گی جو ان کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ بیانِ مذکورہ دو مطلبوں میں ذکر ہوتا ہے۔

# پہلا مطلب

اُن دو صفاتِ خبیثہ کا بیان جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں نیز ان کی ضد کا ذکر تین فصل نمبروں میں کیا جاتا ہے۔

# فصل نمبر (۱)

## مذمّتِ شرہ

واضح ہو کہ شرہ یعنی غلبہ حرص قوتِ شہویہ کی زیادتی کا نام ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ہر چیز مثلاً شکم وزبان وحرصِ مال و جاہ و زینت میں قوت شہویہ کا مطیع ہو اور بہت سے علمائے اخلاق صرف کھانے اور پینے اور جماع سے اسے مخصوص کرتے ہیں۔ پہلے معنی اگرچہ بایں اعتبار کہ یہ صفت تمام رذائل صفاتِ شہویہ کا جو حدِّ افراط میں واقع ہو منشاء و مصدر ہوتی ہے انسب ہے۔ لیکن اکثر مقام میں چونکہ دوسرے معنی پر اکتفا کیا گیا ہے میں بھی اسی طریق پر بیان کرتا ہوں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت مہلکہ عظیم ہے۔

اسی وجہ سے سیّد کائناتؐ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی خرابی شکم وزبان و جماع سے محفوظ رہے تو وہ تمام خرابیوں سے محفوظ ہے۔

نیز فرمایا کہ میری اُمّت بواسطۂ شکم پرستی اور جماع زیادہ تر داخلِ جہنم ہوگی۔

واضح ہو کہ جیسا کے آں حضرتؐ نے خبر دی ہے اِن دو چیزوں سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں اور یہ صفات بہائم کے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ آدمی نے کسی ظرف کو جو اس کے شکم سے بدتر ہو پر نہیں کیا۔ آدمی کو زندہ رہنے کے لیے غذا کے چند نوالے کافی ہیں۔ اگر اس پر اکتفا نہ کرے اور زیادہ کھائے تو ثلث پیٹ غذا کے واسطے ثلث پانی کے لیے اور ثلث آمد و رفتِ نفس کے لیے قرار دے۔

نیز فرمایا کہ اپنے دل کو زیادہ کھانے پینے سے مُردہ نہ کرو۔ کیونکہ دل مانند کھیت کہ ہے۔ جب زیادہ پانی دیا جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ خدا کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو زیادہ بُھوکا رہے۔ اپنے احوال و صنائع آفریدگار میں فکر کرے اور خدا کے نزدیک وہ زیادہ دُشمن ہے جو کہ بہت سوئے بہت کھائے بہت پیئے۔

اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک زیادہ تر دُشمن وہ لوگ ہیں جو اس قدر کھائے کے پیٹ بھر جائے اور بدہضمی ہو۔ جو بندہ غذا کا خواہشمند ہو اور اس کو پورا نہ کرے تو اس کے لیے بہشت میں درجہ ملتا ہے۔

انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کہ دُشمن دین وہ ہے جو بُزدل زیادہ کھانے والا اور عورتوں کی زیادہ خواہش رکھنے والا ہو۔

نیز آں جنابؑ سے مروی ہے کہ اسرار ملک اس کے دل میں داخل نہیں ہوتے جس کا پیٹ غذا سے بھرا ہوا ہو۔

توَراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ عالِم فربہ کو خدا دُشمن رکھتا ہے کیوں کہ فربہی غفلت و پرخواری پر دلالت کرتی ہے۔

لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند! جب معدہ بھر جاتا ہے تو قوت فکر کی پست ہوتی ہے حکمت و دانائی کم ہوجاتی ہے اور اعضاء و جوارح عبادت سے باز رہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت پیٹ بھرا ہوا ہو تو اشیائے نامرغوب کی زیادتی ہے اور جس کا پیٹ خالی ہو وہ خدا کو بہت یاد کرتا ہے۔ خدا بندہ کو اُس حالت میں دُشمن رکھتا ہے جبکہ اس کا پیٹ بھرا رہے۔

نیز آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ آدمی کو اپنی زندگانی کے لیے بغیر غذا کوئی چارہ نہیں ہے لیکن جب کھائے تو کھانے کے لیے ثلث۔ پانی کیلئے ثلث اور آمد و رفت نفس کے لیے ثلث شکم کو قرار دے۔ اپنے کو فربہ نہ کرے مانند اُن سوروں کے جن کو کفار ذبح کرنے کے لیے فربہ کرتے ہیں۔ جو کوئی اپنے بدن کو فربہ کرتا ہے وہ اپنی روح کو لاغر کرتا ہے۔

نیز فرمایا کہ کوئی چیز مومن کے دل کو پُرخوری سے زیادہ نقصان پہنچانے والی نہیں۔ زیادہ



کھانے سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

۱ : قساوت قلب

۲ : ہیجانِ شہوت

اور گرسنگی مومن کی نان خورش روح کی غذا دل کا طعام اور بدن کی صحت ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ زیادہ تر بیماریاں شکم پرستی سے پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ایک درد و مرض بدہضمی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ شکم پرستی سے تمام بیماریاں اور آفتیں اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے جماع کی خواہش زیادہ ہوتی ہے جس سے تعددِ ازدواج کی طرف انسان مائل ہوتا ہے جس کا نتیجہ کثرتِ عیال و اولاد ہے انسان دنیا کے تعلقات میں مقید ہوتا ہے ہر ایک حلال و حرام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مال و مرتبہ کی خواہش ہوتی ہے تا کہ اہل و عیال کے لیے فراغت کے سامان فراہم ہوں۔ اب اس سے بہت سے شعبہ مثلاً حسدٗ عداوتٗ ریاٗ کبرٗ تفاخر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر بندہ اپنے نفس کو گرسنگی سے ذلیل رکھے اور شیطان کا راستہ مسدود کر دے تو دنیا میں مشغول نہیں ہوتا اور ہلاکت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے گرسنگی کی فضیلت میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اپنے نفس کے ساتھ گرسنگی و تشنگی سے جہاد کرو۔ کیونکہ اس کا اجر و ثواب مثل اس کے ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے اور کوئی عمل خدا کے نزدیک گرسنگی و تشنگی سے محبوب تر نہیں ہے۔

فرمایا کہ بہتر وہ لوگ ہیں جو کم کھائیں اور کم ہنسیں اور اپنے لباس ضروری پر راضی رہیں۔

فرمایا کہ کم غذا کھانا عبادت ہے اور خدا ملائکہ کے سامنے اس شخص پر فخر و مباہات کرتا ہے جس کی خوراک دنیا میں کم ہو۔

اور فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میں نے اس کو خورد و نوش میں مبتلا کیا ہے اور وہ اسے میری وجہ سے ترک کرتا ہے اسے بہشت میں جگہ دوں گا۔

فرمایا کہ قیامت میں خدا کا مقرب بندہ وہ شخص ہے جو زیادہ گرسنہ و تشنہ رہے اور جو دنیا میں اکثر مبتلائے غم و اندوہ رہا ہو۔ طریقہ سیّد کائنات علیہ افضل الصّلوات پر غور کیجئے۔ حضرتؐ کی ایک زوجہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ نے کبھی پیٹ بھر کر خاصہ تناول نہیں فرمایا۔ اکثر اوقات

حضرتؐ بھوکے رہتے تھے جس کے باعث میرا دل غمگین ہوتا تھا اور عرض کرتی تھی کہ اس قدر خاصہ تو تناول فرمایئے کہ قوت باقی رہے اور بھوک سے ضرر نہ پہنچے۔ اُس وقت حضرتؐ فرماتے تھے کہ میرے بھائی پیغمبرانِ اولوالعزم نے اس سے زیادہ بھوک اور پیاس میں صبر کیا ہے۔ انھوں نے اسی حالت میں بسر کی اور دنیا سے گزر گئے۔ پس خدا نے اُن کو بزرگی عطا فرمائی اور ثواب بے انتہا دیا۔ میں اپنے کو دیکھتا ہوں اور شرم کرتا ہوں۔ اگر آرام سے گزاردوں تو میرا رتبہ اُن سے پست ہوگا۔ پس میرے نزدیک بہ نسبت اس کے کہ کل آخرت میں بے نصیب ہوں۔ آج سختی اٹھانا اور صبر کرنا بہتر ہے۔

مروی ہے کہ: ایک روز حضرت فاطمہ علیہا السلام ایک روٹی اپنے پدرِ بزرگوار کے واسطے لائیں۔

حضرتؐ نے فرمایا: ''کیا چیز ہے؟''

عرض کی کہ: ''روٹی ہے جس کو میں نے خود تیار کیا ہے۔ مجھ کو بغیر آپ کے تناول کرنا ناگوار رہا۔''

حضرتؐ نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسم ہے کہ آج تین روز ہوئے کہ یہ پہلا طعام ہمدست ہوا ہے۔''

## فوائد گرسنگی و کم خواری

واضح ہو کہ گرسنگی کے فوائد بے شمار ہیں۔ گرسنگی دل کو نورانی و روشن کرتی ہے صفائی و رقّت حاصل ہوتی ہے۔ ذہن کو تیز کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے آدمی کو لذّتِ مناجاتِ پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ بھوکا ذکر و عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ صاحبانِ فقر و فاقہ پر خدا رحم کرتا ہے۔ بھوکا شخص روزِ قیامت کی بھوک کو یاد کرتا ہے اس کو شکستہ نفسی حاصل ہوتی ہے عبادت و اطاعت کی عادت آسان ہوجاتی ہے۔ خواہش گناہ کم ہوتی ہے۔ گرسنگی نیند کو جو باعثِ خرابی عمر و سبب بدبختی طبع و مانعِ نمازِ شب ہے کم کرتی ہے۔ آدمی کو ہلکا اور سبک رکھتی ہے جسم کو صحت دیتی ہے۔ بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔ کسی چیز کا فائدہ، فائدہ گرسنگی کے مقابل نہیں ہوسکتا۔ پس زیادہ کھانے والوں کو لازم ہے کہ اپنا علاج کریں زیادہ کھانے کی مذمت اور گرسنگی کے فوائد میں جو اخبار و آیات ہیں ان کو ملاحظہ



کریں۔ طریقہ انبیاء و مرسلین وائمہ دین و علماء کی پیروی کریں۔ غور کیجئے کہ جس کسی کو جو مرتبہ حاصل ہوا ہے، بے تکلیف گرسنگی کے حاصل نہیں ہوا۔ گرسنگی پر صبر کرنے کے بغیر خواہشات و ملکاتِ خبیثہ سے چھٹکارا میسر نہیں ہوتا۔ پستی ماکولات اور ان کے مادہ پر غور کیجئے کہ آیا شرکت و مشابہت ملائکہ سے بہتر ہے یا بہائم و حیوانات سے کیونکہ زیادہ کھانا چارپایوں کا شیوہ ہے اور وہ سوائے پیٹ بھرنے کے کچھ نہیں جانتے۔

چہ انساں نداند بجز خورد و خواب
کدامش فضیلت بود بر دواب

شکم پرستی سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان پر تامل کیجئے۔ ذلّت و خواری و حمق و کند ذہنی اور قسم قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں۔ جس روز نہ ملے اس روز تکلیف ہوتی ہے۔ ہر وقت پیٹ بھرنے سے کیا فضیلت ہے۔ بیت الخلاء میں جا کر اس کو خالی کرتے ہیں اور پھر بھرتے ہیں۔ اپنی عمر کو جو مایہ تحصیلِ سعادت ہے اس طرح صرف کی جاتی ہے پس کھانے کی زیادتی ترک کیجئے۔ چارپایوں کی شرکت سے باز رہنا چاہیے حتٰی کے گرسنگی کی عادت ہوجائے۔ یہاں تک تو اکل و شرب کا بیان تھا۔ اب آیئے زیادتی جماع کی طرف۔

## مذمّتِ کثرتِ جماع

واضح ہو کہ جماع فی نفسہ ایک امرِ قبیح ہے اور عقلمندوں کی نظر میں قابلِ اعراض و انکار عقل جو مملکت بدن کی حکم فرما ہے اس کے ذریعہ سے بدحال و خراب ہوتی ہے۔ قوہ عاقلہ جو تمام قوتوں اور حواس کی مخدوم ہے۔ خادم و مغلوب ہوجاتی ہے۔ انجامِ کار انسان کی ہمت عورتوں اور لونڈیوں کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ جو طریقہ سلوک آخرت سے دور ہے۔ بلکہ اکثر اوقات یہ قوت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ دین کی قوت کو مضمحل اور خدا کے خوف کو دل سے زائل کرکے آدمی کو کارِ بد کی طرف مائل کردیتی ہے۔ اگر کسی کی قوت واہمہ غالب ہو تو یہ قوتِ شہوت عشقِ بہیمی کی طرف منجر ہوجاتی ہے۔ یہ بھی دل کی بیماریوں سے ایک بیماری ہے جو خدا کی محبت سے خالی اور بلند ہمتی سے بری ہے جو کوئی اپنا دشمن نہ ہو تو اس کو لازم ہے کہ زیادتی شہوت سے جو فکر و نظر کرنے سے ہوتی ہے اپنی حفاظت اور پرہیز کرے۔ کیونکہ قوتِ شہویہ کے جوش میں آنے کے بعد اس کی حفاظت کرنا

مشکل ہے اور یہ امر شہوت ہی کی خصوصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر امرِ باطل کی محبت مثلاً جاہ۔ مال۔ اہل وعیال سے بھی متعلق ہے۔ اگر شروع میں آدمی ان سے دُوری کا خیال رکھے تو اس کے دفعیہ میں نہایت سہولت وآسانی ہوتی ہے اور اگر پہلے سے متوجہ نہ ہو اور شہوت کا غلبہ ہوجائے تو پھر اس کی حفاظت کرنی مشکل ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کے مانند ہے جس نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہو۔ وہ گھوڑا چاہتا ہے کہ کسی مکان میں داخل ہو تو باگ کے ذریعہ سے اس کو آسانی سے روک سکتا ہے۔ لیکن جس نے شروع میں حفاظت نہ کی۔ مثل اس کے ہے کہ گھوڑے کو ہانکے تاکہ کسی مکان میں داخل ہو پھر دُم کو پیچھے سے پکڑے اور باہر کھینچے۔ شروع میں تھوڑی التفات سے روک ہوسکتی ہے۔ آخر میں جانکاہی سے بھی میسر نہیں ہوتی۔ جو کوئی اپنی نجات کا طالب ہو اس کو ابتداء میں احتیاط کرنا چاہیے کہ اس کے نتیجہ میں مبتلا نہ ہو۔ وہ لوگ احمق ہیں جو باوجود قوتِ قوائے شہویہ پھر غذائے لطیف ومعجونِ مقوی باہ کھاتے ہیں تاکہ کثرت سے جماع کریں۔ حالانکہ زیادتی جماع سے کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ تجربہ ہوا ہے کہ جو کوئی شہوت کا مطیع ہوتا ہے۔ عورتوں سے نکاح کرتا ہے۔ غذائے مقوی ومعجون مہّی کھا کر زیادتی شہوت کی کوشش کرتا ہے۔ آخر بالضرور وہ لاغر و نحیف اکثر اوقات مریض وضعیف وکم عمر ہوتا ہے۔ اکثر اس کے دماغ میں خلل اور اُس کی عقل خراب ہوتی ہے۔ اس زیادتی شہوت کو اُس حاکم ظالم سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو بادشاہ مطلق العنان کردے اس کو ظلم سے منع نہ کرے اور وہ آہستہ آہستہ رعایا کے اموال کو چھین کر فقر وفاقہ میں مبتلا کرے تاکہ وہ تمام ایک دم ہلاک ہوں یا مملکتِ بادشاہ سے جدا ہوکر مملکت بدن پر قبضہ دے دے۔ اس کو حدِّ اعتدال پر نہ رکھے تو یہ تمام مادہ نیک کو جو غذا سے حاصل ہوکر تمام اعضاء میں تقسیم اور بدلِ ما یتحلّل ہونے کے قابل تھا۔ اپنے تصرف میں لاکر منی بنادیتی ہے اور تمام اعضاء بغیر غذا کے رہ جاتے ہیں۔ ان میں رفتہ رفتہ ضعف پیدا ہوتا ہے۔ بدن کے اجزاء گھٹ جاتے ہیں۔ چونکہ زیادتی شہوت باعثِ ہلاکت دین ودنیا ہے۔ اس لیے اس کی مذمّت میں اخبار بہت آئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ شدّتِ شبق کے وقت دوثلث عقل جاتی رہتی ہے۔

قولِ خدا تعالیٰ :

**وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ**



کی تفسیر میں وارد ہوا ہے یعنی شر سے ذکر کے جس وقت اُٹھے یا داخل ہو۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ خدا نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ شیطان کو اُمید ہوئی کہ اس کو عورتوں کے خیالات میں ڈالے اور ہلاک کرے جس قدر کہ میں عورت سے ڈرتا ہوں کسی چیز سے نہیں ڈرتا ہوں۔

فرمایا کہ دنیا اور عورتوں کے فتنہ سے پرہیز کرو۔ پہلے فتنہ بنی اسرائیل کا عورتوں کے واسطے سے تھا۔

مروی ہے کہ شیطان نے کہا کہ میرا آدھا لشکر عورتیں ہیں۔ وہ میرے نزدیک مثل تیر کے ہیں جس جگہ پھینکتا ہوں خطا نہیں ہوتا۔ عورت میری محرمِ اسرار اور میری حاجتوں کو پورا کرنے والی ہے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ اگر خواہش عورتوں کی نہ ہوتی تو عورتیں مردوں پر غلبہ نہ پاتیں۔ پس اس خواہش کی زیادتی فرزندانِ آدم کو ہلاک کرتی ہے۔ ہاں کہیں آپ یہ خیال نہ کریں کہ پیغمبر خداؐ نے زیادہ عورتوں سے نکاح فرمایا۔ اگر تمام دنیا بھی اُن سے متعلق ہوتی تو بھی وہ ایک گھڑی اپنے دل کو مشغول نہ فرماتے اور کسی لحظہ ان کی فکر میں مبتلا نہ ہوتے کیونکہ اس قدر آتش شوق ومحبتِ خدا سینہ مبارک میں روشن تھی کہ اگر کبھی کبھی اس پر پانی نہ ڈالا جاتا تو آپ کا دل جل جاتا۔ جسمِ مبارک میں سرایت کرتا تمام اجزاء ایکدوسرے سے جدا ہوتے۔ آپ کا حصہ تجرّد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اگر خار وخسِ مادیات آپ کے دامن کو نہ لگتے تو ایک بار عالم مادیات سے علیحدہ ہوتے اور طاہرِ روح عالمِ قدس کی طرف پرواز کرجاتے۔ اسی وجہ سے اس جناب نے متعدد عورتوں سے نکاح فرما کر اپنے نفس مقدس کو ان کے ساتھ مشغول فرمایا کہ کسی قدر دُنیا کی طرف مُلتفت ہوں اور زیادتی شوق کے باعث آپ کی روحِ مقدّس مفارقت نہ کرجائے۔ یہی سبب تھا کہ جس وقت خدا کے شوق میں غشی طاری ہوتی تھی اور بادہ محبّت سے سرشار ہوتے تھے تو دستِ مبارک حضرت عائشہؓ کے زانو پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے عائشہؓ! مجھ سے بات کر ، مجھ کو دنیا میں مشغول کر۔

یہی وجہ تھی کہ بعض زوجہ آں جنابؐ کی نہایت شقاوت رکھتی تھیں کہ بسبب کثرتِ شقاوت اُن کی دینویّت غالب ہوجو فی الجملہ آں حضرتؐ کے حصہ قدسیہ کی برابری کرسکے۔ آپ کی روح کو

دنیا کی طرف مائل کردے۔

پس وہ جب حضرتؐ کو اپنی طرف مشغول کرتیں تو وہ حضرتؐ کسی قدر اس عالم کی طرف التفات فرماتے۔ چونکہ آں حضرتؐ کی جبلیّت محبتِ پروردگار سے متعلق تھی اور التفات خلق عارضی تھا۔ بلحاظِ بقائے حیات التفات فرماتے اور جس وقت ان کی صحبت و ہم نشینی طول کھینچتی تو دل تنگ ہوتے قرار نہ ہوتا اور فرماتے:

اَرِحْنَا یَا بِلَالُ

اے بلال! اذان دے اور مجھ کو شغلِ دنیا سے علیٰحدہ کرکے راحت میں ڈال دے۔

## معالجۂ زیادتی شہوت

واضح ہو کہ زیادتی شہوت کا علاج یہ ہے کہ قوت شہوت کو گرسنگی سے ضعیف کیا جائے اور جن چیزوں سے شہوت جوش میں آتی ہے مثلاً عورتوں کا خیال، ان کا تصوّر، اُن سے باتیں کرنا، خلوت کرنا، اُن کو دیکھنا۔ ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ جوشِ شہوت کے یہی چار اسباب قوی ہیں اور ان چاروں میں سے دیکھنے اور خلوت کرنے کی تاثیر زیادہ ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

''مومنوں کو حکم کرو کہ اپنی آنکھوں کو بند کریں''

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ نظر کرنا شیطان کے تیروں سے ایک تیر زہر آلود ہے۔ جو کوئی اپنے کو اُس سے بوجہ خوفِ خدا بچائے تو خدا اُس کو وہ ایمان عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت اس کے دل کو حاصل ہوتی ہے۔

یحیٰی بن ذکریاؑ سے پوچھا گیا کہ:

'' ابتدائے زنا اور اُس کا منشا کیا ہے؟''

انھوں نے کہا کہ:

''نگاہ و آرزو کرنا یعنی خیال و تصور کرنا''

حضرتِ داؤدؑ نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند! عقب میں شیر کے راستہ چل لیکن عقب میں عورت کے راستہ نہ چل۔



ابلیس العین نے کہا کہ نگاہ کرنا میری کمانِ قدیم ہے اور وہ ایک تیر ہے کہ ہرگز خطا نہیں کرتا۔

چونکہ نظر کرنا باعثِ ہیجانِ شہوت ہوتا ہے اس لیے شرع نے ہر ایک مرد و عورت کا ایک دوسرے پر نظر کرنا اور ایک دوسرے کی باتوں کی آواز کا سننا سوائے حالتِ ضرورت کے حرام کیا ہے۔ ایسا ہی مردوں کا جوان لڑکوں پر از روئے شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ اسی وجہ سے بزرگانِ دین جوان لڑکوں پر نظر کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اسی سبب سے بادشاہانِ اسلام و حکامِ دیندار و علماء کا شہروں میں یہ حکم نافذ تھا کہ بغیر حاجت اور ضرورت کے عورتیں کوچہ و بازار و عیدگاہ و مساجد میں جب کہ مردوں پر نظر کرنے سے فتنہ و فساد کا گمان ہو تو آمد و رفت نہ رکھیں۔ پس جو کوئی اپنے دین و دنیا کی حفاظت چاہتا ہے تو اسے نامحرموں کو دیکھنے اور عورتوں سے گفتگو و خلوت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

# فصل نمبر ۲

## مذمتِ خمود وفوائد نکاح

واضح ہو کہ خمود یعنی کمی قوتِ شہوت سے یہ مراد ہے کہ قوتِ شہوت کی بقدر ضرورت حاصل کرنے میں کوتاہی ہو اور نکاح کرنے میں اس قدر سستی کی جائے کہ قوت شہوت برطرف ہو اور عیال ضائع ونسل قطع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ امر شرعاً شہوت برطرف ہو اور عیال ضائع ونسل قطع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ امر شرعاً مذموم وناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ حصولِ معرفتِ پروردگار عباداتِ آفریدگار اور اکتساب فضائل و دفعِ رذائل قوتِ بدن وصحتِ تن پر موقوف ہے۔ پس بدن کی ایسی غذا میں کوتاہی کرنا جس سے قوت کی حفاظت ہو اور حصولِ سعادت سے نکاح میں دیری کرنا بہت سے (فوائد سے محروم کرتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے اس قوت کو بنی آدم پر مسلط کیا ہے کہ نسل باقی رہے۔ اس سلسلہ کا وجود ہمیشہ ہو۔ پس جس نے اس کو مہمل چھوڑا اور نکاح نہ کیا تو اس قوت کے ثمرہ کو ضائع کیا اور بقائے نسل کے بہت سے فوائد سے محروم ہوا۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ بقائے نسلِ انسان اور زیادتی بندگانِ خدا اور ارادہ الٰہی کے موافق ہے۔ نیز مرنے کے بعد فرزندِ صالح کی دعا ایک نعمت اور برکت ہے۔ کم سن بچے جو اپنے ماں باپ کے سامنے مرجاتے ہیں وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں۔ ان فوائد کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو راستہ حضرتِ آدم ابوالبشر سے متصل ہے اس کو قطع کرنا اور اس کو دوسرے کے سپرد نہ کرنا کس قدر برا ہے۔ نیز نکاح و تزویج کے فوائد بہت ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ اس ذریعہ سے شرِّ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ شہوت کا ہیجان کم ہوتا ہے۔ گھر کی درستی اور اسبابِ خانہ داری کی حفاظت سے نجات ملتی ہے کیونکہ یہی چیزیں ہیں جن میں مشغول رہنا آدمی کو تحصیلِ عالم وعمل سے باز رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے سید رسلؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو زبان ذکر کرنے والی اور دل شکر کرنے والا اور عورت پارسا رکھنا چاہیے۔

نیز فوائدِ تزویج ونکاح میں سے یہ امور ہیں کہ آدمی اس کے سبب سے زحمت ورنج اُٹھاتا ہے۔ ضروریات واصلاح اہل وعیال اور تحصیل مالِ حلال میں کوشش کرتا ہے۔ اولاد کی تربیت میں



مشغول ہوتا ہے۔ عورتوں کی بداخلاقی و بدخوئی پر صبر کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے فضیلت بیحد اور ثواب بے انتہا ہے۔

اسی وجہ سے سردارِ عرب وعجم نے فرمایا کہ جو تحصیل نفقہ عیال میں تکلیف اٹھائے وہ مانند اس کے ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کرے۔

نیز فرمایا کہ جس کی نماز نیک جس کے عیال بہت جس کا مال کم ہو اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے تو وہ بہشت میں امن کے ساتھ رہے گا۔ مثل میری ان انگلیوں کے جو اک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

فرمایا کہ بعض گناہ ہیں کہ سوائے زحمتِ حصولِ معیشت کے ان کا کوئی کفارہ نہیں ہوسکتا۔

فرمایا کہ جس کی تین لڑکیاں ہوں ان کو نفقہ دے ان پر احسان کرے۔ یہاں تک کہ وہ باپ کی تربیت سے مستغنی ہوں تو خدائے تعالیٰ اُس پر بہشت واجب کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کے شہوت کا سرد ہونا اور نکاح کا ترک کرنا تمام فوائد سے محروم کرتا ہے۔

## آفاتِ نکاح

واضح ہو کہ جو فوائد نکاح کے ہیں ان کے مقابل میں آفتیں اور بلائیں بھی بہت ہیں جیسا کے احتیاج مال اور مشقتِ تحصیلِ مالِ حلال اور عورتوں کے حقوق میں خصوصاً ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں کوتاہی کرنا ان کے اخلاق و بدخوئی وایذا دینے پر صبر کرنا ضروریاتِ مایحتاج کے سبب سے پریشانی خاطر وغیرہ اسی وجہ سے اکثر اوقات صاحبانِ عیال دنیا میں پھنس کر خدا کی یاد سے غافل ہوجاتے ہیں اور جس کام کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں اس سے باز رہتے ہیں۔ پس ہر کسی کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے نفس کے لیے خود مجتہد ہو۔ اپنے احوال کا ملاحظہ کرے جو فوائد اور خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو دیکھیے کہ اس کے حق میں کونسا پہلو بہتر ہے۔ پس اسی کو اختیار کرے۔ لیکن افسوس جب تک کہ آدمی مبتلا نہیں ہوتا ہے اس کی خرابی کو معلوم نہیں کرسکتا اور جب اس میں گرفتار ہوگیا تو پھر کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔

# فصل نمبر (۳)

## فوائدِ عفّت اور طریقہ اعتدالِ اکل و جماع

واضح ہو کہ قوتِ شہویہ کی یہ دونوں جنسیں جن کا بیان کیا گیا ان کی ضد عفّت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوتِ شہوت ہر امر میں خصوصاً کھانے پینے اور نکاح و جماع میں قوتِ عاقلہ کی فرمانبردار ہو۔ یہ ایک حدِ اعتدال ہے جو شرعاً وعقلاً بہتر ہے۔ اس کی کمی و زیادتی مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ پس ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ گرسنگی کی فضیلت جو بیان کی گئی ہے تو اس میں افراط کرنا بھی ممدوح ہوگا۔ ہرگز ایسا نہیں۔ اس لیے کے غرض خلقت انسان بندگی ہے جو قوت و خوش طبعی پر موقوف ہے اور گرسنگی ان چیزوں کو باطل کرنے والی ہے۔ پس گرسنگی سے اس قدر کمی غذا مراد لی گئی ہے جو آدمی پر گراں نہ گزرے اور انسان کو غلبہ حیوانیت سے بچائے۔ یعنی طلبِ غذا میں منہمک نہ ہو۔ نہ اس درجہ کہ قوت زائل ہو اور مزاج کو خراب کردے۔ کیونکہ ایسی گرسنگی حدِّ اعتدال سے خارج اور مقصودِ شارع کے خلاف ہے۔ واضح ہو کہ عفت کی مدح میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ افضل عبادات عفّت ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ کوئی عبادت عفّتِ شکم اور فرج سے افضل نہیں ہے۔

اس کے اعتدال کی نسبت جو اشارہ کیا گیا ہے وہ غذا کے متعلق ہے کہ اس قدر کھائے کہ نہ گرانی معدہ محسوس ہو نہ الم گرسنگی۔ کیونکہ کھانے کا مقصد زندگی و قوتِ عبادت ہے اور گرانی طعام آدمی کو سست کرتی ہے اور عبادت میں مانع ہوتی ہے۔ نیم المِ گرسنگی دل کو پریشان کرتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے۔ پس سزا وار یہ ہے کہ اس قدر کھانا کھائے کے کھانے کا اثر اس میں پیدا نہ ہوتا کہ وہ ملائکہ کے مشابہ ہو کیونکہ وہ نہ گرانی معدہ سے متاثر ہیں نہ المِ گرسنگی سے۔

اسی وجہ سے حق سُبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

یعنی ''کھاؤ، پیو اور اس میں اسراف نہ کرو''

واضح ہو کے مقدارِ غذا حسبِ اشخاص و احوال مختلف صورتیں رکھتی ہیں۔ لیکن اس کا معیار



یہ ہے کہ جب تک پوری خواہش نہ ہو کھانا نہ کھائے اور جب کھانے کی کسی قدر خواہش باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لے۔ کھانا کھانے کی غرض حصولِ لذت نہ ہو بلکہ عبادتِ خدا کے لیے قوت کا حاصل کرنا مقصود ہو۔ انواع و اقسام کے کھانے نہ کھائے۔ بلکہ صرف روٹی خواہ وگیہوں کی ہو یا جَو کی، کسی ایک پر اکتفا کرے۔ ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت نہ کرے اور یک لخت اس کو ترک بھی نہ کرے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جو کوئی چالیس روز تک گوشت ترک کر دیتا ہے تو اس کی خصلت خراب ہوتی ہے۔ جو کوئی چالیس روز تک برابر گوشت کھاتا ہے تو سنگدل ہو جاتا ہے اور حدِّ اعتدالِ غذا یہ ہے کہ رات دن میں ایک دفعہ کھانا کھائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ وقتِ سحر نمازِ شب سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھائے یا عشاء کی نماز کے بعد کھائے اور یہ نہیں ہوسکتا تو دو دفعہ ایک صبح، دوسرے عشاء کے وقت کھائے۔ کھانے کھانے کے وقت بسم اللہ کہے اس کے بعد خدا کا شکر بجالائے۔ شروع میں اور آخر میں ہاتھ دھوئے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ شروع میں ہاتھ دھونا فقر کو زائل کرتا ہے کھانا کھانے کی ابتدا و انتہا نمک سے کی جائے۔ نیز اور بھی آداب ہیں جو احادیث میں موجود ہیں۔ اہل معرفت نے گرسنگی کی بہت ترغیب دلائی ہے اور تصریح کی ہے کہ اسرارِ الٰہیہ کا کھولا جانا اور مراتب عظیمہ پر پہنچنا گرسنگی پر موقوف رکھا گیا ہے۔ چند حکایتیں بھی گرسنگی پر صبر کرنے کے باب میں نقل ہوئی ہیں اور بعض کے ذکر میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک ماہ یا دو ماہ یا ایک سال تک کھانا نہیں کھایا۔ لیکن یہ ایک ایسا حکم ہے جو احادیث کے مفہوم سے جدا ہے۔ اگر یہ بہتر بھی ہو تو کسی خاص گروہ کے لیے ہوگا۔ ہر شخص اس کا مکلف نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر نفس کی سرکشی حد سے زیادہ گزر چکی ہو اور اصلاح شدتِ گرسنگی پر ہی موقوف ہو تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں ہے۔ اب رہا جماع۔ اس کی اعتدال یہ ہے کے اس مقدار پر انسان کو کفایت کرے جس سے نسل منقطع نہ ہو۔ وسوسۂ شیطان سے فارغ ہو جائے اور خطراتِ شہوت اس کے دل سے نکل جائیں اور ضعف بدن اور اختلالِ دین کی طرف منجر نہ ہو۔

دُوسرا مطلب: ان صفات کے بیان میں جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں اور ہر دو جنس مذکورہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

## پہلی صفت:

# دُنیا کی محبّت

جس میں گیارہ فصل نمبریں ہیں:

# فصل نمبر(۱)

## دنیائے مذموم کی حقیقت

واضح ہو کہ دنیا فی نفسہ ایک حقیقت رکھتی ہے اور حقیقتِ دُنیا خود زمین ہے۔ نیز وہ تمام چیزیں جو روئے زمین پر موجود ہیں۔ زمین سے مراد املاک و باغات و مکانات وغیرہ ہیں اور اشیائے روئے زمین معدنیات اور حیوانات اور نباتات ہیں۔ معدنیات کو انسان اپنے کاروبار کے آلات کے لیے حاصل کرتا ہے جیسے لوہے اور تانبے وغیرہ کو یا زیب وزینت کے لیے جیسے سونا چاندی وغیرہ اور نباتات کا حصول اغلب اوقات غذا و دوا ولباس کے واسطے ہے۔

اب رہے حیوانات ان کی تحصیل یا تو خدمت گاری اور کارفرمائی کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے اسپ واستر وغلام وکنیز یا لذّت کے لیے جیسی حسین عورتیں یا ان سے امداد وتقویت حاصل کرنے کے واسطے یا ان کے قلوب کی تسخیر کی خاطر بس یہی چیزیں ہیں جن سے دُنیا عبارت ہے۔

چنانچہ آئیہ ذیل میں ان کو جمع فرمایا ہے:

**زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ**

یعنی: ”خواہشاتِ نسوانی اولاد۔ سونے چاندی کے ڈھیر گھوڑے، چارپائے، زراعت ان سب کی محبت انسانوں کے لیے مزین کی گئی ہے پس یہی چیزیں متاعِ حیاتِ دُنیا ہیں۔“ (سورہ آل عمران۔ ۱۴)

ان سب کی محبت رذائلِ قوۂ شہویہ سے متعلق ہے مگر محبت تسخیر قلوب وغلبہ قوۂ غضبیہ سے



تعلق رکھتی ہے۔ یہ تو خود دنیا کی حقیقت تھی۔ اب بندوں کے حق میں مرنے سے پہلے جس چیز سے ان کا تعلق ہو اور جس چیز سے وہ لذّت حاصل کریں۔ وہی حقیقت دنیا ہے اور اُس چیز سے انسان کو دو قسم کا تعلق ہے:

ایک تعلقِ قلبی جسے محبت کہتے ہیں۔

دوسرا تعلقِ جسمانی یعنی حصول لذّت کی خاطر اُس چیز کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہونا۔

پس یہی محبت قلبی وتعلقِ جسمانی ولذّتِ نفسانی بندے کے حق میں حقیقت دنیا ہے نہ خود وہ چیز جس سے یہ محبت کرتا ہے۔ ہاں یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ مرنے سے قبل جس چیز سے انسان محبت کرے وہ سب کی سب مذموم ہیں ہرگز نہیں کیونکہ آدمی کو اس عالم میں جن چیزوں کی خواہش ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہیں:

ایک وہ کہ جن کا فائدہ مرنے کے بعد ملتا ہے اور ان کے حاصل کرنے کی غرض اور ان کے اثر ونتیجہ کی خواہش عالمِ آخرت میں ہوتی ہے۔ مثلاً علمِ نافع وعمل صالح انسان ان سے بھی لذت اٹھاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کے نزدیک یہ شے تمام چیزوں سے لذیذ ومحبوب ہوتی ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کا حصول اور اس سے لذت اٹھانا دنیا میں ہوتا ہے لیکن یہ دنیائے مذموم نہیں ہے کیونکہ اس کا عمدہ اثر آخرت میں ملتا ہے اور چونکہ ان کا حصول دنیا میں ہوتا ہے اس لیے ان کو دنیا میں شمار کرتے ہیں۔

اسی سبب سے پیغمبر صلعم نے نماز کو دنیا میں سمجھایا ہے اور فرمایا ہے کہ:

**حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثُ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔**

تمھاری دنیا سے تین چیزیں مجھ کو محبوب ہیں:

۱: بُوئے خوش۔

۲: عورتیں۔

۳: نماز میری آنکھ کی روشنی ہے۔

باوجود اس کے کہ نماز اعمالِ آخرت سے ہے لیکن حضرتؐ نے اسے دنیا میں شمار فرمایا ہے۔

پس دنیائے مذموم وہ لذّت ہے جو آخرت میں دوسری لذت کا ذریعہ نہیں ہے۔ مگر گناہوں سے لطف اٹھانا اور زائد از ضرورت مباحات سے متنعّم ہونا۔ لیکن دنیا سے اس قدر حاصل کرنا جو بقائے حیات و معاشِ عیال اور حفظِ آبرو کے لیے ضروری ہو وہ عملِ صالح وعبادتِ حسنہ ہے جیسا کے احادیث میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ عبادت کے ستّر جزو ہیں۔ اُن میں سب سے افضل طلبِ روزی حلال ہے۔

نیز آنحضرت صلعم سے مروی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی کُل ضروریات اور بوجھ کو دوسروں پر رکھے۔

حضرت سیّد سجادؑ سے مروی ہے کہ دنیا دو قسم پر ہے:

۱ : وہ دنیا جو بقدرِ کفایت وضرورت حاصل کی جائے۔

۲ : وہ دنیا جو ملعون ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی فراغتی و وسعتِ عیال اور ہمسایوں پر احسان کرنے کے لیے دنیا میں روزی طلب کرے تو وہ خدائے عزّوجل سے اُس حالت میں ملاقات کرے گا جب کے اس کا منہ مثل چودھویں رات کے چاند کے روشن ہوگا۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو کوئی عیال کے لیے روزی میں کوشش کرتا ہے تو گویا وہ راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے۔ بہ تحقیق کہ جو کوئی طلبِ روزی میں غربت وسفر اختیار کرتا ہے خدا اُس کو دوست رکھتا ہے۔

نیز فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو دنیا کو بسبب آخرت کے یا بسبب دنیا کے آخرت کو ترک کردے۔

انھیں حضرتؑ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں دنیا کو طلب کرتا ہوں اور دوست رکھتا ہوں کہ میری طرف متوجہ ہو۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ تیری اس سے کیا غرض ہے۔

اُس نے عرض کیا کہ میں اور میرے عیال اُس سے فائدہ اٹھائیں۔ صلہ رحم بجالائیں۔ تصدق کریں۔ حج وعمرہ عمل میں لائیں۔



فرمایا کہ یہ دنیا کی طلب نہیں ہے بلکہ طلبِ آخرت ہے۔

حضرت امام موسیٰؑ کاظمؑ ایک وقت زراعت کا کام کرتے تھے۔ اس طرح پر کہ قدمِ مبارک آپ کے پسینے میں بھر گئے تھے۔

ایک شخص نے عرض کیا آپ کے کام کرنے والے کہاں ہیں کہ آپ خود وہ کام کرتے ہیں۔

فرمایا کہ زمین پر بیلداری انھوں نے کی ہے جو مجھ سے اور میرے باپ سے بہتر تھے۔

عرض کیا کہ کون اشخاص ہیں۔

فرمایا کہ رسول اللہؐ اور امیر المومنینؑ اور تمام میرے اجدادِ بزرگوار نے اپنے ہاتھ سے کام کیا ہے اور زراعت کی ہے۔ یہ عمل انبیاء ومرسلین واوصیا وصالحین کا ہے۔

اس مضمون میں اخبار بہت سے ہیں۔ پس زیادتی رزق وتوسیعِ نفقہ عیال وصرف راہِ خدا کے لیے کوئی کام کرنا دنیائے ممدوح میں سے ہے بلکہ ہر مومن کو لازم ہے کہ طریقہ کسب حلال پیدا کرکے اس سے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ خدا نے حضرتِ داوٴدؑ کو وحی فرمائی کہ وہ نیک بندہ ہے جس کی روزی بیت المال سے مقرر نہ ہو اور اپنے ہاتھ سے کوئی شغل رکھے۔ پس حضرتِ داوٴدؑ نے چالیس روز رات دن گریہ کیا۔ خدا تعالیٰ ان کے لیے لوہے کو نرم کیا۔ ہر روز ایک زرہ تیار کرتے تھے ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے یہاں تک کہ بیت المال سے مستغنی ہوئے۔

حضرت صادقؑ سے عرض کیا گیا کہ ایک مرد کہتا ہے کہ میں گھر میں بیٹھتا ہوں۔ نماز اور روزہ بجالاتا ہوں۔ عبادت پروردگار کی کرتا ہوں۔ روزی مجھ کو ضرور ملے گی۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

”منجملہ اُن تین آدمیوں کے یہ ایک شخص ہے جن کی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔“

اِن اخبار سے پایا جاتا ہے کہ ہر ایک مومن کو سزاوار ہے کہ راہِ کسبِ حلال وطیّب پیدا کرے۔ اسی کا نام حریت اور آزادی ہے۔ کیونکہ علمائے اخلاق کے نزدیک آزادی کے دو معنی ہیں

ایک تو یہی جن کا ذکر ہوا۔

دوسرے ہوا وہوس سے رہائی اور بندگی قوت شہویہ سے خلاصی۔

جس کا نام عفّت ہے اس کی ضد بندگی ہوا وہوس ہے جو قوتِ شہویہ کی زیادتی سے متعلق ہے اور امر اول یعنی طریقہ کسبِ حلال کی رقیت و بندگی بمعنی اخص ہے۔ یعنی لوگوں کا دست نگر ہونا 'ان کا مال پر نگاہ کرنا اور اپنی اور اپنے عیال کی روزی لوگوں کے حوالے کرنا خواہ بطریق حرام مثل ظلم وتعدی و غصب ودزدی یا خیانت یا غیر حرام مثلاً صدقہ لینا اور مال مردم کو فضول حاصل کرنا بلکہ مطلقاً کوئی چیز لوگوں سے لینا۔ آزادی نفس کو زائل اور آدمی کو گروہِ احرار سے خارج کردیتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ بندگی ورقیت بایں معنی صفاتِ مذمومہ وحالاتِ خبیثہ میں سے ہیں۔ کیونکہ اس کی ایک قسم یعنی بطریقِ حرام لوگوں کا مال حاصل کرنا۔ علاوہ اس کے موجبِ عذابِ اُخروی ہے۔ ایک قسم کی گدائی ہے جو بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ جمع ہوئی ہے اور ذلّت اور پستی پر مشتمل ہے بے شک اس سے زیادہ کونسی ذلت اور پستی ہوسکتی ہے کہ انسان کسی فقیر اور بے نوا پر ستم کرے جبر و تعدی وخیانت سے اُس کا مال اُڑائے اور اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے۔

اب رہی دوسری قسم یعنی طریق غیر حرام لوگوں سے لینا اگر چہ باوجود استحقاق حرام نہیں ہے لیکن چونکہ انسان کو اس میں بھی دوسرے کے ہاتھ کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ذلّت و انکساری سے خالی نہیں۔ آدمی خدا کے سوا دوسرے سے طمع رکھتا ہے اور اس سبب سے خدا پر اُس کا اعتماد کم ہوتا ہے۔ انجام کار صفتِ توکّل سلب ہوجاتی ہے اور مخلوق کو خالق پر ترجیح دینے لگتا ہے اور یہ امر یقیناً مقتضائے ایمان اور معرفتِ خدائے منّان کے منافی ہے۔

# فصل نمبر (۲)

## دنیائے مذمُوم اور غیر مذمُوم کا فرق

بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ خود حقیقتِ دنیا اور چیز ہے اور بندوں کے حق میں حقیقتِ دنیا دوسری شے ہے یعنی اشیائے مذکورہ سے دل بستگی رکھنا اور ان میں گرفتار رہنا۔ لیکن معلوم ہوچکا ہے کہ اس دل بستگی کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم ہے کہ انسان ان چیزوں کو وسیلۂ آخرت بنائے۔ یہ قسم نیک ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان اُن چیزوں کو امرِ آخرت کی درستی کے لیے حاصل نہ کرے۔ اسے سفرِ عالمِ قُدس کے



لیے توشہ نہ بنائے بلکہ محض حُصولِ لذّت اس کا مقصد رہے۔

یہی دنیا ہے جو تمام مذاہب میں بد ہے اور تمام پیغمبروں نے اسے حرام بنایا ہے۔ ہوا وہوس سے مراد یہی لذتیں ہیں اور جو شخص اِن سے باز رہے۔ اُس کے لیے خدا نے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی وہ تعلقات ہیں۔ جن سے بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ریا' حسد' عداوت' غرور ' فخر' بدگمانی' طمع' حرص وغیرہ۔

یہی وہ گرفتاری ہے جو انسان کو آخرت سے باز رکھتی ہے کیونکہ گرفتاری سے مراد یہ ہے کہ اشغالِ دنیویہ اور کاروبار دنیا میں انسان اس طرح مشغول ہو کہ خدا کو فراموش کردے اور جس کام کے واسطے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے غافل رہے چونکہ لوگ دنیا میں آنے کی حکمت کو نہیں جانتے اور معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اس لئے ضرورت سے زیادہ اپنے کو مشاغل دینویہ میں گرفتار کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے اشغال پیچیدہ میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے اشغال کا سلسلہ ایسا لامتناہی ہے جس کی حدّ و دانتہا نظر نہیں آتی گویا دنیا ایک باولی ہے جس کی تھاہ نہیں ہے۔ اس کے درجے بہت ہیں۔ کوئی درجہ اوّل پر ٹھہرے تو دوسرے درجہ پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح ایک درجے سے دوسرے درجہ مابعد پر پہنچتا رہتا ہے۔

غور کیجئے کہ انسان کو خوراک 'پوشاک اور مکان کی ضرورت ہے۔ ان تین چیزوں کے تدارک کے لیے پانچ صنعتوں کا ظہور ہوا یعنی زراعت' گلہ بانی' بُننا' معماری' شکار کرنا۔ انہی پانچ صنعتوں کے ماتحت بے شمار صنعتیں پیدا ہوگی جو آج نظر آرہی ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کسی ایک صنعت یا ایک سے زیادہ صنعتوں میں مشغول نہ ہو۔ غرض انہی تین چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے تمام عالم مشغول ہو۔ مگر بے کار اور کاہل جو بچپن سے لغویات میں پرورش پائے ہیں وہ دوسروں کے دست نگر رہنے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے سبب سے چوری اور گدائی کا ظہور ہوا۔

# فصل نمبر (۳)

## دنیا کی مذمّت اور اُس کی بے قدری اور بے اعتباری اور زوال اور بے وفائی

واضح ہو کہ دنیا خدا اور بندگانِ خدا کی دشمن ہے۔ خواہ وہ بندے خدا کے دوست ہوں یا دشمن۔

خدا سے دشمنی یہ ہے کہ اس کے بندوں کے راستہ کو مسدود کرتی ہے انکو اپنی آرائشِ ظاہر یہ پر فریفتہ کرتی ہے۔ اسی سبب سے جو روزی خدا نے ان کے لیے خلق کی ہے اس پر نظر نہیں کرتے اور دوستانِ خدا سے اس کی عداوت یہ ہے کہ اپنے کو ہر لحظہ آراستہ کرتی ہے۔ ان کی نظر میں جلوہ دیتی ہے اپنی نعمتوں کو اُن پر ظاہر کرتی ہے تا کہ اُن پر صبر دشوار ہو اور اس کا ترک کرنا ان کو تلخ و ناگوار ہو۔

دشمنانِ خدا سے اس کی دشمنی یہ ہے کہ اپنے دام کو اُن کے راستہ میں بچھا کر مکر وفریب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ان کی گردن کو اپنے پھندے میں ڈالتی ہے۔ ان کو ایمن اور ان کے دلوں کو اپنے سے مطمئن کر کے ایک دم اپنے دامن کو ان کے ہاتھ سے چھڑا لیتی ہے۔ ان کو پشیمانی و ندامت اور اندوہ وحسرت میں چھوڑ دیتی ہے۔ وہ بدنصیب تمام سرمایہ کھو کر اپنی سعادتِ ابدی سے محروم ہو کر آتشِ حسرت سینہ میں روشن کر کے فراق میں دنیائے غدّار کے نالے کرتے ہیں۔ اس کے مکر وفریب سے آہ کھینچتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ

''یہ وہ لوگ ہیں جو متاعِ حیات چندروزہَ دنیا کو نعمتِ آخرت کے بدلے خرید چکے ہیں اور عذاب ابدی میں گرفتار ہوئے ہیں۔ نہ ان کا عذاب کم ہوتا ہے نہ کوئی ان کی اعانت اور یاری کرتا ہے۔''

آپ دنیا کا فریب نہ کھائیے کہ یہ خدا اور اس کے بندوں کی دشمن ہے۔



## اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیفِ مترجم

عقد میں تو زالِ دُنیا کو نہ لا
ہے نہایت بیسوا یہ بے وفا
حُبِّ دنیا دل سے تو اپنے نکال
زینتِ دُنیائے دون پر خاک ڈال
دیکھ مائل ہو نہ دُنیا کی طرف
حیف اعلیٰ جائے ادنیٰ کی طرف

حضرتِ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک پر پشہ کے برابر ہوتا تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پینے نہ دیا جاتا۔

فرمایا کہ اگر کوئی شخص صبح کو اٹھتے ہی دنیا کے کام میں مشغول ہو تو کسی طرح اس کو خدا کے نزدیک راہ نہیں ہے۔ خدا اس کے دل کو چار خصلتوں میں گرفتار کرتا ہے۔ غم وغصّہ اور ایسی گرفتاری رہتی ہے کہ اس سے ہرگز فارغ نہیں ہوتا۔ اس کی جس قدر ضرورتیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں کبھی وہ پوری نہیں ہوتیں۔ آپ نے گرفتارانِ دنیا کو دیکھا ہے کہ ان کی آرزوئیں پوری ہوئی ہوں یا ان کی ضرورتیں رفع ہوئی ہوں کسی روز ایسا نہیں ہے۔ جو کسی نہ کسی امر میں گرفتار نہ ہوں۔ مفلسوں کو اگر غم ہے تو ایک غم مفلسی کا ہے۔ گرفتارانِ دامِ دنیا کو ہر گھڑی سو غم لگے ہوئے ہیں۔

انھیں حضرتؐ نے فرمایا کہ تعجّب اور ہزار تعجب ہے اُس شخص سے جو خانہ باقی و پائیدار کو ترک کرے اور جو گھر فنا ہونے والا ہے اس کے متعلق عمل کرے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اے فرزندِ آدم جو کچھ کہ مال ہے وہ میرا مال ہے اُس مال سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔ مگر وہی جو تو نے تصّدق کیا اور آگے بھیجا یا کھایا یا پہنا اور اور پرانا کیا۔

ایک روز سیّد عالمؐ قبرستان پر گزرے اور کھڑے ہو کر فریاد کی کہ آؤ اپنے اہلِ دنیا کو جو پرانے کفن پہنے ہیں جن کے استخوان بوسیدہ ہیں دیکھو۔

آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ دنیا گھر اس کا ہے جو کوئی گھر نہ رکھتا ہو۔ دنیا مال اس کا ہے جو کوئی مال نہ رکھتا ہو۔ جو کوئی عقل نہیں رکھتا اس کو جمع کرتا ہے اس کی وجہ سے دشمنی کرتا ہے جو کوئی

دانائی نہیں کرتا ہے۔ اُس پر حسد کرتا ہے۔ جو شخص بصیرت رکھتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے حالانکہ اس کے حاصل ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

فرمایا کہ جس روز سے خدا تعالیٰ نے دنیا کو خلق کیا اس پر نظر نہیں کی۔ قیامت کے روز دنیا عرض کرے گی اے خدا مجھ کو اپنے دوستوں کے لیے جو کم درجہ کے ہیں مقرر کر

خطاب ہوگا کہ خاموش ہو کہ میں نے کبھی ان کے لیے دنیا میں تجھ کو پسند نہیں کیا۔ آج کیونکر اُن کے لیے پسند کروں۔

فرمایا کہ قیمت میں ایک طائفہ کو لائیں گے جن کے اعمال نیک تھامہ کے پہاڑ کے مثل ہوں گے پس خداوند عالم کا حکم ہوگا کہ ان کو جہنم میں لے جائیں۔

بعض نے عرض کیا کہ:

''یارسول اللہ آیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے نہ ہوں گے۔''

فرمایا کہ نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے اور راتوں کو بیداری کرنے والے ہوں گے لیکن طالبِ دنیا ہوں گے۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرتِ پیغمبرؐ سے دولت سرا سے نکل کر اصحاب کو خطاب فرمایا کہ آیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ خدا جس کے اندھے پن زائل کرے اور اس کو بینا کردے۔ آگاہ ہو کہ جو کوئی دنیا پر مائل ہو اور اس کے کاروبار کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اُس قدر اس کے دل کا اندھا پن زیادہ ہوتا ہے۔ جو کوئی دنیا سے دُوری کرتا ہے اس کے علائق سے پرہیز کرتا ہے اپنی امید کو کم کرتا ہے حق تعالیٰ اس کو علم عطا کرتا ہے بغیر اس کے کہ دوسرا اس کی رہنمائی کرے۔

نیز اصحاب سے آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ تمھاری مالداری سے خوف کرتا ہوں دنیا تمھاری طرف رخ کرے جیسا کہ تم سے پہلوں کی طرف اس نے رُخ کیا ہے۔ پھر تم اس پر رغبت کرو جیسا کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ رغبت کی۔ پس یہ تم کو ہلاک کرے جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کیا۔

ایک روز فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ ایک قوم پیدا ہوگی جو پاکیزہ غذا کھائیں گے اور خوبصورت عورتیں کریں گے۔ ملبوس نفیس پہنیں گے۔ خوشنما گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ اُن کا پیٹ کبھی نہ بھرے گا۔ ان کا نفس کبھی قناعت نہ کرے گا۔ رات دن دنیا کے کاموں میں مشغول



رہیں۔ اس کی پرستش کریں گے اپنی خواہشات کی اطاعت کریں گے۔

پس محمد ابنِ عبداللہ سے ایک حکم لازمی یہ ہے کے جو شخص ان زمانہ والوں کو دیکھے جو تمھارے فرزندوں سے ہوگا۔ ان کو سلام نہ کریں۔ ان کے مریضوں کی عیادت کو نہ جائیں ان کے جنازوں میں شریک نہ ہوں۔ ان کے بوڑھوں کا احترام نہ کریں۔ پس جو کوئی اس کی مخالفت کرے ان امور کو بجالائے تو وہ گویا دینِ اسلام کے خراب کرنے میں اعانت کرنے والا ہے۔

فرمایا کہ مجھ کو دنیا سے کیا کام ہے میری مثال دنیا کے ساتھ ایک سوار کی سی ہے جو موسمِ گرما میں نیچے درخت کے آئے۔ ایک ساعت اس کے سایہ میں آرام لے اور چھوڑ کر چلا جائے۔

حضرت عیسٰیؑ کے کلام میں ہے کہ وائے ہو صاحبِ دنیا پر کہ وہ کیونکر مرے گا اور اس کو چھوڑے گا کس طرح اس کو عزیز رکھتا ہے اس پر اعتماد کرتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے۔ آخر کار دُنیا اس کو خراب کرتی ہے اس سے جُدا ہوتی ہے اُن پر افسوس ہے جو دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ کیونکر ان کے ساتھ دنیا سلوک کرتی ہے۔ وہ پھندا ان کے گلے میں ہے جسے وہ مکروہ سمجھتے ہیں یعنی موت اور ان چیزوں سے جدا کرتی ہے جنھیں وہ دوست رکھتے ہیں اور جو وعدے خدا نے کیے ہیں ظاہر ہوتے ہیں وائے اس شخص پر جو ایسی حالت میں صبح کرے کہ دنیا کی فکر اس کے دل میں ہو اور عمل اس کا گناہ ہو وہ کیونکر قیامت میں اپنے گناہوں سے رُسوا نہ ہوگا۔

ایک روز حضرت عیسٰیؑ نے ابابیل کو دیکھا کہ اپنے واسطے مکان بناتی ہے فرمایا کہ اس حیوان کے لیے تو مکان ہے مگر میرے پاس مکان نہیں۔

حواریین نے عرض کیا کہ اگر آپ کو مکان کی خواہش ہے تو ہم بھی آپ کے لیے مکان تیار کرتے ہیں۔

حضرتؑ انھیں دریا کے کنارے لائے اور کہا کہ دریا میں میرے واسطے مکان تیار کرو۔

سب نے عرض کیا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔

فرمایا کہ نہیں جانتے ہو کہ دنیا مثل دریا کے ہے اس میں ہر روز کشتی حیات ٹوٹتی اور غرقاب ہوتی ہے۔ لیکن کسی تختہ کا نشان پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ اے موسیٰؑ تجھے اس مکان سے کیا تعلق جو ظالمین کا ملجا و ماوا ہے۔ یہ مکان تیرا نہیں ہے اپنے دل کو اس سے فارغ کر اور اپنی ہوس کو اس سے الگ کردے کہ یہ

بہت برا گھر ہے مگر اُس شخص کے لیے ہے جو اس پر عمل کرے۔ اے موسیٰؑ میں کمین گاہ میں ظالم کے بیٹھتا ہوں تا کہ مظلوم کے حق کا اس سے بدلہ لوں۔ اے موسیٰؑ محبت دنیا کی اختیار نہ کر کیونکر کوئی گناہِ کبیرہ میرے نزدیک اس سے بدتر نہیں ہے۔

ایک روز حضرتِ موسیٰؑ نے کسی مرد کو راستہ میں دیکھا کہ خوف سے روتا ہے بعد واپسی بھی اس کو روتے دیکھ کر درگاہِ خداوند عالم میں مناجات کی کہ اے خدا تیرے خوف سے تیرا بندہ روتا ہے حق تعالیٰ کا اس وقت خطاب ہوا کہ اے پسرِ عمران اگر اس قدر گریہ کرے کہ اس کا دماغ آنسوؤں میں شریک ہو کر اس کی آنکھوں سے بہ جائے اپنے ہاتھوں کو میری درگاہ میں اس قدر بلند کرے کہ خشک ہوں تو بھی اس کو نہ بخشوں گا۔ اس وجہ سے کہ وہ دنیا کو دوست رکھتا ہے۔ ایک شخص نے سردار اولیاء سے عرض کیا کہ دنیا کی تعریف بیان فرمائیے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ کیا تعریف کروں۔ اگر کوئی یہاں تندرست ہو تو بے فکر نہیں ہے۔ اگر بیمار ہے تو پشیمان ہے۔ جو محتاج ہیں وہ غمگین۔ جو مالدار ہیں وہ مبتلا و مفقون ہیں۔ اگر حلال سے پیدا کریں تو اس کا حساب دینا ہوگا۔ اگر حرام سے پیدا کریں تو اس کے لیے عذاب ہے۔ دنیا سانپ کی مانند ہے کہ جس کا ظاہر نرم اور جس کے باطن میں زہر ہے۔

انھیں حضرتؑ کی بعض نصیحتوں میں ہے کہ دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ کہ اس کی محبت آدمی کو اندھا' بہرا' گونگا کرتی ہے اور ذلیل و خوار کرتی ہے۔

پس اپنی عمر کو معلوم کر کے گزرے ہوئے زمانہ کا عوض ادا کرو آج کے کام کو کل پر نہ رکھو۔ جو لوگ ہلاک ہوئے اسی طرح ہلاکت کو پہنچے ہیں وہ اپنی زندگی کو آرزو میں صرف کرتے رہے۔ تاخیر سے کام لیا۔ یکا یک حکمِ خدا پہنچا کوچ کا وقت آیا درآنحالیکہ وہ بسترِ غفلت پر سوتے تھے۔ پھر یکا یک خوشنما محلوں سے قبر کی تاریکی میں لے گئے۔ نجات کا دروازہ ان پر بند کیا گیا ان کے جورو بچے ان سے کنارہ کش ہوئے ان کا مال و اسباب آپس میں تقسیم کر لیا گیا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ دنیا کی زندگانی چند روزہ کہیں تم کو فریب دے کہ دنیا رنج و بلا کا گھر ہے۔ اس کی ناپائدار آرائش ہے اس کے حالات متزلزل ہیں اور اس کے رہنے والے مشوش و مضطرب اس کا عیش ناگوار ہے اور اس کی راحت ناپائدار۔ اہل دنیا ہدفِ تیر بلا اور ہزار ہا بلیات میں مبتلا ہیں۔ بندگانِ خدا خوب جان لو کہ تم اس منزل میں ہو کہ جس میں تم سے پہلے بھی ایسے



لوگ تھے جن کی عمر بہت بڑی تھی۔ جن کی جماعت بہت زیادہ تھی۔ ان کے شہر خوب آباد تھے اور اُن کا شہرہ بہت دُور دُور تھا ہزاروں آرزؤں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے اور آپس میں عہد شادی و خرّمی کیا کرتے تھے لیکن جب رات آخر ہوئی دن نکل آیا تو ان کی زبان خاموش ہوگئی۔ ان کے منہ میں خاک تھی انکے مکانات خالی رہ گئے۔ ان کا نام و نشان صفحہ روزگار سے مٹ گیا۔ ان کے قصرِ زرنگار تنگی قبر سے ان کا فرشِ زریں خاکِ گور سے بدگیا۔ اہل قُبور ایک دوسرے سے پریشان و دور ہیں۔ تمام ہمسایہ دار ہیں لیکن ایک دوسرے سے آمدورفت نہیں رکھتے۔ ان کے گھر ملے ہوئے ہیں مگر کوئی کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔ گو ایک شہر والے ہیں مگر ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتے اور آپس میں محبت نہیں رکھتے۔ قبروں پر بھاری پتھر رکھا ہوا ہے کہ ان میں بحسرت آرام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کیونکر آمدورفت ہو سکے۔ حالانکہ سنگِ بلا ان کے وجود کو کھا گیا ہے۔ قبر کی خاکِ مصیبت ان کی ہڈیوں اور بدن کو کھا گئی ہے۔ صبح روزگار نے ان کے دفتر زندگانی کو درہم و برہم کیا ہے۔ ان کی عیش و عشرت ناکامی و گرفتاری سے بدل گئی ہے۔ انکو خاک پر بٹھایا گیا ہے۔ ان کے دوست خاکِ ماتم اپنے سر پر ڈالے ہیں۔ انھوں نے ایسا سفر کیا ہے جہاں سے واپسی کی امید نہیں ہے ایسے بھنور میں غرق ہوئے ہیں۔ جس سے خلاصی کی امید نہیں۔

كَلَّآ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا

واپسی کا نام ہی نام اُن کی زبان پر ہوگا۔ مگر واپسی کہاں۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ٥

ان کے پیچھے ایک مقامِ برزخ ہے کہ اُس جگہ قیامت تک گرفتار ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ تم اس طرح تصّور کرو کہ گویا تم ان کے ہم نشیں تھے ہم پیالہ تھے ناگاہ ان کی زندگانی کا زمانہ گزر گیا۔ پیغامِ موت آ گیا۔ قبر کی خواب گاہ میں تنہا جا سوئے' اب تمھارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ مُردے قبروں سے باہر نکل رہے ہیں۔ رام ہائے پوشیدہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ بادشاہِ جلیل کے روبرو کھڑا کیا گیا ہے تو اُس وقت دل کی کیا حالت ہوگی گویا دل سینہ سے خوف کے مارے اڑے گا اور ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار رہے گا۔ دنیا سے ہاتھ اٹھاؤ ورنہ بالضرور دنیا تم سے ہاتھ اٹھائے گی۔ تمھارے بدن کو کہنہ و بوسیدہ کرے گی۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے وہ اس امر کو محسوس کرے گا۔ چہ جائیکہ عقل رکھتا ہو کہ بادشاہ ہو یا گدا۔ نیک ہو یا بد۔ غریب ہو یا غنی۔ اگر اس نے تھوڑے روز دنیا میں زندگی بسر کی اور اپنی قوت کے مطابق اسباب فراہم کرنے لگا تو اس کی یہ خواہش ابھی انجام کو نہ پہنچی تھی کہ دنیا سے گزر گیا اور دوسرے لوگ اس کے کاروبار میں دخیل ہو گئے۔ وائے اس دل پر جو لذت فانی کے کرشمہ پر فریفتہ ہو۔ خاک اُس عقل پر جو طفل تسلیوں پر مفتون ہو جائے۔ افسوس اس پر جو کوئی اپنی نقدِ حیات کو اس کے طلب کے بازار میں تلف کرے اور قوت جوانی کو اس کے حصول کی زحمت میں ضائع کرے۔ حضرت سید الساجدینؑ نے فرمایا کہ دنیا منہ پھیرے ہوئے جا رہی ہے اور آخرت متوجہ ہے کہ آ رہی ہے۔ ہر ایک شخص پر لازم ہے کہ صاحبِ آخرت ہونے کی کوشش کرے اور دنیا سے دل اٹھائے۔

## اشعار مثنوی لقمۂ شریں من تصنیفِ مترجم

عاقلوں نے خوب یہ دی ہے مثال
زندگی کو اس طرح کر تو خیال
آیا ہے دنیا میں تو جس روز سے
پیٹھ دنیا سے ہے تو پھیرے ہوئے
گویا منہ تیرا طرف عقبیٰ کے ہے
کر رہا ہے منزلِ عقبیٰ کو طے
ساتھ رکھ لے کچھ تو زادِ آخرت
تا کہ حاصل ہو مفادِ آخرت

واضح ہو کہ جو کوئی دنیا سے دل اٹھاتا ہے اور دنیا سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ اپنی بساط کو زمین اور اپنے فرش کو خاک سمجھتا ہے اس نے دنیا سے قطع تعلق کیا ہے جو کوئی دنیا سے ہاتھ اٹھاتا ہے اس کے نزدیک تمام تکالیف دنیا سے سہل اور آسان ہو جاتے ہیں۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو گویا اہلِ بہشت کو بہشت میں اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں دیکھتے ہیں۔ تمام اشخاص ان کے شر سے بے فکر ہیں ان کا دل غمگین ہے ان کا بوجھ دنیا میں ہلکا ان کا کام دنیا میں تھوڑا دو تین روز کی تکلیف کو اپنے



پر گوارا کر کے مقامِ ہمیشگی میں راحتِ ابدی کے ساتھ پہنچے۔ جب رات ہوتی ہے خدمتِ پروردگار میں کھڑے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آتشِ جہنم سے نجات طلب کرتے ہیں۔ جب دن نکلتا ہے تو آدمیوں سے حلم و دانائی و نیکی و پرہیزگاری کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ خوف و عبادت سے چوبِ تراشیدہ کے حالات مانند لرزاں ہیں۔ جو کوئی ان کو دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ بیمار و مریض ہیں۔ حالانکہ ان کو کوئی مرض نہیں ہے نہ ان کی عقل پریشان ہے بلکہ ان کو پریشانی خوفِ اعمالِ عبادتِ خدا کے باعث ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے جابر انصاری سے فرمایا کہ اے جابر دنیا سوائے غذا یا جامہ یا عورت کے دوسری کیا چیز ہے یا کیا ہو سکتی ہے۔ اے جابر اہلِ ایمان دنیا سے دل نہیں لگاتے۔ اے جابر آخرت دارِ قرار و در ابقا ہے دنیا منزل زوال و فنا ہے۔ لیکن اہلِ دنیا غفلت میں ہیں جو عقبیٰ کو یاد نہیں کرتے۔

حضرتِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا آبِ دریا کے مانند ہے جو کوئی پیاسا اس کو پیئے جاتا ہے اس کی تشنگی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے۔

فرمایا کہ جب خدا نے حضرتِ موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم کیا کہ فرعون کو دعوت دینے کے واسطے جائیں تو اُن کو وحی کی کہ اگر میں چاہوں تو زینت دنیا کی اس قدر تمھیں دوں کہ جب فرعون تم کو دیکھے تو اپنی عجز و بیچارگی کو پہچانے لیکن میں نے دنیا کو تم سے لیا ہے۔ تم پر دنیا کو تنگ کیا ہے۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا ہوں۔ دنیا کی نعمتوں کو اُن سے دور کرتا ہوں جیسا کہ مہربان چرواہا اپنی بکریوں کو جائے خطرناک و گیاہ زہرناک سے دور کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ان کی پستی نہیں ہے بلکہ اس سبب سے ان کے نصیب کو اپنی کرامت سے کامل کرتا ہوں۔

لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی اور کہا کہ اے فرزند دنیا کو آخرت کے لیے بیچ ڈال کہ دونوں سے فائدہ حاصل کیا جائے اور آخرت کو دنیا کیلیے نہ بیچ تا کہ دونوں کو نقصان پہنچے اے فرزند! تیرے سامنے آدمی اولاد کے واسطے بہت سا مال جمع کرتے رہے مگر نہ مال ان کے واسطے باقی رہا اور نہ اولاد۔ اے فرزند! بہ تحقیق کہ تو ایک بندہ مزدور ہے تجھ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اور مزدوری کا وعدہ کیا گیا ہے پس اپنا کام کر اور مزدوری لے۔ دنیا میں مثل گوسفند کے بسر نہ کر کہ کھیت میں گرے اس کو کھائے اور موٹا ہو آخر اس کا موٹاپن اس کے ذبح کا سبب ہو جائے دنیا کو ایک پُل

جان جو ایک نہر پر ڈالا گیا ہے جو کوئی اس پر سے گزرتا ہے۔ دوسرے وقت ہرگز اس پر سے نہیں گزر سکتا۔ پس ہرگز یہیں نہ ٹھہر اور اس کی تعمیر میں مشغول نہ ہو' کیونکہ تجھ کو اس کی نسبت حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اے فرزند! تجھ کو پروردگار کے روبرو چار چیزوں کا حساب دینا ہوگا:

۱ : جوانی کو کن چیزوں میں صرف کیا۔

۲ : عمر کو کس میں برباد کیا۔

۳ : مال کہاں سے پیدا کیا۔

۴ : مال کو کس طرح خرچ کیا۔

پس آمادہ ہو اور جواب کے لیے مستعد ہو جاؤ۔ دنیا کا غم نہ کھا کہ غم کھانے کے لائق نہیں ہے۔ کیا یہ اچھا مقولہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز تیرے ہاتھ نہیں لگتی مگر یہ کہ تجھ سے پہلے بھی کوئی اس کا مالک تھا اور تیرے بعد بھی کوئی نہ کوئی اس کا مالک ہوگا۔ یہاں صبح وشام کے کھانے کے سوائے کوئی چیز تجھ کو حاصل نہیں ہوتی لہٰذا صرف کھانے کیلئے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ دنیا میں مثل روزدار کے بسر کر کہ آخرت میں افطار کرے۔ کوئی شک نہیں ہے یہ زمین وہی زمین ہے جس پر دوسرے بھی چلے ہیں۔ یہ سامان وہی سامان ہے جس کو گزشتگان اپنے مصرف میں لائے۔ اگر تو بادشاہ ہے تو اس کو بہت سے بادشاہ چھوڑ گئے ہیں۔ اگر تو مزارع ہے تو خیال کر کہ بہت سے زراعت کرنے والے اس میں تخم بو چکے ہیں۔

## اشعارِ مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

بے وفا ایسی عروسِ دہر ہے
مہر جس کا شوہروں کو قہر ہے
ایک حالت پر نہیں دنیائے دُوں
طالبِ دنیا کی حالت ہے زبُوں
ہے یہ دنیا عرصہ گاہِ امتحان
شادی و غم ہے ہمیشہ تو اماں
ہر گھڑی ہے موت تیری تاک میں



ایک دن جانا ہے تجھ کو خاک میں
یہ نہیں ہوتی ہے ہرگز صبح و شام
زندگانی ہو رہی ہے اختتام

بعض حکما نے کہا ہے کہ دنیا تھی میں نہیں تھا وہ رہے گی میں نہ رہوں گا۔ پس کس طرح دل اس سے لگایا جائے۔ کس لذّت کی اس سے توقع کی جائے۔ حقیقت میں اس کا عیش ناگوار اس کی روشنائی تیرہ وتار ہے۔ اہل دنیا ہمیشہ اس خوف اور اندیشہ میں کہ کس روز یہ نعمت ہاتھ سے جاتی ہے یا کونسا حادثہ واقع ہوتا ہے یا کونسا ایسا وقت آنا ہے کہ موت آجاتی ہے بسر کرتے ہیں۔ دنیا میں کونسی چیز ایسی ہے کہ آدمی جس سے خوش ہوتا ہے جس کے ساتھ کوئی غم نہ ہو۔ دنیا شیطان کی ایک دکان ہے۔ اس دکان سے کوئی چیز نہ لے کہ تیری طلب میں دنیا نکلتی ہے۔ تجھ کو پکڑتی ہے اور جو کچھ تو نے لیا ہے اس کو واپس لے لیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر دنیا طلا ہوتی اور آخرت سفال تو بھی عاقل سفال کو جو باقی رہنے والی ہے۔ بمقابل اس طلا کے جو فنا ہونے والا ہے اختیار کرتا۔ حقیقتاً دنیا سفال فانی اور آخرت طلائے باقی ہے۔ اگر سفال نہ ہوتی تو خدا اپنے دشمنوں کو نہ دیتا۔

ایک پیغمبر کو وحی ہوئی کہ آدمیوں کے ساتھ دشمنی کرنے سے پرہیز کرو ورنہ میری نظر سے گر جاؤ گے اور اُس وقت میں دنیا کی نعمتیں تم پر نازل کروں گا۔

مروی ہے کہ جب خاتمِ انبیاء مبعوث ہوئے تو ابلیس کا لشکر اس کے اطراف جمع ہو کر کہنے لگا کہ خدا نے ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جس کی ایک امت قرار دی گئی ہے۔

ابلیس نے کہا کہ کیا اس کی امت دنیا کو دوست رکھے گی؟

انھوں نے کہا کہ ہاں۔

اس وقت ابلیس نے کہا۔ کوئی پرواہ نہیں۔ وہ بُت پرستی نہیں کرتے نہ کریں میں رات دن ان کو اسی مشغلہ میں لگاؤں گا کہ مال خلافِ حق حاصل کر کے بیجا طور پر صرف کریں اور حقدار کو نہ دیں۔ پس ان میں اسی وجہ سے تمام خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ عقلمند تین گروہ ہیں:

۱ : وہ جو دنیا سے ہاتھ اٹھاتا ہے قبل اس کے کہ دنیا اس سے ہاتھ اٹھالے۔

۲ : وہ کہ اپنی قبر کی تعمیر کرے قبل اس کے کہ اس جگہ جائے۔

۳ : خدا کو اپنے سے راضی رکھے قبل اس کے کہ ملاقات کرے۔

ایک امیر نے کسی سن رسیدہ سے جس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی سوال کیا کہ آپ نے دنیا کو کیوں کر دیکھا۔

اس نے جواب دیا کہ چند سال سختی و بلا میں اور چند سال آسانی و سہولت میں گزرے اور یہ قلّتِ مال دنیا کے ساتھ بھی گزر جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک دنیا میں آتا ہے دوسرا دنیا سے جاتا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں نہ آتا تو آدمی تمام ہو جاتے اور اگر آدمی نہ مرتے تو آدمیوں کے لیے دنیا کی جگہ تنگ ہوتی۔

اس امیر نے کہا۔ ''مجھ سے کسی چیز کی خواہش کر۔''

تو اس نے کہا کہ میری عمر گزشتہ کو واپس دے اور آنے والی موت کو دُور کر۔

امیر نے جواب دیا کہ یہ میری قدرت میں نہیں ہے۔

پس اس نے کہا کہ مجھ کو بھی تجھ سے کوئی کام نہیں ہے۔

بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے بہشت ایک مقام ہے اور اس سے زیادہ اس شخص کا دل آباد ہے جو اسے آباد کرے اور دنیا ایک مکان خراب و برباد ہے اور اس سے زیادہ اس شخص کا دل خراب و برباد جو دنیا کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے احادیث مذمّت و بے وفائی دنیا میں وارد ہوئے ہیں حضرتِ رُوح الامینؑ نے حضرت نوحؑ سے جن کو دو ہزار پانسو سال کی عمر عطا ہوئی تھی پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کس طرح پایا؟

حضرتؑ نے جواب دیا۔ دنیا کو مثل ایک مکان کے پایا جس کے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے داخل ہوں اور دوسرے دروازے سے باہر نکل جائیں۔

مذمّتِ دنیا میں سے ایک یہ ہے کہ خدا نے اس کو اپنے کسی دوست کے واسطے پسند نہیں کیا بلکہ ان کو اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان لوگوں نے بھی اس سے دل اٹھایا اور بقدرِ ضرورت حاصل کر کے باقی کو آگے بھیج دیا۔ لباس اُتنا ہی لیا جو بدن کو ڈھانک لے اور غذا اتنی ہی حاصل کی جس سے حیات باقی رہے اور بس۔



## اشعار مثنوی لقمۂ شریں من تصنیف مترجم

کیجیو دنیا کو حاصل اس قدر
جس سے عقبیٰ کو نہ پہنچے کچھ ضرر
ہاتھ سے دنیا کو کھو کر تو نہ بیٹھ
مفلس و محتاج ہوکر تو نہ بیٹھ
آخرت کو کھو نہ دنیا کے لیے
پُر معاصی ہو نہ دنیا کے لیے
لے کے دنیا کو عقبیٰ کے عوض
منتفع دونوں سے ہو تو الغرض

دوستانِ خدا نے دنیا کو منزل گزرگاہ سمجھا ہے اس سے سوائے توشہ کے کچھ نہیں چاہا۔ اپنی دنیا کو خراب و ویران کیا اور آخرت کو معمور و آباد کیا۔

صَبَرُوْا قَلِيْلًا وَّ نُعِمُوْا طَوِيْلًا

تھوڑی مدت زحمت پر صبر کرنے سے ہمیشہ کے لیے راحت و نعمت حاصل کر گئے۔

لہٰذا آپ بھی ان کی پیروی کیجئے۔ اس دنیائے فانی سے دل کو اٹھایئے واضح ہو کہ دنیا کے لیے بقا نہیں۔ شاہانِ عرب و عجم کو دیکھیے کہ اپنی سلطنت و لشکر سے قبر میں کیا لے گئے۔ سلاطین ترک و ویلم کو ملاحظہ کیجئے کہ سوائے روٹی کے ایک نوالے کے دنیا میں سے اور کیا کھا گئے۔

## اشعار لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

گر نہ ہو دنیا موافق کر نہ رنج
ہاتھ سے ہرگز نہ کھو عقبیٰ کا گنج
تارکِ دنیا یہی کہتے ہیں سب
ہے یہ جیفہ فائدہ اس سے ہے کب
گزرے کیسے کیسے شاہانِ سلف

ہو گئی ہے سلطنت اُن کی تلف
خسرو و نوشیرواں و کیقباد
کس کو دُنیا سے ہوا آخر مفاد
عرصۂ عالم میں جو تھے پہلواں
خاک میں وہ مل گئے کیا کیا جواں
سام و زال و رستم و افرا سیاب
مرمٹے یہ ہو گیا ہے انقلاب
پُر جگر ا شجع بہادر صف شکن
ہوگئے ہیں خاک ان سب کے بدن
کیسے کیسے وہرے اُٹھے حکیم
رکھتے تھے جو حکمت و عقلِ سلیم
کس جگہ ڈھونڈیں کہاں پائیں پتا
بُو علی سینا و جالینوس کا
وہ حکومت وہ شرف کس جا ہے آج
پادشاہوں کا کہاں ہے تخت و تاج
زیبِ تن کرتے تھے جو شاہ و وزیر
اطلس و کمخواب و دیبا و حریر
ٹانکتے تھے جو گہُر پوشاک میں
اُن کو دنیا نے ملا یا خاک میں
سورہے ہیں سب کے سب زیر زمیں
پُوچھنے والا کوئی اُن کا نہیں
ہوگئے ہیں خاک سارے استخواں
قبر کا باقی نہیں نام ونشاں



# فصل نمبر (۴)

## دنیا کی مثالیں اور تشبیہات

واضح ہو کہ دنیا کے چند صفات وحالات ہیں۔ ہر ایک صفت کو دوسری چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔اسی وجہ سے بہت سی مثالیں دنیائے غدار کی ہیں۔

## مثال ا:

خداوند عظیم نے کتابِ کریم میں دنیا کی بے ثباتی وسرعتِ زوال کو ایک گھاس سے تشبیہ دی ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ بسبب بارش کے اس میں چندے تر وتازگی پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب آفتاب اُس پر چمکتا ہے تو وہ خشک ہوجاتی ہے اور اس کو ہوا متفرق و پریشان کر دیتی ہے نیز اسی صفتِ سرعتِ زوال کے متعلق بعض احادیث میں اس کی تشبیہ پُل سے دی گئی ہے جس پر سے بہت جلد گزر جانا چاہیے۔

## مثال ۲:

اس کی حقیقت واصلیت کے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ دنیا ان خیالات کے مانند ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے اور جب ہوشیار ہوتا ہے تو ان کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ حقیقتاً دنیا مثل خواب کے اور موت مثل بیداری کے ہے۔ جب یہ خواب ختم ہوجائے گا تو اُس وقت آدمی دیکھے گا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ مرنے کے قبل بھی یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب عیش ولذّت یا رنج ومصیبت کے دن ختم ہوجاتے ہیں تو وہ مثل خواب کے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض امور میں شک ہوتا ہے کہ آیا وہ خواب دیکھے گئے یا بیداری میں پس اس چیز کا کیا اعتبار ومرتبہ ہے جس پر خواب کا اشتباہ ہو بلکہ گزر جانے کے بعد اس میں اور خواب میں کوئی فرق نہیں۔

## مثال ۳:

اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ دنیا کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ یہ ہے کہ دنیا اُس بوڑھی

ناپاک عورت کے مانند ہے کہ جس نے اپنے ظاہر کو آراستہ کیا جو اور طرح طرح کے زیور سے مزین ہوتا کہ آدمی اس پر عاشق ہوں اس کا فریب کھا کر اس کو آغوش میں لیں جب اس کے چہرے سے نقاب اٹھائیں اس کے باطن سے آگاہی ہو اس کو دیکھیں تو وہ عورت بدصورت و بد خصلت نظر آئے۔

مروی ہے کہ قیامت میں دنیا کو مثل ایک بوڑھی عورت کے جس کے بال نیلے اور آنکھیں سبز اور دانت لانبے رخسار چپکے ہوئے ہوں گے لائیں گے تمام آدمیوں سے ملائیں گے اور کہیں گے کہ اس کو پہچانتے ہو اس وقت سب کہیں گے کہ نعوذُ باللہ ہم اس کو نہیں پہچانتے۔ خطاب ہوگا کہ یہ وہ دنیا ہے جس پر تم فخر کرتے تھے جس کے واسطے سے ایک دوسرے پر رشک و دشمنی و قطع رحم کرتے تھے۔ پس دنیا کو جہنم میں ڈالیں گے۔ دنیا فریاد کرے گی کہ خداوندا میری پیروی کرنے والے اور دوست کہاں ہیں۔ پس خداوندِ عالم ان کو بھی جہنم میں ڈالے گا۔

بعض نے اس خصوص میں دنیا کو سانپ سے تشبیہ دی ہے کہ اس کا ظاہر نرم و ملائم ہے اور اس کے باطن میں زہر قاتل بھرا ہوا ہے جس نے اس کے ظاہر و باطن کو پہچانا وہ اس تشبیہ اور اس کی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔

## مثال ۴:

کوتاہی عمر دنیا کے بارے میں یہ ہے کہ دنیا ہر کسی کے لیے مثل اس ایک قدم کے ہے جو اٹھایا جائے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اپنے وجود سے پہلے ازل الآزال پر اور اپنے جانے کے بعد ابدالآباد کی مدت پر غور کرے تو یہ چند روزہ زندگی دنیا اسے بقدر ایک قدم بلکہ اس سے بھی کم معلوم ہوگی۔ پس جو کوئی اس میں تامل کرتا ہے اور اس نظر سے دنیا کو دیکھتا ہے وہ دوسرے وقت دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ جس طریقہ سے یہ دو روز گزریں گزارتا ہے۔ اور کوئی اندیشہ وخوف نہیں کرتا۔ وہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھتا۔ یعنی مکان نہیں بناتا۔ ایسا ہی سیّد رسلؐ دنیا سے سدھارے۔ لیکن دنیا سے دل نہیں لگایا۔ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔



## مثال ۵:

دنیا اور آخرت کے تقابل کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں اُنگلی ڈبوئے اور اس پر کچھ رطوبت باقی رہ جائے تو یہ رطوبت گویا دنیا ہے اور آخرت دریائے ذخّار۔

پس جو شخص حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے دنیا کی قدر بمقابل آخرت کے بہت کم جانتا ہے لیکن یہ دیدۂ بینا کہاں ہے۔

## مثال ۶:

اس امر کے متعلق کہ دنیا کا کام انتہا کو نہیں پہنچتا یہ ہے کہ دنیا ایک دریائے شور ہے۔ پیاسا آدمی جس قدر اس سے پانی پیتا ہے اس کی پیاس زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پیتے پیتے ہلاک ہوجاتا ہے۔ یہ امر مشاہد و محسوس ہوتا ہے کہ دنیا سے وہی شخص سیر ہوتا ہے جس کی خواہش دنیوی کم اور جس کا علاقہ دنیا سے تھوڑا ہو اور جس کا مال و تجمّل زیادہ ہو اس کے لیے اسی قدر دردِ سر ہے اور اس کی گرفتاریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں جن کی انتہا نہیں ہے۔

## مثال ۷:

گرفتاری دنیا کے متعلق یہ ہے کہ اہل دنیا ریشم کے کیڑے کے مانند ہیں۔ یہ بے چارہ جس قدر اپنے گرد ریشم کا جال بنتا ہے اسی قدر نجات کا درواز اس کے لیے بند ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غم وغصہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ اکثر ابنائے روزگار اسی حالت میں مبتلا ہیں۔

## مثال ۸:

اس امر کے لحاظ سے دنیا کی ابتدا لطیف ہے اور انجام خبیث و کثیف غذائے لذیذ سے دی گئی ہے جو ابتداء یعنی کھانے کے قبل لطیف و پاکیزہ ہے۔ جب کھانے کے تھوڑی دیر بعد وہ تمام غذا اسی کثیف ونجس ہوجاتی ہے کہ آدمی اسکو دیکھنے سے نفرت کرتا ہے بلکہ طعام جتنا لذیذ ہوگا اسی قدر اس کی ثقالت و کثافت زیادہ ہوگی۔ اسی طرح خواہشاتِ دنیویہ جو زیادہ مرغوب ومحبوب ہیں

موت کے وقت ان کی اذیّت ومصیبت زیادہ ہوگی۔ان کا فتنہ اور فساد زیادہ ہوگا اور یہ امر دنیا میں بھی معائنہ ومحسوس ہوتا ہے کہ جس شے کی محبت زیادہ ہو اس کے حصول کی لذّت بھی زیادہ ہوتی ہے اور اس کی جدائی وفراق کا درد والم ومصیبت وماتم زیادہ ہوتا ہے۔پس موت نہیں ہے مگر دنیا سے جدا کرنے والی۔

## مثال ۹:

دنیا کو ایک ایسے مکان سے مثال دی گئی ہے جو طرح طرح کے رنگا رنگ پھولوں سے آراستہ ہو اس مکان میں یکے بعد دیگرے ترتیب سے آدمیوں کی آمد ہو۔جب اس مکان میں داخل ہوں تو ان پھولوں کو دیکھیں خوش ہوں سونگھیں اور دوسروں کے واسطے جو بعد کو آنے والے ہیں چھوڑ کر چلے جائیں نہ یہ کہ اُن پھولوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں۔پس وہ اشخاص جو گمان کریں کہ یہ سب ہم کو دیے گئے ہیں اس لیے ان کے ساتھ محبت کریں شاد وخوش ہوں لیکن جب وہ مکان سے باہر لے جانا چاہتے ہیں تو ان سے واپس لے لیے جاتے ہیں اس وقت وہ رنجیدہ وغمگین ہوتے ہیں ان کی خوشی غمی سے بدل جاتی ہے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے وہ ان سے نفع اٹھاتا ہے مالک مکان کی شکر گزاری کرتا ہے اور خوش خوش اس جگہ سے باہر جاتا ہے۔ایسا ہی جس نے دنیا کو پہچانا اپنے آنے کے مقصد کو معلوم کیا تو جانتا ہے کہ وہ اس گھر کا مہمان ہے جس کو عالمِ آخرت کے مسافروں کے واسطے مہیا کیا گیا ہے۔پس جب اس منزل پر پہنچیں تو فائدہ اٹھا کر اسے چھوڑ دیں اور مقصد کی طرف روانہ ہوں جو کوئی نادان وجاہل ہے حقیقتِ امر سے غافل ہے وہ گمان کرتا ہے کہ یہ مال میرا ہے اس کے ساتھ محبت کرتا ہے جب اس کو باہر کرتے ہیں جو کچھ اُس نے جمع کیا ہے اس سے واپس لیتے ہیں تو اس کی مصیبت سخت اور اس کی تکلیف بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔

## مثال ۱۰:

دنیا کو ایسے جنگل وسیع لق ودق سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں پانی ہو نہ کوئی گھاس۔ایک جماعت بے توشہ وسواری ہو وہ لوگ اس جنگل میں وارد ہو کر راستہ بھول گئے ہوں اور حیران و سرگرداں قریب ہلاکت ہوں اس اثنا میں ایک مرد آئے اور کہے کہ جب تم کو کسی سبزہ زار میں



پہنچاؤں تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ وہ جواب دیں کہ ہم تیری اطاعت سے باہر نہ ہوں گے اس پر اقرار لے کر اُن کو ایک ایسے چشمہ پر جس میں تھوڑا پانی اور جس کے اطراف کچھ سبزہ زار بھی ہو لائے۔وہ لوگ اُس سے پانی پئیں اور تھوڑی سی دیر آرام لیں۔اتنے میں وہ شخص پھر کہے بسم اللہ کوچ کرو کہ تم کو دوسری آبادی وباغ کی طرف لے جاؤں۔یہ لوگ کہیں کہ یہی پانی وسبزہ زار کافی ہے۔یہی ہم کو بہتر ہے ہم نہیں آئیں گے۔ایک گروہ اس کے قول کو قبول کر کے کہتا ہو کہ تم نے اس کے ساتھ اقرار نہیں کیا تھا کہ اس مرد کے قول کو رَد نہیں کریں گے۔یہ جنگل رہنے کی جائے نہیں ہے۔جب رات آئے گی تو راہزن اور درندے آکر نیست ونابود کریں گے۔پس اس جماعت میں سے ایک گروہ اس مرد کے قول کو قبول کر کے اپنے مقصد پر پہنچیں اور باقی وہیں رہ جائیں۔جب رات ہو تو چور آئیں۔بعض کو مار ڈالیں اور بعض کو قید کریں۔

## مثال ۱۱:

وہ ہے جس کو صدوق رحمہ اللہ علیہ نے کتابِ الجمال الدّین میں بعض حکماء سے نقل کیا ہے۔ خصوص اُن لوگوں کی حالت میں جو دنیا پر مغرور ہو کر موت سے غافل ہیں اور لذات فانیہ دنیویہ میں مشغول ہیں۔

## اشعار مثنوی لقمہ شیریں من تصنیف مترجم

طالبِ دنیا کی یہ ہے اک مثال
موت کا جس کو نہ ہو ہرگز خیال
اس طرح سے اس کا ہے حالِ خراب
ہو کمر میں اس کے گویا اک طناب
اس کنوئیں میں ہو وہ آویزاں و خوار
اژدہا کرتا ہو جس میں انتظار
موش دو ہوں ایک کالا اک سفید
کرتے ہوں رسّی کو وہ قطع و برید
شہد تھوڑا ہو لگا اس چاہ پر

مکھیاں ہو جمع اس پر سر بسر
کی نظر نیچے تو کیا ہے دیکھتا
اژدہا بیٹھا ہ منہ کھولا ہوا
دیکھتا ہے پاس سے اُوپر اگر
چوہے رسی کو کترتے ہیں ادھر
باوجود اس کے ہے راغب شہد کا
چاہتا ہے حلق ہو میٹھا ذرا
چاہ ہے گویا کہ و ہر بد صفات
اور وہ رسی ہے انسان کی حیات
جس کو اژدر ہے کہا وہ ہے اجل
زندگی میں ڈالتی ہے جو خلل
موش وہ دو رنگ کے ہیں صبح و شام
عمر کی ڈوری کترتے ہیں مدام
شہد میں دنیائے دوں کی لذّتیں
جن میں صد ہارنج صد ہا آفتیں
طالبِ دنیا ہے وہ ہر اک مگس
کچھ نہیں ہے جن کو فکر پیش و پس

## مثال ۱۲:

اہل معرفت نے دنیا کے فضول اشغال اوران کی حسرت وندامت کو جو بعد مرنے کے واقع ہوگی اس طرح ذکر کیا ہے اور اہل دنیا کو اُس طائفہ سے مثال دی ہے جو کشتی میں بیٹھ کر جزیرہ کو قضا کے حاجت کے لیے جائیں باوجو یہ جانے کہ کشتی کنارہ جزیرہ پر انتظار نہ کرے گی جلد واپس ہونا چاہے پس اس جزیرہ میں داخل ہوکر متفرق ہوں۔ان میں سے بعض ضرورت سے فارغ ہوکر کشتی پر آئیں۔جائے وسیع پاکر آرام لیں۔ایک طائفہ سیر میں جزیرہ کے مشغول ہو۔ بعد ایک ساعت کے فکر کرے اور اپنے کو کشتی تک پہنچائے لیکن ان کو جائے تنگ بڑی زحمت سے حاصل ہو۔



دوسری قوم پتھر کے ٹکڑوں اور حیوانات کے ساتھ دل بستگی اختیار کرے۔اُس جائے سے انکے بغیر نہ نکلے اور ان کو کاندھے پر اٹھا کر ایسے وقت میں پہنچے کہ توڑی سی جگہ ان کو بڑی زحمت وتکلیف سے ملے اور جو کچھ اٹھا کر لائے ہیں نہ اس کو کاندھے پر سے رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی جگہ پھینک سکتے ہیں۔ تنگی جائے اور ان کے بوجھ سے ایک مصیبت میں ہیں اور پشیمان ہیں۔دوسری جماعت اسی مشغولِ سیر ہو کہ کشتی و دریا اور نیم اپنے مقصد کو بھول جائیں اسی جائے رہ جائیں کہ رات اور اندھیرا ہوجائے درندے جھاڑیوں سے نکل کر بعض کو کھا جائیں۔بعض ان کی محبت میں ہلاکت ہوں۔بعض غصّہ وگرسنگی سے تلف ہوں جو لوگ اس جزیرے سے بوجھ اٹھا کر لائے ہوں وہ بوجھ ان کے کاندھے پر رہ جائے۔اہلِ کشتی کے طرح طرح کے الفاظِ بے ہُودہ سنیں'ان حیوانات کو جو اٹھائے ہوں مرجائیں۔ان کے مردے کاندھے پر رہ کر بدبو ہوجائے ان کی بدبو سے بیمار ہوں اور کشتی میں مرجائی یا بیمار ہوکر وطن کو پہنچیں اور ہمیشہ بیمار رہیں یا ایک عرصہ کے بعد مرجائیں۔وہ لوگ جو بہت دیر میں آئے ہوں لیکن کوئی چیز نہیں اٹھائے ہوں۔مگر کشتی میں بسبب تنگی جائے کے تکلیف اٹھائیں گے۔کشتی سے باہر آنے کے بعد راحت وآرامی میں بسر ہوگی۔جو لوگ شروع میں آئے ہوں اور انھیں کشادہ جگہ ملی ہو وہ ہمیشہ آرام میں ہوں گے تاکہ صحت وسلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر وارد ہوں۔

# فصل نمبر (۵)

## وہ دُنیا جس سے آخرت کی اعانت ہوتی ہے

سابق میں ذکر کیا گیا کہ دنیا دوقسم پر ہے۔ایک بہتر۔دوسری خراب۔اس کا بیان یہ ہے کہ مراتبِ سعادت وتقرب بارگاہِ احدی اس وقت تک میسر نہیں ہوتے جب تک کہ صفائی دل و محبت خدا نہ ہو۔صفائی دل کا سبب خواہشاتِ دنیویہ سے نفس کو باز رکھنا ہے اور عبادت وطاعت کرنا سبب محبت خدا ومعرفت خدا کے ہے اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ ہمیشہ عجائبات وغرائباتِ پروردگار میں فکر نہ کی جائے۔محبت زیادتی یادِ خدا ہے جو ہمیشہ رہے۔یہی تین صفتیں آدمی کو نجات اور مراتبِ سعادت پر پہنچاتی ہیں۔یہی باقیات الصّالحات ہیں۔کوئی شک نہیں کہ جو کوئی ان تین صفتوں یا ان کے اسباب کے حاصل کرنے میں مشغول ہو تو وہ سالکِ راہ آخرت ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کے حاصل کرنے کے لیے صحتِ بدن کی ضرورت ہے جو غذا پر موقوف ہے جس سے انسان کی حیات باقی رہتی ہے۔اسی طرح لباس اور رجائے سکونت کی بھی ضرورت پائی جاتی ہے۔ پس جو کوئی دنیا سے اسی قدر حصولِ آخرت کے لیے حاصل کرے وہ اہل دنیا سے نہ ہوگا بلکہ دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی لیکن اگر حظِ نفس وخوشگزرانی کے قصد سے دنیا میں اس سے بھی کم حاصل کیا جائے تو وہ دنیا دار کہلائے گا۔اب حظّ نفس وخوشگزرانی دنیا میں دوقسم پر ہے:

ایک وہ کہ جس کے حاصل کرنے والے کو آخرت میں عذاب میسر ہوگا۔اس کو حرام کہتے ہیں۔

دوسرا وہ کہ اس کے سبب سے عذاب تو نہیں ہوتا لیکن وہ سبب طول حساب ہے اور اس کے سبب سے انسان آخرت میں درجاتِ بلند سے محروم رہتا ہے۔اس کو حلال کہتے ہیں۔

پس صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ زیادہ دیر محشر میں حساب کے لیے ٹھہرنا بھی ایک عذاب ہے بلکہ اگر حساب بھی نہ لیا جائے وہی درجات بلند جو بہشت میں میسر نہ ہوں گے اس کی حسرت اور ندامت بھی ایک سخت عذاب ہے اس کا اندازہ اس طرح کر لیجیے کہ اگر آپ کے برابر والے



مراتب دنیویہ پر آپ سے زیادہ رتبہ میں بڑھ گئے ہوں اور آپ بسبب اپنی کوتاہی وتقصیر کے پستی میں رہیں تو کس قدر حسرت وندامت آپ کو حاصل ہوگی باوجود اس کے آپ جانتے ہیں کہ ان مراتب کو کوئی بقا نہیں ہے۔

پس غور کیجیے کہ آپ کا حال کس طرح ہوگا جب کہ وہ مرتبہ وسعادت آخر آپ کو حاصل نہ ہو کہ اگر اہلِ زمانہ اس کی بزرگی کا وصف بیان کرنے میں اپنی عمر صرف کر دی تو پوری تعریف نہ کر سکیں گے۔پس جس کو دنیا میں کوئی نعمت حاصل ہو یا کوئی لذّت پائے اگرچہ وہ بلبل کی آواز ہی کیوں نہ ہو یا کسی باغ کی سیر کی جائے یا پانی سرد وخوشگوار پیئے تو اس کے مقابلہ میں آخرت کی لذّت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔اس کو خوف وخطر محاسبہ اٹھانا ہوگا اور وہ ذلّت وانکساری دیکھے گا۔

پس دنیا حلال ہو یا حرام وملعون ضرور موجبِ نقصان ہے مگر یہ کہ وہ دنیا جو آدمی کی تحصیلِ آخرت پر معین ہو بلکہ وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں ہے پس جس کی معرفت بڑھی ہوئی ہے اس کا اجتناب بھی دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔یہاں تک کہ منقول ہے کہ زاہد مطلق حضرتِ عیسٰی ابن مریمؑ نے جب استراحت کے لیے اپنے سر کے نیچے ایک پتھر رکھ لیا تو شیطان نے آ کر کہا کہ آخر دنیا کی طرف رغبت کی۔آپ نے اُس پتھر کو دُور پھینک دیا۔

سلیمان ابن داوٗدؑ باوجود سلطنت و بادشاہی کے دوسروں کو عمدہ عمدہ کھانا کھلاتے تھے۔خود نانِ جو نوش فرماتے تھے اور اسی وجہ سے دنیا کو خداوند عالم نے سید آخر الزّماںؐ سے دور رکھا۔ یہاں تک کہ اکثر ایام حضرتؐ بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدّت سے شکمِ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔اسی وجہ سے خدا نے سختی محنت وبلا کو انبیاء واولیاء وارباب دین کے واسطے قرار دیا۔ جو کوئی اس بزم سے قریب ہو اس کو جام بلا کا زیادہ دیتے ہیں۔یہ تمام از راہِ محبت ومہربانی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں مراتبِ قرب وسعادت پر فائز ہوں۔جیسا کہ پدرِ مہربان اپنے فرزند کو غذائے چرب وشیریں سے منع کرتا ہے جس سے وقصد وحجامت کا اندیشہ ہو یہ عداوت نہیں ہے بلکہ از راہ مہربانی وشفقت ہے تامل کیجیے کہ اگر کوئی غلام زنگی خراب رکھتے ہوں وہ عمدہ عمدہ مختلف کھانے اور حلوے آپ کے سامنے کھائے تو آپ متعرض نہ ہوں گے بلکہ اگر آپ کو زیادہ ہم دست ہو تو خود بھی آپ اس کو دیں گے لیکن آپ جس لڑکے کو عزیز رکھتے ہوں اس کے ہاتھ میں ایک دانہ خرمہ کا دیکھیں گے تو اس سے چھین کر پھینک دیں گے۔اس کی آزردگی کی پروانہ ہوگی بہ نسبت اس کے

کھانے سے خرابی پیدا ہو۔ پس اپنی قدر و منزلت کو جو خدا کے نزدیک ہے معلوم کیجئے

بیانِ صدر سے ظاہر ہوا کہ جو کچھ خدا کے واسطے ہے وہ دنیا نہیں ہے۔

اب واضح ہو کہ دنیا میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ تین قسم پر ہیں:۔

۱ : وہ جو خدا کے واسطے نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ وہ از روئے حقیقت اور صورت دنیا ہیں جیسے کہ معاصی و محرمات و تنعم بمباحات۔ پس یہ وہ دنیا ہے جو علی الاطلاق مذموم ہے

۲ : یہ کہ صورت کے لحاظ سے تو وہ چیزیں دنیا ہیں لیکن از روئے حقیقت وہ دنیا کے واسطے بھی ہو سکتی ہیں اور خدا کے واسطے بھی مثلاً کھانا پینا اور نکاح وغیرہ۔

۳ : یہ کہ ان چیزوں کی صورت تو خدا کے لیے ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کی حقیقت خدا کے لیے بھی ہو اور دنیا کے لیے بھی۔ مثلاً علم و عمل اور طاعت و عبادت یہ چیزیں صورت کے لحاظ سے دنیا نہیں ہیں لیکن اگر ان کو خدا کے لیے بجالائیں تو اس وقت ان کا تعلق دنیا سے نہ ہوگا اور اگر اُن سے غرض جاہ و منصب و شہرت ہے تو اُن کے دنیائے ملعونہ ہونے میں شک نہیں۔

# فصل نمبر (۶)

## مال دُنیا کی ایک شاخ ہے

معلوم ہو چکا ہے کہ ہر اُس چیز کو دنیا کہتے ہیں جس میں موت کے قبل انسان کا حصہ ہو خواہ وہ نعمت و مال ہو یا منصب و جاہ یا شکم پرستی و متابعت زنان یا طلبِ رتبہ بلند اور تکبر وغیرہ۔ حاصل کلام دنیا کے لیے بیحد شعبے ہیں۔ لیکن اعظمِ آفات جس کا تعلق قوتِ شہویہ سے ہے وہ مال ہے کیونکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ مال کے لیے بہت سے فوائد ہیں اور اُس میں بہت سی آفتیں اور خرابیاں بھی ہیں۔ اُس کی خوبی اور بہتری میں تمیز حاصل کرنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ مال کے نہ ہونے سے صفتِ فقر احتیاج پیدا ہوتی ہے اور اس کے وجود سے مالداری و ثروت حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ دو صفتیں ہیں جن سے خدا اپنے بندوں کا امتحان فرماتا ہے۔ اب فقر کے لیے دو حالتیں ہیں:

ایک حرص ۔ دوسری قناعت

ان میں سے ایک بہتر ہے اور دوسری بد۔ اسی طرح حریص بھی دو قسم پر ہے ایک وہ جو



کسب و صنعت میں حرص کرے۔ دوسرا وہ جو ظلم و زور اور عداوت سے آدمیوں کے اموال کو حاصل کرے۔ یہ دونوں گروہ خراب ہیں۔ گو گروہِ آخر بہ نسبت اوّل کے بدتر ہے۔ علیٰ ہذا غنا کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک بخشش کی بھی دو قسم ہیں:۔ ایک میانہ روی جو درجہ اوسط پر ہو وہ نیک ہے۔

دوسرا اسراف جو درجہ افراط پر ہو وہ بد ہے۔

یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ اب جو شخص مال کی خواہش رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ پہلے ان حالاتِ نیک و بد کی تمیز حاصل کرے طریقہ نیک اختیار کرے کہ نجات حاصل ہو۔

# فصل نمبر (۷)

## مذمّتِ مال اور روز قیامت کا محاسبہ

جب آپ نے جانا کہ ایک صورت دنیا کی مال ہے تو واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں مال کی مذّمت اور اس کی محبت کی خرابی کثرت سے بیان کی گئی ہے۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ⑨

یعنی ” اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تمھارے مال و اولاد تم کو مشغول نہ کریں یادِ خدا کو نہ بھلائیں ۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خسارے میں ہیں۔“ (سورہ منافقون)

پھر فرماتا ہے:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

یعنی ”تمہارے مال و اولاد امتحان ہیں۔ ان سے تمھارا امتحان کیا جاتا ہے۔“

## اشعارِ مثنوی مذکور

دُشمنی ہے مال و زر کی دوستی

اور زوجہ کی پسر کی دوستی
اس سے سرزد ہوتے ہیں فسق و فجور
اور فکر عاقبت رہتی ہے دور
نقل ہے تھا ایک عارف باخدا
نزع میں بیہوش جس دم وہ ہوا
جو رو بچے دوست سب رونے لگے
آنسوؤں سے اپنا منہ دھونے لگے
شور وغل سن کر ہوا وہ ہوشیار
پوچھا تم سب روتے ہو کیوں زار زار
زوجہ بولی اس لیے روتی ہوں میں
ہائے بیوہ اس گھڑی ہوتی ہوں میں
کھانا کپڑا کون اب دے گا مجھے
مثل تیرے کون چاہے گا مجھے
کی توجہ پھر جو لڑکے کی طرف
اس سے پوچھا روتا ہے کیوں اسے حلف
تب یہ اُس نے اس سے رو رو کر کہا
سر سے اُٹھ جاتا ہے سایہ آپ کا
عیش میں گزریں گے کیونکر روز و شب
شفقتیں مجھ پر کرے گا کون اب
پھر رفیقوں سے مخاطب وہ ہوا
پوچھا ان سے باعثِ گر یہ ہے کیا
بولے وہ چُھٹتا ہے تو یارِ قدیم
ہائے کیا کیا تھے ترے فیض عمیم
حال سب کا سن کے عارف نے کہا
میں نے اپنی زیست کو ضائع کیا
ہے ہر اک اپنے لیے اندوہ گیں



واسطے میرے کوئی روتا نہیں
یہ کسی کو بھی نہیں آتا خیال
نزع میں اس وقت کیامیرا ہے حال
پہلی منزل قبر کی درپیش ہے
کس طرح راہِ عدم ہوئے گی طے
کچھ نہیں ہے ساتھ میرے زادِ راہ
عمر غفلت میں گزاری میں نے آہ
مال دنیا سے جو کچھ پیدا کیا
وہ تمھاری نذر سب کچھ کردیا
میری الفت کا یہی ہے کیا عوض
سچ ہے دنیا میں ہیں سب اہل غرض
مرگیا یہ کہ کے قصہ مختصر
کچھ نہ آئے کام زوجہ نہ پسر

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ دوگرگِ شکاری اگر مندے میں بکروں کے داخل ہوں تو وہ اس قدر بکروں کو فاسد نہیں کرتے جس قدر دوستی مال وجاہِ دینِ مسلمان کو فاسد کرتی ہے۔

اورفرمایا کے میری اُمّت میں بدترین لوگ مالدار ہیں۔

اورفرمایا کہ فرزندِ آدم کے دوست تین چیزیں ہیں۔

{ ایک مرنے کے وقت تک ساتھ دیتاہے وہ مال ہے۔

{ دوسرا قبر تک ساتھ آتے ہیں وہ اہل وعیال ہیں۔

{ تیسرا جن کی ہمراہی محشر تک ہوتی ہے وہ اعمال ہیں۔

فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو مالدار کو لائیں گے بحکمِ خدا جو مال خرچ کیا گیا ہے وہ اس کے آگے آئے گا۔ جب اس مالدار کا صراط پر گزرنا مشکل ہوگا اور ٹھہر جائے گا تو وہ مال کہے گا کہ تو نے راہِ خدا میں مجھ کو صرف کیا ہے بےخوف گزر کر۔ پھر اس مالدار کو لائیں گے جو طاعتِ خدا بجا نہیں لایا ہے اس کا مال اس کے پیچھے آئے گا جب وہ صراط پر پہنچے گا جس جگہ وہ ٹھہر جائے گا اس کا مال کہے گا کہ وائے ہو تجھ پر کہ تو نے مجھ کو راہِ خدا میں صرف کرنے سے کوتاہی کی پس وہ ایسا کہتا

رہے گا یہاں تک کہ وہ جہنم میں گرے گا اور ہلاک ہوگا۔انھیں حضرتؑ سے مروی ہے کے قیامت میں اس کو لائیں گے جس نے طریقہ حرام سے مال کو جمع کیا اور حرام میں صرف کیا ہے پس حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈالیں۔دوسرے کو لائیں گے کہ جس نے مال طریقہ حلال سے جمع کیا اور حرام میں خرچ کیا ہے۔خطاب ہوگا کہ اس کو بھی جہنم میں لے جاؤ۔تیسرے کو لائیں گے جس نے طریقہ حرام سے جمع کیا اور حلال میں خرچ کیا ہو اس کو بھی جہنم میں ڈالیں گے۔ بعد اس کو لائیں گے جس نے مال کو طریقہ حلال سے حاصل کیا اور حلال میں خرچ کیا ہو خطاب ہوگا اس کو مقامِ محاسبہ میں کھڑا کرو شاید اس مال کے حصول میں جو امر واجب تھا اس کو نقصان پہنچا ہو مثلاً وقت پر نماز نہ پڑھی ہو یا رکوع وسجود میں کوتاہی کی ہو یا وضو نہ کیا ہو وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں نے اسے کسبِ حلال سے پیدا کیا اور حلال میں خرچ کیا اور اپنے واجبات کو ضائع نہیں کیا خطاب ہوگا کہ شاید اس مال کے سبب سے اپنے برابر والوں پر یا اپنی سواری پر یا لباس پر فخر کیا ہو۔وہ عرض کرے گا اے پروردگار ایسا کوئی عمل بھی مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔خطاب ہوگا کہ شاید سادات ویتیماں ومساکین اور ابن السّبیل کے حق میں کوتاہی یا منع کیا ہو۔۔پھر عرض کرے گا اے پروردگار جن کی نسبت تیرا حکم ہے ان کے حق کو ضائع نہیں کیا۔ اس وقت ایک جماعت بطورِ مخاصمہ حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے خدا تو نے اس کو مالدار کیا اور تو نے اس کو حکم فرمایا کہ ہم کو دے۔ اگر اس جماعت کے جواب میں پورا اترا اور معلوم ہوا کہ ان کے حقوق کو ادا کیا ہے۔کوئی فخر ومباہات نہیں کیا ہے۔کوئی واجب اس سے ضائع نہیں ہوا ہے تو خطاب ہوگا کہ ٹھہر جا اور شکر اُن نعمتوں کا جو تجھ کو عطا کی گئیں تھیں بجالا۔

واضح ہو کہ جس کسی کی آمدنی وخرچ طریقہ حلال سے ہوا اور اس نے اپنے تمام واجبات کو وقت پر بجالایا ہو اور حقوقِ الٰہی ادا کیے ہوں یہ دقتیں اس کے حساب میں پیش آتی ہیں۔پس آیا کیونکر ہمارا حال ہوگا ہم امورِ دنیا میں رات دن مشغول ہیں اپنے کو حرام وحلال میں آلُودہ کیا ہے نہ شبہات سے پرہیز کرتے ہیں نہ خواہشات کو چھوڑتے ہیں بہت سے بُھوکے ہمارے ہمسایہ میں رہتے ہیں۔ہم ان کی خبر نہیں رکھتے طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں۔اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔آہ آہ ہماری مصیبت وبلا کس قدر شدید ہوگی۔کس قدر حسرتیں وپشیمانیاں ہم کو ہوں گی۔ کس قدر اَندوہ و ماتم ہمارے واسطے ہوگا۔اس وقت ہم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔نہیں معلوم یہ دنیا



ہمارے ساتھ کیا کرے گی۔کل کے روز حضوری میں اُس بادشاہِ قہار کے ہم کو کیا جواب سُوجھے گا۔وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو دنیا سے محروم و بے نصیب ہیں۔اسی وجہ سے بعض اصحاب سیّدِ مختارؐ نے کہا میں ہرگز ہزار مثقالِ طلا سے راضی نہیں ہوں جو روزانہ کسبِ حلال سے پیدا کر کے راہِ خدا میں صرف کیا جائے باوجود اس کے کہ اس سے کسی عبادت میں فرق نہ آئے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ قیامت سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے پوچھیں گے کہ کہاں سے پیدا کیا اور کس میں صرف کیا۔

## اشعارِ مثنوی مذکُورہ

حیف ہے کچھ بھی نہیں تجھ کو خیال
حشر میں پوچھے گا تجھ سے ذوالجلال
عمر کی تو نے بسر کس کام کی
تو نے کیا تعمیل کی احکام کی
کس جگہ سے تو نے زر پیدا کیا
تُو نے پھر خرچ اس کو کس کس جا کیا

پس مومن کو سزاوارہ کہ اپنے کو دنیا کے کاموں میں مشغول نہ کرے۔ضرورت کے مطابق دنیا حاصل کرے۔اگر زیادہ اس کو حاصل ہو تو اس کو اپنے لیے آگ بھیج دے۔

مال و زر سے کوئی امر خیر ہو
تا جناں کی تجھ کو حاصل سیر ہو

اگر بعد مرنے کے مال رہ جائے گا تو بہت سے فساد پیدا کرے گا۔

## اشعار مثنوی مذکور

گر ہے عاقل یاد رکھ تو یہ سخن
مالِ دنیا سے ملے گا اک کفن
جمع کر رکھنے سے ہے کیا فائدہ
اک نہ اک دن چھوڑ کر مر جائے گا
کر ذرا تو اپنے دل میں فکر و غور

کون سا یہ عقلمندی کا ہے طَور
جمع زر کرنے میں تو آفت اٹھائے
خرچ کرکے دوسرا راحت اٹھائے

مروی ہے کہ ایک مرد نے حضرتِ پیغمبرؐ سے عرض کیا کہ میں موت کا مشتاق ہوں۔

حضرتؐ نے فرمایا: آیا کوئی مال رکھتا ہے۔

عرض کیا کہ: ''ہاں''

فرمایا کہ اپنے مال کو اپنے آگے بھیج دے۔ کیونکہ ہر کسی کا دل مال میں لگا رہتا ہے۔ اگر آگے بھیج دے گا تو تجھ کو جلد مل جائے گا۔ اگر دنیا میں چھوڑے گا تو اس کے ساتھ رہنا چاہے گا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ جس روز سکۂ درہم و دینار تیار ہوا تو شیطان نے اسکو اپنے منہ پر رکھا چُوما اور کہا:

'' جو کوئی تجھ کو دوست رکھے گا وہ میرا بندہ ہوگا۔''

## اشعار مثنوی مذکور

درہم و دینار کو روزِ ازل
دیکھ کر شیطان نے ازراہِ حِیَل
چُوما اور آنکھوں پہ رکھ کر یہ کہا
عشق میں سب اس کے ہوں گے مبتلا
کچھ نہ حکمِ حق عمل میں لائیں گے
میرے دامِ مکر میں آجائیں گے

واضح ہو کہ آیات واخبار میں جس قدر مال کی مذمت کی گئی ہے اسی قدر اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو نیکی سے یاد فرمایا ہے۔ نیز پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مالِ نیک مردِ نیک کے لیے خوب چیز ہے۔ صدقہ، مہمانی، سخاوت، حج کے حصول کے ثواب میں جو مال سے متعلق ہیں۔ تمام اخبار اس کی خوبی پر دلالت کرتے ہیں۔ توفیق مال سے ممکن ہے کہ وسیلۂ سعادتِ آخرت اور درجہ عالی پر فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اس کے واسطے سے مقاصد خراب حاصل ہوں علم وعمل کا سدِّ باب اور سعادتِ ابدیہ کا حجاب ہو۔ پس جو مال طریقہ اول پر صرف



کیا جائے وہ ممدوح و نیک ہے۔ جو مال طریقہ دوم پر خرچ کیا جائے وہ مذموم و بد ہے۔ چونکہ مال کے واسطے سے طبیعت انسان کی اکثر پیروی خواہشات نفسانیہ پر مائل ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ضرورت سے زیادہ کے لیے اندیشہ خوف وخطر ہے۔ انبیاء واولیاء نے اُس کے شر سے پناہ مانگی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرِ آخرالزّماںؐ نے فرمایا کہ اے پروردگار قوتِ آلِ محمد بقدرِ ضرورت کے عطا کر اور میری زندگی مسکینوں کی زندگی کے مثل ہو۔

# فصل نمبر (۸)

## خرابی مال اور اس کا فائدہ

جو کچھ بیان کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مال مانند سانپ کے ہے۔ اُس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ اُس کے زہر میں خرابیاں اور اس کے تریاق میں فوائد ہیں جو کوئی ان کو جانتا ہے وہ خرابیٔ مال سے پرہیز اور خوبیٔ مال کو حاصل کرتا ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ خرابی مال کی دو قسم پر ہے:

ایک خرابی دنیا کی۔

دوسری خرابی آخرت کی۔

خرابی دنیا کی ظاہر ہے یعنی وہ تکالیف اور زحمتیں جو مالداروں کو حصولِ مال میں یا سارق و ظالم و حاسد کی نگاہوں سے حفاظت کرنے میں درپیش ہوتی ہیں وہ ظاہر وعیاں ہیں۔ اب رہی آخرت کی خرابیاں وہ تین قسم پر ہیں:

ا : مال کے باعث انسان گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے گناہوں پر قدرت پانے میں آسانی ہوتی ہے۔ جس وقت خواہش گناہ حرکت میں آتی ہے اور انسان اپنے کو اُس پر قادر پاتا ہے تو آسانی سے اس گناہ کر گزرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر انسان اس گناہ میں داخل ہونے کی قدرت ہی نہیں رکھتا ہو تو اس پر اقدام کا خیال بھی نہیں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ گناہ سے بچنے کی وجہ عدمِ مال بھی ہے۔ پس جو کوئی اس کے واسطے سے گناہ پر قادر ہو کر گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ ہلاک ہو گیا اور باوجود قدرت کے اگر مرتکب نہ ہوا اور صبر سے کام لیا تو بہتر

ہے لیکن صبر کرنا بھی نہایت تکلیف دہ و مشکل ہے۔

۲: یہ کہ مال کے سبب سے خوشگزرانی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اکثر مالدار تو دوسری لذت کی خواہش ہوتی ہے پھر جب اس کی عادت ہوجائے اور مالِ حلال میسر نہ ہو تو مالِ مشتبہ پر ہاتھ دراز کرتے ہیں۔اس سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ مالِ حرام حاصل کرتے ہیں۔اسی وجہ سے طرح طرح کے اخلاقِ رذیلہ مثلاً جھوٹ 'دشمنی 'ریا' حسد میں مبتلا وہوتے ہیں۔بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ صاحبِ مال وثروت نے خوشگزرانی کی عادت نہ کی ہو اور اس کی کوشش میں نہ ہو۔جس کو عمدہ کھانے اور لباسِ نفیس میسر ہوں تو کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سب کو چھوڑ کر جو کی روٹی اور پرانے کپڑوں پر قناعت کرے۔ہاں یہ شان اس کی ہے کہ جو صاحب نفسِ قدسیہ رکھتا ہو مانند حضرت سلیمان ابنِ داوٗدؑ کے۔علاوہ اس کے جب آدمی کا مال زیادہ ہوتا ہے تو نوکر اور چاکر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جن سے کاروبار لیا جائے اور جس شخص کا معاملہ اہلِ دنیا کے ساتھ ہو اس کے لیے سوائے اس کے چارہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ان کے ساتھ نفاق اور دوروٹی کے ساتھ معاملہ کرے۔ حالانکہ اہلِ دنیا سے سروکار رکھنا ہی باعثِ عداوت وکینہ وحسد وکبر وریا وغیبت و بہتان وسخن چینی ہوتا ہے اور مال کی حفاظت واصلاح کے لیے ان تمام چیزوں کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

۳: وہ خرابی ہے کہ کوئی مالدار اُس سے خالی نہیں ہے یعنی اس کی حفاظت اور اس کے متعلقہ امور کو انجام دینے میں آدمی یادِ خدا سے باز رہتا ہے۔بہرحال جس کے سبب سے انسان یادِ خدا سے غافل ہو وہ خسران و وبالِ آخرت ہے اور فوائد مال کے بھی دو قسم پر ہیں:

(۱) دنیائی (۲) آخرتی

فائدہ دنیاوی وہ ہے جس کا فائدہ مرنے کے قبل ظاہر ہوتا ہے۔مثلاً ذلتِ سوال وشرمندگی' عیال سے خلاصی پانا۔دوسروں میں عزت و بزرگی اور دوست واحبّا میں وقعت واعتبار حاصل کرنا۔

اور فوائد اخروی بھی تین قسم پر ہیں:۔

۱: عبادت بجالانے کے لیے اپنے صرف میں لانا اور قوت طاعت حاصل کرنا۔اپنا جسم ڈھانپنا اور حج وجہاد وغیرہ کرنا۔

۲: دوسروں کو صدقہ یا خیرات یا بطور استحقاق کے دینا۔جس کا ثواب ظاہر اور



روشن ہے یا کسی کی مہمانی کرنا یا بطور ہدیہ کے دینا۔یا آدمیوں کی اعانت کرنا جس میں بیحد ثواب ہے اور ان امور میں فقر واستحقاق کی شرط نہیں ہے۔صرف نیت قربت شرط ہے یا اپنی حفاظت آبرو۔ مثلاً ظالم کے شر کے دفعیہ اور بیہودہ بکنے والوں کی زبان بندی کے لیے اعانت کی جائے تو اس میں بھی ثواب ہے۔حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جس مال کو آدمی اپنی حفاظتِ آبرو کے لیے صرف کرے تو وہ حکم صدقہ کا رکھتا ہے یا کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ اس کی خدمت کرے جو شغل سپرد کیا جائے اس کو انجام کو پہنچائے تو کوئی شک نہیں کہ یہ امور بھی متعلقہ آخرت ہیں۔کیونکہ انسان کی زندگی کو جن کاموں کی ضرورت ہے وہ بہت ہیں۔اگر تمام کی طرف وہ متوجہ ہو تو اس کا وقت ضائع اور اس کی زندگی بیکار صرف ہوگی وہ آخرت کے کام سے باز رہے گا۔

۳: وہ کہ خیرات جاریہ میں صرف کرے باقیات الصالحات یعنی مسجد و مدرسہ و پل و مسافر خانہ و نالہ وغیرہ بنائے اور قرآن وکتاب لکھے اور باغ لگائے جو بعد مرنے کے باقی رہتے ہیں جن کا ایک مدت تک روز بروز ثواب حاصل ہوتا ہے۔تمام بندگانِ خدا و نیکان وصالحان دعا دیتے ہیں۔آدمی کا نیکی سے نام لیا جاتا ہے۔

# فصل نمبر(۹)

## مال کی خرابی سے نجات کا طریقہ

جو کوئی خرابی مال سے نجات چاہتا ہے تو اس کو لازم ہے کے چند چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھے۔

۱: غرض وفائدہ مال رکھنے کا اس کے سبب پیدائش اور اس کی علّتِ احتیاج کو معلوم کرے تاکہ اس کی زیادتی کی طلب میں کوشش نہ کرے۔

۲: یہ کہ سبب آمدنی کو ملاحظہ کرے جرم سے بلکہ مالِ مشتبہ سے بھی پرہیز کرے ایسا ہی مداخلِ مکروہ یا جو باعثِ نقصِ مروّت وزوالِ حریّت ہو اس سے اجتناب کرے۔

۳: یہ کہ طریقہ خرچ کی رعایت رکھے اور اس میں کمی یعنی میانہ روی اختیار کرے میانہ روی کی نسبت حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوا۔

طریقہ میانہ روی خوراک و پوشاک و مکان کے تین درجہ ہیں:

(۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ

ظاہر ہے کہ ادنیٰ کی طرف خواہش کرنا بہتر واولیٰ ہے تا کہ قیامت میں اس کا بوجھ ہلکا ہو۔

۴ : یہ کہ ضرورت واجبی میں خرچ کرے۔ باطل میں صرف نہ کرے۔ باطل میں خرچ کرنا اور کسبِ حرام کرنا' دونوں کا گناہ مساوی ہے۔

۵ : یہ کہ اپنی نیت کو کسب وخرچ ومیانہ روی میں تمام وجوہ سے خالص رکھے پس جو کچھ کہ وہ بوجہ اعانتِ امرِ آخرت کے حاصل کرے گا کوئی ضرر اس کو نہیں پہنچائے گا۔

اسی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تمام اموال روئے زمین کے جمع کرنے میں نیت قربت کی رکھتا ہو تو وہ زاہدوں میں سے ہے اور اگر تمام کو ترک کرے اور نیتِ قربت نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے

پس مومن کو لائق یہ ہے کہ جو کام کرے خدا کے واسطے ہو' تا کہ وہ کام اس کے لیے عبادت ہو جو کوئی مال میں بقدر ضرورت اپنے یا اپنی عیال کے خرچ کے لیے اٹھا رکھے اور باقی اپنے برادر مومن کو صرف کے لیے دے تو اس نے مال کو تریاق کو حاصل اور اس کے زہر کو دور کیا ہے۔ زیادتی مال اس کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے لیکن یہ کام ہر کسی کا نہیں۔ تمام اشخاص کو یہ میسر نہیں ہے بلکہ یہ اس کی شان ہے کہ جس کو دیدہ بینا ودلِ دانا وقوتِ دین اور کمالِ یقین حاصل ہو۔ ایسے شخص کے پاس اگر تمام عالم کا مال جمع ہو تو اس کو یادِ خدا سے غفلت نہیں ہوتی اور دنیا اسے ہلاک نہیں کرتی۔ اب اگر کوئی عامی مالداری میں اپنے آپ کو اس شخص کا شبیہہ بنانا چاہے تو اس کی مثال یہ ہے جیسے کہ کوئی فسوں گر کسی سانپ کو پکڑے اور دفعتاً وہ سانپ اس کو کاٹے۔ اب سانپ کے کاٹے ہوئے اور مال کے کاٹے ہوئے یعنی تکلیف پہنچائے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا اسی وقت سمجھ جاتا ہے کہ سانپ نے کاٹا ہے لیکن مال سے ایذا پہنچی ہے مگر ایسے وقت میں معلوم کرتا ہے کہ جب کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اندھا آنکھ والوں کی طرح دریا کے کناروں اور پہاڑوں اور جنگلوں میں کہیں راستہ چل سکتا ہے۔ کہیں عوام جاہل جن کے پاس مال زیادہ ہو اس عالمِ دیندار کام کے مانند اس کی خرابی سے نجات پا سکتے ہیں۔



# فصل نمبر (۱۰)

## فضیلت زہد اور بعض زاہدوں کی حکائتیں

واضح ہو کہ محبت دنیا ومال کی ضد کو زہد کہتے ہیں اور زہد دنیا سے دل اٹھا لینے اور بقدرِ ضرورت کے حفاظتِ بدن کے لیے اکتفا کرنے یا دنیا سے پیٹھ پھرا کر آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے مراد ہے۔ بلکہ سوئے خدا کے دوسروں سے قطع نظر کرنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا یہ زہد کا بہت بلند درجہ ہے جو کوئی ہر چیز سے بجز خدا کے دل اٹھائے۔ یہاں تک کہ بہشت وقصور وغلمان وحور کی بھی خواہش نہ ہو وہ زاہد مطلق ہے۔ اگر بہشت سے اور اگر اُن چیزوں کی طمع میں جو بہشت میں ہیں۔ ان سے اور خوفِ جہنم سے دل دنیا سے اٹھائے تو وہ بھی زاہد ہے لیکن اس کا مرتبہ زاہد مطلق سے پست ہے۔ جو کوئی بعض لذّات دنیویہ سے دستبردار ہو مثلاً یہ کہ مال کو ترک کرے۔ لیکن جاہ کو طلب کرے یا تھوڑا کھانے پر اکتفا کرے۔ لیکن لباس فاخرہ میں زینت دے تو اُس کو ہرگز زاہد نہیں کہیں گے۔ اس کو زاہد کہنا روا نہیں ہے۔ بیانِ صدر سے معلوم ہوا کہ مرتبہ زہد کا اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کو ترک کرنے کا سبب اس کی پستی وحقارت ہو اور اس کے مقابلہ میں آخرت یا قربت خدا کا طالب ہو اور جو کوئی دنیا پر قابو نہ پانے کے سبب سے یا نام نیک یا آدمیوں کے دل کو ہاتھ میں لینے یا شہرت جود وسخاوت وجوانمردی کی غرض سے یا اپنا بوجھ کم کرنے کی نیت سے دنیا کو ترک کرے تو وہ زاہد نہیں ہے۔ اس کو ہرگز مرتبہ زہد کا حاصل نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ صفت زہد کی ایک منزل راہِ دین ومقامِ بلند سالک ہے۔

حضرت رسولِ خدا صلعم سے مروی ہے کہ جو کوئی صبح ہوتے ہی دنیا کے کام کی فکر میں مشغول ہو اس کی ہمت دنیا پانے کی ہو تو خدا اس کے کام کو مضطرب ومتفرق کرتا ہے۔ اس کے شغل کو پریشان کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں فقر واحتیاج کو رکھتا ہے جو کچھ اس کے لیے دنیا سے مقدر کیا گیا ہے اس سے زیادہ اس کو نصیب نہیں ہوتا جس کسی کی صبح امرِ آخرت کی فکر وہمت میں ہو تو خدا اس کے کاموں کو جمع اور اس کے شغل کو اس کے لیے حفاظت کرتا ہے۔ اس کے دل کو غنی اور بے نیاز کرتا ہے۔ دنیا کو اس کے نزدیک خوار وذلیل کر دیتا ہے۔

فرمایا کہ جس بندہ کو دیکھو کہ اس کو خدا نے خاموشی و زہد دنیا میں عطا کیا ہے اس سے نزدیکی کرو۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے کیا س پرحکمت ودانائی کا مبادی فیاضہ سے القا ہوتا ہے۔

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک گروہ ہوگا جن کو بادشاہی نہ ملے گی مگر قتل وجبر کے سبب سے اور تونگری ان کو نہ ملے گی مگر بخل و دل تنگی کے ساتھ۔ وہ ایک دوسرے کی محبت نہ رکھیں گے مگر متابعت ہوا و ہوس کے سبب سے آگاہ ہو کہ جو شخص اس زمانہ کو پائے تو فقر میں بسر کرے باوجود اس کے مال جمع کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ آدمویں کی دشمنی پر صبر کرے۔ باوجود اس کے کہ ان سے محبت رکھنے کی قدرت رکھتا ہو اپنی ذلّت وخواری پر صبر کرے حالانکہ وہ حصولِ عزّت پر قادر ہو اور یہ تمام خوشنودی خدا کے واسطے بجالائے تو خدا تعالیٰ اس کو پچاس صدیقوں کا ثواب عطا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس وقت نور داخلِ قلب ہوتا ہے تو سینہ کشادہ و وسیع ہوتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ اس کی کوئی نشانی ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں دارِغرور سے پہلو تہی کرنا دار السّرور کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے آمادہ رہنا۔

ایک روز فرمایا کہ خدا سے جیسا کہ چاہیے ویسی ہی شرم کرو۔

عرض کیا گیا کہ ہم خدا سے شرم کرتے ہیں۔

تو فرمایا کہ پھر کس واسطے یہ مکانات بناتے ہو جن میں تم سکونت نہیں کرتے اور کس واسطے اتنا جمع کرتے ہو جس کو کھا نہیں سکتے۔

ایک جماعت حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی ہم صاحبِ ایمان ہیں۔

حضرتؐ نے فرمایا تمھارے ایمان رکھنے کی علامت کیا ہے؟

عرض کیا گیا کہ جب کوئی ہم پر بلا نازل ہوتی ہے تو ہم اُس پر صبر کرتے ہیں۔ جب کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو اس کا شکر کرتے ہیں۔ حکمِ خدا پر راضی ہیں۔ جب اپنے دشمنوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس پر خوشی نہیں کرتے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہ امر ہے تو پھر اس کو جمع نہ کرو جس کو تم نہیں کھاتے اور وہ مکانات نہ بناؤ جن میں تم نہیں رہتے اور ان چیزوں کے سبب ایک دوسرے پر حسد نہ کرو جنھیں آخر



کار چھوڑ کر جانا ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسول صلعم کی کوئی زوجہ بوجہ زیادتی گرسنگی کے حضرتؐ کے سامنے رونے لگی اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ خدا سے طعام طلب کیجئے کہ وہ عطا کرے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ خدا جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر اس سے سوال کروں تو تمام دنیا کے پہاڑوں کو طلا کر دے اور جس جگہ جاؤں میرے ساتھ ساتھ انھیں ضرور روانہ کرے لیکن میں نے گرسنگی دنیا کو اس کی امیری پر اور فقرِ دنیا کو اس کی مالداری پر اور غم والم دنیا کو اس کی شادی وخوشی پر اختیار کیا ہے۔ بہ تحقیق کہ دنیا محمدؐ و آل محمدؐ کیلئے سزاوار نہیں ہے۔ خدا پیغمبرانِ الوالعزم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوا جب تک کہ انھوں نے دنیا کی ناخوشی پر صبر اور اس کی لذات سے کنارہ کشی نہیں کی۔ پس میرے لیے بھی راضی نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کی طرح میں بھی تکلیف نہ اٹھاؤں۔

اور فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

یعنی : صبر کر جیسا کہ پیغمبرانِ اولوالعزم نے صبر کی۔

خدا کی قسم ہے کہ بجز اس کی اطاعت کے کوئی چارہ نہیں رکھتا ہوں اپنی توانائی وطاعت کے مطابق صبر کرتا ہوں جیسا کہ انھوں نے صبر کیا۔

اور فرمایا کہ جو پیغمبر میرے آگے ہوئے ہیں بعض ان میں فقر میں مبتلا ہوتے تھے یہاں تک کہ سوائے عبا کے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بعض جوؤں میں مبتلا ہوتے تھے وار ان کو دوست رکھتے تھے۔

پھر فرمایا کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہے جب تک کہ وہ گمنامی کو شہرت وشناسائی سے اور مفلسی کو مالداری سے زیادہ دوست نہ رکھے۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ حضرت سے پروردگار نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو مکہ کے پہاڑوں کو تمھارے لیے طلا کر دوں۔

اس وقت حضرتؐ نے عرض کیا کہ اے خدا میں چاہتا ہوں کہ ایک روز بھوکا اور دوسرے

روز سیر رہوں تا کہ جس روز بھوکا رہوں تیری عبادت وتضرع میں بسر کروں جس روز سیر رہوں اُس روز تیرا حمد وسپاس بجالاؤں۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بہترین دوستوں میں سے وہ مرد ہے جو سبک باررہ کر اپنی نماز سے لذّت اٹھائے اور اپنے پروردگار کی عبادت بجالائے اور آدمیوں میں وہ گمنام ہو۔ روزی بقدرِ کفاف وقناعت حاصل کر کے اس پر صبر کرے۔ جب وہ مرجائے تو اس کی میراث بھی کم ہو اور اس پر رونے والے بھی کم ہوں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ آدمیوں کے تین طائفے ہیں:

(۱) زاہد (۲) صابر (۳) راغب

زاہد وہ ہے جو دنیا کی تمام غم وخوشی اس کے دل کو نہ ہو۔ دنیا کی کوئی چیز حاصل ہو تو خوش نہ ہو اور اس کے نکل جانے کا کوئی غم نہ ہو تو وہ شخص ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔

صابر وہ ہے جو دنیا کو چاہتا ہے اور اس کی رغبت رکھتا ہے لیکن جب اس کو میسر ہو تو اس سے اپنے کو بچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی خرابی کو جانتا ہے۔ اگر کسی کو اس کے دل پر آگاہی ہو تو وہ اس کی فروتنی وخودداری وپیش بینی پر متعجب ہوگا۔

اور راغب وہ ہے جو دنیا کو خواہ حلال سے ہو یا حرام سے حاصل کرتا ہے اور کسی طرح مال اور دنیا کی طلب میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کا نفس ہلاک ہو یا اس کی عزّت چلی جائے۔

نیز ابن حضرتؑ سے مروی ہے کہ طالب آخرت کی یہ علامت ہے کہ دنیائے فانی چندروزہ سے رغبت نہ رکھے۔

واضح ہو کہ دنیا سے دل اٹھانا نیز کسی زاہد کا زُہد اس کی قسمت کو کم نہیں کرتا ہے اور کسی حریص دنیا کی حرص جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اس کو زیادہ نہیں کرتی ہے وہ شخص اپنا نقصان کرتا ہے جو اپنے نصیب میں آخرت سے محروم رہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی عزت وجلال کی قسم کہ کسی بندے نے میری خواہش کو اپنی خواہش پر امورِ دنیا میں اختیار نہیں کیا۔ مگر یہ کہ میں اس کے دل کو غنی و بے نیاز کرتا ہوں۔ اس کے شغل وفکر کو آخرت میں منحصر کرتا ہوں اور آسمان اور زمین کو اس کی روزی کا ضامن کرتا ہوں۔ اس کے لیے بہترین تجارت کرتا ہوں۔



نیز آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ والا وہ شخص ہے جس کو اس کی پرواہ نہ ہو کہ دنیا جس کو چاہے نصیب ہو۔ پس جس کسی کا نفس کرامت وعزت رکھتا ہے۔ دنیا اس کے آگے ذلیل وخوار ہے اور جس کسی کا نفس خوار وذلیل ہے دنیا اس کی نظر میں اعتبار رکھتی ہے۔ زاہد وہ شخص ہے جو کہ آخرت کو دنیا پر ذلت کو عزت پر عبادت کی کوشش کرنے کو راحت پر اور گرسنگی کو سیری پر۔ یادِ خدا کو غفلت پر اختیار کرے گویا وہ دنیا میں ہو لیکن اس کا دل آخرت میں لگا ہو۔ فضیلت زہد کی یہ ہے کہ تمام انبیاء واولیاء اس صفت میں موصوف تھے۔ بلکہ ان کے صفات مشہور ہیں۔ ہر ایک پیغمبر زہد کے ساتھ مبعوث ہوا اگر اس طرح نہ ہوتا تو قربِ پروردگار نہ ملتا اور دنیا سے نجات نہ ہوتی۔

احوالِ کلیم اللہ موسیٰؑ بن عمران کو ملاحظہ کیجئے کہ ہمیشہ خدا سے گفتگو کرتے تھے اور نورتجلّی ان پر چمکتا تھا وہ کس طرح دنیا میں بسر کرتے تھے۔ ان کی اکثر غذا گھاس اور درختوں کے پتے تھے۔ کثرتِ ریاضت وزحمت سے اس قدر لاغر وضعیف تھے کہ ان کے شکمِ مبارک سے گھاس اور پتوں کی سبزی ظاہر ہوتی تھی۔

طریقہ عیسیٰ بن مریمؑ کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ لباس بالوں کا پہنتے تھے ان کی خوراک درختوں کے پتے اور گھاس تھی۔ نہ ان کا کوئی فرزند تھا نہ ان کا کوئی گھر تھا جس کی خرابی سے وہ اندیشہ کرتے تھے۔ نہ مرنے سے وہ ڈرتے تھے کسی روز کل کے لیے اپنی غذا اٹھا کر نہ رکھی۔ ان کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جس جائے شام ہوتی آرام کرتے۔ ایک روز بارش ورعد برق نے ان کو گھیرا اس وقت پناہ لینے کے لیے ہر طرف روانہ ہوئے۔ اپنے کو ایک خیمہ میں پہنچایا جہاں ایک عورت موجود تھی۔ اس کو دیکھ کر شرم کی اور وہاں سے پہاڑ کے کسی غار میں داخل ہوئے تو ملاحظہ کیا کہ ایک شیر اس میں رہتا ہے۔ اس غار میں بیٹھے اور ہاتھ اس شیر پر پھیرا اور فرمایا کہ الٰہی تو نے ہر کسی کو رہنے کے لیے جگہ دی ہے میرے لیے کوئی جائے مقرر نہیں فرمائی۔

خطاب ہوا کہ تیری جگہ میری رحمت میں ہے۔ جب قیامت ہوگی تو اُن حُوروں سے جن کو میں نے پیدا کیا ہے جن کی عمر کا ہر روز دنیا کے چار ہزار سال کے برابر ہوگا ان سے تیری تزویج کروں گا اور آدمیوں کو تیری عروسی میں کھانا کھلاؤں گا اور منادیوں کو حکم دوں گا کہ ندا کریں کہ کہاں ہیں زاہدانِ دنیا کہ عروسی زاہدِ مطلق عیسیٰ بن مریمؑ کو دیکھیں۔

حضرتِ یحییٰؑ کا حال سنیے کہ سوائے پوستین کے کوئی چیز نہیں پہنتے تھے۔ پوستین کی سختی سے ان کا بدن چھل گیا تھا۔ ایک روز اُن کی والدہ نے چاہا کے جبّہ بالوں کا پہنائیں کہ اس سے کسی قدر آرام ہو۔ جب حضرت یحییٰؑ نے اس کو زیبِ تن کیا تو وحی ہوئی کہ اے یحییٰ تو نے دنیا کو اختیار کیا۔ پس گریہ کیا اور جبّہ کو اتار دیا اور پوستین کو پہن لیا۔

پیغمبر آخر الزماںؐ جن کے باعث سے زمین و آسمان پیدا کیے گئے آں جنابؐ کے زہد کو ملاحظہ کیجئے کہ بعثت کے بعد جس عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر فرمائی وہ اور ان کی اہل بیتؑ کسی روز سیر نہ ہوئے۔ کبھی شام کو نوش فرماتے تو صبح کو گرسنہ رہتے۔ کبھی صبح نوش فرماتے تو شام کو بھوکے رہتے۔ آں حضرتؐ اور اہل بیتؑ نے کبھی سیر ہو کہ خرمہ نوش نہیں فرمایا مگر بعد فتح خیبر کے وہ بزرگوار عبا کو دوتہہ کر کے استراحت فرماتے تھے۔ اتفاقاً ایک رات کو وہ عبا چار تہہ کی گئی اور حضرتؐ نے آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا کہ اس نے مجھ کو رات کی بیداری سے باز رکھا۔ پس عبا کو اٹھاؤ اور دوتہہ کرو۔ اکثر اتفاق ہوا کہ اس برگزیدہ خدا نے اپنے جامہ کو جسم سے اتارا کہ دھوئیں بلال نے نماز کے لیے اذان دی اُس وقت حضرتؐ دوسرا کوئی جامہ نہیں رکھتے تھے کہ زیب تن فرمائیں اور نماز کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا زہد مشہور ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہے کہ حضرتؑ نے کبھی پیٹ بھر کر غذا نوش نہ فرمائی۔ روٹی کے ٹکڑوں کو چُن کر نوش فرماتے تھے۔ ہمیشہ روٹی کو نمک اور سرکہ سے تناول فرماتے تھے۔ اگر اس سے زیادتی کا کبھی خیال ہوتا تو تھورا دودھ نوش فرماتے۔ آں حضرتؑ کے پاس ایک کیسہ تھا جس میں جو کی روٹی کے ٹکڑے رہتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ بھوسا جو کا تھا اس کو ایک مٹھی سے زائد روزانہ نوش نہ فرماتے تھے کبھی اپنے جامہ کو لیفِ خرمہ سے کبھی پُرانے چمڑے کے ٹکڑوں سے پیوند لگاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ علیؑ کو دنیا کی زینت سے کیا کام ہے۔ اپنے کو کس طرح اُن لذّات فانی اور نعمتِ غیر باقی پر راضی کرے۔ ایسا ہی ائمہ راشدین واکابر اصحاب و بزرگانِ دین و علما و صالحین کا زہد کتبِ احادیث و تواریخ میں مذکورہ ہے۔ حالانکہ ان کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی تھی۔ کبھی عمدہ لباس نہیں پہنا۔ کوئی فرش زمین پر نہیں بچھایا۔ اپنے اہل خانہ کو کسی طعام کی تیاری کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ راتوں کو خدا کی عبادت میں بیدار رہتے تھے۔ اپنے رخساروں کو زمین پر رکھتے تھے اور گریہ ومناجات



میں بسر کرتے تھے بعض کا یہ طریقہ تھا کہ راتوں کو گرم مقام میں عبادت کرتے تھے تاکہ نسیمِ سحر کی خنکی ان کو آرام نہ دے بعض شکستہ برتن میں پانی رکھتے تھے۔ دھوپ سے نہیں اٹھاتے تھے۔ آپ گرم پیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی سرد پانی پیے گا اس کو دنیا سے مفارقت مشکل ہے پس ہوا و ہوس کی غفلت سے ہوشیار رہے۔ دنیا کو جو آخرت کی ضد ہے پہچانیے جو لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ان کی معابعت کیجئے۔ دنیا کی لذّات فانیہ سے دور رہیے۔ اگرچہ کہ یہ آپ پر ناگوار ہوتا ہے لیکن یہ چند روزہ زمانہ چشم زدن میں گزر جائے گا۔ ملاحظہ کیجئے کہ تمام گزشتگان خاک کے نیچے سوتے ہیں جو کچھ انہوں نے جمع کیا تھا۔ ان میں سے اپنے ساتھ کیا لے گئے۔ وہ کس کو سپرد کر گئے۔ عیش و خوشی کا کیا ثمرہ حاصل کیا۔ آپ ضرور کہیں گے کہ وہ ایک خواب تھا۔ پس اس تھوڑے زمانہ زندگی کی تکلیف کو برداشت کیجئے۔ کیونکہ عاقل زحمتِ چندروزہ کو بمقابلہ راحتِ دائمی کے اپنے پر گوارا کرتا ہے۔

# فصل نمبر (۱۱)

## مدارج و اقسام و علاماتِ زہد

واضح ہو کہ زہد کے تین درجے ہیں:۔

(۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ

پہلا درجہ ادنیٰ وہ ہے کہ آدمی کے دل کو خواہش و محبت دنیا کی ہو لیکن اس کو مجاہدہ و مشقت سے ترک کرے۔

دوسرا درجہ اوسط وہ ہے کہ اگرچہ اس کی نظر میں دنیا کسی قدر مرتبہ رکھتی ہو۔ لیکن اس کو بمقابلہ نعمت آخرت کے حقیر سمجھتا ہو۔ باوجود رغبت کے دنیا کو ترک کرتا ہے تو یہ اس شخص کے مانند ہے جس کو ایک درہم نقد ہاتھ ہو اور امید رکھتا ہو کہ کل دو درہم ملیں گے۔ اس مرتبہ والے کو دنیا کا ترک کرنا آسان نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایسا جانتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ میں اٹھایا ہے وہ معاوضہ ہے۔ بلکہ حصول آخرت کے واسطے کسی قدر انتظار ضروری ہے لہٰذا اپنے اس فعل پر

کبھی عُجب بھی کرتا ہے۔

تیسرا درجہ اعلیٰ وہ ہے کہ جس کی نظر میں دنیا کوئی رتبہ نہیں رکھتی وہ اس کو سچ جانتا ہے۔ اسے کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ اس لیے بشوق و رغبت اس سے کنارہ کرتا ہے۔ یہ اس شخص کے مانند ہے جو دانہ بمشکل سے ہاتھ اٹھائے اور دانہ یاقوتِ رمانی ہاتھ میں لے۔ ایسا شخص کبھی یاقوت کو اس کا معاوضہ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ مرتبہ حقیقتِ دنیا و آخرت کو جاننے کے باعث حاصل ہوتا ہے کیونکہ صاحبِ معرفت یقین کامل رکھتا ہے کہ دنیا جو چار پایوں کی غلاظت ہے بمقابلۂ آخرت کے جو یاقوت ہے بہت کم درجہ رکھتی ہے۔ صاحبانِ معرفت نے کہا ہے کہ جس نے دنیا کو آخرت کے واسطے ترک کیا۔ وہ اس شخص کے مثل ہے جو گھر میں بادشاہ کے داخل ہونا چاہتا ہو اور دروازے کا کتا اندر جانے سے منع کرے تو روٹی کے ایک ٹکڑے میں مشغول کر کے اندر چلا جائے اور اپنے خلوتِ خاص میں پہنچ جائے ایسا شخص اُس روٹی کے ٹکڑے کو جو کُتے کو دیا ہے اس کو بھی بادشاہ کے خوانِ احسان سے جانتا ہے تو کیا وہ بادشاہ سے اس کی عوض کی امید رکھ سکتا ہے۔ پس روٹی کے ٹکڑے کے مانند ہے۔ اگر اس کے منہ میں ہی رہ جاتا اور تھوڑی لذت ملتی اگر اس کے بعد معدہ میں جاتا تو ثقالت ہوتی اور اس کا نتیجہ آخر نجاست ہوتا بلکہ دنیا اس شخص کے لیے جس کی عمر ہزار سال کی ہو نعمتِ آخرت کے مقابلہ میں روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی بہت کم ہے۔ یہ تو زہد کے درجات تھے۔ اب زہد کی قسمیں سات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:۔

۱ : زہدِ فرض
۲ : زہدِ سلامت
۳ : زہدِ فضل
۴ : زہدِ معرفت
۵ : زہدِ خائفین
۶ : زہدِ راجین
۷ : زہدِ عارفین



## پہلی قسم:

زہدِ فرض وہ ہے کہ جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو ترک کرے

## دُوسری قسم:

زہدِ سلامت وہ ہے کہ تمام اُمورِ مُشتبہ سے بھی اجتناب کرے۔

## تیسری قسم:

زہدِ فضل کی دو قسمیں ہیں:

۱: وہ ہے کہ امرِ حلال سے پرہیز کرے۔ مگر بقدرِ ضرورت طعام و لباس و اثاث البیت و عورت اور جو کچھ ذرائع مال و جاہ کے ہوں ان کو ترک نہ کرے بلکہ ان سے فائدہ اٹھائے۔

۲: وہ ہے کہ جن چیزوں سے نفس کو نفع و لذّت حاصل ہوتی ہو ان کو ترک کرے۔ اگرچہ وہ بقدرِ ضرورت کے ہو۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکلیہ ان کو ترک کرے کیونکہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جن کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔ لذّت پانے کے خیال سے نہ ہو بلکہ اضطرار و توقفِ حیات کے لحاظ سے ہو مانند اکلِ میتہ کے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس قسم کے زہد پر اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا میں زہد ہو ہے کہ دنیا کے حلال کو حساب کے خوف سے اور اس کے حرام کو گناہ کے خوف سے ترک کرے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ تمام زہد قرآن کے دو کلموں میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ

یعنی: ”جو کچھ دنیا سے ضائع ہو جائے اُس پر افسوس نہ کرو جو کچھ ہمدست ہو اس پر خوش نہ ہوں۔“

## چوتھی قسم:

زہدِ معرفت وہ ہے کہ تمام ماسوا اللہ کو ترک کرے اور اس سے قطعِ تعلق کرے یہاں تک کہ اپنی جان و بدن کو توکّل و اکراہ پر قائم رکھے۔

اس مرتبہ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا کہ زہد آخرت کے دروازے کی کُنجی ہے اور آتش جہنم سے نجات میّسر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر اُس چیز کو جو خدا سے غافل کرتی ہے ترک کردے۔

واضح ہو کہ بعض ماسواللہ سے جو التفات کی جاتی ہے وہ تمام ضروریات ہیں۔ مثلاً کھانا، لباس، آدمیوں کی آمدورفت، اُن سے گفتگو، درستیٔ مسکن اور مثل ان کے یہ مرتبۂ زہد کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ ترکِ علاقہ دنیا سے خدا کی طرف متوجہ ہونا مقصود ہے اور یہ بغیر حیات و زندگی متصوّر نہیں ہے اور حیات چند ضروریات پر موقوف ہے۔

پس جو کوئی ان ضروریات کو بندگی و عبادت پروردگار کے لیے بقصدِ حفاظت اور اعانت بدن کی کمی کے ساتھ اختیار کرے تو وہ شخص سوائے خدا کے دنیا میں مشغول نہ سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ کوئی سفرِ حج میں اپنے مرکب کو گھاس دے اس غرض سے کہ اس کو مکہ کو پہنچائے۔ بدن کو راہِ واحد میں اپنے مرکب جاننا چاہیے جیسکہ راستہ میں حج کے ضروریات مرکب کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

پس بدن کو پرورش کرنے اور لذت حاصل کرنے کا بھی یہی مقصود رکھتا ہو کہ بدن کی اس قدر حفاظت کی جائے جس پر بندگی و عبادتِ خدا موقوف ہے نہ یہ کہ تن پروری و خوش گزرائی مقصود ہو۔ اگر اس سے کوئی لذّت حاصل ہو جائے تو کوئی ضرور نہیں ہے لیکن اس کا مقصد لذّت حاصل کرنے کا نہ ہو۔

واضح ہو کہ کوئی شک نہیں کہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا اور زیادتی کا ذخیرہ کرنا۔ جس سے رفعِ احتیاج ہوتی ہو وہ منافی زہد ہے۔ مگر جن چیزوں کی مثلاً کھانے، پینے، لباس، مکان، اسباب خانہ، عورت اور اس قدر جاہ جس سے ظلم وستم دفع کیا جاسکے تو یہ زہد کے منافی نہیں ہے۔ لیکن ان کے واسطے بھی چند مراتب ہیں۔

بعض علمائے اخلاق نے کہا ہے کہ انتہائے زہد خوراک میں یہ ہے کہ قوتِ شبانہ سے زیادہ نہ رکھتا ہو۔ اگر زیادہ ہو تو مستحقوں کو بخشش کرے۔ اگر اپنی خوراک جو کی روٹی قرار دے تو نہایت زہد ہے لیکن بعض وقت گیہوں کی روٹی کھانا بلکہ کھانے کے ساتھ روٹی کھانے بشرطیکہ بُہت سی چیزیں مزہ دار نہ ہوں بلکہ بعض وقت گوشت کھانا زہد کے منافی نہیں ہے۔ لباس میں روٹی یا بالوں کا ملبوس



## پانچویں قسم:

زہدِ خائفین ہے کہ وہ بسببِ فکرِ عذاب آخرت وغضبِ پروردگار کے ہو۔

## چھٹی قسم:

زہد راجین ہے کہ وہ امید ثواب خدا و نعمت جنت کے باعث ہو۔

## ساتویں قسم:

زہدِ عارفین کہ وہ بالاترین اقسام زہد ہے وہ یہ ہے کہ جس کو بجز قرب پروردگار اور اس کے دیدار کے کوئی خواہش نہ ہو، نہ اس کو عذابِ جہنم کے خوف ہو نہ بہشت کا شوق بلکہ وہ لقائے پروردگار کے اشتیاق میں رات دن محو ہو۔ چنانچہ فقراتِ مناجاتِ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام میں اس کی صراحت ہوئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے خدا کو پہچانا اس کی ملاقات لذّت کو پایا اور معلوم کیا تو اس کے نزدیک نعمت حور وقصور لقائے پروردگار کے مقابلہ میں ہیچ ہے وہ سوائے لقائے پروردگار کے کوئی چیز نہیں چاہتا بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس لذّت کے پانے کے بعد اس کے دل میں حور وقصور کی لذّت باقی نہیں رہتی کیونکہ لذت نعمتِ بہشت بمقابلہ لذتِ لقائے الٰہی کے ایسی ہی ہے جیسی کہ تسخیرِ عالم کے مقابلہ میں ایک چڑیا کے پکڑنے کی لذّت۔

### فائدہ:

واضح ہو کہ جو کوئی دنیا کے مال کو ترک کرے وہ زہد نہیں ہے۔ کیونکہ مال کا ترک کرنا اور کمیٔ معاش و اقل ولباس کی تکلیف کا سہنا بہ نسبت جاہ وشہرت و مدح منزلت کے زیادہ آسان ہے۔ بہت سے اہل دنیا مالِ دنیا سے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تھوڑی غذا پر اکتفا کرتے ہیں۔ مقامِ ویران پر قناعت کرتے ہیں تاکہ تمام لوگ ان کو زاہد جانیں ان کی تعریف کریں۔ لذّتِ بلند کی طمع میں کم درجہ کی لذّت کو ترک کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں نے دنیا کے لیے دنیا کو ترک کیا ہے۔ بلکہ زہدِ حقیقی وہ ہے کہ مال وجاہ بلکہ تمام لذّاتِ نفسانیہ کو ترک کرے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ فقیری و مالداری وعزت وذلت و مدح وذم اس کو برابر ہو ایسی

حالت کا سبب غلبہ محبتِ خدا ہوتا ہے کیونکہ جس وقت تک خدا کی کوئی محبت اس کے دل پر غالب نہ ہو اس وقت تک بالکلّیہ دنیا کی محبت دل سے دُور نہیں ہوتی ہے۔ خدا کی محبت اور دنیا کی محبت دل میں پانی وہوا کے مانند ہے ان میں سے کوئی ایک جب پیالہ میں داخل ہوتو دوسری باہر نکل جاتی ہے جو دل محبتِ دنیا سے بھرا ہوا ہے تو دوستی خدا سے خالی ہے۔ جو دل محبتِ خدا میں مشغول ہے۔ دوستی دنیا سے فارغ ہے۔ ان میں سے کوئی چیز جس قدر کم ہو اُسی قدر دُوسری چیز زیادہ ہوتی ہے۔



## دُوسری صفت

# غنا و بے نیازی و اقسامِ غنا جس میں چار فصلیں ہیں۔

وہ اوصافِ رذائل جو قوتِ شہویہ سے متعلق ہیں ان میں وہ صفت مالداری اور بے نیازی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے تمام مال کو جمع کیا ہو وہ ان کی احتیاج رکھتا ہے۔ اسی صفت کے مراتب کی انتہا نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ ہر مالداری وثروت خراب اور صفاتِ رذیلہ میں سے ہو۔ کیونکہ مالداری کے لیے چند اقسام ہیں:۔

۱: وہ کہ مال کے جمع کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کرتا ہے اس کے حاصل کرنے میں تکلیف اٹھاتا ہے اور جس وقت اس کے ہاتھ سے وہ مال نکل جائے تو محزون و غمگین ہوتا ہے۔

۲: وہ مال کے جمع کرنے میں سختی وزحمت نہیں کھینچتا۔ لیکن اس کو خدا نے ایک ثروت دی ہے جس پر وُہ شاد وخوشحال ہے۔ جب کوئی چیز اُس سے تلف ہو جائے تو مغموم ہوتا ہے۔

۳: وہ ہے کہ مال کے جمع کرنے میں کوئی زحمت نہ کھینچی ہو نہ اس کے ہونے سے خوش نہ اس کے جانے سے غمناک ہو لیکن اس کو خدا نے ایک دولت دی ہے۔ اس پر شاکر و راضی ہے اس کا وجود وعدم دونوں مساوی ہے۔ یا اس کا وجود اس کی نظر میں بہتر ہے لیکن نہ اس طرح کی جب وہ مال تمام ہو جائے تو اس کو اندوہ والم ہو اور نیز وہ شخص جو غنی ہے یا اس کا تمام مال حلال ہے یا اس میں حرام بھی موجود ہے اور حققوقِ واجب ومستحب کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

پس جو اقسام کہ بیان کیے گئے بعض ان میں سے مذموم وصفاتِ رذیلہ ہیں بعض دوسرے ایسے نہیں ہیں۔ ہاں اغلب وہ ہے کہ جو لگ نفوس پاک وقوی نہیں رکھتے ہیں۔ وہ اس مقام پر خوف و

خطر سے مامون نہیں۔

اسی وجہ سے حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ

''جب کہ آدمی اپنے کو غنی و بے نیاز دیکھتا ہے تو سرکشی و نافرمانی کرتا ہے۔'' (سورہ علق)

حضرت رسولؐ نے بلالؓ سے فرمایا کہ خدا سے حالتِ فقری میں ملاقات کر اور حالتِ مالداری میں ملاقات نہ کر۔

فرمایا کہ میری امت سے جو لوگ فقیر ہیں وہ مالداروں سے پانسو سال پہلے داخلِ بہشت ہوں گے۔

اور فرمایا کہ:

میں نے اہل بہشت کو اکثر فقراء اور اہلِ دوزخ کو اکثر مالدار پایا۔

مروی ہے کہ کوئی روز ایسا نہیں ہے کہ ایک ملک زیرِ عرش ندا نہ کرتا ہو کہ اے فرزندِ آدم جس چیز کی کمی تجھ کو کفایت کرتی ہے وہ اس زیادتی سے بہتر ہے کہ تجھ کو سرکش و طاغی بنائے۔

# فصل نمبر (۱)

## اقسامِ فقر

واضح ہو کہ مالداری کی ضد فقر ہے اور وہ دو قسم پر ہے:۔

پہلا فقر حقیقی کہ:

وہ احتیاج سے مراد لی گئی ہے۔ یہ فقر سوائے واجب الوجود کے سب کے لیے ثابت ہے۔ اس کے مقابلہ میں غنائے مطلق ہے جو ذاتِ احدیت کے لیے مخصوص ہے اس فقر وغنا پر کتابِ خدا میں اشارہ ہُوا ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

دُوسرا فقر اضافی:

وہ بعض ضروریاتِ مال کے احتیاج سے مراد لی گئی ہے۔ جس کا بیان اس جگہ کیا جاتا ہے۔



اس کے معنی پر فقر کی تین قسمیں ہیں:۔

ا: وہ کہ مالِ دنیا کو دوست رکھے۔ اس سے نہایت درجہ رغبت ہو نہایت سختی و رنج اس کے طلب میں اٹھائے جس طریقہ سے کہ حاصل ہو اُس کی پروا نہ کرے لیکن اس کو کچھ نہیں ملتا۔ ایسے فقیر کو حریص کہتے ہیں۔

۲: وہ کہ مالداری کو تہیدستی سے زیادہ وسعت رکھتا ہو۔ لیکن اس کی محبت مال سے اس قدر نہیں ہوتی کہ اپنے کو مشقت و زحمت میں ڈالے اور حرام سے مضائقہ نہ رکھتا ہو۔ بلکہ اگر بے زحمت یا تھوڑی طلب میں جو اس کی عبادت سے مانع نہ ہو مل جائے تو وہ خوشحال ہوتا ہے ایسے فقیر کو قانع کہتے ہیں۔

۳: وہ کہ مال سے کچھ بھی رغبت و محبت نہ رکھتا ہو۔ اس کی خواستگاری نہ کرے بلکہ اس سے اذیّت پانے والا اور بھاگنے والا ہو۔ اگر کوئی مال اس کو ہمدست ہو تو اس کو واپس کر دے اس کو فقیر زاہد کہتے ہیں۔

۴: وہ کہ مال سے نہ کوئی محبت رکھتا ہو نہ کوئی کراہت نہ مالداری سے خوش ہو نہ فقر سے ناخوش۔ اگر کوئی مال ملے تو واپس نہ کرے بلکہ اس کے نزدیک مال کا عدم و وجود برابر ہو۔ مالداری و فقیری پر راضی رہے۔ مالداری سے مُنہ نہ پھیرے اور فقر و احتیاج سے خائف و ترساں نہ ہو۔ اگر مال پائے تو ہوا و ہوس میں مشغول نہ ہو۔ نہ پائے تو پریشان خاطر نہ ہو اور شکایت نہ کرے ایسے شخص کے پاس اگر تمام دنیا کا مال ہو تو کوئی ضرر نہیں ہے اس کے آگے مال مثل ہوا کے ہوگا جو اس کے مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کا ضرور نہیں پہنچاتی۔ نہ اس سے خوش ہے نہ کراہت رکھتا ہے۔ بلکہ سانس لینے کی ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس میں بخل سے کام نہیں لیتا، اپنے کو اور سوائے اپنے سب کو اس میں برابر جانتا ہے۔ ایسے شخصِ فقیر کا نام مستغنی فقیر عارف رکھنا چاہیے۔ ایسے شخص کا مرتبہ مرتبہ زاہد سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ زاہدِ ابرار ہے۔ ایسا شخص مقربین میں سے ہے۔ کیونکہ زاہد دنیا سے کراہت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا دل دنیا کی کراہت میں مشغول ہے۔ ویسا ہی حریص کا دل اس کی محبت میں مشغول ہے اور جس چیز میں دل مشغول ہو تو وہ بندہ اور خدا کے بیچ میں حجاب ہوتی ہے۔ لیکن وہ دل جو کہ دنیا کے بغض میں مشغول ہو بہتر ہے۔ بہ نسبت اُس دل کے جو دنیا کی محبت میں مشغول ہے۔ دوسرا مثل اس شخص کے ہے کہ راہ مقصود کے

خلاف چلے اور مقصد سے غافل ہو۔ پہلا مثل اُس شخص کے ہے کہ راہِ مقصُود کو ملے کرے لیکن مقصود سے غافل ہو۔ پہلا مثل اُس شخص کے ہے کہ راہِ مقصُود کو طے کرے لیکن مقصود سے غافل ہو بغیر غفلت کے زائل ہونے کے یہ حالت میّسر نہیں ہوتی۔ بخلاف اوّل کے کہ اگر اُس کی غفلت زائل ہو تو اس نے مدتوں جو راستہ چلا ہے تو اس کو واپس ہونا پڑے گا تا کہ مقصد کا راستہ ملے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ انبیاء و اولیاء فقر کے طالب تھے اور مالداری سے کراہت رکھتے تھے۔ دنیا کے مال سے دُور رہتے تھے جیسا کہ اخبار سے پایا جاتا ہے۔ پس ان کا مرتبہ فقیر مستغنی کے مرتبہ سے نازل تر اور ان کا دل مشغول ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے زیادہ اخبار سے نہیں پایا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے مال سے نفرت و کنارہ کرتے تھے نہ یہ کہ اس سے بغض و عداوت رکھتے تھے۔ ان کا دل اس کی کراہت میں اس شخص کے مانند مشغول تھا جو کوئی پیاس کے موافق نہر سے پئے اور باقی کی پروانہ کرے نیز دنیا و مال کی کراہت و نفرت آدمیوں کی تنبہیہ کے لیے ظاہر کرنا فرض تھا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ حوض کے کنارہ سے دوسرے کنارہ پر کود جاتا ہے تا کہ اس کا طفل ڈرے اور خوف کرے۔ افسوں گر اپنی اولاد کے ساتھ سانپ سے بھاگتا ہے کہ وہ بھی ڈرے مگر خود کوئی خوف سانپ نہیں رکھتا۔ واضح ہو کہ بعض اقسام فقر کے جو ذکر کیے گئے۔ ممدوح اور بعض مذموم ہیں اور ان احادیث کے اختلاف کا سبب جو خصوص فقر میں آئے ہیں اختلاف اقسامِ فقر ہے اور بعض میں اس کی برائی بیان کی گئی ہے اور بعض میں مدح۔



# فصل نمبر (۲)

## شرافت فقر اور فقیروں کی فضیلت

واضح ہو کہ اقسامِ فقر اگرچہ مختلف ہیں لیکن صفتِ فقر فی نفسہ بہ نسبت مالداری کے افضل ہے۔ اس کی تعریف میں اخبار بہت آئے ہیں۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ اس امت کے فقرا بہترین اس امت کے ہیں۔

اور فرمایا کہ پروردگار مجھ کو فقیروں کی زندگی عطا کر ان کے زمرہ میں مجھ کو محشور کر۔

فرمایا کہ مومن کو زینت فقر کی اس لگام سے جو گھوڑے کے منہ میں ہو بہتر ہے جیسا کہ لگام گھوڑے کو جائے خطرہ ہلاکت سے روکتی ہے۔ اسی طرح فقر مومن کی فتنہ و فساد سے حفاظت کرتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت رسول صلعم سے فقر کی نسبت سوال کیا۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ خدا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

دوبارہ پوچھا گیا تو فرمایا کہ خدا کی ایک کرامت ہے۔

تیسری بار پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایسی چیز ہے کہ خدا کسی کو نہیں دیتا ہے۔ مگر پیغمبر مرسلؑ کو یا اس مومن کو جو خدا کے نزدیک کریم ہو۔

فرمایا کہ بہشت میں ایک دانۂ یاقوت سرخ کا ایک غرفہ ہے جس کو اہل بہشت اس طرح دیکھتے ہیں جیسا کہ اہل زمیں ستاروں پر نظر کرتے ہیں اس جگہ سوائے پیغمبر فقیر یا مومن فقیر کے کوئی داخل نہیں ہوتا ہے۔

اُنہیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ قیامت میں میری اُمّت کے فقرا جامۂ سبز پہن کر قبر سے نکلیں گے ان کے گیسو یاقوت و مروارید سے آراستہ ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں نور کا عصا ہوگا۔ وہ منبر پر بیٹھے ہوں گے جب پیغمبر اُن کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ ملائکہ ان کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ پیغمبر ہیں۔

یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم نہ پیغمبر ہیں نہ ملک بلکہ ہم امتِ محمدؐ کے فقرا ہیں۔

پوچھیں گے کہ تم کس عمل سے اس مرتبہ پر پہنچے۔

یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم زیادہ اعمال رکھتے تھے ہمیشہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت نہیں کرتے تھے۔ لیکن نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے۔ اور جب محمدؐ کا نام سنتے تھے تو اپنے رخسار پر آنسو جاری کرتے تھے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے تکلّم کیا اور فرمایا کہ اے محمدؐ میں جس بندے کو دوست رکھتا ہوں تو تین چیزیں عطا کرتا ہوں:۔

۱: اس کے دل کو محزون کرتا ہوں۔

۲: اس کے بدن کو بیمار کرتا ہوں۔

۳: اس کے ہاتھ کو مالِ دنیا سے خالی کرتا ہوں۔

جس بندے کو میں دشمن رکھتا ہوں اس کو تین چیزیں دیتا ہوں:۔

۱: اس کے دل کو صحیح رکھتا ہوں۔

۲: اس کے بدن کو صحیح رکھتا ہوں۔

۳: مالِ دنیا سے اس کا ہاتھ بھرتا ہوں۔

فرمایا کہ تمام آدمی مشتاق بہشت کے ہیں اور بہشت فقرا کا مشتاق ہے۔

مروی ہے کہ قیامت کے دن تمام زاہد و عابد گناہوں سے عذر خواہی کریں گے اور حق تعالیٰ فقرا سے عذر خواہی کرے اور فرمائے گا اے میرے بندے میں نے تجھ کو مالِ دنیا نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ دنیا تیرے لیے حیف ہو بلکہ اس سبب سے تھا کہ دنیا کے لیے حیف تھا۔ اٹھ اہل قیامت کی صفوں پر گزر کر جس کسی کو دیکھے کہ وہ تجھ پر کوئی حق رکھتا ہو جس نے تجھے دنیا میں کچھ عطا کیا ہو، اس کو پکڑ اور اپنے ساتھ بہشت میں لے جا۔

فرمایا کہ فقرا کے ساتھ زیادہ آشنائی کرو۔ ان پر اپنا حق ثابت کرو کیونکہ ان کا ایک زمانہ خوشی کا آئے گا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ ان کو کیا خوشی حاصل ہوگی۔

فرمایا کہ قیامت میں ان کو خطاب ہوگا کہ جس نے تم کو روٹی یا پانی یا کپڑا دیا ہواُس کو بہشت میں لے جاؤ۔ فرمایا کہ بادشاہان اہل بہشت کو دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ جو لوگ



ضعیف و خوار، بال پریشان و غبار آلودہ، پرانا لباس پہنے ہیں۔ ان کو کوئی پہچانتا نہیں ہے نہ وہ کسی کو پہچانتے ہیں۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ جب وہ زمانہ آئے کہ آدمی فقرا کو ذلیل و دشمن جانیں اور دنیا کی تعمیر میں مشغول ہوں اور درہم و دنیا کو جمع کریں تو انکو خدا چار چیزوں میں مبتلا کرتا ہے:۔

(۱) قحط (۲) بادشاہ کا خوف

(۳) حاکموں کا خیانت (۴) دشمنوں کا غلبہ

اہل بیتؑ سے مروی ہے کہ جب خدا بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو فقر میں مبتلا کرتا ہے اور جب اس کی محبت زیادہ ہوئی تو اہل و عیال اور دولت و مال کو اس سے لے لیتا ہے۔

حضرتِ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے دوستان خالص کے لیے اہلِ باطل کی دولت نہیں ہے۔ اگر وہ مشرق سے مغرب تک پھریں تو ان کو بقدر قوت ہی میسّر ہوگا۔

نیز آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ فقرائے مومنین کو مالداروں سے چالیس ہزار سال پہلے روضہ ہائے بہشت کی سیر کرائیں گے۔ ان کی مثال یہ ہے کہ خالی گھر کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا اور جو گھر مال سے بھرا ہُوا ہواس پر پہرا لگا دیا جاتا ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو خدا تعالیٰ فقرائے مومنین کے پاس کسی کو عذر خواہی کے لیے بھیجے گا اور پیغام دے گا کہ اپنی عزت کی قسم ہے کہ میں نے تم کو دنیا میں خواری و بے قدری کے سبب سے فقیر نہیں کیا البتہ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔ پاس کو دیکھو جس نے تمھارے ساتھ دنیا میں نیکی کی ہے اس کو لے کر داخل بہشت ہو۔

ایک شخص عرض کرے گا کہ اے پروردگار اہلِ خانہ دنیا میں متعدد عورتیں رکھی ہیں۔ عمدہ عمدہ لباس پہنے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھائے ہیں۔

وہ بلند مکانوں میں بیٹھے ہیں اور گھوڑوں پر سوار ہوئے ہیں۔ مجھ کو بھی آج ان کی طرح عطا کر۔

پروردگار کا خطاب ہوگا کہ آج تجھ کو اور تم میں سے ہر ایک کو جو چیز اہلِ دنیا کو دی گئی ہے۔ اس کے ستر برابر ہر ایک چیز عطا کرتا ہوں۔

ایک روز آں حضرتؐ نے بعض اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آیا تم بازار کو جاتے ہو اور میوہ یا

کوئی چیز جس کو بیچتے ہیں تم ان کو خرید کرنا چاہتے ہو لیکن اس کے خریدنے کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔

عرض کیا گیا کہ ہاں۔

فرمایا کہ آگاہ ہو کہ تمھارے واسطے اس کے عوض میں جو دیکھتے ہو اور نہیں خرید سکتے ہو ایک حسنہ ہے۔

حضرت کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے مالدار کو اس سبب سے مالدار نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک کوئی کرامت رکھتا تھا اور فقیر کو اس لیے فقیر نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل وخوار تھا بلکہ مالداری وفقر ایسی چیز ہے کہ اُس سے مالداروں کا اور فقیروں کا امتحان کرتا ہوں۔ اگر فقیر نہ ہوتے تو مالدار مستوجب بہشت نہ ہوتے۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی فقیر سے ملاقات کرے اور اس پر مالداروں کے خلاف سلام کرے تو خدا قیامت میں اس پر غضبناک ہوگا۔

لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ کسی کو پُرانے جامہ میں حقیر نہ سمجھ کہ خدا تیرا اور اس کا ایک ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص کسی بزرگِ دین کی خدمت میں گیا اور کہا کہ کوئی دعا میرے حق میں کیجئے کہ میں محتاج اور صاحبِ عیال ہوں۔ میرے عیال مجھ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اُس بزرگ نے کہا کہ جس وقت تیرے عیال کسی قوت کو نہ ہونا بیان کریں تو اس وقت خدا کی درگاہ میں دعا کر اُس صورت میں میری دعا سے تیری دعا بہتر ہوگی۔ پس اے فقیر مسکین اس صفت کو جان اور غمگین نہ ہو کہ دنیائے دوروزہ فانی کس طرح گزرے گی۔ ایک چشم زون میں کوچ کے وقت فقیر وغنی یکساں ہیں۔ دنیا اس بجلی کے مانند ہے جو آنکھوں کی بصارت کو گُم کرنے والی ہے۔ ہر وقت گزر رہی ہے کہ کوئی لحظہ اس کے لیے توقف نہیں ہے۔ ایک لقمۂ نان سیری کے لیے اور ایک گھونٹ پانی سیرابی کے لیے کافی ہے۔ یہی حال کرلو کہ عمر گزشتہ میں تم تمام اموال دنیا کے مالک تھے اور ایک فقیر نے جو کی روٹی پر قناعت کی تھی اب اس میں اور آپ میں کیا فرق ہے اور آئندہ تم نہیں جانتے کہ کس طرح گزرے گی۔ بلکہ فقیر کو چاہیے کہ نہایت خوشنود وشادر ہے کیونکہ خرابی مال و مالداری سے دور اور حساب روز شمار سے فارغ البال ہے۔ خداوند عالم خود اُس سے عذر خواہی کرے گا۔ اخبار میں وارد ہے کہ خدا کے نزدیک اُس کے بندوں میں زیادہ دوست فقیر ہے جو اپنی



روزی پر قناعت کرنے والاارا پنے خدا سے راضی ہو۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

''اُس فقیر سے کوئی افضل نہیں ہے جو کہ خدا سے راضی ہو۔''

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا کہ میرے برگزیدگانِ کہاں ہیں۔

ملائکہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار یہ لوگ کَون ہیں۔

خطاب ہوگا کہ یہ فقرائے مسلمین ہیں جو کہ میرے دیے ہوئے پر قناعت کرنے والے اور میری قضا پر راضی تھے۔ ان کو داخل بہشت کرو۔

پس یہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور عیش وعشرت میں بسر کریں گے اور باقی تمام لوگ اپنے حساب میں گرفتار رہیں گے۔

فرمایا کہ کوئی غنی وفقیر نہ ہوگا جو قیامت میں آرزو نہ کرے گا کہ کاش دنیا میں بطریقِ جائز اپنی قوت سے زیادہ پیدا نہ کرتا۔ یہ فائدہ فقیر ومرتبہ کا فقرا ہوگا۔ جو ان کو معلوم ہوگا بلکہ وہ فقیر جو اپنے فقر پر راضی ہو جو کچھ اس پر گزرے اس پر شاکر ہو۔ وہ دنیا میں بھی آرام سے گزارتا ہے۔ اس کو بادشاہ وزیر کا کوئی خوف نہیں ہے۔ نہ مال جمع کرنے کی تکلیف نہ اس کے حفاظت کرنے کی زحمت ہے۔ وہ گدا کی صورت میں ایک بادشاہ ہے اور حقیقت میں بادشاہ ایک گدا ہے۔

# فصل نمبر (۳)

## فقیر صبر کے ساتھ اُس مالداری پر جو شکر کرتا ہو ترجیح رکھتا ہے۔

کوئی شبہ نہیں ہے کہ فقیر رضا وقناعت کے ساتھ اس فقر سے جو حرص وشکایت کے ساتھ ہو افضل و بہتر ہے لیکن دو مقام پر خلاف ہے:۔

(۱) یہ کہ فقیر صابر راضی جو کہ تھوڑی چیز پر قناعت کرنے والا ہو اپنے فقر سے ناراض نہ ہو بہتر ہے یا وہ مالدار سخی جو کہ اپنے مال کو راہِ خدا میں بخشش کرے بعض نے اوّل کو اور بعض نے دوسرے کو ترجیح دی ہے۔ مگر یہ بات اس صورت میں ہے کہ وہ مالداری بھی مال سے دلبستگی نہ رکھتا ہو۔ مال کو وجود عدم اس کو مساوی ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ وہ رکھتا ہے اگر اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو ذرا بھی اس کے دل میں کوئی فرق نہ واقع ہو کوئی غم اس کو حاصل نہ ہو۔ علیٰ ہذا یہ فقیر بھی اگر کوئی ثروت اس کو ملے تو اس کو ناچیز سمجھے لیکن باوجود علاقہ ومحبت مال کے اگر مالدار سخاوت کرے تو اس سے فقیر راضی افضل ہے۔ غرض غنی سخی اور فقیر راضی کا تقابل اس وقت کیا جائے گا جب ان میں سے کوئی بھی مالِ دنیا کی محبت نہ رکھتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ فقیر راضی غنی سے بمراتب افضل ہے جیسا کہ مروی ہے ایک روز پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ:

''کونسا آدمی بہتر ہے۔''

عرض کیا گیا کہ وہ مالدار جو خدا کے حق کو ادا کرے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ آدمی خوب ہے لیکن اُس سے میری مراد نہیں ہے۔

عرض کیا گیا کہ پھر کونسا آدمی بہتر ہے۔

فرمایا کہ وہ فقیر ہے جو اپنی قدرت کے مطابق عطا کرے۔

مروی ہے کہ ایک روز کسی کو فقرائے اصحاب نے حضرتِ رسولؐ کی خدمت میں بھیجا وہ حاضر ہُوا اور عرض کہ میں فقیروں کا بھیجا ہوا ہوں۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ تجھ پر اور اُن لوگوں پر جن کی طرف سے تُو آیا ہے مرحبا ہو کہ



میں اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہوں۔

پس اس شخص نے عرض کیا کہ فقرا کہتے ہیں کہ مالداروں نے بہشت کو ہم سے لے لیا وہ حج کرتے ہیں ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ عمرہ بجالاتے ہیں ہم بجا نہیں لاسکتے وہ زیادتی مال کو اپنے آگے بھیجتے ہیں ہم مال نہیں رکھتے کہ بھیجیں

حضرتؐ نے فرمایا کہ میری طرف سے فقیر سے کہو کہ جو فقیر خدا کے لیے صبر کرے تو تین خصلتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو مالداروں کو نصیب نہیں ہوتیں:

۱: یہ کہ بہشت میں ایک کھڑکی ہے جس کو اہلِ بہشت دیکھتے ہیں جیسکہ کہ اہلِ زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوتا، مگر پیغمبر فقیر یا مومنِ فقیر۔

۲: یہ کہ پانسو سال پہلے مالداروں کے فقیر داخلِ بہشت ہوتے ہیں۔

۳: یہ کہ فی مالدار: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

کہے اور فقیر بھی یہی کلمات کہے تو فقیر کے ثواب کے برابر مالدار کو ثواب نہیں ملتا ہے۔ اگر چہ دس ہزار درہم راہِ خدا میں اس کے ساتھ بخشش کرے۔ ایسا ہی تمام اعمالِ خیر ہیں۔

یہ شخص واپس ہُوا اور فقرا سے کہا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم راضی ہوئے مالداری پر فقر کی ترجیح اس قدر کافی ہے کہ بہترین موجودات وخاتمِ پیغمبرانؐ نے مالداری پر باوجود قدرت کے فقر کو اختیار فرمایا تھا۔

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ

یعنی: ''فقر میرا فخر ہے۔''

فرمایا کہ اے خدا مجھ کو فقرا میں محشور کر۔

سید اولیاءؑ نے اپنے کو مسکین وفقیر نامزد فرمایا تھا۔ جو فراغت واطمینان دل فقیر کو حاصل ہے۔ مالدار کو ہرگز میسّر نہیں ہے۔ جو چیز مالدار کو ہے وہ راہ خدا میں عطا وبخشش کا ثواب ہے اور معلوم ہے کہ خود صفتِ فقر کا ثواب اس سے کم نہیں ہے علاوہ اس کے فقیر کی ہر عبادت کا ثواب مالدار کی عبادت کے ثواب سے جیسا کہ آپ نے معلوم کیا بہت بڑھا ہوا ہے۔ اگر کوئی دوسری فضیلت فقیر کو مالدار پر نہ ہوتی تو یہی بس ہے کہ قیامت میں ذلتِ محاسبہ ومعطّلی حساب اس کو حاصل نہ ہوگی۔

(۲) فقیر حریص کو جس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو وہ بدتر ہے یا مالدار حریص جو بخیل ہو۔ یہ ذکر اس فقیر کا ہے جو طالبِ حرام نہ ہو اور اس مالدار کا ہے جو اپنے حقوق کو ادا کرے ورنہ ہر ایک یا دونوں حرام کے مرتکب ہوں تو بدتر ہیں۔

پس کلام اس فقیر کے بارے میں ہے جس کی حرص حصولِ مال پر بطریق مباح ضرورت سے زیادہ ہو اور مالدار بھی ایسا ہی ہو۔ بس بیانِ صدر سے معلوم ہوا کہ مالدار بدتر ہے ایسے فقیر سے اور ایسا فقیر مالدار سے بہتر و افضل ہے۔

# فصل نمبر (۴)

## فقیر اور گدا کا فرق اور سوال کی برائی اور اُس کا جواز کا وقت

جب فضیلت و فائدہ فقر کو آپ نے معلوم کیا تو ہر گدا کو فقیر نہ جانیے کیونکہ گدا دوسرا شخص ہے اور فقیر دوسرا۔ گدا وہ ہے کہ دنیا نے اس سے ہاتھ اٹھایا ہے پس فقیر کے واسطے چند شرائط ہیں۔ اگر فقیر ان سے متصّف ہو تو فضیلت فقر کی اس کو حاصل ہوگی۔ پس واضح ہو کہ فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے فقر و تہی دستی پر راضی ہو اور اگر اس سے کراہت رکھتا ہو تو مثل اس شخص کے ہو جو حجامت و فصد کو مکروہ سمجھتا ہے لیکن درد کے زائل کرنے کے لیے اُس پر راضی ہو جاتا ہے۔ پس وہ فقیر بھی اسی طرح فقر سے خوشنود رہے۔ اس کو خدا کی طرف سے جانے۔ اس وجہ سے اس پر شاد و فرحناک ہو۔ باطن میں خدا پر توکل کرے اور اسی پر اعتماد و ثوق رکھے۔ یہ سمجھے کہ خدا بقدرِ ضرورت اس کو دیتا ہے۔ مال کے حاصل کرنے کی حرص نہ رکھتا ہو، اپنے فقر پر صابر و شاکر ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ بعض کے لیے فقر عقوبتِ خداوندی ہے اور بعض کے لیے کرامت اور علامت اس فقر کی جو کرامت من اللہ ہے یہ ہے کہ وہ خوش خلق و مطیع پروردگار ہوتا ہے۔ ایسا فقیر اپنے حال کی شکایت نہیں کرتا۔ اپنے فقر پر خدا کا شکر کرتا ہے۔ اور علامت اس کی جو عقوبت ہے یہ ہے کہ وہ اس کو بدخُلق کر دیتا ہے۔ وہ پروردگار کا گناہ اور اس کی شکایت کرتا ہے۔ وہ قضائے الٰہی پر راضی نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ ہر فقیر کو فقر کا ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ثواب و فضیلت اس فقیر کے لیے ہے جو راضی و شاکر ہو۔ مطابق کفاف



کے قانع ہو۔ طولِ امل نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو کوئی راضی نہ ہو زیادہ مال کی طرف مائل ہو۔ ذلّتِ حرص و طمع میں آلُودہ ہو تو طمع و حرص کے ذریعہ سے اس کے اخلاق بد ہو جاتے ہیں۔ وہ اُن اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جو طریقہ اہلِ مروّت و آبرو کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اس کو کوئی ثواب بھی حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ گنہگار ہے پس فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اظہار استغفار کرے اور اپنے کاموں کو پوشیدہ کرے۔ حدیثِ نبویؐ میں وارد ہے کہ جو کوئی اپنے فقر کو پوشیدہ کرے۔ خداوندِ عالم اسکو اس شخص کا اجر عطا کرتا ہے جس نے تمام دن روزوں میں بسر کیے ہوں اور تمام راتوں کو عبادت کی ہو۔ نیز فقیر کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے مالداروں میں نہ ملائے۔ ان کے ہم صحبت نہ ہو۔ بسبب مال کے ان کی تواضع نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ ایسا کرنے سے تکبر کرے۔

مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام و حضرت خضر میں ملاقات ہوئی حضرتؑ نے حضرتِ خضر سے پوچھا کہ بہترین اعمال کیا ہیں۔

انھوں نے کہا کہ خوشنودی خدا کے لیے مالداروں کا فقرا پر بخشش کرنا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ مالداروں پر فقرا کا از راہِ اعتماد و وثوقِ خدا ناز و تکبّر کرنا بہتر ہے

حضرت خضر نے کہا کہ یہ نکتہ ہے اس کو حور کے صفحۂ رخسار پر نُور سے لکھنا چاہیے۔ نیز فقیر کو چاہیے کہ حق بات کہنے سے مضائقہ نہ کرے۔ مالدروں سے از راہِ طمع اور مدارات سچی بات کو نہ چھپائے اور بے اعتنائی نہ کرے۔ فقر و تہیدستی سے عباداتِ خدا میں سُستی نہ کرے۔ اگر اس کے قوت سے تھوڑا ہی بچ رہے تو اس کو راہِ خدا میں بخشش کر دے۔ اس کو جہدِ عقل کہتے ہیں۔ جو مالدار اپنا بہت سا مال بخشش کرتا ہے اس سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ایک روز حضرت رسولِ صلعم نے فرمایا کہ ایک درہم کا صدقہ کرنا بمقابلہ سو ہزار درہم کے افضل ہو سکتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ کیونکر۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے اُس مال کے منافع سے جس کے سو ہزار درہم ہوں، تصدّق کرتا ہوا ور جو مرد سوائے دو درہم کے کوئی چیز نہ رکھتا ہو اور اُن دو سے ایک کو راہِ خدا میں دے دے تو اُس ایک درہم کا بخشش کرنے والا ایک ہزار درہم کے بخشش کرنے والے سے افضل ہے۔ نیز فقیر کو اپنی ضرورت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ایک شبانہ روز سے زیادہ قوت کو ذخیرہ کرے تو وہ صدیقوں میں سے ہوگا۔ اگر ایک سال کے قوت سے زیادہ کی قوت کو ذخیرہ نہ کرے تو

وہ متّقیوں میں سے ہوگا۔ اگر ایک سال کے قوت سے زیادہ کا ذخیرہ کرے تو وہ زمرۂ فقرا سے خارج اور وہ فضیلتِ فقر سے محروم ہے۔ جو کسی فقیر کو کوئی ایسی چیز عطا کرے جو حرام مؤبدّ ہو تو اس کا رد کرنا واجب اور اس کا قبول نہ کرنا حرام ہے۔ اگر وہ چیز مشتبہ ہو تو اس کا رد کرنا سبت ہے اس کو قبول کرنا حرام ہے۔ اگر وہ چیز مشتبہ ہو تو اس کا رد کرنا سنت ہے اس کو قبول نہ کرے۔ اگر وہ حلال ہو اور بعنوانِ ہدیہ عطا کیا جائے تو اس کا قبول کرنا۔ اگر بے منّت کے ہو تو مستحب ہے کیونکہ حضرت رسول صلعم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اگر اس میں منت ہو تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے اگر بعنوان صدقہ یا زکوٰۃ یا اسی طرح پر ہو اور وہ فقیر اس کا مستحق و اہل ہو تو اس کو قبول کرنا چاہیے ورنہ رد کردے۔ اگر معلوم ہو کہ دینے والے نے اس فقیر کو جس صفت کا گمان کر کے دیا ہے مثلاً اس کو سید یا عالم یا سوائے ان کے جانا ہے اور فی الحقیقت وہ ویسا نہیں ہے تو اس کو رد کرنا چاہیے اور اگر بطورِ ہدیہ کے نہ ہو اور صدقہ ہو بلکہ بسببِ شہرت وریا و خود نمائی کے دیا ہو تو بہتر یہ ہے کہ قبول نہ کرے اور رد کردے بلکہ بعض علماء اس کے قبول کو حرام اور اس کے رد کرنے کو واجب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے اگر وہ اس کا محتاج ہو اور وہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اس کو قبول کرے بشرطیکہ خرابی مذکورا لمصدر سے بری ہو۔

حضرتِ رسولِ صلعم نے فرمایا کہ دینے والے کا ثواب لینے والے سے زیادہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ اُس چیز کا محتاج ہو۔ بلکہ بعض حدیث میں رد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اگر ضرورت سے زیادہ ہو اور وہ فقیر راہِ آخرت کا طالب ہو تو اُس زیادتی کو رد کرے۔ کیونکہ خدا نے اس کے لیے بفرضِ امتحان و آزمائش بھیجا ہے تا کہ دیکھے کہ وہ کیا کرتا ہے ضرورت کے مطابق کو بسبب مہربانی اور رحمت کے اس کو عطا کیا ہے۔ پس اس کے لینے میں ثواب ہے لیکن زیادتی سے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے یا اس کے حساب میں گرفتار ہوتا ہے۔ پس طالبِ سعادت کو سزاوار یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ کو قبول نہ کرے کیونکہ نفس نے جبکہ موقع پایا تو عہد و پیمان کو توڑتا ہے اور اس پر عادت کرتا ہے۔ بعض مجاورینِ مکہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے چند درہم جمع کر رکھے تھے کہ راہِ خدا میں بخشش کریں۔ ایک روز ایک فقیر کو دیکھا کہ طواف سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ کہتا تھا:

جَائِعٌ كَمَا تَرٰى عُرْيَانٌ كَمَا تَرٰى فَمَا تَرٰى فِيْهَا تَرٰى يَامَنْ تَرٰى مَالَا



تُریٰ۔

یعنی: ''اے خدا بھوکا ہوں اور ننگا ہوں جیسا کہ تُو دیکھتا ہے۔''

پس کیا دیکھتا ہے اس خصوص میں کہ تُو دیکھتا ہے اے اس چیز کے دیکھنے والے جس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ پس میں نے دیکھا کہ پُرانا لباس بدن میں ہے۔ وہ بھی بدن کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ درہم اس کو دینا چاہیے۔ اُن درہموں کو اس کے پاس لے گیا تو اُس نے اُن پر نگاہ کی اور پانچ درہم اٹھائے اور کہا کہ ان میں سے چار درہم کے دو جامے خرید کروں گا اور ایک درہم راستہ میں خرچ کروں گا۔ باقی کو واپس کیا اور کہا کہ ان کی ضرورت نہیں رکھتا ہوں۔ دوسری رات کو اس کو دیکھا کہ دو جامے نئے پہنے تھا میں اُس کے قریب گیا۔ وہ میری طرف متوجہ ہُوا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جب ہم دونوں طواف میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ سات طواف تمام کیے۔ ہر ایک طواف میں دیکھا کہ ہمارے پاؤں ہر قسم کے جواہر پر تھے پہلے وقت یاقوت پر دوسرے وقت موتی پر تیسرے وقت زمرد پر چوتھے وقت سونے پر راستہ چلتے تھے۔ ہمارے پاؤں اُس میں ٹخنے تک دھنستے تھے۔ پس اُس مرد نے مجھ سے کہا کہ خدا نے مجھ کو یہ تمام دیا ہے مگر میں نے قبول نہیں کیا۔ میں دوسروں سے طلب کر کے اپنی معاش حاصل کرتا ہوں کیونکہ ان تمام سے گرانی اور بلا میں گرفتاری ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق لینا افضل ہے اور اُس شخص کو جو دیتا ہے اُس کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثواب کی اعانت کرنا بھی ثواب ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ ہر رات بنی اسرائیل کے پاس افطار کریں۔

انھوں نے عرض کیا کہ الٰہی کس واسطے میری روزی تُو نے بنی اسرائیل پر متفرق کی ہے کہ ایک شخص صبح کو کھانا کھلائے اور دوسرا شخص شام کو۔

وحی ہوئی کہ میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں۔ ان کی روزی کو بندگانِ باطل کے پاس مقرر کرتا ہوں تا کہ یہ لوگ بھی اس وجہ سے ثواب حاصل کریں۔ لیکن ضرورت سے زیادہ کو بہتر یہ ہے کہ قبول نہ کرے اگر قبول کیا تو اس کو فقرا پر بخشش کردے۔ ایسی صورت میں زیادہ لینا کوئی ضرر نہیں رکھتا ہے۔ زیادتی کو فوراً فقرا پر بخشش کردے اٹھا نہ رکھے کہ مبادا نفس کے فریب میں آ جائے۔ چنانچہ ایک گروہِ فقرا مالداروں سے مال حاصل کرتے اور دوسروں کو خیرات کرتے تھے۔

آخر کاراُن کے نفس کو شیطان نے فریب دیا انھوں نے اس مال کو وسیلہ نعمت سمجھا اور ہلاک ہوئے۔ مومن کو سزاوار ہے کہ جب تک ممکن ہو کسی چیز کی کسی سے خواہش اور سوال نہ کرے کیونکہ یہ خدا کے شکوہ پر دلالت اور اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور سبب ایذا اس شخص کا ہوتا ہے جس سے خواہش کی جاتی ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ خاطر خواہ وہ کوئی چیز نہیں دے سکتا۔ ظاہر کرنے کے بعد اس سے شرم کرتا ہے۔ یا خجل ہوتا ہے یا اپنی آبرو کی حفاظت کرتا ہے یا ظاہراً اور ریا سے کوئی چیز دیتا ہے۔ ہاں اس طرح حاصل کرنا مذموم نہیں ہے جو شرعاً حلال ہو۔

اسی وجہ سے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ سوال کرنا خراب ہے۔

اور فرمایا کہ جو کوئی اپنی قوت تین روز کی رکھ کر سوال کرے قیامت میں خدا سے وہ اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے منہ پر کسی قدر بھی گوشت نہ ہوگا اور استخوان ہی استخوان ہوں گے۔

فرمایا کہ جو بندہ ایک دروازہ پر سوال کرے تو خدا ستّر دروازے فقر کے اس پر کھولتا ہے۔

پھر فرمایا کہ سوال حلال نہیں ہے مگر اس حالت میں کہ جب کہ وہ ہلاکت کو پہنچا ہو یا اُس قرض کی ادائیگی کے لیے جس سے رسوائی ہوتی ہو۔

ایک روز ایک گروہِ انصار خدمت میں اس بزرگوارؐ کی حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ایک حاجت ہم آپ سے رکھتے ہیں۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ بیان کرو۔

عرض کیا کہ حاجت بہت بڑی ہے۔

فرمایا کہ کہو۔

عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لیے آپ بہشت کے ضامن ہوں۔

حضرتؐ نے سر مبارک جھکایا بعد ازاں سر اٹھا کر فرمایا کہ میں ضامن ہوتا ہوں اس شرط سے کہ تم کسی چیز کا مجھ سے بھی سوال نہ کرو۔

انھوں نے وعدہ کیا اور وعدہ پر قائم رہے چنانچہ جب اُن کو سفر میں تازیانہ کسی کے ہاتھ سے گر جاتا تو دوسرے اس رفیق سے جو پیادہ ہوتا تھا اس سے سوال نہیں کرتے تھے کہ تازیانہ اٹھا کر دے۔ خود آتے تھے اور اٹھا لیتے تھے۔ اگر دسترخوان پر بیٹھتے تھے اور پانی دوسرے کے



نزدیک رہتا تو اُس رفیق سے خواہش نہیں کرتے تھے کہ اس کو پانی دے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی تم میں گٹھا لکڑیاں کا اٹھالے اور بیچے اور اپنی عزت کا خیال رکھے تو سوال کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت سیّد الساجدین علیہ السّلام نے عرفہ کے روز عرفات میں ایک جماعت سوال کرنے والی کو ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ یہ بدترین خلقِ خدا ہیں۔ آدمی خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا و تضرّع کرتے ہیں۔ یہ لوگ آدمیوں سے متوجہ ہو کر سوال کرتے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر سائل کو معلوم نہ ہو کہ زر کس قدر خرابی پیدا کرتا ہے تو کوئی کسی سے ہرگز سوال نہ کرے گا۔ اگر کوئی جس سے سوال کیا جاتا ہے ردِ سوال کی خرابی معلوم کرے گا تو کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرے گا۔ واضح ہو کہ سوال سے جو منع کیا گیا ہے اُس صورت میں ہے کہ ناچار و مضطر نہ ہو۔ لیکن حالت اضطرار و احتیاج میں اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جو کچھ ترغیب عطائے سائل کی نسبت ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی: ''اپنے سائل کو محروم واپس نہ کرو۔''

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ سائل کو رد نہ کرو اور کوئی چیز ان کو دو اگرچہ کہ وہ نصف خرما ہو۔

پھر فرمایا کہ سائل کو سوال کا ایک حق ہے اگرچہ کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو۔

پھر فرمایا کہ سائل کو رد نہ کرو اگرچہ کہ جلا ہُوا سُم ہو۔

واضح ہو کہ احتیاج آدمی کی چند قسم پر ہے:

ایک یہ کہ بیحد پریشان ہو مثلاً بھوک جس سے ہلاکت واقع ہوتی ہو اور بے لباسی جس سے بدن نہ ڈھانپا جاتا ہو۔ سردی و گرمی سے خوف تلف ہونے کا ہو۔

دوسرا یہ کہ اس حد تک نہ پہنچا ہو لیکن اس کی ضرورت بہت ہو مثلاً بالاپوش یعنی شیروانی کی اس شخص کو ضرورت ہوتی ہے جو جاڑے میں سردی کی تکلیف اٹھائے اگرچہ ضرورت کی حد تک نہ پہنچا ہو یا مثلاً گاڑی کے کرایہ کی ضرورت اس شخص کو جو تکلیف اٹھا کر پیادہ پا منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ احتیاج جزائی رکھتا ہو اور اس کی اہتمام کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ جیسے کہ

روٹی موجود ہومگر سالن موجود نہ ہو۔ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں اور حرام نہیں ہیں۔لیکن پہلی صورت سوال راجح ہے ۔ دوسری مباح ہے تیسری مکروہ بشرطیکہ شکوۂ خدا اور اپنی ذات اور دوسروں کی تکلیف کی حدتک نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ اپنی ضرورت کا اظہار کنا تیا کرے۔ صراحت سے نہ کرے۔ اپنے دوستوں سے اور اُس شخص سے جو کوئی جودوسخاوت میں مشہور ہو۔ اظہار کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی معیّن آدمی سے خواہش نہ کرے۔ اگر شخص معین سے تمام آدمیوں میں طلب کرے تو اُس سے کوئی چیز معین نہ طلب کرے۔ اس کی خواہش کے ساتھ صراحت بھی نہ کرے۔ بلکہ قسم بیان کرے اگر وہ نہ دینا چاہیے تو عذر نافہمی کا کرسکتا ہے۔اگر سوائے بیان صدر کے سوال کیا جائے اور وہ شخص حیا وہ خجالت یا خوفِ ملامت سے کوئی چیز دے تو وہ حرام ہوگی۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اُس صورت میں ہے کہ اس کو اسی وقت اُس کی ضروت ہولیکن سوال کرنا ایسی چیز کا جس کی بالفعل ضرورت نہیں ہے من بعد ضرورت واقع ہوگی۔

جیسا کہ ایک سال تک اس کی ضرورت نہ ہو اور بعد سال کے اسکی ضرورت ہو تو کوئی شک اس کے سوال کی حُرمت میں نہیں ہے۔ اگر مُدتِ سال میں اس کی ضرورت ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اسکا سوال کرنا مباح ہے۔لیکن اگر جانتا ہو کہ ضروت کے وقت بھی سوال کرنے سے وہ شے ہمدست ہو سکتی ہے۔تو بہتر یہ ہے کہ بالفعل سوال نہ کرے اور ضرورت کے وقت کا انتظار کرے اور بعض نے زمانہ ضرورت کے قبل سوال کرنے کو حرام جانا ہے جس قدر ضرورت کا زمانہ دُور ہو اسی قدر سوال کرنا سخت کراہت رکھتا ہے۔

ہر بندہ کو چاہیے کہ اپنے نفس کا مجتہد ہو اور ضرورت کے وقت کو ملاخطہ کرے اور خدا کے وثوق کو ہاتھ سے نہ دے۔

پس اے صاحبو!

اپنے کو بلندی عزت و مرتبہ توکل و اعتمادِ خدا سے مقامِ ذلّت وخوف اور اضطراب میں نہ ڈالیے۔

شیطان لعین کے ڈرانے کو نہ سُنیے۔



اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ

''تم کو شیطان فقر سے ڈراتا ہے اعمالِ خراب کا حکم دیتا ہے۔''

وعدہ پروردگار پر اطمینان رکھیے:

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا

''خدا وعدہ بخشش و فضل تم کو دیتا ہے۔''

جب تک ہوسکتا ہے اپنے مقابل والوں کے سامنے دراز نہ کیجے۔لیمانِ روزگار کے آگے روٹی کے ایک نوالے کے واسطے اپنی عزت کو ضائع نہ کیجئے۔

ہاں جس نے لذّت کو آبرو کی نہیں پایا، اپنی شکم پروری کی عادت کی وہ ہر کسی کے دروازے پر دوڑتا ہے کہ شکم پلید کو پرورش کرے۔ اگر قناعت کرتا تو کس واسطے دوسرے کا دست نگر ہوتا اپنی سوکھی روٹی اور پیاز دوسروں کی بریانی سے ہزار مرتبہ بہتر ہے۔

# تیسری صفت

# حِرص اور اُس کی مذمّت

صفتِ حرص کے متعلق قوّتِ شہویہ ہے وہ ایک ایسی صفتِ نفسانیہ ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد ہر ایک چیز جمع کرتا ہے۔ یہ صفت حُبِّ دنیا کی ایک شاخ ہے جو تمام صفاتِ مہلکہ واخلاق بدمیں ہے بلکہ یہ صفتِ بد ایک بیابان وسیع ہے۔ جس طرف اس میں جائیں اس کے آخر کو نہ پائیں۔ جو بے چارہ اس میں گرفتار ہُوا وہ گمراہ ہلاک ہوا۔ جو مسکین اس جنگل میں آیا دوسرے وقت اس کو خلاصی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حریص کی حرص کسی طرح انتہا کو نہیں پہنچتی، اور ایک حد پر قائم نہیں رہتی۔ وہ اگر دنیا کے اموال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرے تو پھر بھی باقی کے حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ جو کچھ ہاتھ آئے پھر طلب کرتا ہے۔ وہ بے چارہ بیمار ہے مگر نہیں سمجھتا ہے۔ وہ احمق ہے مگر نہیں جانتا ہے کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ حریص کی ستّر سال کی عمر ہو اور کوئی فرزند نہ ہو اور اس قدر اموال واملاک وآمدنی رکھتا ہو کہ اگر فراغت سے زندگی بسر کرے تو اور سو سال تک اس کو کافی ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اور بیس سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہے۔ لیکن اس پر بھی مال کی زیادتی کی کوشش کرتا ہے۔ اور غور نہیں کرتا کہ اس کیا فائدہ ہے اور کیا ثمرہ۔ اگر خرچ کے لیے تو اس کا منافع مدت العمر کے خرچ کو کافی ہے۔ اگر احتیاطاً ہے تو جو کچھ وہ رکھتا ہے اور جو کچھ کہ حاصل کرتا ہے اس پر احتمالِ تلف ہے۔ اگر یہ مرض یا حماقت نہیں ہے تو کیا بلا ہے۔ جو کوئی اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اُس کی رہائی اس سے نہایت مشکل ہے۔

اسی وجہ سے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ جب آدمی کو خانہ طلاء کی دو ندیاں مل جائیں تو پھر تیسری ندی کی طلب رہتی ہے۔ اب اس کے شکم کو کوئی چیز سوائے مٹی کے نہیں بھر سکتی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ دنیا کا حرص کرنے والا مثل ریشم کے کیڑے کے ہے جس قدر اپنے اطراف کو دور کرتا ہے اسی قدر اس کی خلاصی نہیں ہوسکتی۔ یہاں تک کہ غصّہ سے مرجاتا ہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آدمی کو مطلع کریں تو ہمیشہ دنیا میں



رہے گا تو وہ مال جمع کرنے کی حرص نہ کرے گا لیکن جب کہ یہ جانتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ تک اسے دنیا میں زندہ رہنا ہے تو اس کے جمع کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر کسی پر یہ ظاہر و روشن ہوجاتا ہے۔

# فصل نمبر (۱)

## قناعت اور اس کی فضیلت

صفتِ حرص کی ضد ملکہ قناعت ہے اور وہ ایک حالت ہے نفس کی کہ جس کے باعث بقدر ضرورت وحاجت آدمی اکتفا کرتا ہے اور مالِ فضول کے حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتا۔ یہ صفت اعلیٰ ترین صفاتِ فاضلہ واخلاقِ حسنہ ہے اور تمام فضائل اسی سے متعلق ہیں بلکہ دنیا وآخرت کی راحت اسی میں ہے۔ صفتِ قناعت ایک مرکب ہے جو آدمی کو مقصد پر پہنچاتا ہے۔ سعادتِ ابدی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جو کوئی ضروت کے مطابق قناعت کرے اس کا دل زیادتی میں مشغول نہیں ہوتا وہ ہمیشہ فارغ البال ومطمئن ہے اس کے حواس قائم اور حصول آخرت اس کو سہل و آسان ہے اور جو شخص اس صفت سے محروم اور حرص وطمع وطولِ امل میں مشغول رہتا ہے وہ دنیا پر مائل رہتا ہے۔ اس لیے اس کا دل پریشان اور اس کے کام متفرق ہوتے ہیں۔ پس باوجود اس کے کیونکر وہ تحصیل آخرت کرسکتا ہے۔ درجۂ اخیار وابرار پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قناعت کی تعریف میں اخبار بے شمار آئے ہیں۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ خوشا بحال اس کا کہ جس نے دینِ اسلام کی ہدایت پائی ہو۔ ضرورت کے مطابق اس کو ملے تو وہ اس پر قناعت کرے۔ فرمایا کہ آدمی دنیا کی طلب میں زیادہ کوشش نہ کرے۔ کیونکہ کسی کو مقدر سے زیادہ نہیں ملتا اور کوئی شخص دنیا سے نہیں جاتا ہے جس کو مقدر کے مطابق حاصل نہ ہوا ہو۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہُوا ہے کہ اے فرزند آدم اگر تمام دنیا تیری ہو تو بھی تیرے قوت سے زیادہ تجھ کو نہیں ملتا۔ پس جو کچھ تیرے قوت کے مطابق تجھ کو دیتا ہوں اس کا حساب دوسروں سے لیتا ہوں۔ تجھ پر میرا یہ احسان ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰؑ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ کون شخص زیادہ غنی ہے۔

فرمایا کہ جو کوئی زیادہ قناعت کرنے والا ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کوئی فرزندِ آدم اگر دنیا سے اس قدر طالب ہو کہ کفایت کرے تو تھوڑی چیز اس کو سیر کرتی ہے اور اگر وہ کفایت سے زیادہ طلب کرتا ہے تو تمام دنیا کی چیزیں اس کو کافی نہیں ہوسکتیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو چیز اپنے سے بلند زیادہ ہو اس پر اپنی آنکھ نہ ڈالو۔ اس پر نگاہ نہ کرو۔ پیغمبرؐ خدا کی معیشت پر نظر کرو۔ آپ کی خوراک جو، آپ کی شیرینی تمر تھی۔ آپ کے جلانے کی لکڑی پوستِ درختِ خرمہ تھی جو ہمدست ہوتی۔

حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس پر جو کوئی قناعت کرے وہ غنی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السَّلام نے فرمایا کہ جو کوئی تھوڑی معاش پر خدا سے راضی رہتا ہے خدا بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوتا ہے۔

آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب کسی بندہ مومن کو تنگدست کرتا ہوں تو وہ غمگین ہوتا ہے حالانکہ یہ تنگدستی اسے مجھ سے قریب کرتی ہے۔ جب کسی کی معاش کو وسعت دیتا ہوں تو فرحناک ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ وسعت اس کو مجھ سے دُور کرتی ہے۔

فرمایا کہ جس قدر ایمان بندہ کا زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کی معاش میں تنگی ہوتی ہے۔

فضیلتِ قناعت میں بے حد وحساب اخبار آئے ہیں۔ یہی خبر مشہور کافی ہے:

عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ

یعنی: ’’جس نے قناعت کی اس کو عزت حاصل ہوئی۔ جس نے طمع کی اس نے ذلّت اٹھائی۔



# فصل نمبر (۲)

## مرضِ حرص کا مُعالجہ اور قناعت کی تحصیل کا طریقہ

مرضِ حرص کے زائل کرنے اور صفتِ قناعت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداً مال جمع کرنے کی زحمت وتکلیف وآفاتِ دنیویہ پر جو حادثات اس کے بعد واقع ہوتے ہیں ان پر تامل کرے۔ ضرورت سے زیادہ دنیا کا حاصل کرنا کیا نتیجہ اور کیا فائدہ رکھتا ہے۔ اگر آپ اولاد کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں تو معلوم کیجیے کہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا خدا ایک ہے۔ جس نے آپ کی روزی دی ہے اس کو بھی وہ دے گا۔ آپ اپنے اس فرزند کا غم کھاتے ہیں جو آپ کے نطفہ سے حاصل ہُوا جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کا غم کس طرح اس کو نہ ہوگا وہ آپ سے زیادہ مہربان ہے۔ آپ کی قدرت سے اس کی قدرت زیادہ ہے۔ اگر آپ کا فرزند ایسا ہو جس کو تنگی سے گزارنا چاہیے تو آپ تمام عالم اس کے لیے چھوڑ جائیں تو بھی وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اے صاحبو! فرزند کو مال کی احتیاج اس کی حیات میں ہوتی ہے۔ جبکہ آپ اس کی عمر کا علاج نہیں کر سکتے ہیں اور تھوڑی زندگی اس کے لیے ذخیرہ نہیں کر سکتے ہیں تو کس واسطے اس کی روزی کی فکر میں زحمت اٹھاتے ہیں۔ تھوڑی دیر زانوے فکر پر سر رکھیے اور زمانہ کی حالت پر نظر ڈالیے اور غور کیجیے کہ اس زمانہ میں کس قدر ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں کہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں حالانکہ بہت سا مال ان کے باپ نے ان کے لیے چھوڑا۔ بہت سے مکانات بنائے۔ وہ دوسرے شہروں میں حالت خراب میں مر گئے۔ بہت سا گاؤں اور زراعت جن کے لیے چھوڑے گئے۔ انھوں نے ایک روٹی کیلیے دوسرے شہر میں فاقوں سے جان دی۔ آپ کو حادثاتِ زمانہ کی کیا خبر اور گردشِ افلاک سے کیا اطلاع ہے کہ چند روز میں عالم کیا حالت ہوگی۔ اگر آپ اپنے واسطے مال جمع کرتے ہیں تو پہلے اپنی عمر کو معین کیجئے۔ کیا آپ جان سکتے ہیں کہ آپ کا نام ایک سال میں مردوں کے دفتر میں لکھا جائے گا یا زندوں کے۔ جب آپ ایک سال کی قوت رکھتے ہیں تو اس پر اکتفا کیجئے۔ اپنے حساب کو زیادہ نہ کیجئے۔ علاوہ ان کے اس پر بھی تامل کیجئے کہ جس وقت میں مال کافی ہوجائے تو پھر مال کے

جمع کرنے کی کوشش نہ کیجئے جو کچھ جمع کیا جاتا ہے تو پھر اس کی زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ پس ایک مرتبہ قناعت کیجئے اور تمام زحمتوں سے فارغ ہوجایئے۔ جب آپ نے غور کیا تو آدمیوں کی حالت پر نظر کیجئے اور پیغمبران مرسل واولیاء اور بزرگانِ دین کے طریقہ کو ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے کیونکر تھوڑی سی دنیا پر اکتفا وقناعت فرمائی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کو جمع نہیں کیا۔ مشرکین وکفار اور ہنود ونصاریٰ واراذل کے شیوہ کو ملاحظہ کیجئے کہ کیونکر مال جمع کرتے ہیں۔ پونجی اور املاک کو زیادہ کرتے ہیں بلکہ جو کوئی تھوڑا شعور رکھتا ہو تو جانتا ہے کہ جو کوئی لذت ہائے دنیو یہ مثلاً اکل وشرب خط نفس کی حرص رکھتا ہے وہ دائرہ انسان سے خارج اور زمرہ بہائم میں داخل ہے کیونکہ یہ لوازمات بہائم اور چار پایوں کے ہیں۔ جو کوئی ان میں مرتبہ اعلیٰ کو پہنچتا ہے اس کی لذت چار پایوں سے زیادہ نہیں حریص اور شکم پرست بیل اور گدھے کے مانند ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی صفت کیا اثر رکھتی ہے لہذا قناعت کی عزت وفارغ البالی پر غور کیجئے۔ حرص کے معالجہ میں کوشش کیجئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی امرِ معیشت میں میانہ روی حاصل کیجئے۔ جس قدر ممکن ہو خرچ کو بند کیجئے۔ اپنے خرچ کے جزو وکل کو ملاحظہ کیجئے۔ جو کچھ ضروری معیشت بغیر اس کے ممکن ہو اس کو چھوڑ دیجئے کیونکہ باوجود زیادتی خرچ کے قناعت ممکن نہیں ہے اگر تنہا ہیں تو ہلکے جامہ پر اکتفا اور جو غذا مل جائے اس اس پر قناعت کیجئے ایک روٹی سے زیادہ نہ کھایئے۔ ایسا ہی باقی اور چیزوں میں جن کی ضرورت ہے اپنے کو اس طریقہ پر رکھیے کہ عادت وملکہ حاصل ہو۔ اگر صاحبِ عیال ہوں تو ہر ایک کو اسی طرح پر رکھیے تھوڑا تھوڑا خرچ جو چاہتے ہیں کیجئے۔ جن پر زندگی موقوف نہیں ہے ان کو چھوڑ دیجئے جو کوئی اس طریقہ کو اختیار کرے گا اور اپنے کاموں کی اس طرح بنا رکھے گا اور قناعت کو اپنا پیشہ بنائے گا تو گزران میں اس کو کوئی تکلیف واقع نہ ہوگی۔ ایسا شخص صاحب عیال ہونے پر بھی خلق کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اس خصوص میں اخبار بصراعت آئے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ محتاج نہ ہو جس نے میانہ روی کو اختیار کیا۔ فرمایا کہ اپنے کام کی تدبیر آدھی معیشت ہے۔ اور فرمایا کہ جو کوئی قناعت کرتا ہے خدا اس کو بے نیاز کرتا ہے جو کوئی اصراف کرتا ہے خدا اسکو فقیر کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے قناعت کی بنا ڈالی وہ آدمیوں کی ضرورت سے رہائی پاتا ہے۔ ہر کسی کی خوشامد سے فارغ ہوتا ہے وہ خالق وخلق کے درمیان عزیز ہوتا ہے۔ انحضرتؐ سے مروی ہے کہ میانہ روی، خاموشی بجا، رہنمائی نیک اجزائے نبوت میں سے



ایک جزو ہے۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ میانہ روی کو خدا دوست رکھتا ہے۔ اور فضول خرچی کو خدا دشمن۔ یہاں تک کہ خرمہ کی ہڈی کو دور پھینکنا بھی اسراف ہے۔ کیونکہ وہ بھی وقت پر کام آتی ہے۔ یہاں تک کہ پینے سے بچا ہوا پانی پھینکنا بھی اسراف میں داخل ہے۔ فرمایا کہ میں اس کا ضامن ہوں جو میانہ روی اختیار کرے وہ ہرگز فقیر نہ ہوگا اور جبکہ بالفعل اس کی معیشت درست ہوگئی تو آئندہ کے لیے وہ مضطرب نہ ہو بلکہ خدا کے فضل وکرم پر اعتماد کرے اور جانے کہ جو روزی اس کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کو ملے گی۔ اگر چہ کہ وہ حرص نہ کرے اور اپنی آمدنی کو نہ جانے کیونکر ایسا نہ ہو حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

یعنی: ''کوئی جاندار نہیں ہے جس کا رزق خدا پر نہ ہو''

پھر فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

یعنی: جو کوئی پرہیز گاری کرتا ہے خدا اس کو ہر ایک غم سے نجات دیتا ہے۔ اس کی روزی اس جگہ سے پہنچاتا ہے جس کا گمان نہ رکھتا ہو۔ (سورہ طلاق)

ہر ایک شخص اپنے سے بلند مرتبہ والے کی معیشت پر نگاہ نہ کرے بلکہ اپنے سے پست مرتبہ والے پر نظر کرے اور شیطان کی اطاعت نہ کرے۔ کیونکہ وہ ہر کسی کی نظر کو دنیا میں اپنے سے بلند مرتبہ والے پر ڈالتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ فلاں کو دیکھ کہ کیونکر نعمت حاصل کی ہے اور کیسے کیسے عمدہ کھانے کھاتا ہے اور کیسا لباس عمدہ پہنتا ہے اور اپنے کو ان سے پست مرتبہ والا نہ کر۔ دنیا کی طلب میں سستی نہ کر اور دین کے کام میں اپنے سے پست درجہ والے پر نگاہ ڈلواتا ہے اور کہتا ہے کہ کس واسطے اپنے کو زحمت دیتا ہے اور سختی کھینچتا ہے اور اس قدر خدا سے ڈرتا ہے کہ دیکھ فلاں تجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس قدر نہیں ڈرتے۔

## چوتھی صفت

# طمع اور اس کی برائی میں

واضح ہو کہ دوسروں کے مال میں امید رکھنے کو طمع کہتے ہیں وہ ایک محبتِ دنیا ہے جو رذائل مہلکہ وصفاتِ خبیثہ میں سے ہے۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز طمع نہ کر کیونکہ وہ تیرا فقر حاضر ہے۔

حصرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جس کا مثل و نظیر ہونا چاہتا ہے تو اس سے استغفار کر اور جس کا بندہ و اسیر ہونا چاہتا ہے تو اس سے طمع رکھ اور جس پر بزرگی چاہتا ہے اس کے ساتھ احسان کر۔ طمع کرنے والے کی بندگی و خادمی ظاہر ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کے صاحبانِ ہمت اور بلند طبیعت نہ بادشاہ کی خوشامد کرتے ہیں نہ کسی امیر سے تعلق کرتے ہیں نہ وزیر سے لیکن طمع کرنے والے صاحبانِ جاہ و دولت کی خدمت میں دوڑتے ہیں۔ اہل دنیا کے سامنے ہاتھ باندھتے ہیں۔ اگر کوئی خدمت مل جائے تو اس کی سرانجامی اور حصولِ مال کی کوشش میں کبھی آرام نہیں۔ لیتے۔ یہ خادمی و بندگی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ ایک شخص نے دو لڑکوں کو راستہ میں دیکھا کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک روٹی ہے مگر ایک لڑکا اپنی روٹی پر تھوڑا شہد رکھتا ہے جب دوسرے نے اس سے شہد مانگا تو اس نے کہا کہ تو میرا کتّا بن کہ تجھ کو شہد دوں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں تیرا کتّا بنا۔ وہ لڑکا جو شہد رکھتا تھا اس نے ایک ڈوری اس کے منہ میں دی وہ اسے دانتوں میں پکڑ کر اس کے پیچھے دوڑتا تھا اور کتے کی آواز کرتا تھا۔ اگر وہ لڑکا اپنی روٹی پر قناعت کرتا تو کیوں اس کا کتّا ہوتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بندہ بہت خراب ہے' جو طامع ہو یہ طمع گندے مکان پر اس کو لے جاتی ہے اور وہ بندہ خراب ہے جو ایسی خواہش رکھے جس کے سبب سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

مذمت میں طمع کے اخبار و آثار بیحد و بیشمار ہیں۔ اسی قدر اس کی مذمت میں کافی ہے کہ طمع کرنے والا ذلیل و خوار اور دوسروں کی نظر میں خفیف و بے اعتبار ہوتا ہے۔ ایک روٹی کے ٹکڑے کے واسطے اس کے دروازے پر جاتا ہے۔ درہم و دینار کے لیے اس کے گھر پر دوڑتا ہے۔ کبھی



اپنے کو کسی نالائق کا بندہ بناتا ہے کہ اس کا بچا ہوا کھائے۔ کبھی اپنے کسی کمینہ کا غلام بناتا ہے کہ اس سے کوئی چیز حاصل کرے۔ جھوٹی خوشامد سے جھوٹ کہتا ہے اور ہزاروں باتیں بناتا ہے کہ کسی چیز کی سرفرازی ہو۔ کسی کافر کو سجدہ کرتا ہے کہ سرفراز ہو۔ کسی فاسق کے آگے کمرِ خدمت باندھتا ہے کہ ممتاز ہو۔ عجب ذلّت و حقارت ہے۔ ایسا شخص مثل اس کے ہے جس نے حصولِ مال کے لیے طمع کو اپنا پیشہ بنایا ہو کہ جس طرح سے ممکن ہو کوئی چیز حاصل کرے۔ یہ دہقان کی اس عورت کے مانند ہے جس نے ایک پیراہن پہنا ہو اور دوسرا کوئی لباس نہ رکھتی ہو۔ کوئی نامحرم سامنے آجائے تو اپنے پیراہن کے دامن کو اٹھائے اور منہ کو پوشیدہ کرے اور یہ نہ جانتی ہو کہ اگر منہ ڈھانپا جائے گا تو کوئی اور چیز ظاہر ہوگی۔ طمع کرنے والا زیادتی تحصیلِ اموال میں اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور اپنے کو ان اشخاص سے بلند رتبہ والا سمجھتا ہے جو نفس کو روکنے والے ہیں اور ہمت بلند رکھتے ہیں اور زیادتی مالِ دنیا کیلیے ہر کسی کے دروازے پر نہیں جاتے اور اپنی روٹی کو دوسروں کی طرح طرح کی نعمت سے بہتر جانتے ہیں۔ جامئہ بہتر کی طمع میں اپنی عزت کو خراب نہیں کرتے ہیں۔ طمع کرنے والے کا بھروسہ آدمیوں پر بہ نسبت خدا کے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اگر اس کا بھروسہ خدا پر زیادہ ہوتا تو سوائے اس کے دوسرے سے طمع نہ رکھتا یہ مذمت تمام مذمتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

ایک روز ایک درویش تنگدست ایک مالدار کے دروازے پر گیا اور کہا کہ سنا ہے تو نے راہِ خدا میں کوئی مال درویشوں کو دینے کیلیے نذر کر رکھا ہے۔ میں بھی درویش ہوں۔

خواجہ نے کہا کہ میں نے اندھوں کے لیے نذر کیا ہے تو اندھا نہیں ہے۔ درویش نے کہا اے خواجہ! حقیقت میں اندھا میں ہوں کہ درگاہِ خدا کو چھوڑ کر تیرے دروازے پر گدائی کے لیے آیا ہوں۔ یہ کہا اور واپس ہو گیا۔ خواجہ پر اس بات نے اثر کیا۔ اس کے پیچھے دوڑا ہر چند کوشش کی کہ کوئی چیز اس کو دے مگر اس نے قبول نہیں کیا۔

سچ ہے کہ جب کوئی درگاہ خدا سے منہ پلٹائے تو کیونکر وہ اندھا نہ ہوگا۔ جو کوئی اس کی درگاہ کو بھول گیا ہو کیونکر وہ بہرا نہ ہوگا۔ حالانکہ آیہ کریمہ کو کیا نہیں سنا ہے۔:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

یعنی: ''آیا خدا اپنے بندے کے واسطے کافی نہیں ہے۔''

اگر سنا ہو اور باور نہ کیا ہو تو کافرِ مطلق ہے۔

نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْہُ

# فصل نمبر(۱)

# استغناء و بے طمعی کی شرافت

طمع کی ضد صفتِ استغنا و بے نیازی ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے کہ جس کے باعث قرب پروردگار حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کوئی سوائے خدا کے دوسروں سے طمع نہیں کرتا تو اس کو خدا دوست رکھتا ہے۔

غنائے حقیقی سے مراد یہ ہے جیسا کے سید رسل صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مال زیادہ رکھتا ہو تو وہ غنی نہیں ہے بلکہ غنی وہ ہے جس کا نفس بے نیاز ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ سوال و احتیاج بری چیز ہے خواہ کوئی چیز رکھتا یا نہ رکھتا ہو بلکہ چیز رکھنے کی ضرورت میں اور زیادہ بد ہے۔

ایک اعرابی نے حضرت پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نماز پڑھتا ہے تو اس طرح نماز پڑھ کہ دنیا کو رخصت کرتا وہ کیونکہ تو کیا سمجھ سکتا ہے کہ دوسری نماز تک زندہ رہے گا ایسی بات کہ جس کا عذر نہ کیا جائے اور جو کچھ دوسروں کے اختیار میں ہے اس سے مایوس رہ۔

حضرت سید الساجدینؑ نے فرمایا کہ آدمیوں سے طمع نہ رکھنے میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ جو کوئی کسی سے امید نہ رکھتا ہو اور اپنے کاموں کو خدا پر چھوڑ دے تو اس کے تمام کام پورے ہوتے ہیں۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ شرف و بزرگی مومن کی رات کی بیداری میں ہے اس کی عزت آدمیوں سے استفادہ و بے نیازی میں ہے۔

فرمایا کہ:

تین چیزیں فخر مومن اور دنیا و آخرت میں اس کی زینت ہیں:۔

۱: عبادت میں شب بیداری کرنا۔



۲: دوسروں کے جو اختیار میں ہو اس سے مایوس رہنا۔

۳: جو امام آلِ محمد صلعم سے ہو اس سے محبت و دوستی رکھنا۔

پھر فرمایا کہ:

اگر کوئی خدا سے طلب کرتا ہے تو خدا اس کو عطا کرتا ہے۔ وہ تمام آدمیوں سے ناامید ہوتا ہے۔ سوائے خدا کے کسی سے امید نہیں رکھتا ہے جب خدا اس کو اس طرح پاتا ہے تو اس کو ہر ایک چیز دیتا ہے۔

# پانچویں صفت

# بخل کی مذمت

## جس میں چار فصلیں ہیں!

واضح ہو کہ جس مقام میں جس قدر بخشش کرنا چاہیے اس میں کوتاہی کی جائے یا اس قدر نہ دیا جائے تو اس کو بخل کہتے ہیں۔ یہ مقام تفریط ہے۔ اس کی افراط اسراف ہے یعنی جس قدر خرچ کرنا نہ چاہیے اس قدر خرچ کریں تو اس کو اسراف کہتے ہیں۔ ان کا ہر دو جانب مذموم ان کا اوسط صفتِ جود و سخا ہے جو پسندیدہ و نیک ہے۔ صفتِ بخل محبتِ دنیا کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ یہ صفتِ بخل صفاتِ خبیثہ و اخلاقِ رذیلہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

خلاصہ معنی یہ کہ: ''وہ لوگ جنھیں خداوند عالم نے اپنے فضل سے مال عطا فرمایا ہے۔ اس میں بخل کرنے کو اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ نہایت ہی بد ہے اور یہی مال جس کے بارے میں اس قدر بخل کیا جاتا ہے روزِ قیامت ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔'' (سورہ آل عمران۔ ۱۸۰)

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز بخل نہ کرو۔ جو لوگ تمہارے قبل ہوئے ہیں اس بخل نے انھیں ہلاک کیا۔ ہو اسی کے سبب سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور جو شے ان کے لیے حرام تھی اس کو حلال سمجھے۔

انہیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ بخیل بہشت سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے خدا کے نزدیک جاہل سخی، عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

فرمایا کہ بخل ایک درخت ہے کہ جس کی جڑ درخت زقوم میں ملی ہوئی ہے اور بعض اسکی ڈالیاں دنیا میں لٹکتی ہیں۔ جو کوئی اس کی ڈالی پر ہاتھ مارتا ہے تو گویا اپنے کو دوزخ کی آگ میں داخل



کرتا ہے آگاہ ہو کہ بخل کفر سے پیدا ہوتا ہے اور عاقبتِ کفر دوزخ ہے۔

نیز اس سرورؐ سے مروی ہے کہ ممکن ہے تم میں سے کوئی کہے کہ بخیل سے ظالم بہتر ہے۔ مگر خدا کے نزدیک بخل سے بڑھ کر کونسا ظلم ہو سکتا ہے وہ اپنی عزت و جلالت کی قسم کھا کر کہتا ہے کے بخیل ہرگز داخل بہشت نہ ہوگا۔

ایک شخص جہاد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ مارا گیا۔ اس کی عورت گریہ کرتی تھی اور وائے شہید کہتی تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تو کیا جانتی ہے کہ وہ شہید ہے ممکن ہے کہ بے فائدہ باتیں کرتا ہو یا بخیل ہو۔

ایک روز ان بزرگوارؐ نے ایک مرد کو دیکھا کہ کعبہ کے پردہ کو پکڑ کر کہتا ہے کہ اے خدا اس گھر کی حرمت کا واسطہ گناہ کو بخش دے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے۔

عرض کی کہ میرا بڑا گناہ ہے کیا عرض کروں۔

فرمایا کہ: تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین۔

اس نے عرض کیا کہ: میرا گناہ۔

پھر فرمایا کہ: تیرا گناہ بڑا ہے یا دنیا کے پہاڑ۔

اس نے کہا کہ: میرا گناہ۔

پھر فرمایا کہ: گناہ بڑا ہے یا عرش۔

اس نے کہا کہ: میرا گناہ۔

پھر فرمایا کہ: تیرا گناہ بڑا ہے یا خدا۔

اس نے عرض کیا کہ: خدا بہت بڑا اور اعلیٰ ہے۔

پھر حضرتؐ نے فرمایا کہ: اپنا گناہ بیان کر۔

عرض کیا کہ: یارسول اللہؐ میں صاحبِ ثروت ہوں جب کوئی فقیر آتا ہے اور مجھ سے کسی چیز کا طالب ہوتا ہے گویا ایک شعلہ آگ کا میرے منہ کی طرف لپکتا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ دور ہو اور مجھ کو اپنی آگ سے نہ جلا اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھ کو ہدایت و کرامت کے لیے پیدا کیا ہے کہ اگر درمیان رکن و مقام کھڑے رہے کر دو ہزار سال

نماز پڑھے اور اس قدر گریہ کرے کہ تیری آنکھوں سے نہریں جاری ہوں جس سے درخت سرسبز ہوں اور اسی حالت میں مر جائے تو بھی لئیم ہوگا اور خدا تجھ کو جہنم میں اوندھا ڈالے گا۔

مروی ہے کہ دو فرشتے ہیں کہ ہر صبح کو ندا کرتے ہیں کہ خداوندا بخیل کے مال کو تلف کر جو کوئی تیری راہ میں بخشش کرتا ہے اکا عوض اس کو کرامت کر صفتِ بخل کی مذمت میں اخبار بہت آپ ہیں جس کی انتہا و شمار نہیں ہے۔ حتّٰی کہ یہ تجربہ ہوا ہے کے بخیل کو دیکھنے سے دل کو آزردگی و تیرگی حاصل ہوتی ہے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی لئیم و بخیل ہے وہ نظروں میں خوار و ذلیل ہے۔

جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کے بخل بخیل کو حقیر اور بے قدر کرتی ہے بخالت سے آدمی کی ناموس و آبرو برباد و فنا ہوتی ہے۔ بلکہ آنحضرت نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ بخیل کی اولاد اس کے ساتھ دشمنی کرتی ہے۔ کسی بخیل کا دنیا میں کوئی دوست نہیں ہوتا۔ اس کے اہل وعیال اس کی موت کے خواہاں' اس کے فرزند اس کی موت کے نگران رہتے ہیں۔ وہ مسکین و بے چارہ باوجود وسعت کے تنگی و سختی سے گزارتا ہے۔ اس کی زندگی دنیا میں مثل زندگی فقرا کے ہے اور اس کا محاسبہ و مواخذہ عقبٰی میں مالداروں کی طرح ہے وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہے۔ عقبٰی میں عذابِ الیم میں گرفتار۔



# فصل نمبر (۱)

# سخاوت کی فضیلت اور اُس کے مراتب

صفتِ بخل کی ضد سخاوت ہے۔ وہ ثمرہ زہد ہے اور مشہور ترین صفاتِ پیغمبرانِ خدا و اخلاقِ اصفیاء و اولیاء میں سے ہے۔ یہ ایک خلقِ اعلیٰ ہے اور اس کا صاحب پسندیدہ اہل آفاق ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ:

مَنْ جَادَسَادَ

یعنی جس نے بخشش اختیار کی وہ بزرگ ہوا۔

حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ سخاوت بہشت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ڈالیاں زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ پس جو کوئی اس کی ڈالی کو پکڑتا ہے وہ ڈالی اس کو بہشت میں کھینچتی ہے۔ فرمایا کہ سخی خدا کے نزدیک ہے اور جہنم کی آگ سے دور ہے۔ فرمایا کہ جب کوئی آدمیوں کو کھانا کھلائے تو خداوند کریم ملائکہ سے فخر ومباہات کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ چند ایسے بندے خدا کے ہیں کہ جن کا ارادہ مخصوص ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کو نفع پہنچائیں۔ پس جو کوئی ان میں سے اس منافع میں بخالت کرے تو خدا اس نعمت کو دوسرے پر منتقل کرتا ہے۔

فرمایا کہ بہشت اہل سخاوت کا گھر ہے۔ جوان سخی گناہگار خدا کے نزدیک بوڑھے عابدِ بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

آں حصرتؐ سے مروی ہے کہ سخی کو اہل آسمان و زمین دوست رکھتے ہیں اس کی طینت خاکِ پاک سے خمیر کی گئی ہے۔ اس کی آنکھ کا پانی آبِ کوثر سے خلق کیا گیا ہے بخیل کو اہل آسمان و زمین دشمن رکھتے ہیں۔ اس کی خلقت خاکِ خراب و چرک آلود سے خلق کی گئی ہے۔ اس کی آنکھ کا پانی آبِ عوسج سے بنایا گیا ہے۔

ایک جماعت اہل یمن کی' خدمت میں حضرتِ رسولِ صلعم کی حاضر ہوئی ان میں ایک شخص سب سے زیادہ لسان اور مباحثہ کرنے والا تھا اور جناب پیغمبر صلعم کی حجت بھی سب سے زیادہ

بڑھی ہوئی تھی۔اس شخص نے بحث میں اس قدر مبالغہ کیا کہ حضرتؑ کوغصہ آ گیا۔رنگِ مبارک متغیر ہوا۔چیں بجبیں ہوئے اور نیچے ملاحظہ فرمانے گے کہ یہ مرد سخی ہے پس حصرت کا غصہ فرو ہوا۔سرِ مبارک بلند کر کے فرمانے لگے کہ: جبرائیلؑ نے مجھ کوخبر دی ہے کے تو اہل سخاوت میں سے ہے۔اگر یہ نہ معلوم ہوتا تو تجھ کو اپنے سے اس قدر دور کرتا کہ دوسروں کو عبرت ہوئتی۔

اُس مرد نے عرض کیا کہ آپ کا خدا سخاوت کو دوست رکھتا ہے۔۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ ہاں۔

اُس مرد نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوا اور قسم کھائی کہ میں نے کسی کو اپنے مال سے محروم نہیں پلٹایا۔

جب حضرت موسیٰؑ کو سامری پر قابو ہوا تو خطاب ہوا کہ اس کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ سخی ہے۔

حاصلِ کلام فضیلت اس صفت کی ظاہر و روشن ہے وہ خالق و مخلوق کے نزدیک محبوب اور دنیا میں ممتاز ہے اور عقبیٰ میں سرفراز۔کونسا عقلمند ہے کہ سرفرازِ دو جہاں کو ہاتھ سے دے۔سخاوت کا بلند مرتبہ ایثار ہے اور وہ یہ ہے کہ باوجود اپنی احتیاج و ضرورت کے دوسروں کے ساتھ بخشش وجود سے کام لے۔ یہ مرتبہ بلند ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا ہر شخص اس مرتبہ کا لائق و سزاوار نہیں ہے۔اس جماعت کی مدح میں خلاقِ عالم فرماتا ہے:

أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

حالت درویشی و احتیاج میں آپ صرف نہ کر کے دوسروں کو دے دیتے ہیں۔حضرتِ پیغمبر صلعم سے مروی ہے کے جس کو کسی چیز کی خواہش و ضرورت ہو وہ آپ اپنی ضرورت میں نہ لا کر دوسروں کو دے دے تو وہ بخشا جاتا ہے۔یہ شیوہ پسندیدہ ہے۔یہ صفت جلیلہ پیغمبر آخر الزماںؐ کی ہے۔یہ طریقہ اہل ایمان و امیرِ مومنانؑ و آئمہ معصومینؑ کا ہے۔بعض حرم محترم پیغمبر صلعم نے کہا کہ اس سرورؐ نے پے در پے تین روز کوئی چیز کبھی اپنے زمانہ حیات میں پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی حالانکہ جس وقت چاہتے سیر ہو کر نوش فرما سکتے تھے لیکن جو کچھ کہ رکھتے تھے وہ دوسروں ل کو دے دیتے تھے اور بھوکوں کو اپنے مقدم جانتے تھے۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار محمد صلعم اور ان کی امت کے بعض



درجوں کو مجھے دکھا دے۔

خطاب ہوا ہے کہ اے موسیٰ! ان کے درجوں کے دیکھنے کی تجھ کو طاقت نہیں ہے۔لیکن ایک منزل پیغمبر آخر الزماںؐ کی تجھ کو بتلاتا ہوں جس کے سبب سے اسے تجھ پر اور تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔

پس پردے آسمانوں کے حضرت موسیٰؑ کی آنکھوں پر سے اٹھا دیئے گئے تو ایک منزل کہ جس کے انوار اور اس کی قربت حریم خاص کو دیکھ کر قریب تھا کہ شدتِ شوق سے موسیٰؑ کی جان نکل جئے۔

حضرتِ موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار کس وجہ سے یہ کرامت حاصل ہوئی۔

فرمایا کہ وہ صفت مخصوص ایثار ہے اور یہ منزل اس لیے ہے۔جو اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے فقرا کی ضرورت کو مقدم جانتا ہے۔اے موسیٰ اس امت میں کوئی میرے نزدیک اس صفتِ ایثار کو لے کر آتا ہے تو اس سے حساب لینے میں شرم کرتا ہوں اور وہ جس جگہ کی خواہش کرتا ہے اس کو بہشت میں جگہ دیتا ہوں۔

کتبِ تواریخ میں حیدر کرارؑ کی حکایات بہت مشہور و معروف ہیں۔اس بزرگوارؑ کا ایثار اس حد تک پہنچا تھا کہ حضرتِ پیغمبر صلعم کے بستر پر جاں نثاری کی غرض سے آرام فرمایا۔اسی سبب سے خداوند عالم نے ملائکہ سے فخر و مباہات کیا یہ آیہ نازل ہوا:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

ایسا ہی آئمہ طاہرینؑ نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا اور اس فضیلت کے حاصل کرنے میں بہت کوشش فرمائی۔

# فصل نمبر (۲)

# مرضِ بخل کا مُعالجہ

واضح ہو کہ مرضِ بخل کے معالجہ کے لیے علم و عمل کی ضرورت ہے۔ علم یہ ہے کے اس کی خرابی کو جانے اور جود و کرم کے فائدہ کو پہچانے بعد اس کے اس مرض کے علاج کی ابتدا کرے جو اخبار و آثار مذمت میں بخل کی اور تعریف میں سخاوت کی آئے ہیں ان کو ملاحظہ کرے۔ ان وعدہ و وعید کو جو انِ دو صفت میں کیے گئے ہیں ان کو دیکھے' بخیلوں کی ذلت اور ان سے نفرت کرنے والوں کی طبیعت کو مشاہدہ کرے اور معلوم کرے کہ اس کے لیے دوسرا مکان اس کے سوا بھی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو وہاں جانا ضروری ہے۔ پس اس جائے بھی بلحاظِ ضرورت آگے بھیج دینا اور ذخیرہ کرنا چاہیے تا کہ عاجزی کے روز کام آئے۔ اپنے فرزند پر اعتماد نہ کرے۔ غور کیجئے کہ آپ نے اپنے ماں باپ کے لیے کیا کیا ہے۔ جو آپ کے فرزند آپ کے لیے کریں گے۔ جب آپ نے ان مراتب کو معلوم کیا تو خواہ مخواہ عطا و بخشش کی عادت ہوگی۔ دل سے مال کی محبت کو اٹھائیے اور فقرا کے ساتھ احسان کیجئے یہاں تک کہ آپ کی طبیعت صفتِ احسان و بخشش پر راغب ہو۔ صفتِ سخاوت کے طالب کو چاہیے کہ جب ارادہ عطا کا کرے تو اس میں دیری نہ کرے کہ شیطانِ لعین وسوسہ میں ڈالے گا۔ فقیر و مفلس ہو جانے سے ڈرائے گا۔ اگر بخل کا مرض پیدا ہو گیا ہو تو اپنے نفس کو سمجھائے کہ تیری شہرت بخالت و تعریفِ سخاوت بہت دور دور تک پہنچے گی تا کہ وہ بذل و عطا پر مائل ہو۔ اس کا نفس کسی قدر بخشش کا مطیع ہو اگر چہ اس قصد سے عطا کرانا بھی برا ہے اور حقیقت میں سخاوت نہیں ہے چنانچہ بیان کیا جائے گا لیکن یہ مثل اس کے ہے کہ جب بچہ کا دودھ چھڑانے اور اس کو پستان کی یاد بھلانے کے لیے چڑیا پکڑنے کے کھیل میں مشغول کریں۔ کوئی شک نہیں کہ چڑیا کا کھیل بچہ کے لیے کمال نہیں رکھتا ہے لیکن یہ ایک علاج ہے اس وقت کیا جاتا ہے۔ پس ایسے شخص کو کوئی ضرر نہیں ہے کہ ابتدا میں اا پنے دل کو ان ارادوں میں خوش کرے تا کہ اس کا دل مال سے متعلق نہ ہو بعد ازاں ارادہ و نیت کی صحت میں کوشش کرے۔

واضح ہو کہ اس صفتِ بخل کا علاج عمدہ یہ ہے کہ اس کے سبب کو قطع کر دے اور سبب اس کا



دوستی مائل ہے۔ ان تمام سے بڑھ کر جن پر احسان مترتب ہوتا ہے اور سبب دوستی مال ہے یا ان لذات و خواہشات دینویہ کی محبت ہے جو مال سے حاصل ہو سکتی ہیں یا طول امل کی وجہ سے یا اپنی اولاد کے ذخیرہ کرنے کی سن رسیدہ اس قدر مال رکھتے ہیں جو ان کی عمر کو کفایت کرے اور پھر بھی زیادہ مال جمع کرتے ہیں ح لانکہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے کہ اس کی احتیاط کر سکے باوجود اس کے رات دن مال کے جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود تکلیف میں بسر کرتے ہیں بلکہ خمس و زکوٰۃ تک نہیں دیتے اور اپنی بیماری کے علاج میں ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے ایسے اشخاص درہم و دینار کے عاشق ہیں۔ ان کو امال جمع کرنے کی لت ہوگئی ہے باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ ایک دن مرنا ہے۔ ان کے دشمن ان کے مال کو غارت کریں گے جو کوئی ایک پیسہ دنیا و آخرت کے لیے نہیں خرچ کرتا ہے اس کو ایک مرض ہے جس کا علاج نہایت مشکل ہے خصوصاً بڑھاپے میں جبکہ اس کا مرض پرانا ہو گیا ہو اور قوت پکڑ گیا ہو۔ اس کا جسم ضعیف ہو اور مرض کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو ایسا شخص نہایت گمراہ ہے اور خسر الدنیا و آلاخرۃ کا مصداق ہے بلکہ جو کوئی ضرورت سے زیادہ مال کا متلاشی ہو وہ جاہل و احمق اور نادان ہے۔ ایسے شخص کو غور کرنا چاہیے کہ جس مال کو خرچ نہیں کرتا ہے وہ اس کے کام نہیں آتا۔ وہ مثل خاک و پتھر کے ہے۔ جب تہ خانوں میں سونا اور چاندی مدفون ہو جس کو آپ صرف نہیں کر سکتے تو اس میں اور خاک میں کیا فرق ہے حالانکہ اگر آپ اس کو ہزار طرح سے پتھر کے نیچے پوشیدہ کریں تو اس کو کسی نہ کسی دن زمانہ برباد کرے گا اور اگر اس کا سبب محبتِ خواہشات و طویل امل ہو اس کا معالجہ اس طریقہ پر جیسا کہ حرص و قناعت اور طول امل میں بیان کیا گیا ہے کرنا چاہیے اگر مال کا جمع کرنا اور اولاد و فرزند کے واسطے ہو تو وہ بے اعتقادی و بے خبری کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان کو پروردگار نے پیدا کیا ہے تو روزی بھی ان کے لیے مقرر کی ہے۔ دیدہ عبرت کو کھولیے کہ کیسے کیسے باپ زمانہ طفلی میں اپنے لڑکوں کے سر سے اٹھ گئے ۔مگر کوئی مال ان کے واسطے نہیں چھوڑا باوجود اس کے بہ نسبت ان لڑکوں کے جن کے باپ بہت سا مال چھوڑ گئے۔ ان سے وہ بہتر و خوشحال و صاحبِ ثروت و مال ہوئے ہیں۔ اگر فرزند صالح اور پرہیزگار ہو تو خدا اس کی روزی کو نیک و کفایت کرتا ہے۔ اگر وہ فاسق و بدکار ہو تو اس مال کو جس کو تو نے محنت و تکلیف سے جمع کیا ہے اور نہیں کھایا ہے وہ لہو و لعب اور معصیتِ خدا میں صرف کرے گا اور اس کا مظلمہ بھی تجھ پر عائد ہوگا۔

# فصل نمبر (۳)

## حدِ وسطِ بخل واسراف

جب آپ نے خرابیِ بخل اوراس کے معالجہ کو پہچانا اور صفتِ فضیلت سخاوت کو معلوم کیا کہ وہ حدوسطِ بخل واسراف کی ہے یعنی مال کا اس طرح صرف کرنا جو واجب و مستحسن ہو۔

واضح ہو کہ واجبات و مستحبات میں صرف کرنا عام ہے اس لیے کہ وہ واجب یا مستحسن شرعی ہو یا طریقہ مروت وعزت وعادت میں لازم یا مستحسن ہو پس سخی وہ ہے کہ مصرفِ جائز میں جس کا ترک کرنا شرعاً مذموم ہو یا عندالعقلا صرف کرنے سے مضائقہ نہ کرے اور اگر ان میں سے ایک میں بھی صرف نہ کرے تو مصرف جس کا ترک کرنا عقلمندوں کے نزدیک بد ہے وہ حالات واشخاص واوقاف کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ مالداروں کے اخراجات میں بعض طریقے قبیح ہیں جو فقرا کے لیے برے نہیں ہیں۔ اس طرح اپنے قوم خاندان میں جو کچھ صرف نہ کرنا بد ہے وہ دوسروں میں بد نہیں ہے علیٰ ہذا جو بیگانوں کے لیے صرف نہیں کرسکتے ہیں اس کا ہمسایوں میں صرف نہ کرنا بد ہے ایسا ہی تنگی و کمئی خرچ کا خرید وفروخت میں کوئی ضرر نہیں لیکن مہمانی میں مضائقہ کرنا بد ہے۔ غرض خلاصہ مطلب یہ ہے کے خرچ کرنے میں مالدار وفقیر' امیرورعیت ' عالم وجاہل طفل وکامل مساوی نہیں ہیں۔ لہٰذا سخی وہ ہے کہ جو کچھ اس کے لائق ہے خواہ شرعاً یا حسبِ مروت وعادت خرچ کرے اور بخیل وہ ہے کے منجملہ ان کے کسی ایک میں بھی کمی کے ساتھ خرچ کرے یا بالکل خرچ نہ کرے اور خرچ کا اندازہ معین نہیں ہوسکتا یہ شخص کی حالت پر موقوف ہے۔ اب جو شخص بہت سا سامان رکھتا ہو اور حسب شرع و عرف وعادت بقدرِ لازم وواجب خرچ کرے۔ مستحبات و مستحسنات عقلیہ سے منہ پھرائے اور اپنے مال کو بخیل فقرو حوادثِ زمانہ ذخیرہ کررکھے۔

پس ایسا شخص اگرچہ عام کے نزدیک بخیل نہ کہلائے گا۔ لیکن خاص لوگوں کی نظر میں بخیل ہوتا۔ اس کو سخی کریم نہیں کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک صفت جودوسخاوت کی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مقدار سے زیادہ بخشش کرے۔ نیز صفتِ جودوسخاوت کے لیے شرط حصول یہ



ہے کہ مال کے بخشش کرنے میں کوئی غرض دنیوی نہ رکھتا ہو اور جو کوئی بخیل مدح وثناہ وشہرت و نیک نامی وتالیف قلوب عطاوبخشش کرے وہ ہرگز سخی وکریم نہیں ہے بلکہ وہ اہل معاملہ ہے کہ شہرت و مدح وغیرہ کو خرید کرتا ہے۔

# فصل نمبر (۴)

## فضیلت واقسامِ عطائے واجبہ ومستحبہ اوران کے آداب ونکتہ باطنیہ

واضح ہو کہ صفتِ جودوسخا کا لازمہ بذل وعطا ہے وہ چند امور پر مشتمل ہے جن میں بعض واجب ومستحب ہیں۔ خصوصاً ہر ایک کی فضیلت وثواب میں اخبار آئے ہیں۔ ہر ایک کے لیے آداب وشرائط ظاہریہ ونکتہ وقائق باطنیہ ہیں۔ شرائطِ ظاہریہ وہ ہیں جو کتب فقہ میں مذکورہ ہیں۔ پس اس مقام کا ہم بعض آداب ونکتہ باطنیہ کو بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ عطائے واجبہ کے اقسام حسبِ ذیل ہیں:

### پہلا زکوٰۃ

زکوٰۃ وہ تمام عطاوصدقہ سے اہم ومقدم ہے۔ وہ گلشن دولت وثروت کا آبِ جاری ہے۔ وہ زراعتِ آمالِ اہل زراعت وتجارت کی نسیم بہار ہے۔ وہ خزانہ مال کا چوروں سے پاسبان ہے۔ وہ دیوارِ غناوبے نیازی کا صدمہ احتیاج وپریشانی سے پشتی بان ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف میں اور نہ دینے والوں کی مذمت میں آیات واخبار بہت سے آئے ہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے کلامِ مجید کے اکثر مقامات میں اسے قریب قریب نماز کے بیان فرمایا ہے۔

زکوٰۃ دینے والوں کی نسبت فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴿۳۵﴾

''جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو بشارت دو کہ ان کے لیے سخت عذاب ہے ایک روز ان کو آگ میں لال کر کے ان کی پیشانی، پہلو، پیٹھ کو داغ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ وہ چیز ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھی تھی۔(سورہ توبہ)

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جب آدمی زکوٰۃ نہیں دیتے تو زمین بھی اپنی برکت ظاہر نہیں کرتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو کوئی زکوٰۃ نقد نہ ادا کرے تو قیامت کے روز خداوند عالم اس کو ایسے صحرا میں محبوس فرمائے گا۔ جس میں ایک بہت بڑا سانپ ہوگا جو اس کے پیچھے دوڑے گا۔ وہ شخص اس سے بھاگے گا۔ جب وہ دیکھے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہے تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے گا وہ سانپ اس کے ہاتھ کو مثل مولی کے چبائے گا بعد ازاں وہ اس کی گردن میں مثل طوق کے ہو جائے گا۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

جو کوئی چوپایا مثلاً اونٹ یا گوسفند یا گائے رکھتا ہو اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن صحرائے ناہموار میں محبوس کرے گا جس میں ہر ایک جانور سُمدار اس کو پامال کریں گے اور نیشدار جانور اس کو کاٹیں گے۔ جس صاحب زراعت نے خرما یا انگور یا غلہ کی زکوٰۃ نہ دی ہو تو خدا تعالیٰ اس کی زمین کے ساتوں طبقوں کو اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالے گا۔

نیز آں حضرتؑ نے فرمایا کہ جو کوئی ایک قیراط اپنی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو وہ نہ مومن ہے نہ مسلمان۔ فرمایا کہ کوئی شخص مالدار فقیر و محتاج نہ ہوا اور نہ بھوکا نہ برہنہ ہوا جبکہ اس نے زکوٰۃ دی ہو۔ جو کوئی خدا کے حق کو اپنے مال سے ادا نہ کرے تو خدا اپنی رحمت کو اس سے منع کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو اس کا مال صحرا یا دریا میں ضائع نہ ہوگا۔

فرمایا کہ زکوٰۃ دینا اسی چیز نہیں کہ جس کی تعریف کی جا سکے بلکہ اس کے ذریعہ سے وہ



اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا خون محفوظ ہوتا ہے۔ اس طریقہ کی تہدید زکوٰۃ نہ دینے والوں کی نسبت قرآن و احادیثِ آئمہ ہدا میں بکثرت موجود ہے باوجود معلوم ہونے کے زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے کو اس مالِ چند روزہ سے جو کسی کے تصرف میں بطورِ امانت کے رہنے والا ہو حقیر جاننا اور تھوڑا سا اس کے مالک حقیقی کو نہ دینا دعویٰ مسلمان کے لائق نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا بے شرمی اور بدبختی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ جب وہ وجود میں آیا تو کوئی ملک و مال دنیا کا نہیں رکھتا تھا اور اب جو کچھ وہ رکھتا ہے اپنے کو اس کا مالک سمجھتا ہے حالانکہ ہے یہ تمام توفیق دیاری سے ہوئی ہے۔ تخم بیجان کی کیا قدرت ہے کہ بغیر اس کی مدد کے خاک سے اُگے۔ ابر کو کیا قدرت ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے ایک بوند پانی کی برسائے، زراعت کرنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کوشش سے ایک دانہ سے دس دانے حاصل کرتے ہیں۔ تجارت کرنے والے اپنے بازار کی رونق کو اپنا حسن کارگزاری جانتے ہیں۔ انسان اپنے کو کیا سمجھا ہے کہ اس قدر مغرور ہے۔ حالانکہ تمام خداوند عالم نے عطا کیا ہے اور اس میں سے تھوڑا سا فقرا کے واسطے مقرر فرمایا ہے اور اس کے اضعاف کا وعدہ کیا ہے۔ تاہم ان کو دینا نہیں چاہتے۔ عجب بے حیائی و بے شرمی جس کو دس حصے دیئے گئے اس میں سے ایک حصہ وہ کسی کو دینے سے بخل کرتا ہے۔

## اسرارِ وجوبِ زکوٰۃ

واضح ہو کہ اسرارِ وجوبِ زکوٰۃ تین ہیں:۔

اوّل یہ کہ توحید کامل یہ ہے کہ آدمی کے لیے سوائے خداوند عالم کے اور کوئی محبوب نہ ہو یہاں محبت شراکت کو گوارا نہیں کرتا اور توحیدِ زبانی چنداں فائدہ نہیں دیتی۔ کسی کے ساتھ محبت کا اندازہ اس وقت معلوم ہوتا ہے کے جب وہ تمام اشیائے محبوبہ سے ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور چونکہ مال لوگوں کی نظر میں حصول نفع کی وجہ سے محبوب ہے اور اس لیے موت سے کراہت ہوتی ہے پس خداوند عالم نے ان کے دعوی محبت کی آزمائش اس مال سے کی ہے۔ اس وجہ سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

خلاصہ معنی یہ کہ: '' خدا تعالیٰ نے نفوس و اموالِ مومنین کو خرید کیا ہے جس کے عوض میں بہشت کرامت فرمائے گا۔'' (سورہ توبہ۔۱۱۱)

کوئی شک نہیں کے لذات بہشت میں سے دیدار پروردگار کا مرتبہ بہت بلند ہے اس خصوص۔ میں آدمی تین قسم پر ہیں:۔

۱: وہ لوگ جو محبت و توحید میں صادق اور اپنے عہد پر ثابت قدم ہیں۔ وہ اپنے دل میں اس کی دوستی کے سوا کسی کی دوست نہیں رکھتے اور دنیا کے مال و متاع سے ہاتھ اٹھائے ہیں وہ تارک الدنیا ہیں یہ لوگ تعداد وجوبِ زکوٰۃ پر التفاقات نہیں کرتے اگر کوئی ان سے سوال کرے کہ ایک سو درہم کے لیے کس قدر زکوٰۃ واجب ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ جسب شرع عوام کے لیے پانچ درہم لیکن ہمارے لیے تمام مال ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے زکوٰۃ مال کے وجوب کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہزرا درہم میں پچیس درہم زکوٰۃ واجب ہے اور دراصل یہ ہے کہ اپنے برادر مومن کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھے۔

۲: وہ لوگ جو مالِ دنیا کو بقدرِ ضرورت جمع اور باقی کو خیرات و مبرات میں صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ مقابلہ صورتِ اول کے مرتبہ میں پست ہیں لیکن بقدر واجب پر اقتصار نہیں کرتے بلکہ تمام نیکیوں کو بجالاتے ہیں۔

۳: ول لوگ جو صرف واجبات کو بجالاتے ہیں۔ مگر ان میں کبھی کوتاہی بھی نہیں کرتے۔

دوم: اسرارِ وجوبِ زکوٰۃ میں سے یہ ہے کہ مال کی بخشش کی ترغیب سے صفتِ رذیلہ بخل سے نفس پاک ہوتا ہے اور مال کے ہر وقت دینے سے بذل و عطا کی نفس کو عادت ہوتی ہے یہاں تک کہ ملکہ ہو جاتا ہے۔

سوم: شکرِ نعمتِ خدا بجالانا کیونکہ بندہ پر حقِ نعمت بدن و نعمت مال کا بجالانا ایک امرِ واجب ہے۔ عبادت بدنی شکرِ نعمتِ بدن اور مال کا بخشش کرنا شکرِ نعمت مال ہے۔ کس قدر مذموم ہے کہ کوئی مسلمان فارغ البال اسلام کا مدعی ہو اور کسی فقیر بے نوا کو پریشان و مضطر دیکھے تو پروردگار کا شکرِ نعمت نہ بجالائے۔



# آدابِ بخشش

واضح ہوا کہ جو کوئی شخص خدا کی راہ میں مال کو بخشش کرتا ہے اس کے چند آداب ہیں:۔

۱: یہ کہ جب کوئی مال راہِ خدا میں دینے کا کسی کے دل میں خیال پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان اس سے عافل اور فرشتہ نے اس کے دل میں گزر کیا ہے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے ارادے کو فوراً پورا کرے توقف میں بہت سی خرابیاں ہیں اور بلحاظ حالتِ زمانہ واقعات کے تغیر کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

۲: یہ کہ جب کسی کو ضرورت مند پائے قبل اس کے کہ وہ ظاہر کرے۔ اس شخص کو اس کی ضرورت کا گمان ہو تو فوراً اس کی بخشش کردے۔ اس کی آبرو کی حفاظت کرے تا کہ وہ سوال کرنے پر متعدنہ ہو جائے کیونکہ اگر سوال کے بعد دیا جائے گا تو وہ اس آبرو کی قیمت ہوگی جو لی گئی ہے۔ احسان کامل نہ ہوگا۔

۳: یہ کہ وقت و زمانہ نیک میں صدقہ دیا جائے جو مقرر کیا گیا ہے مثلاً روزِ عیدِ غدیر ماہِ ذوالحج خصوصاً وہ اول یا ماہِ رمضان المبارک خصوصاً وہ آخر۔

مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم سب سے زیادہ سخی تھے ماہِ رمضان المبارک میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھتے تھے۔

۴: یہ کہ زکوٰۃ اور باقی حقوقِ مالیہ واجبہ کا پوشیدہ دینے سے علانیہ و آشکارا دینا اور عطائے سنتی کا پوشیدہ دینا بہتر و افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی مرد زکوٰۃ کو اپنے دوش پر رکھ کر فقرا کو پہنچائے تو اس کے لیے ایک حسنِ جمیل ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ شائبہ و تشویش ریا سے مطمئن ہو اور لینے والا بھی اس اظہار سے شرم و حیا نہ کرے ورنہ واجبات کو بھی پوشیدہ دیا جائے تو بہتر و افضل ہے۔

۵: یہ کہ فقیر منت رکھنے اور اس کو تکلیف دینے سے اجتناب کرے جو چیز عطا کی جائے اسکو دل سے بھلادے تا کہ دفترِ حساب میں اس کا ثواب درج کیا جائے کیونکہ یہ صف بد اس کے صدقے کو باطل اور حلیہ صحت کو ضائع کرتی ہے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

یعنی: اے مومنین اپنے صدقہ کو منت رکھنے اور ایذا دینے سے باطل نہ کرو۔(سورہ بقرہ۔ ۲۶۴)

سیدانامؐ سے مروی ہے کے اگر کوئی اپنے برادر مومن سے نیکی کرتا ہے اور اس پر منت رکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے عمل کو درجہ اعتبار سے ساقط کرتا ہے وہ گنہگار رہتا ہے اور اس کی نیکی کو قبول نہیں کرتا۔ یہ منت رکھنا اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ یہ خیال پیدا ہوجائے کہ اس نے فقیر پر احسان کیا ہے۔اس کی علامت ظاہری یہ ہے کہ دوسروں سے اس کا اظہار و بیان کرے اور اس فقیر سے اپنے ثنا و تعظیم و فرماں برداری کی امید رکھتا ہو۔اس کی علامتِ باطنی یہ ہے کہ اگر بعد عطا اس فقیر سے خلافِ ادب کوئی امر یا کوئی خیانت واقع ہو تو اس سے کشیدہ خاطر اور بد دل ہوجائے اور ایذا وہی اس وقت سمجھی جاتی ہے جبکہ اس کو سرزنش و ملامت اور اس کے راز کو افشا کرے۔ اس کو دیکھ کر بری صورت بنائے۔اس کو خفیف کرے اس کی صحبت سے عار رکھے اپنے کو اس سے بلند مرتبہ والا جانے۔جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو اس کے لیے اس سے نجات حاصل کرنا ضرور ہے۔احسان رکھنے کے مرض کا علاج یہ ہے کہ معلوم کرے کہ حقیقتاً فقیر نے اس پر احسان کیا کہ صدقہ کو قبول کیا جو اس کی رستگار کا سبب ہوا۔پس عطا کنندہ کو ممنون فقیر ہونا چاہیے۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فقیر کا ہاتھ صدقہ لینے کے وقت گویا نائبِ دست خدا ہے کیونکہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے وہ خدا کو پہنچتا ہے۔اسی وجہ سے یہ امر سنت ہے ہے کہ جو شخص صدقہ دیتا ہے وہ اپنے ہاتھ کو بوسہ دے اپنے ہاتھ کو فقیر کے ہاتھ سے بلند نہ کرے بلکہ اپنا ہاتھ نیچے کھلا رکھے تاکہ فقیر خود اٹھالے چونکہ اس کا ہاتھ نائبِ دستِ خدا ہے بلند رہنا چاہیے یا صدقے کو فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے کے وہ خود لے لے۔علاوہ اس کے خدا نے دنیا وآخرت میں صدقہ کے عوض کا وعدہ فرمایا ہے۔اگر اس کی توقع و امید نہیں رکھی جاتی ہے تو عجب حماقت ہے کہ اپنے مال کو عبث ضائع کرتے ہیں اور اگر امید رکھی جاتی ہے تو پھر کس سبب سے فقیر پر احسان رکھا جاتا ہے۔اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ بکر کوئی چیز آپ کو حوالہ کرے کہ آپ زید کو دیں وہ اس کا عوض آپ کو مضاعف دے گا۔آپ وہ چیز زید کو دیتے ہیں مگر اس پر احسان رکھتے ہیں اور ایذا دہی فقیر کا علاج یہ ہے کہ آپ کی نظر میں اس کا سبب اگر عزت مال ہے جو فقیر کو دیا جاتا ہے تو عجب نادانی و جہالت



ہے۔ یہ چیز کم مقدار اور فنا ہونے والی ہے اس کے مقابلہ میں ایک ایسا بڑا عوض جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے حاصل کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اس چیز کو بزرگ سمجھتے ہیں اور ایسا جانتے ہیں کہ کوئی چیز دی گئی ہے اور اگر اس ایذا دہی کا سبب یہ ہے کہ وہ فقیر آپ کی نگاہ میں بہت ذلیل معلوم ہوتا ہے تو آپ عجب مغرور ہیں کہ اپنے کو ان چند ٹکڑوں کے سبب جو مالِ دنیا سے ہیں۔دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ حسبِ بیانِ گزشتہ مرتبہ فقر غنا سے بلند ہے اور فقیر خدا کا عزیز خدا کا عزیز اور حقوق کے حاصل کرنے میں نائب پروردگار ہے۔خدا بتوسطِ فقیر اس سے عذر خواہی کرے گا۔کیا آپ نہیں جانتے کہ بعض فقیر بے نوا کی طبیعت غنی ہے کہ تمام دنیا کا مال اس کی نظر میں نہیں سماتا ۔کہیں آپ فقیر کے پرانے کپڑوں کو حقارت سے نہ دیکھئے۔بہت سے فقرا ہیں کہ جن کے سر پر نہ دستار ہے نہ پاؤں میں نعلیں۔ان کے بال پریشان ہیں اور لباس پھٹا ہوا مگر ان کا سر تاج شاہی سے عار اور ان کا پاؤں تختِ کیانی سے ننگ رکھتا ہے۔اسی قدر فقیر کی فضیلت میں یہ کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مالداروں اور صاحبِ دولت کو ان کا مطیع و فرماں بردار بنا رکھا ہے کہ مال کے حصول میں تکلیف و زحمت اٹھا کر بحفاظت تمام مطابق ضرورت کے فقیر کو پہنچائیں۔اگر دینے میں کوتاہی کی جاتی ہے تو مستحق عذابِ الٰہی ہوتے ہیں حقیقتاً مالدار فقیر کا خادم ہے۔

۶: صدقہ دینے کے وقت فقیر سے تواضع وفروتنی سے پیش آئے۔

۷: جو چیز فقیر کو دی جائے اس قسم کی ہو کہ اس کو لینے میں خفّت وخواری وخجالت و شرمساری واقع نہ ہو۔مثلاً کسی عزیز کو نقدی لینا پسند نہ ہو تو اس کےض میں کوئی شے دے دے۔اگر اس کو قبول کرنے سے عار معلوم ہوتا ہو تو صدقہ کو ہدیہ قرار دے۔اگر اس کی طبیعت بالمشافہ لینے میں پسند نہ کرتی ہو تو کسی دوسرے کے ہاتھ بھیج دے۔اسی طرح قیاس کرلیا جائے کہ جو طریقہ اس کی شان کو گھٹاتا ہے اس کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیے۔

۸: جو کچھ راہِ خدا میں دیا جائے اس کو بزرگ نہ سمجھے اور نہ جانے کہ بہت بڑا کام کیا ہے۔مثلاً مسجد یا مسافر خانہ بنائے تو اس کی نظر میں کوئی وقعت نہ ہوا اور یہ خیال نہ کرے کہ خدا کو راضی و خوشنود کیا ہے۔اگر ایسا خیال کرے گا تو اس کا ثواب باطل اور اس کا اجر ضائع ہوجائے گا۔چنانچہ اس کا تفصیلی بیان غرور کی بحث میں حوالہ قلم کیا جائے گا۔

۹: جو کچھ خدا کی راہ میں دیتا ہے وہ اسے اپنے مقام تمام مال سے بہتر اور سب سے

زیادہ عزیز ہو اور حرمت وشبہ سے پاک ہو کیونکہ خدا پاک ہے وہ سوائے پاک کے قبول نہیں کرتا۔ جو چیز کم درجہ کی ہو خدا کی راہ میں اس کا دینا خلافِ ادب ہے کیونکہ بندہ خدا اچھی چیز کو اپنے اور اپنے عیال کے لیے اٹھا رکھتا ہے اور بری چیز کو خدا کے پاس بھیجتا ہے بعض اشخاص کو آپ آیا نہیں دیکھے کہ اگر کوئی مہمان آجائے تو وہ میزبان اچھی اچھی غذا کو اپنے عیال کے لیے رکھ چھوڑتا ہے اور بری غذا مہمان کے آگے لاتا ہے اور دل تنگ اور شکستہ خاطر ہوتا ہے حالانکہ جو تصدق کیا جاتا ہے گویا وہ اپنے لیے آگے بھیج رہا ہے۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ اچھی چیز اپنے لیے ذخیرہ کرے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ

یعنی: ''پاکیزہ چیزوں کو بخشش کرو جن کو حاصل کیا ہے'' (سورہ بقرہ۔ ۲۶۷)

اور پھر فرماتا ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

یعنی: ''خیر و نیکی نہیں پہنچتی ہے جب تک کہ راہِ خدا میں ان چیزوں کو نہ دیا جائے جن کو تم دوست رکھتے ہو'' (سورہ آل عمران۔ ۹۲)

حدیث میں وارد ہے کہ صدقہ کا ایک درہم سو ہزار درہم سے افضل و بہتر ہونا ممکن ہے۔ اس لیے کہ جو آدمی ایک درہم اپنے مال حلال سے دیتا ہے وہ اس کو دوست رکھتا ہو بہ نسبت اس دوسرے شخص کے جوان سو ہزار درہم کو اس قدر دوست نہ رکھتا ہو۔

۱۰: یہ کہ اگر ممکن ہو اور قدرت رکھتا ہو تو اس قدر فقیر کو عطا کرے کہ اس کا فقر دور ہو اور وہ غنی ہو جائے۔

۱۱: یہ کہ دینے کے بعد اپنے ہاتھ کو بوسہ دے کیونکہ یہ اس ہاتھ تک پہنچا ہے جو نائبِ دستِ خدا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب کوئی چیز سائل کو دی جائے تو اپنے ہاتھ کو چومے۔ بہ تحقیق کو خدا صدقہ کو لیتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ صدقہ مومن کا سائل کے ہاتھ کو نہیں پہنچتا۔ تا وقتیکہ خدا کے



ہاتھ تک رسائی نہ ہو۔

حضرتِ صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز لینے کے لیے میں نے دوسرے کو متوکل کیا ہے مگر صدقہ کو خود اپنے ہاتھ سے لیتا ہوں جو کوئی ایک یا آدھا خرما تصدق کرتا ہے میں اس تصدق کو گھوڑے کے بچے کے مانند تربیت و پرورش کرتا ہوں۔ جب قیامت میں ملاقات ہوگی تو صدقہ دینے والا اس کو دیکھے گا کہ مثل کوہِ اُحد کے بڑا ہو گیا ہے۔

۱۲: جب کوئی چیز فقیر کو دی جائے تو اس سے دعا کی خواہش کرے کیونکہ دعا فقیر کی اس شخص کے حق میں جو دیتا ہے مستجاب ہوتی ہے اور خود اس کے حق میں مستجاب نہیں ہوتی۔ بعض عرفا نے کہا ہے کہ فقیر سے دعا کی خواہش نہ کرو اس وجہ سے کے دعا کہیں صدقہ کا عوض نہ ہو۔ یہ قول خلافِ طریقہ آئمہ ہے جو قابلِ اعتبار نہیں۔

۱۳: بذل و عطا میں استحقاق کا خیال رکھے تخمِ احسان کو کھاری زمین میں نہ بوئے بخل پر چنداں فضیلت نہیں رکھتی۔ ظاہر ہے کہ باوجود بینوایانِ برہنہ کے صاحبانِ مال سے نوازش کرنا بے سود ہے دردمندوں کو ترک کر کے جو منعم فارغ البال و مرفہ البال ہوں ان کو عطا کرنا بے فائدہ ہے۔ استحقاق سے مراد یہی عسرت و پریشانی نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ صاحبانِ ہمت و کرم ہر کسی سے مروت و محبت سے پیش آیا کریں۔ بدکار و اشرار کو نیکوں پر مقدم نہ رکھیں۔ بے ہنر نادان کو اہل ہنر اور عقلمند پر ترجیح نہ دیں۔ مالداروں سے مفلسوں کی ضرور رعایت کریں۔ پہلے ضعیفوں کی دستگیری میں کوشش کریں۔ باوجود عضو مجروح کے عضو صحیح پر مرہم نہ رکھیں۔

۱۴: ترتیب فقرا کو ملاحظہ کرے جن کے عطا کرنے میں ثواب زیادہ ہے ان کو مقدم رکھے۔ جو اہل تقویٰ و پرہیزگار صاحب ایمانِ کامل ہیں ان کو دوسروں پر مقدم جانے۔

حضرتِ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ پرہیزگار کو کھلاؤ۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ان اشخاص کو زکوٰۃ وصدقہ واجبہ عطا نہ کرے۔ کیونکہ یہ مال کی کثافت ہے کہ اخراج ہوتی ہے بلکہ ان کو ہدیہ و صلا عطا کیا جائے۔

آئمہ ہدیٰؑ سے مروی ہے کہ دوستانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ وہ لوگ جوان کی دوستی اور ان کے دشمنوں سے برأت حاصل کر کے مرتبہ بالا کو پہنچے ہیں۔ وہ آپ کے برادر دینی ہیں۔ بلکہ آپ کے ماں اور باپ سے جو آپ کے مخالف ہیں' آپ سے زیادہ قریب ہیں۔ پس ان لوگوں کو

زکوٰۃ وصدقہ نہ دیجئے۔

بہ تحقیق کہ فرمایا ہمارے دوست ہمارے جسد کے مانند ہیں ان کو ہدیہ عطا کیجئے بہتر یہ ہے آدمی اپنی زکوٰۃ وصدقہ ان لوگوں کو جو ہمیشہ دوسروں کے دستِ نگر رہتے ہیں محنت ومزدوری نہیں کرتے نہ دے کیونکہ ایسے اشخاص مشرک سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام کے بیان میں اس آئیہ مبارکہ کے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔

یعنی: ''اکثر ایمان لائے ہیں۔ مگر یہ کے وہ مشرک ہیں۔''

فرمایا کہ یہ اُس کے مانند ہیں کہ کوئی کہتا ہو اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہوتا۔ یا اگر فلاں نہ ہوتا تو فلاں چیز مجھ کو میسر نہ آتی یا میرے عیال ضائع ہوجاتے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اس نے خدا کے ملک میں دوسروں کو شریک کیا ہے۔ پس ان اشخاص کے ساتھ بذل وعطا بہتر اور اس کا ثواب زیادہ ہے جو اپنی ضرورت کو ظاہر نہیں کرتے ہیں اپنے کاروبار کو چھپاتے ہیں وہ صاحبان آبرو و عزت ہیں۔ وہ صاحب تجمل وغنی ہیں۔ لہٰذا ان کو غنی سمجھیں اور ان کے ساتھ مالداروں کا سا برتاؤ کریں۔ نیز تمام فقرا سے بہتر خویش واقارب وذوی الارحام ہیں اور ان کو بخشش کرنا صلہ رحم ہے۔ اس کا ثواب بیحد ہے جو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

بعض احادیث میں وارد ہے کہ صدقہ اس شخص کا قبول نہیں کیا جاتا۔ جس کا خویش محتاج ہوا اور وہ دوسرے کو دے۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ اپنے خویش کو صدقہ عنایت کرنا افضل ہے جو عداوت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ بہ سبب مخالفتِ نفس خلوصِ نیّت سے بہت قریب ہے۔



# فائدہ۔آدابِ فقرا

واضح ہو کہ جیسا عطا کنندہ کے آدابِ مذکورہ ہیں۔ اُسی طرح فقراء کے لیے بھی چند آداب ہیں:۔

۱: جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں بغیر مصارفِ ضروریہ کے اسراف نہ کرے اور محفوظ رکھے۔

۲: شکرِ خدا کرے اور دینے والے کے حق کو بھی پہچانے اس کو دعا دے اور تعریف کرے۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ان پر خدا لعنت کرتا ہے جو راہِ خیر کو مسدود کرتے ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟

فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ جو کوئی اس کے ساتھ نیکی کرے تو وہ اس کے ساتھ کفرانِ نعمت کرتا ہے تا کہ وہ دوسروں کے ساتھ نیکی نہ کرے۔

۳: یہ کہ جو کچھ اس کو دیا جائے حقیر نہ سمجھے اور اس کی مذمت نہ کرے۔ اگر اس کے عیب پر مطلع ہو تو اس کو پنہاں رکھے۔ اگر اس کو کچھ نہ دیا جائے تو اس کو برا نہ کہے اور ملامت نہ کرے۔

۴: یہ کہ جس مال سے حرمت ثابت ہوتی ہو یا مشتبہ ہو اس سے پرہیز کرے جس کا مال زیادہ تو حرام ہے یا وہ مالِ حرام سے اجتناب نہیں کرتا تو اس کی کوئی چیز قبول نہ کرے۔

۵: یہ کہ ضرورت سے زیادہ قبول نہ کرے۔

۶: یہ کہ اعلانیہ وبرملا سوال نہ کرے خصوصاً ایسے شخص سے جو نہیں دینا چاہتا ہے تو وہ ضرور شرمندہ ہوگا۔

۷: یہ کہ علماء و پرہیزگار جب تک کہ وہ پریشان ومضطر نہ ہوں زکوٰۃ اور صدقہ نہ لیں۔

۸: یہ کہ ایسے اشخاص جو چیز حاصل کریں اسے ظاہر نہ کریں تا کہ ان کی مروت کا شرف ضائع نہ ہو۔ ہاں اگر اظہار سے شکرگزاری وصدق بندگی اور فروتنی منظور ہو تو دوسرا امر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کے بموجب سعادتِ دارین کا مستحق ہے۔

# دوسرا۔ خمس

خمس وہ سادات کا مال ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے بوجہ نسبت سید انامؐ اس طائفہ کو تمام مخلوقات پر ممتاز کیا اور زکوٰۃ کو ان کے لیے پسند نہیں فرمایا۔ اصل مال سے ایک حصہ خاص ان کیلیے قرارداد کیا تا کہ فقر وفاقہ میں مبتلا نہ ہوں۔ فرمایا کہ:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

خلاصہ معنی یہ کہ: ”جو نفع تم کو حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ پیغمبر وذوی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (یعنی مسافر) جو سادات ہو ں ان کو دے دو۔ اگر تم خدا پر اور اُن چیزوں پر جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہیں ایمان لائے ہو“ (سورہ انفال۔ ۴۱)

اس آیہ مبارک سے پایا جاتا ہے کہ وہ صاحبِ ایمان نہیں جو خدا کے احکام قرآنی پر عمل نہیں کرتے اور خمس ادا نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا صاحبِ ایمان کو لازم ہے کہ ادائے خمس میں کوتاہی نہ کرے اپنے پیغمبر کی ذریت کو محتاج نہ رکھے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میں اس کی شفاعت کروں گا جس نے ہاتھ اور زبان و مال سے میری ذریت کی اعانت کی ہو۔ اگرچہ کہ وہ تمام اہلِ دنیا کے گناہ اپنے ہمراہ لائے ہوں اور وہ چار شخص ہیں:۔

۱: وہ کہ جس نے میری ذریت کا احترام کیا ہو۔

۲: وہ کہ جس نے ان کی ضرورتوں کو پورا کیا ہو۔

۳: وہ کہ جس نے ان کی حالتِ اضطراب میں مدد کی ہو۔

۴: وہ کہ جو ان کو دل وزبان سے دوست رکھتا ہو۔

مروی ہے کہ جب قیامت ہوگی بحکم پروردگار منادی ندا کرے گا اے خلائق خاموش رہو کہ محمد صلعم چاہتے ہیں کہ تکلم کریں۔ پس تمام خاموش ہوں گے



حضرتؐ فرمائیں گے کہ جس نے مجھ پر احسان کیا ہے وہ اٹھے کہ میں اس کا عوض دوں۔

خلائق کہے گی کہ اے رسول اللہ آپ پر ہمارا کیا احسان ہوسکتا ہے بلکہ خدا اور رسول کی عطا کا ہم پر احسان ہے۔

پھر وہ حضرتؐ فرمائیں گے کہ جس نے میری اولاد سے نیکی کی اور بے خانماں کو مکان دیا۔ بھوکے کو سیر کیا یا برہنہ کو کپڑا پہنایا۔ وہ اٹھے کہ میں اس کا عوض دوں۔ جنھوں نے یہ کام کیا ہے وہ اٹھیں گے تو خداوند عالم کا حضرت سے خطاب ہوگا کہ ان کی جمایت تمھاری مرضی پر منحصر رکھی گیی ہے جوجگہ بہشت میں دینا منظور ہو دو۔

اُس وقت حضرتؐ ان کو اپنی قربت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

زکوٰۃ کے بیان میں جو بعض آداب وشرائط مذکورہ ہوئے ہیں۔ خمس میں بھی وہی پائے جاتے ہیں۔ جو شخص خمس ادا کرتا ہے اس کو احسان رکھنے سے نہایت پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کو امر عظیم نہ سمجھے اور سادات سے نہایت تواضع وانکساری کے ساتھ پیش آئے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لئیم زمانہ اگر کبھی تھوڑا سا خمس نکالتے ہیں اور بصد ناخوشی وسختی کسی سید محتاج کو دیتے ہیں تو اس کو اپنا بندہ زرخرید تصور کرتے ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ تمام ملک و مال دنیا اس کے جد بزرگوار کے وجود پاک کے باعث وجود میں آیا ہے اور ابر برکت آسمانی اس کے اجداد کے آبرو کی طفیل سے اہل زمین کی کھیتی پر برستا ہے۔

# تیسرا۔ نفقہ اہل وعیال

نفقہ اہل وعیال جو از روئے کتبِ فقہ ادا کیا جائے۔ اس کے واجبات وثواب بیحد بے شمار ہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عیال کے حصول نفقہ میں کوشش کرتا ہے تو گویا راہ خدا میں جہاد کرتا ہے بعض ایسے گناہ ہیں کہ اہتمام طلب معاش کے سوا جن کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

فرمایا کہ جس کی تین لڑکیاں ہوں وہ ان کا خرچ اٹھائے اور ان کے ساتھ نیکی کرے یہاں تک کہ وہ بڑی ہوں تو خدا اس پر بہشت واجب کرتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ گھر میں سیدا اولیاؑ کے تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ حضرتؑ مسور کو پاک کرر ہے ہیں اور سیدۃ النساء چُولھے کے آگے بیٹھی ہیں ۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا کے اے ابوالحسنؑ میں بجز حکمِ خدا کچھ نہیں کہتا ہوں ۔ جو کوئی مرد عورت کی خانہ داری میں امداد اور اس کی یاری کرے تو اس کے جسم کے ہر بال کے عوض میں خدا عبادت یکسالہ کا ثواب جس میں روزہ رکھا گیا ہو اور شب بیداری کی گئی ہو عطا فرماتا ہے اور نیز ثواب صابرین حضرت داؤدؑ و یعقوبؑ و عیسٰیؑ پیغمبر عطا کرتا ہے یا علیؑ جو کوئی مشغول خدمت عیال ہو اور کاروبارِ خانگی کو انجام دے تو اس کا نام دفترِ شہدا میں درج ہوتا ہے ۔ روزانہ ہزار شہید کا اور ہر قدم پر حج وعمرہ کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے جس قدر رگیں اس کے بدن میں ہیں اسی تعداد کا ایک شہر بہشت میں اس کو عطا فرماتا ہے یا علیؑ ایک ساعت گھر کے کاروبار کی مشغولیت عبادت ہزار سال و ہزار حج اور ہزار عمرہ اور ہزار بندہ آزاد کرنے سے اور ہزار مرتبہ جہاد وعیادت ہزار مریض اور ہزار نماز جمعہ و ہزار تشیع جنازہ سے اور ہزار بھوکوں کو سیر کرنے سے اور ہزار برہنہ کو کپڑا پہنانے سے اور ہزار گھوڑوں کو راہِ خدا میں بھیجنے اور توریت وانجیل وزبور وقرآن تلاوت کرنے سے اور ہزار امیر راہِ خدا میں آزاد کرنے سے اور ہزار اونٹ مسکینوں کو دینے سے بہتر وافضل ہے وہ دنیا سے نہیں اٹھتا جب تک اپنی جگہ کو بہشت میں نہیں دیکھتا ۔ یا علیؑ خدمتِ عیال گناہانِ کبیرہ کا کفارہ اور پروردگار کے غضب کو دور کرتا ہے ۔ اور وہ حورالعین کا مہر ہے اور حسنات کو زیادہ اور مراتب کو بلند کرتا ہے ۔ یا علیؑ وہ شخص خدمتِ عیال کرتا ہے جو صدیق ہو یا شہید ہو یا وہ مرد ہو جس کو خدا نے دنیا و آخرت کی تمام نیکیاں دی ہوں ۔

حضرت امام موسیٰؑ سے مروی ہے کہ عیال مانند اسیر ہیں ان پر لطف وکرم کرنا چاہیے اگر نہ کیا جائے تو خدا اس کی نعمت کو لے لیتا ہے ۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ شوہر کو ضروری ہے کہ اپنے عیال سے ہمیشہ از راہِ مہربانی پیش آئے ورنہ وہ موت کی خواہش کریں گے جاننا چاہیے کہ اخراجات عیال کی نسبت طالب ثواب کو سزاوار ہے کہ اپنی نیت کو خالص کر کھے جو کوشش کی جاتی ہے اور جو زحمت تحصیل معاش میں اٹھائی جاتی ہے ۔ تو وہ خوشنودی خدا کا طالب وخواہاں رہے ۔ تحصیل حرام ومشتبہ سے اجتناب کرے ۔ حلال کے سوا پیدا نہ کرے ۔ اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے نہ کہ عیال پر تنگی اور



سختی کی جائے کہ وہ ضائع ہو جائیں اور نہ اسراف کہ وہ خود اپنے کو تلف و برباد کریں اور ہلاک ہوں ۔ سزاوار یہ ہے کہ اپنے یا بعض عیال کے لیے غذائے پاکیزہ مخصوص نہ قرار دے بلکہ سب کو یکساں حالت میں رکھے ۔ ہاں اس صورت میں جب کہ خود یا بعض عیال کو بہ سبب مرض یا ضعف یا کسی اور وجہ سے خاص غذا کی ضرورت پائی جائے تو مہیا کر دیا کرے ۔ جو چیز عیال کے لیے نہیں چاہتا ہے ۔ اس کی تعریف ان کے سامنے نہ کرے ۔ جب دسترخوان چن دیا جائے تو اپنے تمام عیال کو اس پر بٹھائے ۔

مروی ہے کہ جب تمام اہل خانہ مل کر طعام کھاتے ہیں تو خداوند عالم اور ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں ۔

# اقسام عطائے مستحبہ

عطائے مستحبہ کے اقسام حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلا۔صدقہ مستحبہ:

اس کا ثواب بیحد اور اس کا فائدہ بے شمار ہے۔حضرت پیغمبر صلعم سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ خدا ادائے صدقہ کے باعث مرض اور آگ میں جلنے کے اور غرق ہونے اور مکان کے نیچے دب جانے اور دیوانگی کو دفع کرتا ہے۔اس یگانہ آفاق نے اس طرح ستر قسم کی بلاؤں کو شمار فرمایا کہ بوجہ برکت صدقہ جن سے نجات میسر آتی ہے۔

انھیں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ہر شخص بروز قیامت اپنے صدقہ کے سایہ میں اس وقت تک ساکن ہوگا جب تک کہ تمام مخلوق حساب و کتاب سے فارغ ہوں۔

نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ جب کوئی سائل رات کو بصورت فقیر سوال کرے تو اس کو رونہ کرو کیونکہ اس تخصیص سے احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ملک نہ جو بغرض امتحان سوال کر رہا ہو۔

مروی ہے کہ موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰؑ! سائل کو کچھ نہ کچھ عطا کرو یا الطاف و مہربانی سے ہی پیش آؤ۔وہ سائل نہ انسان ہے: نہ جن بلکہ ملک ہے کہ وہ تیرا امتحان اس نعمت سے کرتا ہے جو میں نے تجھ کو دیا ہے تا کہ بذریعہ سوال معلوم کرے کہ تو کس طریقہ سے برتاؤ کرتا ہے۔

اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلعم نے سائل کے سوال کو رد کرنے سے منع فرمایا اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ بیماروں کو صدقہ سے دوا کرو اور دعا سے ان کی بلاؤں کو دفع کرو اور طلبِ روزی صدقہ سے کرو۔بہ تحقیق جب کہ کوئی شخص صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سات سو شیطان وسوسہ میں ڈالتے ہیں۔ان کو گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی مومن اپنا صدقہ نکالے۔پس صدقہ دینا سات سو شیطانوں سے بچ نکلنا ہے۔

نیز آں جنابؐ سے مروی ہے کہ بیمار کا سائل کو کوئی چیز دینا مستحب ہے اور جو کچھ دے تو اس سے دعا کی خواہش بھی کی جائے۔



اُنہی سرورؐ سے دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص علی الصبح یا سرِ شام صدقہ دے تو خدا اس رون اور اس رات کی ہر ایک بلا و آفت کو اس کے سر سے ٹالتا ہے۔وہ حضرتؑ بعد نماز عشاء تھوڑی رات گزرنے کے بعد ایک کیسہ جس میں گوشت اور روٹی اور درہم ہوتا تھا۔اپنے دوشِ مبارک پر اٹھا کر فقرائے اہلِ مدینہ کے گھر پر لے جاتے اور ان کو تقسیم فرماتے تھے۔حضرتؑ کو تا حیات کسی نے نہ پہچانا۔جب بعد انتقالِ حضرتؑ تقسیم موقوف ہوگئی تو اس وقت فقرا کو علم ہوا کہ وہ حضرتؑ تقسیم فرماتے تھے۔اس حضرتؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ سائل کے سوال کو ہم کیونکر سمجھیں کہ کس چیز کے متعلق ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ جس چیز کا تیرے دل میں اثر پیدا ہوا اور جو کچھ تیرے دل میں اثر پیدا ہوا اور جو کچھ تیرے دل میں آئے اس کو عطا کر۔

کسی نے حضرتؑ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کے ذریعہ سے کوئی چیز فقیر کو دے تو اس درمیان والے شخص کا کیا ثواب ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا۔اس کا ثواب اصل عطا کنندہ کے مانند ہے۔

بہت سے احادیث ثواب تصدق آب میں وارد ہوئے ہیں پہلی چیز جس کا ثواب آخرت میں دیا جاتا ہے وہ پانی پلانا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ خدا پیاسوں کے پانی پلانے والے کو دوست رکھتا ہے جو کوئی چار پایوں کو سیراب کرے تو خدائے تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں اس کو جگہ عنایت فرمائے گا۔جبکہ قیامت میں اس کے لیے کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کو ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی میسر آتا ہو تو گویا اس نے کسی بندہ کو آزاد کیا۔اگر ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی میسر نہ آتا ہو تو گویا اس نے کسی نفس کو زندہ کیا جس نے ایک نفس کو زندہ کیا تو گویا اس نے تمام خلق کو زندہ کیا۔

حضرت پیغمبرؐ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو فرمایا کہ اس وقت جبکہ صحیح و تندرست ہو۔زندگانی کی امید رکھتا ہو اور احتیاج سے بھی ڈرتا ہو۔نہ اس وقت جبکہ مرض الموت میں مبتلا اور جاں بلب ہو۔

واضح ہو کہ حسب بیان مذکورہ صدر صدقات مستحبہ کا پوشیدہ دینا افضل اور اس کا ثواب کامل ہے۔ البتہ اس امور میں اختلاف ہے کہ لینے والے کا اسے ظاہر کرنا افضل ہے یا نہیں۔ پس بعض نے فقرا کا بھی پوشیدہ حاصل کرنا افضل بیان کیا ہے اور بعض نے اعلان کرنا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں قول علی الاطلاق صحیح نہیں سمجھے جاسکتے۔ بلکہ بلحاظ قصد و نیت اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس طالب سعادت کو چاہیے کہ اپنی حالت پر التفات اور اپنی نیت کو ملاحظہ کرے۔ جو طریقہ ارادہ قربت سے زیادہ نزدیک اور ریا و تلبس اور آفات سے دور تر ہو اس کو اختیار کرے مثلاً اگر کسی لینے والے کی طبیعت پوشیدہ لینے پر مائل ہے اور ظاہرا لینے میں وہ اپنی بے آبروئی سمجھتا ہے یا خوف ہے کہ اگر یہ امر ظاہر ہو گیا تو کوئی دوسرا اسے نہ دے گا یا اسی طرح اور امور کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا دل ظاہر کرنے کی خواہش نہ رکھتا ہو تو ضرور اس کا اظہار کرے اور اسی طرح اگر یہ خیال کرتا ہے کہ ظاہر کرنے سے دوسرے لوگوں کو دینے کی رغبت ہو گی و راس کا نفس بھی ظاہر کرنے پر میلان رکھتا ہو تو ہرگز ظاہر نہ کرے اسی طرح اگر یہ معلوم ہو کہ دینے والا مدح و ثنا کی اس سے تمنا رکھتا ہے تو بھی اسے زبان پر نہ لائے تا کہ صفتِ بد پر دوسرے کا معین ہو۔ حاصل کلام اپنے دل کی حالت پر غور کرے۔ ان دقائق اور نکتوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ ہر عمل جوارح و اعضا پر اور ان نکتوں پر عور نہ کرنا شیطان کا باعثِ مذاق اور اپنی شماتت کا اندیشہ ہے۔ ان دقائق کا جاننا ایک علم ایک مسئلہ کا معلوم کرنا عبادتِ یکسالہ سے بہتر ہے کیونکہ اس علم سے تمام عمر کی عبادت زندہ اور لاعلمی سے تمام عمر کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔

دوسرا۔ ہدیہ:

وہ یہ کہ آدمی کوئی چیز اپنے برادر مومن کے لیے بہ سبب اظہار محبت اور تاکید دوستی کے عطا یا روانہ کرتا ہے خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔ یہ امر نیک و مطلوب و شرعاً پسندیدہ ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو آپس میں دوست رکھو اور ہدیہ بھیجو کہ یہ طرفین کے کینہ و عداوت کو محو کرتا ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ تصدیق کرنے سے برادر مسلمان کیلیے ہدیہ بھیجنے کو میں پسند کرتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ برادر مومن کی بزرگی یہ ہے کہ تحفہ کو قبول کرے



جو تحفہ رکھتا ہو دوسرے کے لیے بھیجے اور تکلف نہ کرے۔

تیسرا۔ مہمانی:

اس کا ثواب شرعاً بہت بڑا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی کی مہمانی نہیں کرتا اس میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب مہمان جمع ہوتے ہیں ان کی مہمانی کا انتظام غیب سے ہو جاتا ہے۔ جب وہ تناول کرتے ہیں تو خدا اس میزبان کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کوئی مہمان نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کی روزی اس کے ساتھ نہ ہو۔ نیز آں جنابؐ سے مروی ہے کہ جب خدا کسی کے متعلق نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو مہمان کو اس کی روزی کے ساتھ بھیجتا ہے کہ وہ اہل خانہ کے گناہوں کو اٹھا لے جائے نیز فرمایا کہ جس گھر میں مہمان نہیں آتے ہیں اس گھر میں ملائکہ بھی نہیں آتے۔

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مومن کسی مہمان کے آنے کی خبر سن کر خوشحال ہو تو خدا اس کے تمام گناہوں کو بخشش دیتا ہے۔ اگر چہ اس کے گناہ بے حد و بے شمار ہوں۔

ایک روز اس جناب نے گریہ فرمایا۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ ایک ہفتہ گزر گیا کہ میرا کوئی مہمان نہیں ہوا۔ اس لیے ڈر رہا ہوں کہ کہیں میرا رتبہ خدا کے نزدیک پست نہ ہوا ہو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب غذا تناول کرنا چاہتے تو مہمان کی تلاش میں ایک یا دو میل تک تشریف لے جاتے کہ اس کے ہمراہ غذا تناول فرمائیں۔ اس لیے ان کو پدر مہمان کہتے تھے بہت سے اخبار فضیلت مہمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے برادر مومن کو کھانے سے سیر اور پانی سے سیراب کرے تو خدا آتش جہنم سے اس کو سات درجہ دور رکھتا ہے۔ جو مابین ہر ایک درجہ کے پانسو سال کی مسافت ہو گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی برادر مومن کو کھانے سے سیر کرے تو اس کا ثواب خالق کے سوا کوئی مخلوق نہیں جانتا نہ ملک مقرب نہ نبی مرسل۔

واضح ہو کہ ثواب مذکورہ ان اشخاص کے لیے نہیں ہے جو فی زمانہ اکثر اپنے اطراف جماعت اہل دنیا کو بقصد ریا یا تفاخر یا خود رونمائی جمع کر کے فضول بکواس اور مسلمانوں کی غیبت اور طرح طرح کی فضول خرچی کرتے ہیں بلکہ تقرب خدا و پیروی سنتِ پیغمبرؐ و دل جوئی و خوشنودی مومنین مقصود مہمانی ہو۔

سزاوار یہ ہے کہ فقرا اور نیکوں کی مہمانی کرے۔ اگر چہ اغنیاء اور دوسروں کی مہمانی بھی ثواب فضیلت رکھتی ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ جو شخص مہمانی کرے تو اپنے خویش و اقارب اور ہمسایوں کو نہ بھولے جس پر شرکتِ مہمانی شاق ہو اس کو تکلیف نہ دے اور غذا کو جلد موجود کرے۔

حدیث میں ہے کہ ہر امر میں جلدی کرنا شیطان کا کام ہے۔

مگر ان پانچ صورتوں میں جلدی کرنا طریقہ پیغمبراں ہے:

۱: مہمان کے واسطے غذا حاضر کرنا۔

۲: میت کا اٹھانا

۳: دختر باکرہ کا عقد کرنا۔

۴: قرض کا ادا کرنا۔

۵: گناہوں سے توبہ کرنا۔

سنت یہ ہے کہ مہمان کے لیے طعام بقدر کفایت حاضر کرے۔ نہ کم ہو جو موجب نقصان آبرو و مروت ہے۔ نہ زیادہ کہ مال کا ضائع کرنا اسراف ہے۔ مہمان سے کشادہ روئی وخوش کلامی سے پیش آئے۔ اور بوقت رخصت دروازہ تک اس کی مشایعت کرے اور مہمان کو کوئی خدمت حوالے نہ کرے۔

مہمان کے بھی چند آداب ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے برادر مومن کی دعوت کو قبول کرے۔ فقر وغنا میں فرق نہ رکھے بلکہ فقیر سے بہت جلد وعدہ کرے مسافت کو مانع وعدہ نہ قرار دے۔ مگر اس حالت میں جبکہ بہت دور ہو۔

حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ مسلمان کی دعوت کو قبول کریں۔ اگر چہ پانچ میل کی راہ ہو۔ اگر روزہ سنتی رکھتا ہو تو اس کو عذر مہمانی قرار نہ دے بلکہ میزبان کی خوشنودی ہو تو افطار کرلے۔ ثواب اس افطار کا روزہ سے زیادہ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو روزہ دار اپنے برادر دینی کا مہمان ہو اور اظہار روزہ نہ کرکے افطار کرے تو خدا اس کو ثواب ایک سال کے روزوں کا عطا فرماتا ہے بشرطیکہ اس کی غرض اپنے برادر مومن کا اکرام وسنت پیغمبرؐ کی متابعت ہو اور شکم پرستی منظور نہ ہو۔ اگر میزبان فاسق یا ظالم یا اس کی غرض ضیافت سے مباہات وخودنمائی ہو تو سزاوار یہ ہے کہ وعدہ نہ



کرے۔ ایسا ہی اگر غذا یا مکان یا فرش حرام یا مشتبہ ہو یا وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔ مثلاً سونے اور چاندی کے برتن استعمال میں آتے ہوں یا رقص وسرود یا ارتکاب اسراف یا کوئی لہو ولعب ہوتا ہو یا فضول بکواس یا کسی مسلمان کی غیبت ہوتی ہو تو ان تمام میں بہتر وافضل یہ ہے کہ اس مہمانی میں شریک نہ ہو بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں شرکت مہمانی حرام ہے۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ مومن کو سزاوار نہیں کہ اس مجلس میں شریک ہو جس میں معصیت خدا ہوتی ہو اور منع بھی نہ کرسکتا ہو۔ جو شخص کسی ظالم کے دسترخوان پر حاصر ہونے کے لیے مجبور ہوا ہو جہاں تک ممکن ہو جلد فارغ ہو جائے، کم کھائے۔ عمدہ عمدہ غذا کی طرف میل نہ کرے۔

نیز آداب مہمانی یہ ہیں۔ جب میزبان کے گھر میں داخل ہو تو صدر میں بیٹھنے کا خواہاں نہ ہو بلکہ جہاں اتفاق ہو بیٹھ جائے۔ اگر صاحبِ خانہ اس کو جگہ بتلادے تو اسی مقام پر بیٹھ جائے۔ جہاں سے کھانا لایا جاتا ہے اس طرف زیادہ نگاہ نہ کرے جو صاحبین ابتدا سے وہاں بیٹھے ہوں ان سے تحیت وسلام بجالائے۔ میزبان کے گھر دیر کرکے نہ جائے۔ اس کو منتظر بھی نہ رکھے بلکہ وقتِ مقررہ پر جائے لیکن ایسے وقت نہ جائے کہ اس کا مخل ہو۔

چوتھا۔ حقِ معلوم وحق حصاد وحداد ہے:

اور حقِ معلوم یہ ہے کہ ہر روز یا ہر ہفتہ یا ہر ماہ یا ہر سال اپنا مال فقرا پر تقسیم کیا کرے یا صلۂ رحم بجالائے سوائے ان کے جو واجبات سے ہیں اور حقِ حصاد وحداد وہ ہے جو مال زراعت سے کچھ حصہ یا دستہ یا مٹھی گیہوں یا خرما یا میوہ جو بوقت درو خوشہ چننے والوں اور فقرا کو جو حاضر ہوں دیا جاتا ہے اور ہر ایک کے ثواب میں بیحد اخبار وارد ہوئے ہیں۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مالداروں کے مال سے چند حقوق زکوٰۃ کے سوا مقرر فرمائے ہیں۔ جیسا کے قرآن میں ہے کہ:

فِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ

آدمی اپنے اور اپنے مال پر جو مقرر کرتا ہے وہ زکوٰۃ کے سوا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو لازم ہے کہ اپنی وسعت وطاقت کے موافق روزانہ یا ہر جمعہ یا ہر ماہ کچھ نہ کچھ فقرا پر بذل واحسان کی عمل آوری کرے اس مضمون میں بھی اخبار بہت ہیں۔

نیز انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ زراعت میں دو حقوق ہیں۔ پہلا وہ حق کے اگر ادا نہ کیا جائے تو اس کے لیے مواخذہ ہے جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ حق جس کے ادا کرنے میں ثواب ہے اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ

زراعت کا بروز درو یعنی زراعت کاٹنے کے وقت دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کاٹنے سے فارغ ہوں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کو میوہ نہ توڑا جائے اور کھیت نہ کاٹا جائے اور تخم نہ بوئیں اور دودھ نہ دوہیں۔ کیونکہ اگر ایسا عمل کیا جائے گا تو فقرا بے نصیب رہیں گے۔

پانچواں۔قرضِ حسنہ:

یہ نتیجہ سخاوت ہے۔اس کا فصل نمبر و ثواب بیحد ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قرض حسنہ دے تو وصول تک اس کا مال زکوٰۃ میں ہے نیز وہ خود ملائکہ کے ساتھ حالتِ نماز میں۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس حصہ اور قرضِ حسنہ کا ثواب پندرہ حصے ہے۔اس کو ضائع نہ کرو۔دوسری حدیث میں انہی سرورؑ سے مروی ہے کہ جب کوئی مومن کسی مومن کو عنداللہ قرض دیتا ہے تو وہ اس وقت تک ثواب صدقہ کا رکھتا ہے جب تک کہ مال اس کو وصول ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دہندہ ہر وقت اس کا مطالبہ کر سکتا ہے جب مطالبہ نہ کرے ثواب صدقہ کا اس کو حاصل ہوتا ہے اور وہ قرضہ جس میں نفع دنیوی مقصود ہو اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

چھٹا۔ قرضدار کو مہلت دینا یا معاف کرنا جبکہ وہ نادر ہو: اس کی بھی زیادہ فضیلت ہے۔ بلکہ از قسم واجبات۔

حضرت پیغمبر صلعم نے ایک روز تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ وہ کون ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو شعلہ جہنم سے بچا کر اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے۔

ہر مرتبہ حاصرین نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے۔



فرمایا: وہ شخص ہے جس نے اپنے قرضدار کو مہلت دی ہو یا اپنے حق سے دستبردار ہو گیا ہو۔

اس خصوص میں بہت اخبار آپ آئے ہیں۔لہٰذا اہل ایمان پر لازم ہے کہ جو مطالبہ کسی پر ہو اور وہ ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کو مہلت دے۔اس کو ادائیگی کے لیے مجبور نہ کرے۔جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کا ایک دینار کسی مفلس و نادار پر باقی نکلتا ہو تو اس کو تنگ اور اس پر اس قدر تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی راہ آمد و رفت مسدود کرتا ہے ہر کسی سے اس کی غیبت کی جاتی ہے اس کو ایذا و تکلیف پہنچائی جاتی ہے کبھی اس کو اس قدر زد و کوب و زخمی کیا جاتا ہے کہ جس سے دیت لازم ہو جائے۔نیز اس مالِ خسیس وجہ سے افعال حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ساتواں: مسلمانوں کی اعانت کرنا۔مثلاً لباس پہنانا یا رہنے کو مکان دینا یا کسی کو مرکب پر سوار کرنا اور طرح کا سلوک وغیرہ۔ان تمام کا ثواب و فضیلت بے انتہا و بیحد ہے۔

آٹھواں: حفاظتِ آبرو ورعایت حرمت کے واسطے اور شریروں کے شر اور فساد اور ظالموں کے ظلم و جور سے بچنے کے لیے کسی چیز کا دینا بھی از قسم ثمرہ سخاوت ہے بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ بخل کے باعث طرح طرح کی ذلت و خواری اٹھاتے ہیں اور اپنی آبرو کو برباد کرتے ہیں۔بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حفاظتِ آبرو میں مال کا دینا حکم صدقہ کا رکھتا ہے۔

نواں: مسجد۔مدرسے، پُل اور مسافر خانہ بنانا یا باغ تیار کرنا یا ان کے مانند کوئی اور کام کرنا جس کا اثر زمانہ میں قائم و باقی اور عرصہ بعید تک اس کا نفع روم بروم بعد مرنے کے بھی حاصل ہوتا رہے۔حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ چھ چیزیں ہیں کہ جن کا فیض و ثواب مرجانے کے بعد مومن کو حاصل ہوتا ہے:

ا: وہ فرزند جو طلب آمرزش کرتا ہے۔

۲: وہ کتاب جو اپنے بعد چھوڑ جائے۔

۳ء وہ درخت جس کو زمین میں بویا ہو۔

۴: کنواں لگانا۔

۵: وہ صدقہ جاریہ جس کا ثواب ہمیشہ ملتا رہے۔مثلاً مدرسہ، پل، مسافر خانہ کا وقف کر دینا۔

۶: وہ طریقہ نیک کہ اس کے بعد اس پر دوسرے کار بند ہوں۔

## چھٹی صفت

# مذمتِ مالِ حرام میں جس میں تین فصلیں ہیں

صفاتِ رذیلہ قوتِ شہویہ میں سے مال حرام کھانا اور اس سے اجتناب نہ کرنا ہے۔ یہ بھی نتیجہ محبتِ دنیا و حرص ہے۔ یہ مہلکہ عظیم مانع وصول سعادت ہے اس کی وجہ سے بہت اشخاص کی ہلاکت واقع ہوئی اور اکثر اسی کے واسطہ سے فیض سعادتِ ابدیہ سے محروم رہے۔ راہ توفیق کی کوئی سد اس سے زیادہ مضبوط اور کوئی حجاب اس سے زیادہ مانع چہرہ تائید نہیں۔ اگر کوئی شخص تامل کرے تو معلوم کرسکتا ہے کہ روزی حرام ایک ایسا حجاب ہے جو عالمِ انوار سے انسان کے سراچہ دل کو دور کر دیتا ہے۔ اسی سے تیرگی وظلمتِ خباثت وغفلت پیدا ہوتا ہے اسی کے ذریعہ سے نفسِ انسان ہلاکت وضلالت میں داخل ہوتا ہے:

هُوَا الَّذِیْ اَنْسَاهَا عُهُوْدَالْحِمٰی وَهُوَ الَّذِیْ اَهْوَاهَا فِیْ مَهَاوِی الضَّلَالَةِ وَالرَّدٰیٰ۔

یہی صفت انسان کو عہد پروردگار بھلا دیتی ہے اور گمراہی وسرگردانی میں شیاطین کے ساتھ ہم آغوش کو دیتی ہے۔ بیشک وہ دل جس نے لقمہ حرام سے پرورش پائی ہو کہاں اور قابلیت انوار عالم قدس کہاں۔ جس نطفہ انسان نے مالِ حرام سے تربیت پائی ہو اس کو مرتبہ بلند محبتِ پروردگار سے کیا کام جس دل کو غذائے حرام کے بخارات نے تاریک کر دیا ہو اس پر روشنی عالم انوار کی جھلک کیونکر پڑے گی۔ جس نفس کو کثافتِ مال مشتبہ نے آلودہ اور کثیف کر رکھا ہو اس کو پاکیزگی وصفائی کس طرح حاصل ہوگی۔ اسی وجہ سے عاملین شرح وامنائے وحی ملک عالم نے اس سے نہایت اجتناب کرنے کے لیے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ بیت المقدس کے دروازہ پر ہر رات ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ جو شخص مالِ حرام کھائے گا تو خدا اس کے کسی فعل سنت اور واجب کو قبول نہیں کرے گا۔

نیز انہی حضرتؐ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر ایک طریقہ سے مالِ حرام پیدا کرتا ہو تو خدا بھی اس کو ہر ایک دروازہ سے جہنم میں داخل کرے گا۔



اور فرمایا کہ جس جسم کے گوشت نے مالِ حرام سے ترقی پائی ہو اس کے لیے آتشِ جہنم ہی سزاوار ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص کسی طریقہ سے مال پیدا کر کے اس سے صلہ رحم بجالائے یا تصدق کرے یا راہِ خدا میں دے تو خداوند عالم اس مال کو آتشِ جہنم میں ڈالتا ہے اور ایسے مال کا تصدق بھی قابلِ قبول نہیں۔ اگر دنیا میں چھوڑ جائے تو وہ توشہ راہ جہنم قرار پائے گا اور وہ باعثِ عذاب ہوگا۔ حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص آمدنی کسب حرام سے حج کرتا ہے اور جب

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ

کہتا ہے تو خطاب ہوتا ہے کہ:

لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ

بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ بروز قیامت بندہ کو میزانِ اعمال کے قریب لائیں گے۔ اس کے اعمال مانندِ کوہِ عظیم کے ہوں گے۔ جب اس کو مقام محاسبہ میں کھڑے کر کے سوال کریں گے کہ مال کہاں سے پیدا کیا اور کس کس امر میں خرچ کیا اور اپنے عیال کے ساتھ کیا برتاؤ رکھا اور ان کے کیا کیا حقوق ادا کیے۔ اسی طرح تمام اعمال حسنہ کا حساب کیا جائے گا۔ کوئی عملِ نیک اس کے لیے باقی نہ رہے گا۔ پس ملائکہ ندا کریں گے کہ:

هٰذَا الَّذِیْ اَكَلَ عِیَالُهُ حَسَنَاتِهٖ

یہ وہ شخص ہے کہ جس کے عیال نے اس کے حسنات کو کھالیا اور وہ اعمالِ حسنہ سے تہی دست ہو کر گرفتار ہوا ہے۔ وارد ہے کہ بروزِ قیامت اس کے اہل وعیال اس کو مقامِ محاسبہ میں کھڑے کر کے پروردگار کے سامنے عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہمارے عوض اس سے لے۔ کیونکہ ہم احکامِ شریعت سے جاہل تھے اس نے ہم کو تعلیم نہیں کی اور غذائے حرام ہم کو کھلائی۔ ہم اس کی اصلیت سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا جو شخص طالب نجات ومشتاقِ وصول سعادت ہو اس کو اس طرح مالِ حرام سے بھاگنا چاہیے جیسا کہ شیر درندہ یا اور مار گزندہ سے بھاگتے ہیں۔ آہ آہ اس زمانے میں کون ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبِ باران وگیاہِ بیابان کے سوا کوئی چیز حلال نہیں معلوم ہوتی۔ جو چیز آرہی ہے ہمارے دشمن نے اس کو حرام کر دیا ہے معاملاتِ فاسد ہم کو فاسد کیے ہوئے ہیں۔

کوئی ایسا درہم و دینار نہیں جو غاصبین کے دستِ تصرف میں اور ظالموں کے کیسہ میں نہ گیا ہو۔ اکثر مقامات کا پانی اور زمینات غصبی ہیں پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ بطور حلال کوئی قوت لایموت پیدا کی جاسکے۔ افسوس صد افسوس کیا آپ سوداگروں کو نہیں دیکھتے کہ ان کا معاملہ اکثر اہل ظلم و دشمنانِ دین وایمان سے ہے۔ کیا آپ اکثر صاحبِ اعمال کو ملاحظہ نہیں کرتے کہ ان کا مال حاکم و بادشاہ کے مال میں مخلوط ہوگیا ہے۔ حاصل کلام اس زمانے میں طریقہ کسب حلال مفقود ہے اور وصولِ مالِ حلال مدود۔ جس کے باعث دین ویران ہے اور گلشن ایمان سوزاں۔ اسی زمانے پر منحصر نہیں بلکہ اکثر ازمنہ سابقہ کی ایسا ہی حالت رہی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ دنیا میں بندہ مومن کی خوراک مضطر کی خوراک ہے۔ باوجود ان تمام موانعات کے طالب نجات کو چاہیے کہ حصولِ حلال سے مایوس نہ ہو اور اپنے ہاتھ اور پیٹ کو طرح طرح کی غذا سے نہ بھرے۔

# فصل نمبر (۱)

## اقسامِ مال اور ہدیہ ورشوت کا فرق

جاننا چاہیے کہ مال کی تین قسمیں ہیں:۔

۱: حلال واضح

۲: حرام واضح

۳: مالِ مشتبہ

ان میں ہر ایک کے مدارج بہت ہیں کیونکہ مال حلال اگرچہ کہ وہ کامل طور پر بہتر و پاک ہو لیکن بعض سے بعض زیادہ پاک و بہتر ہے۔ ایسا ہی مالِ حرام اگرچہ کہ وہ کلیۃً خراب و بد ہے۔ مگر بعض سے بعض زیادہ تر خراب و بد جیسا کہ کوئی شخص بطریق معاملہ فاسد باوجود تراضی طرفین مال حاصل کرے تو حرام ہے لیکن اس مال کے مقابلے میں وہ مال جو کسی یتیم نابالغ سے بطور قہر وعدوان حاصل کیا جائے حرام تر ہے۔ اسی طرح تمام مال مشتبہ مکروہ ہے مگر بعض کی کراہت بعض سے شدید تر ہے۔ مثلاً بقول طبیب حلوا گرم ہے لیکن بعض پہلے درجہ میں۔ بعض دوسرے درجہ میں



بعض تیسرے درجہ میں بعض چوتھے درجہ میں گرم ہوتا ہے۔ اس طرح صفائی و پاکیزگی مدارج حلال و کراہات مال مشتبہ کی ہے۔ مال حرام کی تین قسمیں ہیں:۔

۱: یہ کہ بذاتہ وہ حرام ہو مثلاً سگ وخوک وخاک وغیرہ۔

۲: یہ کہ اس صفت کے سبب سے جو عارض ہوئی ہے حرام ہوگیا ہو۔ مثلاً کسی کھانے میں زہر ملا دیا جائے۔

۳: یہ کہ اس نقص وخلل کے سبب سے جو لینے اور دینے میں واقع ہوا ہو۔

اس کی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً بطریق ظلم و جوار، غصب، دزدی، خیانت، مکر، حیلہ وتلبیس، کم فروشی، یا نیز وہ ذرائع جو کتب فقہ میں مذکورہ ہیں مال حاصل کیا جائے۔ ہر ایک خصوص میں سخت خرابی ظاہر کی گی ہے جن کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ رشوت اور ہدیہ کی ایک ہی صورت مشتبہ ہے۔ اس لیے اس کا بیان ہدیہ ناظرین کیا جاسکتا ہے۔ واضح ہو کہ جو چیز اس نام و طریقہ سے ایک شخص دوسرے کو دیتا یا بھیجتا ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں یٔ۔

(۱) جو چیز اپنے برادر دین کے لیے بقصد اظہار دوستی و محبت بھیجی جائے تو ایسی صورت میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہدیہ ہے اور حلال ہے خواہ اس سے ارادہ حصولِ ثواب آخرت ہو یا نہ ہو۔

(۲) یہ کہ کسی چیز کے ارسال کی غرض یہ ہو کہ اس سے زیادہ یا برابری کا عوض حاصل کیا جائے۔ مثلاً کوئی فقیر کسی غنی یا غنی کسی غنی کے لیے ہدیہ بھیجے۔ یہ قسم بھی ہدیہ کی ہے مگر حقیقتاً یہ ہبہ ہے۔ بشرطیکہ اس کا عوض ادا کیا جائے۔ نیز اس کی طمع وامید بر لائی نہ جانے پر بھی حلال ہے جیسا کے بمقتضائے اولہ و مفاد بعض اخبار سے پایا جاتا ہے کہ اگر اس کی طمع بھی پوری نہ کی جائے تو حلال ہے۔

جیسا کے مروی ہے کہ اسحٰق ابن عمار نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ کوئی فقیر اس غرض سے میرے لیے ہدیہ بھیجے کہ میں اس کا عوض دوں۔ میں اس کے ہدیہ کو قبول کرتا ہوں۔ مگر کوئی چیز اس کو نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں آیا وہ ہدیہ میرے لیے حلال ہے۔

فرمایا۔ ہاں حلال ہے۔ لیکن اس کا عوض عطا کر۔ اور احوط یہ ہے کہ بصورت عدم ادائے عوض اس کے قبول سے اجتناب کرے اور جو کوئی شخص ہدیہ دے کر ایسے عوض کا خواستگار ہو۔ مدِ مقابل کی ملکیت نہیں بلکہ دوسروں نے اسے فقرا کو تقسیم کرنے کے لیے دے رکھا ہے مثل

خمس وزکوٰۃ وصدقات وغیرہ اس کے متعلق بعض کا نتیجہ کلام یہ ہے کہ اگر بصورت عدم ارسال ہدیہ بھی اس کو وہ چیز ضرور دی جاتی تو ایسی حالت میں اس ہدیہ کا قبول کرنا حلال ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس کے قبول سے بھی اجتناب کرے۔

(۳) یہ کہ جب کسی چیز کے بھیجنے سے اس کا یہ مقصد ہو کہ اس کے کام میں اعانت وامداد کی جائے خواہ وہ کام حرام ہے اور اگر وہ عمل مباح ہو تو اس کے ہدیہ کا قبول کرنا کوئی ضرر نہیں رکھتا۔

(۹۴) یہ کہ بھیجنے والے کی غرض حصول دوستی ومحبت ہو۔

لیکن اس دوستی ومحبت کے پیرا یہ میں یہ منظور ہو کہ اس کے جاہ ومرتبہ کے ذریعہ سے اپنے بعض مطالب کو حاصل کرے۔ اگر وہ جاہ ومرتبہ اس کو حاصل نہ ہوتا تو وہ اس کے لئے کوئی چیز نہ بھیجتا۔ پس اگر اس کے مطالب غیر مشروعہ کے حصول کی غرض ہو تو اس کے رشوت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کا قبول کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر اس کا مطلب امور مشروعہ کے متعلق ہو یا اس کی غرض معلوم نہ ہو وظاہر یہ ہے کہ حرام نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کا قبول کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ہدیہ رشوت کی صورت رکھتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے کسی کو حاکم قریہ کرکے روانہ فرمایا کہ زکوٰۃ جمع کرکے لائے۔ جب وہ واپس آیا تو اس جمع شدہ میں سے کچھ حصہ اپنے یہاں اس نے رکھ لیا اور کہا کہ یہ مجھ کو دیا گیا ہے۔

حضرتؑ نے ارشار فرمایا کہ اگر تیرا بیان سچ ہے تو کس لیے اپنے گھر نہیں بیٹھا کہ تیرے لیے لوگ ہدیہ لایا کریں۔ نیز فرمایا کہ جب کسی کو حاکم ووالی وقاضی مقرر کیا جائے اس کو اور نیز ان کو جو عمال سلاطین ہیں۔

سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو منصب وخدمت مفوضہ سے معطل وبیکار تصور کیا کریں اور ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی ہدیہ ملتا تو حالت حکومت میں اس کو قبول کیا کریں اور بصورتِ عدم خدمت و معطلی نہیں مل سکتا اس وقت میں بھی اس کو قبول نہ کریں۔



# فصل نمبر (۲)

# مالِ حرام سے پرہیز کرنے کی فضیلت اور اس کے حصول کی شرافت

ورع کے ایک معنی یہ ہیں کہ مالِ حرام سے اجتناب کیا جائے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے گناہوں سے باز رکھا رجائے اور نیز نفس کو ان چیزوں سے جو اس کے لیے سزاوار نہیں ہیں روکا جائے۔ دراصل تقویٰ وورع کے ایک ہی معنی ہیں اور تقویٰ بھی ہر دو معنی مذکورہ الصدر پر صادق آتا ہے۔ پس حصول مال حرام کی ضد خاص معنی میں روع وتقویٰ اور معنی عام میں ورع وتقویٰ ضد معصیت کو کہتے ہیں۔ بہر حال کوئی شبہ نہیں کہ ورع وتقویٰ بہتر وامرِ عظیم باعثِ نجات ہے جس سے انسان مرتبہ سعادت پر فائز ہوتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو شخص حالتِ ورع میں خدا سے ملاقات کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کو اسلام کا کل ثواب عطا فرمائے گا۔

بعض کتبِ آسمانی میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں صاحبان ورع سے شرمندہ ہوں کہ ان کا محاسبہ لوں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ وہ ہمارا دوست نہیں جس نے پرہیزگاری اور خدا کی اطاعت نہ کی۔ لہٰذا معصیت سے پرہیز کیجئے اور اعمالِ نیک بجالایئے۔ اس امید پر جس کی نسبت خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ جو لوگ پرہیزگار ومطیع احکامِ خدا ہیں وہی اس کے دوست ہیں۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس مرتبہ کو نہیں پاسکتا۔ جس کے متعلق خدا نے وعدہ فرمایا مگر ورع سے۔

نیز فرمایا کہ بہ تحقیق خدا اس شخص کا ضامن ہوتا ہے جو معصیت سے پرہیز کرتا ہو اور جس حالت سے کراہت رکھتا ہو اس کو اس حالت پر جس کو وہ دوست رکھتا ہو بدل دیتا ہے اور اس کو اس جگہ سے روزی عطا کی جاتی ہے جہاں کا اس کو گمان واندیشہ تک نہ ہو۔ اور فرمایا کہ تقویٰ کے

ساتھ عمل کم بہتر ہے۔اس عمل زائد سے جو بغیر تقویٰ کے کیا جائے۔

نیز آں حضرت سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی بندہ کو ذلتِ عصیاں سے عزتِ تقویٰ پر سرفراز کرتا ہے تو اس کو بغیر مال کے غنی اور بغیر قبیلہ کے عزیز کرتا ہے اور بغیر کشادہ روئی کے خلق میں محترم فرماتا ہے۔مالِ حرام کا کھانا اور اس سے پرہیز نہ کرنا باعثِ ہلاکت ہے اور تقویٰ وورع پر ہی وصول سعادت موقوف ومنحصر ہے۔چونکہ دنیا میں انسان کو خوراک و پوشاک و مکان وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لیے تحصیل مال حلال کی فضیلت میں بے انتہا اخبار وارد ہوئے ہیں۔یہاں تک کہ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہر مرد مسلمان اور ہر عورت مسلمہ پر طلبِ روزی حلال واجب ولازم ہے۔جو شخص تلاشِ روزی حلال کے باعث خستہ ہوکر اپنے مقام پر آتا ہے تو گویا اس کی بخشش ہوجاتا ہے اور وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔فرمایا کہ عبادت کے ستر جزو ہیں۔ان کے منجملہ نو جز وطلبِ روزی حلال ہیں۔فرمایا کہ جو شخص اپنے پیشہ وصنعت ومحنت اور مزدوری سے روزی حلال پیدا کر کے بسر کرے تو اس پر تمام دروازے بہشت کے کھول دیئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے وہ بہشت میں داخل ہو۔اور بروزِ قیامت اس کا شمار پیغمبروں میں ہو اور اس کو پیغمبروں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ حضرت پیغمبر صلعم جب کسی مرد کو ملاحظہ فرماتے اور اس سے خوش ہوتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی کسب و پیشہ رکھتا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ نہیں تو فرماتے کہ میری نظر سے گر گیا۔

عرض کیا گیا کہ کس وجہ سے۔

فرمایا کہ جب بندہ مومن کا کوئی کسب نہ ہو تو وہ اپنا مدار ومعاش دین پر کرتا ہے۔آں حضرتؑ سے مروی ہے کہ جو شخص چالیس روز تک روزی حلال کھائے تو خدا تعالیٰ اس کے دل کو روشن اور حکمت کو اس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔

ایک روز بعض اصحاب نے آں جنابؑ سے درگاہِ خدا میں دعا قبول ہونے کی خواہش ظاہر کی تو حضرتؑ نے فرمایا کہ اپنی غذا کو پاک وحلال کریں کہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔



# فصل نمبر (۳)

# مالِ حلال وحرام کے اقسام

واضح ہو کہ آمدنی حلال کی پانچ قسمیں ہیں:۔

۱: وہ چیز جو مباح ہو اور کسی مالک سے نہ لی گئی ہو مثلاً معدنیات' حرمت اراضی اموات' صید حیوانات' ہیمہ کشی' آب کشی وغیرہ بشرطیکہ کسی نے اس پر تصرف نہ کیا ہو اور ان اشخاص کا مال نہ ہو جو موجب شرع محفوظ ہے۔جن کی تفصیل در باب احکامِ احیاء اموات کتبِ فقہ میں کی گئی ہے۔

۲: وہ شخص جو مالِ حلال رکھتا ہو اس سے بقہر وغلبہ حاصل کیا جائے مثلاً غنیمت کفار حربی واموال کفار حربی ۔ یہ بھی اہل اسلام کے لیے ان شرائط سے جائز ہے۔جو بیان غنیمت وجزیہ میں کتبِ فقہ میں مذکورہ ہیں۔

۳: جو مال بموجب احکام شرع یا برضامندی مالکِ زندہ یا مردہ کے بلا عوض دوسرے سے منتقل ہوا ہو۔مثلاً صدقہ۔بخشش۔مبرات۔جبکہ شخص اول لذکر نے بھی بطریق حلال حاصل کیا ہو بشرطیکہ باقی شرائط ہبہ و وراثت وصیت ومصدقہ مندرجہ کتب فقہ اس میں موجود ہوں۔

۴: جو مال بطریق معاوضہ ورضامندی حاصل کیا گیا ہو۔جبکہ تمام شرائط وآداب معاملات بیع وسلم و اجارہ وصلح وشرکت وجعالہ کے اس میں پائے جائیں۔

۵: آمدنی نسل حیوانات وزراعت سے جو مال ہمدست ہو بشرطیکہ زمین وتخم وآب بطور حلال حاصل کیے گئے ہوں اور نیز کسب وصنعت محنت اور مزدوری سے پیدا کیا جائے۔بموجب فتوئی عادلِ حی جامع الشرائط کے وہ تمام اسی مداخل حلال میں تصور کیا جاتا ہے جو مال ان اشکال میں نہ آتا ہو یا اس کے آداب وشرائط اس پر صادق نہ آتے ہوں تو وہ مالِ حلال نہیں۔

لہٰذا طالب سعادت ونجات آخرت کو لازم ہے کہ کوئی حرفہ وکسب اختیار کرے اور اس کو ذریعہ معاش قرار دے یا مستقل آمدنی یا ایسا سرمایہ جس کو دوسروں نے پیدا کیا اور اس کے ذریعہ سے اپنی زندگی بسر کرے۔بعض ایسے ہیں کہ کوئی سرمایہ وآمدنی مستقل نہیں رکھتے اور کوئی کسب و صنعت بھی نہیں سیکھتے یا بعد سیکھنے کے حصولِ وجہ معاش میں کاہلی کرتے ہیں اور محتاج رہتے ہیں اور

بعض صاحبان کسب وہنر سے بھیگ مانگ کراپنے صرف میں لاتے ہیں۔یہی وہ جماعت ہے کہ جس نے ان دواشکال مندجہ ذیل میں سے کسی ایک ذلیل شکل کواختیار کیاہے۔

پہلا : دزدی

دوسرا: گدائی

اوران دونوں اشکال میں سے ہرایک کےاقسام مختلف ہیں۔

## پہلی قسم

وہ چور جوآپس میں متفق ہوکرلوٹ مار اور راہزانی کرتے ہیں اور بعض لوگ سلاطین و وزراء وحکام سے تعارف وتوسل پیدا کرکے رعایا پرظلم اور زیادتی کرتے ہیں اوراس طریقہ سے رعایا کے مال کوکھاتے ہیں اگر یہ طریقہ میسر نہ ہوتو نقب لگاتے اور کمند ڈالتے ہیں اور گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔

## دوسری قسم

گدائی۔ان کی بھی چند قسمیں ہیں:۔

☆ بعض اپنے کوظاہر اندھایا مفلوج یا مریض بناتے ہیں۔

☆ بعض نے گریہ وزاری اختیار کی ہے کہ اس حیلہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔

☆ بعض عجیب وغریب اموراور عمدہ عمدہ گفتگو سے اپنے بازارِ گدائی کو رونق دیتے ہیں۔

☆ بعض مسخرہ پن اورہنسی کے فقرے بیان کرتے ہیں۔

☆ بعض خوشامداور چرب زبانی۔

☆ بعض نے شعبدہ بازی وقصہ خوانی وقلندری اختیار کی ہے۔

☆بعض نے عمدہ عمدہ اشعارخوانی کو اپنا شعارقرار دیاہے یا کلام مسجع راگ کی صورت بخیال نفع پڑھا کرتے ہیں۔

☆ بعض نے ریا سے جامۂ پشیمنہ زیبِ تن کرکے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں لے



کرذکرِ خداکواپناوسیلہ معیشت بنایاہے۔

☆ بعض نے مدرسی یا ذکرِ مصائب یا پیش نمازی یا قرآن خوانی کو ذریعہ معاش قرار دیاہے۔

☆ بعض نے اپنا نام حکیم یا جراح مشہور کررکھا ہے اور بہت سے شیشے اور جڑی بوٹی جمع کی ہے اور معجون وادویات وعرقیات بناتے ہیں کہ عورتوں اور بے وقوف مردوں کوفریب دیاجائے۔

☆ بعض رمال ومنجم بن کرعلمِ غیب یعنی گزشتہ وآئندہ کی خبر دیتے ہیں۔

☆ بعض فال دیکھتے ہیں۔

☆ بعض دعاوتعویذ لکھتے ہیں۔

☆ بعض تعبیرخواب دیتے ہیں۔

☆ بعض نے اپنے کوواعظ بنایاہے حالانکہ وہ خوداپنے علم پرعمل نہیں کرتے۔

☆ بعض پیشہ گدائی اختیار کرکے دوسرے کا مال وزرکھاتے ہیں اوراسی میں اپنی تمام عمر صرف کرچکے ہیں اورمبدومعادومقصود پیدائش وایجاد سے غافل ہیں۔

## ساتویں صفت

# خیانت وغدر کی مذمت

واضح ہو کہ جب کوئی شخص کسی کا مال بلاعلم واطلاع وخلافِ مرضی اس کے اور کم فروشی و مکر وحیلہ وعداوت وغیرہ سے بغیر عذرِ شرعی کے رکھ لے یا کھا جائے تو اسے خیانت کہتے ہیں۔اس تعریف میں کسی کی ناموس یا حرمت وآبرو میں خیانت کرنا بھی داخل ہے۔ یہ صفت مہلکہ واخلاق خبیثہ میں سے ہے خصوصاً اس کی مذمت میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔اس صفتِ بد کی ضد امانت داری وراست بازی ہے۔ یہ تمام صفاتِ نیک سے بزرگ اور ملکات سے افضل اور باعثِ عزت ورستگاری دنیاو آخرت ہے۔

راستی کن کہ راستاں رستند
در جہاں راستاں قوی دستند

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک پیغمبر کو راست گوئی وامانت داری پر مبعوث کیا۔

نیز اسی بزرگوار سے مروی ہے کہ نماز اور روزہ پر ہر کسی کے فریب نہ کھاؤ بلکہ راست گوئی اور امانت داری پر ان کا امتحان کیا جائے۔

انہی حضرتؑ سے منقول ہے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ حضرت رسول صلعم کے نزدیک جس مرتبہ پر فائز تھے وہ راست گوئی وامانت داری تھی۔

نیز فرمایا کہ تین امور ہیں کہ جن میں سے کسی کا عذرِ ترک مسموع نہ ہوگا:

۱: امانت داری خواہ وہ نیک ہو یا فاجر

۲: ایفائے وعدہ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر

۳: نیکی بہ والدین خواہ وہ اچھے ہوں یا برے۔

اور فرمایا کہ جو شخص ان چار صفات:۔

(۱) راستی



(۲) امانت داری

(۳) حیا

(۴) حُسنِ خُلق

سے متصف ہو اس کا ایمان کامل ہے۔اگرچہ وہ گناہوں میں بھرا ہوا ہو۔تجربہ کیا گیا ہے کہ خیانت کنندہ تنگ دست وپریشاں روزگار رہتا ہے اور امانت دار غنی ومالدار۔

## آٹھویں صفت

# بیہودہ گفتگو کی مذمت اور اس کا علاج

واضح ہو کہ بے ہودہ گفتگو سے گناہوں اور بدکاری کے بیانات اور اشکال مندرجہ ذیل مراد لیے گئے ہیں:۔

۱: بیانِ افعال زنانِ فاحشہ۔

۲: کیفیتِ مجالس شراب وطریقہ فسق وفجور

۳: حالتِ اسرافِ بیجا۔

۴: ذکر تکبر وتجبر بادشاہان اوران کی عادت۔

۵: حکایتِ اہلِ بدعت ومذہب فاسدہ وغیرہ۔

چونکہ اقسام خیالاتِ باطلہ اور گناہوں کی انتہا نہیں ہے۔اس لیے ان سے خلاصی ممکن نہیں۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ آدمی زیادہ تر بدوہ ہے۔جو اپنے گناہوں کا اظہار اور ان کی تفصیلی واقعات کو بیان کرے۔

ایک انصار کا کسی ایسی مجلس میں گزرا ہوا۔ جس میں گناہوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

انھوں نے کہا کہ:

وضو کرو کیوں کہ جو امور بیان کیے جا رہے ہیں۔وہ حدث سے بدتر ہیں۔محض خواہشِ نفسانی سے بغیر ضرورت کے امور باطلہ کا بیان کرنا گناہ ہے۔یہ:

☆ غیبت

☆ سخن چینی

☆ فحش

☆ دشنام دہی کے مانند ہیں۔

## نویں صفت

# بے فائدہ باتوں کی مذمت اوراقسام ومعالجہ

واضح ہو کہ بے فائدہ باتوں سے مراد یہ ہے کہ وہ باتیں اور گفتگو سے نہ کام دنیا کا نکلے نہ آخرت کا۔ اگر چہ یہ حرام نہیں لیکن نہایت بد ہے کیونکہ انسان کی اوقات جو سرمایہ تجارت آخرت ہے ضائع ہوجاتی ہے اور ذکرِ خدا وفکر ضائع پروردگار سے باز رہتے ہیں۔ ایک دفعہ:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ

کہنے سے ایک قصر اس کے لیے بنا کیا جاتا ہے یا ایک فکر سے درہائے الہیہ کا ایک دروازہ اس کے خانہ دل پر کھول دیا جاتا ہے۔ پس وہ کس قدر بدبخت ہے کہ ایک خزانہ کو چھوڑ کر اس کے عوض میں ایک مٹی کا ڈھیلا حاصل کرے جس سے کوئی نفع نہ ہو۔ جو شخص ذکرِ خدا وفکرِ عجائبات قدرت پروردگار کو ترک کر کے بے فائدہ نقل وحکایات کے بیان میں مصروف ہو۔ گو اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو لیکن بہت سے فوائد اس کے اختیار سے نکل گئے۔ غور کیجئے کہ جب بندہ کا سرمایہ اس کی اوقاتِ عزیز ہے اس کو بیکار صرف کردیا جائے اور اس سے کوئی منفعت اس درماندگی کے لیے جو آنے والی ہے ذخیرہ نہ کیا جائے تو گویا اس بندہ نے اپنے سرمایہ حیات کو ضائع کیا۔ علاوہ وہ اس کے اکثر ہوتا ہے کہ جب فضول باتیں شروع ہوتی ہیں تو اسی سلسلہ گفتگو میں گناہ جھوٹ، غیبت وغیرہ کا ذکر آجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس خصوص میں نہایت مذمت وارد ہوئی ہے۔

مروی ہے کہ جنگ احد میں اصحاب پیغمبر میں سے ایک لڑکا شہید ہوا جو بہ سبب گرسنگی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔ جب اس کی ماں اس کے رخسار کو مٹی سے پاک کر کے کہتی تھی کہ تجھ کو بہشت مبارک ہو۔



اس وقت حضرتؐ نے فرمایا کہ تو جانتی ہے کہ اس کو بہشت ملے گی شاید اس نے فضول باتیں کی ہوں۔

بعض اصحاب نے کہا کہ بعض اوقات کسی شخص کی بات کا جواب دینے پر آبِ سرد کی طرح رغبت ہوتی ہے مگر اس کا جواب اس خوف سے نہیں دیتا ہوں کہ کہیں کوئی فضول بات میرے منہ سے نہ نکل جائے۔

واضح ہو کہ بے فائدہ باتیں اور بکواس کے اقسام بہت ہیں اور طریقہ کلام نیک یہ ہے کہ کوئی ایسی بات یا گفتگو کریں کہ کسی قسم کا گناہ نہ ہو اور نہ کوئی ضرر دنیوی ہو اور نہ کوئی کام معطل ومعلق رہے۔ حسبِ طریقہ مندرجہ ذیل جو کلام یا گفتگو کی جائے۔ وہ لغو وفضول ہے۔ مثلاً حالاتِ سفر کو دوستوں سے کہنا اور جو کچھ سفر میں دیکھا گیا' یا جو واقعہ پیش آیا اس کا بیان کرنا یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے بیان نہ کرنے سے کوئی دینوی نقصان ہے نہ دینی اور کسی کو اس تذکرہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر نہایت کوشش کے ساتھ بھی بلا کم وکاست سچ سچ بیان کریں اور خود ستائی و تفاخر اور کسی کی غیبت یا مذمت منظور نہ ہوتا ہم وہ اپنے وقت کو ضائع وتلف اور اپنے دل کو افسردہ و تاریک کرتا ہے۔ کیونکہ گفتگوئے کدورتِ دل ہے۔

اے صاحبو! اپنا وقتِ عزیز تہیہ سفرِ عقبیٰ میں صرف کرو۔ کیونکہ کاروانِ عمر بہت تیز رواں ہے۔ جس سے ہم مسافروں کو سامان آخرت کے مہیا کرنے کی فرصت تک نہیں اور آئندہ ہم کو سفرِ آخرت راہ ہولناک درپیش ہے اور موت پیچھے سے آہستہ آہستہ چلی آرہی ہے۔ ایک طرف شیطان راہزن تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔ پھر کیونکر ہم آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ اور فضول باتوں میں مشغول ہوسکتے ہیں اور آئندہ وگزشتہ کاموں کا خیال کر سکتے ہیں۔ دوستوں کی صحبت کس طرح پسند آسکتی ہے۔

واضح ہو کہ جیسا بالمشافہ گفتگوئے بے فائدہ کرنا سببِ خرابی ابد ہے ویسا ہی کسی سے فضول دریافت وسوال کرنا بیکار ومذموم۔ بلکہ اس کی مذمت زیادہ اور اس کا فساد نہایت بد ہے۔ کیونکہ سوال کرنے میں سوال کنندہ وجواب دہندہ دونوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ اس سوال سے کوئی آفت وخرابی واقع نہ ہوتی ہو اگر اس کے جواب میں کوئی آفت وخرابی پیدا ہو تو سوال کنندہ آثم وگناہگار رہوگا۔ مثلاً اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ روزہ سے ہیں یا

نہیں۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو ممکن ہے کہ اس کا یہ قول ریا میں داخل ہو جائے (غالباً آپ جانتے ہوں گے کہ ریا کے باعث عملِ حسنہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے نیز عبادتِ پوشیدہ کا بہ نسبت عبادتِ آشکارا کے ثواب زیادہ ہے) اگر وہ شخص کہتا ہے ''نہیں'' تو جھوٹ ہوتا ہے۔ اگر ساکت رہتا ہے تو سوال کنندہ کی اہانت ہوتی ہے۔ اسی طرح اور امور ہیں جن سے جواب دینے والے کو خجالت و شرم لاحق ہوتی ہے یا ان امور کے متعلق سوال کرنا جن کے اظہار میں کوئی امر مانع ہو جیسا کہ کوئی شخص کسی سے آہستہ بات کرے اور آپ دریافت کریں کہ اس نے کیا کہا؟ یا کن باتوں میں تھے؟ مثلاً کوئی شخص آتا ہو یا جاتا ہو اور آپ سوال کریں کہ کہاں سے آنا ہوا یا کہاں جائیں گے؟ تو ممکن ہے کہ وہ اس کو ظاہر کرنا نہ چاہتا ہو۔ اسی طرح کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ کیوں ناتواں اور لاغر ہو ' یا کونسا مرض ہے؟ شاید ہر کسی سے اس مریض کو اپنے شدتِ مرض اور حالتِ بدحالی بیان کرنا برا معلوم ہوتا ہو۔ یہ تمام سوالات بے فائدہ اور فضول باتوں کے مانند ہیں جو اکثر باعثِ ایذا و گناہ ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت لقمان حصرت داؤدؑ کے پاس اس وقت تشریف لائے جب کہ وہ زرہ بنانے میں مصروف تھے چونکہ حضرت لقمان نے قبل اس کے زرہ کو نہ دیکھا تھا اور اس کے فائدہ سے واقف نہ تھے۔ چاہا کہ سوال کریں لیکن دانائی اور حکمت مانع ہوئی۔ خودداری کو کام میں لائے اور خاموش بیٹھے رہے۔

آخر کار جب حضرت داؤدؑ زرہ بنا چکے تو اٹھے اور زرہ کو پہن کر کہا کہ:

''وقتِ جنگ و جدال زرہ کیا خوب چیز ہے۔''

حضرت لقمان نے جواب دیا کہ:

''خاموشی بھی خوب ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے والا کم ہے۔''

واضح ہو کہ فضول بکواس یا امورِ بے فائدہ کے شناخت کی حرص یا خیال خوش مشربی یا تضیع اوقات روم و شب باعثِ پستی و خرابی قوت شہویہ اور متابعتِ خواہشات نفسانیہ ہے۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ خداوند عالم کا تذکرہ کیا جائے اور یہ یاد کریں کہ موت ایک دن آنے والی ہے۔ جو بات منہ سے نکلے اس کا محاسبہ ہوگا اور خاموشی کسبِ سعادتِ اوقات و انفاس کا سرمایہ ہے یہ زبان ایک دام ہے جس سے حور العین کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ اس کا طریقہ عمل یہ ہے کہ جہاں



تک ممکن ہو گوشہ تنہائی اختیار کرے۔ زبان کو فضول باتوں کے ترک کرنے کی عادت ڈالے جس بات میں کوئی فائدہ دینی یا دینوی نہ ہو اس کو زبان سے نہ نکالے۔ ساکت اور خاموش رہے۔ چنانچہ کسی زمانے میں بعض نے اپنے منہ پر پتھر باندھا تھا کہ خدا کا ہی ذکر کرتے رہیں اور بے فائدہ اور فضول بکواس نہ کریں۔

# فصل نمبر(۱)

# خاموشی

واضح ہو کہ بے جا بکواس اور فضول باتوں کی ضد خاموشی ہے یا ایسی باتیں کرنا جس کی ضرورت یا فائدہ ہو۔

جیسا کہ حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ اسلام نیک کی علامت یہ ہے کہ امواراتِ بے فائدہ کو ترک کرے۔ نیز خوشحال اس کا جو زیادتی مال کو راہِ خدا میں صرف کرے۔

دیکھیے آپ حضرات نے اس کے برعکس اختیار کیا ہے۔ زیادہ مال کو جمع کرتے ہیں اور زبان کو کھول رکھا ہے۔

ایک روز آنحضرت نے فرمایا کہ اول وہ شخص بہشت میں داخل ہوگا۔ جس نے سلامتی نفس کو مدنظر رکھ کر تمام بے فائدہ چیزوں کو ترک کر دیا ہو۔

حضرت رسولؐ نے اباذرؓ سے فرمایا کہ تجھ کو اس عمل کی تعلیم دوں جو بدن پر سبک اور میزانِ اعمال میں سنگین ہو۔''

انھوں نے عرض کیا کہ: ''ہاں۔''

فرمایا کہ ''وہ خاموشی و حسنِ خلق و ترکِ عمل بے فائدہ ہے۔''

کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ:

''آپ کی حکمت کس چیز میں ہے؟''

انھوں نے کہا:

جو چیز مجھ کو کفایت کرتی ہے۔ اس کے متعلق سوال نہیں کرتا ہوں اور جو چیز بے فائدہ ہو

وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ فضیلت ترکِ کلامِ فضول و بے فائدہ کے نسبت وارد ہوئی ہے وہ اخبار ائمہ اطہار وکملائے اکابر اہل دین میں حدِ تحریر وتقریر سے تجاوز ہے اور جس قدر حوالہ قلم کی گیا۔ اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔

اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی سُبْحَانَهٗ

# پانچواں مقام

اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ کے بیان میں جو ہر سہ قواۂ عاقلہ اور غضبیہ اور شہویہ کے متعلق ہیں یا ان میں سے دو قوتوں کے ساتھ جان کا تعلق ہے۔ وہ بتیس صفات ہیں۔

## پہلی صفت

## حسد کا فساد اور اس کے مراتب جس میں تین فصلیں ہیں۔

واضح ہو کہ حسد وہ ہے کہ اپنے برادر مسلم کے ان نعمتوں کے زوال کی آرزو کی جائے جن سے اس کی بہتری ہو۔ اگر اسکی نعمتوں کے زوال کی آرزو نہ کی جائے بلکہ اسی طرح ان نعمتوں کا خواستگار ہو تو اس کو غبطہ یا منافسہ کہتے ہیں۔ اگر اس چیز کے زوال کا خواہاں ہو جس میں اس کی بہتری نہیں ہے تو وہ غیرت ہے۔ حسد کی ضد نصیحت ہے یعنی اپنے برادر مسلم کے لیے اس نعمت کا خواستگار ہونا جس میں اس کی بہتری ہو نصیحت کہتے یں۔ چونکہ ہر شخص بہتری و بدی نعمت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے کہ اکثر نعمتیں ظاہرا بہتر معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ بد ہیں۔ اس کا مالک وصاحب بدکار رہوتا ہے۔ پس شرطِ دوستی ونصیحت یہ ہے کہ برادرِ مومن کے لیے اس چیز کو جائز رکھیں جو واقعی بہتر ہو اگر وہ باعثِ فساد وخرابی ہو تو ناجائز سمجھیں۔ معیارِ نصیحت یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند ومرغوب ہے اس کو اپنے برادر مسلم کے لیے بھی پسند کریں اور جو اپنے لیے ناپسند ہے اسکے لیے بھی پسند نہ کریں۔ معیارِ حسد یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے چاہتا ہے دوسرے کے لیے وہ نہ چاہی جائے۔



واضح ہو کہ اشد امراض نفسانیہ و بدترین رذائل یہی صفتِ حسد ہے۔ حاسد عذابِ دنیا و عقبیٰ میں گرفتار رہتا ہے جب کسی کو کسی نعمت سے سرفراز دیکھ لیتا ہے تو غمگین ہوتا ہے چونکہ خدا کی نعمت بندوں پر بیحد وافزوں ہے اس لیے یہ بدبخت ہمیشہ غمناک ومحزوں رہتا ہے۔ اس کے رنج والم محسود کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا بلکہ اس کے ثواب وحسنات میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اگر محسود کی غیبت کیجائے یا اس کی بات سے جو اس کے حق میں نہ کہنی چاہیے کہی جائے تو محسود کے درجے بلند ہوتے ہیں اور محسود کا موخذاہ اور ربال حاسد اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اپنے اعمالِ نیک اس کے دفتر میں لکھواتا ہے حاسد مقام عناد اور بندگانِ خدا کی مخالفت کی تلاش میں رہتا ہے حالانکہ جو نعمت و کمال جس کسی کو ملا ہے وہ خداوند عالم کے رشحات فیض سے وابستہ ہے اسی کی حکمت ومصلحت ومشیت وارادہ کا اقتضا ہے۔

پس جو نعمت کسی بندہ کو عطا کی جائے اس کے زائل ہونے کی خواہش کرنا گویا مقدارتِ الٰہی کے نقائض کا چاہنا اور خلافِ مرادِ خدا ارادہ کرنا سمجھا جاتا ہے۔ حاسد عیاذ باللہ خدا کو جاہل جانتا ہے کیونکہ اگر محسود اس نعمت کا لائق وقابل ہے تو پھر کیوں اس کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی خدا پر نقص لازم آئے گا۔ اگر کسی کو اس نعمت کا سزاوار سمجھتا ہے تو پھر اس کو منع کرتا ہے اگر وہ اس نعمت کا لائق نہیں تو پھر اپنے کو خدا سے عقلمند جانتا ہے بہرحال ان ہر دو صلاح وفساد کی صورت میں کفر صادق آتا ہے کوئی شک نہیں کہ جو کچھ خداوند عالم کی طرف سے ہو رہا ہے وہ محض خیر ومصلحت پر مبنی ہے اور شر وفساد سے بری حقیقتاً حسد دشمن خیر وطالب فساد ہے۔

بیان مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حسد بدترین رذائل اور حاسد شریر ترین مروم ہے۔ کونسی خباثت اس سے افزوں ہوسکتی ہے کہ وہ شخص کسی بندہ خدا کی راحت کے باعث غمگین ہوتا ہے حالانکہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔ آیات واخبار مذمت میں اس صفت کی بیحد وارد ہوئے ہیں۔

حضرت پیغمبر سے مروی ہے کہ حسد اعمالِ نیک کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ پروردگار عالم نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل کی کہ آدمیوں پر حسد نہ کرو۔ جن پر میرا فضل وکرم ہے ان پر نگاہِ حسد نہ ڈالو۔ بہ تحقیق کہ جو شخص حسد کرتا ہے وہ میری نعمتوں پر خشمناک ہوتا ہے میں نے بندگانِ خدا پر بھی نعمتوں کو تقسیم کیا ہے ان میں مساوات کرنا چاہتا ہے۔

نیز انہی بزرگوارؑ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مالداری سے زیادہ خائف ہوں کہ کہیں ایک دوسرے پر حسد نہ لے جائے۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔ نیز فرمایا کہ خدا کی نعمتوں کے دشمن بہت ہیں۔

عرض کیا گیا کہ وہ کون ہیں۔

فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو خوش حال لوگوں پر حسد لے جائیں۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ خدا نے فرمایا کہ: ''حاسد میری نعمت کا دشمن ہے۔ میرے حکم پر خشمناک ہونے والا ہے۔ بندگانِ خدا کی قسمت پر ناراض۔''

حضرت ابی عبداللہؑ سے مروی ہے کہ حسد عجب اور فخر دین میں آفت ڈالتا ہے نیز اس جناب سے روایت ہے کہ قبل اس کے کہ محسود کو کوئی ضرر پہنچے' حاسد کو ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ ابلیس نے بذریعہ حسد لعنت حاصل کی اور حصرت آدمؑ نے برگزیدگی و ہدایت ورتبہ بلند حقائق۔ لہٰذا محسود بنے رہیےؑ حاسد نہ بنئے۔

بہ تحقیق کہ حاسد کی میزان ہمیشہ سبک رہتی ہے یعنی حاسد کے اعمالِ حسنہ ترازوئے اعمال محسود میں رکھے جاتے ہیں۔ ہر شخص کی روزی مقرر کی گئی ہے پس حاسد کا حسد کیا نفع دے سکتا ہے اور محسود کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے حقیقتاً حسد دل کا اندھا پن ہے اور انکار فضل خدا کفر کے لیے یہ دور پر ہیں۔ فرزندِ آدمؑ باعث حسد حسرت ابد میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لیے ہرگز نجات میسر نہیں۔

بعص حکماء کا قول ہے کہ حسد ایک جراحت ہے جس کا ہرگز اندمال نہیں۔ ایک بزرگ دین نے کہا ہے کہ حاسد کو مجمع و مجلس میں مذامت و ذلت میسر آتی ہے۔ ملائکہ او پر لعنت کرتے ہیں۔ حاسد کو خلق اللہ سے غم و محنت اور بوقتِ مرگ ہول ودہشت اور قیامت میں عذاب وفضیحت حاصل ہوتی ہے۔ حاصلِ کلام صفتِ حسد موجب عذاب خرابی آخرت ہے نیز سرمایہ اندوہ وملال دینوی۔ اس صفت سے کوئی صفتِ بداس مرص سے زیادہ کوئی ہلاک کرنے والا مرض نہیں ہے۔

## پہلا مُستثنیٰ

امورِ متذکرہ صدر اس صورت سے متعلق ہیں کہ جب زوالِ نعمت محسود سے کوئی امر دینی مقصود ہو۔ اگر غرض دینداری ہو تو اس کو حسد نہیں کہتے اور اس سے کوئی ضرر مترتب نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ



کے جب کوئی نعمت و دولت یا منصب وعزت کسی فاجر بدکار یا کافر کو حاصل ہو وہ اس کے ذریعہ سے کوئی فتنہ برپا کرے یا بندگانِ خدا کو اذیت پہنچائے یا فساد ڈالے یا معصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کوئی شخص اس کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہو اور اس کی عزت نہ کرے تو کوئی ضرر نہیں۔ نیز یہ داخلِ حسد نہیں اور نہ وہ گناہ گار۔

## دُوسرا مُستثنیٰ

حسبِ بیانِ گزشتہ غبطہ کیا جائے تو کوئی برائی نہیں بلکہ یہ پسندیدہ ہے۔ جس سے حضرت رسول صلعم کی مراد یہی ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حسد نیک نہیں مگر اس صورت میں کہ اس پر تعریف غعطبہ کی صادق آتی ہو۔ مثلاً کسی کو خدا نے مال دیا ہو وہ راہِ خدا میں صرف کرتا ہو۔ کسی کو خدا تعالیٰ نے علم کرامت فرمایا ہو۔ وہ اس پر کاربند ہو۔ نیز دوسروں کو تعلیم دے۔ اگر کوئی شخص ان نعمتوں پر غبطہ کرے جو امور دین سے متعلق نہ ہوں تو سبب غبطہ اس نعمت کی محبت ہے۔ اگر وہ امر دین کی نسبت ہو تو سبب اس غبطہ کا محبت و اطاعتِ خدا ہوگی یہ مستحسن ومرغوب ہے۔ اگر ایسے امر دنیا کے متعلق غبطہ کیا جائے جو مباح ہو تو اس کا سبب محبتِ نعمت ولذاتِ دنیویہ ہے بشرطیکہ یہ حرام نہ ہو لیکن کوئی شک نہیں کہ اس کے باعث درجات بلند ومنازل ارجمند سے بےنصیب رہتا ہے۔

حسب مندرجہ ذیل غبطہ کے دو درجے ہیں:

ا: جس شخص کا کسی کے برابر حصول نعمت سے یہ مقصد ہو کہ وہ اس سے کم درجہ پر رہنا نہیں چاہتا۔ اپنا نقصان پسند نہیں کرتا ہے تو یہ مقام خطرہ ولغزش ہے کیونکہ جب وہ نعمت میسر نہ ہوگی تو بالضرور اس کی زوالِ نعمت کا حواہاں ہوگا۔ تاکہ وہ بلندرتبہ والا نہ ہو۔

۲: بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو دوسروں سے پست درجہ پر دیکھ سکیں۔ پس نہ خود وہ اس مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ انھیں اپنی پستی مرتبہ منظور ہوتی ہے اس لیے تمام صفاتِ رذائل و ملکات سے یہ صفتِ حسد بدتر ہے۔

# فائدہ: مراتب حسد

حسبِ مندرجہ ذیل حسد کے چار مرتبے ہیں:۔

(۱) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کے زوالِ نعمت کی خواہش رکھتا ہو۔ اگر چہ حاسد کو اس کا زوال کوئی فائدہ بخش نہ ہو۔ یہ بدترین مرتبہ حسد ہے۔

(۲) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کے زوالِ نعمت کا خواہاں ہو۔ اس خیال سے کہ وہ نعمت اس کو حاصل ہوجائے مثلاً جو شخص عمدہ مکان یا خوبصورت عورت رکھتا ہو تو دوسرا شخص اسی مکان یا اسی عورت کا خواستگار ہو اور یہ خواہش ہو کہ وہ اس کے قبضہ وتصرف سے نکل کر اس کے قبضہ میں آجائے۔ اس کی بدو حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے اس کی نسبت صراحتاً منع فرمایا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

خلاصہ معنی یہ کہ: ''جس چیز سے خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی آرزو نہ کریں۔'' (سورہ نساء۔ ۳۲)

(۳) یہ کہ جس کا نفس دوسرے کی نعمت پر اس طرح میل رکھتا ہو کہ وہ نعمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو وہ شخص اس کے مانند ہوجائے یعنی یہ دونوں آپس میں برابر ہوجائیں۔ مگر اس کا حصول ناممکن ہو۔ اگر اس کا زوال ممکن ہو تو اس کے اتلاف میں سعی کرے۔

(۴) یہ کہ وہ تیسرے درجے والے کے مانند ہے لیکن اس کا تلف کرنا ممکن تو ہے۔ مگر اس کی قوت دین وعقل اس کے زوال کی مانع ہوتی ہے اور اس کے زوال پر بجائے شاد ہونے کے غمگین ہوتا ہے لہٰذا ایسے مرتبے والے کو امید نجات ہے اگر چہ اس کی خواہش نفسانی بہتر نہیں لیکن اس کو خدائے تعالیٰ بخش دیتا ہے۔



# فصل نمبر (۱)

## اسبابِ حسد اور اُس کے اقسام

واضح ہو کہ منجملہ ان سات صورتوں کے جو مندرجہ ذیل ہیں کوئی نہ کوئی صورت باعث و اسباب حسد ہوگی:۔

(۱) خباثتِ نفس وبخل ذاتی جو بندگانِ خدا سے بغیر عداوت کے ہو۔ یا جس کا منشاء حسد بلکہ خرابی نفس و رذالت طبیعت ہے جس کی وجہ سے غیر کی نعمت کے زوال کا خواہاں ہوتا ہے اور بندگانِ خدا کی گرفتاری محنت و بلا سے فرحناک اور شاداں۔ اگر کسی کو راحت اور مقصد میں کامیابی' معاش میں ترقی ہو تو یہ غمگین ومحزون ہوتا ہے۔ اگر چہ اس سے کوئی ضرر اس کو نہ ہوتا ہو۔ ایسا شخص کبھی تغیر احوال اور تنگی معاش و ادبار وافلاس پر دوسروں کے خوش ہوتا ہے بلکہ کبھی ہنستا ہے' شماتت کرتا ہے حالانکہ سابق میں ان سے کوئی عداوت بلکہ آشنائی تک نہ ہو' کبھی بندگانِ خدا کی حالت بہتری وانتظام نیک گوارا نہیں کرتا اس کی طبیعت محزون وملول ہوتی ہے حالانکہ اس کے باعث اس پر کوئی خرابی عائد نہ ہوتی ہو اس قسم والے کا علاج حسد نہایت مشکل ودشوار ہے۔ اس کا سبب خرابی ذات ورذالت جبلت ہے اور اس کی ذات کا معالجہ نہایت مشکل۔

(۲) عداوت ودشمنی یہ بزرگ ترین سبب حسد ہے۔ کیونکر اشخاص خاص (اہل تسلیم و رضا) کے سوا ہر شخص عموماً جب اپنے دشمن کو گرفتار و مبتلا دیکھتا ہے۔ تو شاد وفرحناک ہوتا ہے۔ اس کی نکبت دادبار کی تمنا کرتا ہے ہر شخص کو (بجز مقربین درگاہِ خدا کے) جب کسی سے کوئی ایذا پہنچتی ہو اور اس کے انتقام پر قادر نہ ہو تو زمانہ کے انتقام کا طالب رہتا ہے۔ اگر دشمن کسی بلا میں گرفتار ہوجائے تو اپنے نفسِ خبیث کی کرامت جانتا ہے۔ نیز گمان کرتا ہے کہ اپنا نفسِ بدخدا کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔ اگر کوئی نعمت اس کو حاصل ہوگئی تو غمگین ومحزون ہوتا ہے اور کبھی تصور کرتا ہے کہ خدا کے پاس اس کی کوئی منزلت نہیں کہ دشمن سے انتقام نہ لیا۔ یہ خیالات اس کے نفس میں باعث حسد ہوتے ہیں۔

(۳) محبت وپسندیدگی شہرت ہے جب کوئی شخص شجاعت یا شوکت یا علم یا عبادت یا

کسی صنعت یا جمال وغیرہ میں مشہور ومعروف عالم ہوگیا ہو اس کو یگانہ عصر اور نادرہ دہر کہا جائے تو یہ شخص اس پر حسد لے جاتا ہے حالانکہ کبھی اس نے اس کو نہ دیکھا ہو بلکہ آئندہ ملاقات کی توقع تک نہ ہو لیکن اس کی بدگوئی سے شاد ہوتا ہے بلکہ اس کے مرجانے پر خوش۔ تا کہ کوئی شخص عالم میں اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا نہ ہو۔

(۴) خائف رہنا۔ اپنے مطلب ومقصد سے عاجز رہ جانا بھی باعث وسبب حسد ہو جاتا ہے۔ یہ صورت ان دو آدمیوں کے مابین مخصوص ہوتی ہے جو کسی ایک مطلب ومقصد یا خدمت کے طالب ہوں۔ اگر چہ ان دونوں میں سابق سے کوئی عداوت نہ ہو۔ پس ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو زائل کرے کہ اس مطلب ومقصد کے حصول کا سبب نہ ہو۔ اسی طرح دو عورتیں ایک دوسرے پر حسد کرتی ہیں جو ایک شوہر رکھتی ہوں۔ ہر ایک اپنے لیے پوری التفات شوہر کی چاہتی ہے ایسا ہی ہر ایک بھائی کا اپنے باپ کی قربت ومرتبہ کے لیے مقربین بادشاہ کا واعظین وفقہاء کا جو ایک ہی شہر کے ساکن ہوں ایک دوسرے پر حسد ہوا کرتا ہے۔

(۵) عزت باعثِ حسد ہوتی ہے جب کسی کو یہ گمان پیدا ہو کہ ہم رتبہ یا پست مرتبے والا کسی بلند مرتبہ پر ہو جائے گا یا اس کو کوئی ثروت یا عزت حاصل ہوگی تو وہ ضرور تکبر وغرور کرے گا اور اس کو حقیر سمجھے گا چونکہ یہ اس کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے یہ شخص اس کے عدمِ حصولِ نعمت کا خواہاں رہتا ہے۔

(۶) تکبر وجہ حسد ہے۔ جب کوئی شخص صفتِ تکبر رکھتا ہو۔ دوسرا یہ چاہتا ہو کہ وہ اس کا مطیع وفرماں بردار رہو۔ اس کے حکم سے تجاوز نہ کرے۔ اس لیے وہ اس کے اسباب سرکشی کو منقطع کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جب اس کو وہ نعمت حاصل ہوگی تو ضرور تکبر کرے گا جس کا یہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ نیز اس کی متابعت سے انحراف یا یہ کہ برابری کا دعویٰ کرے گا۔ اس لیے یہ شخص اس پر حسد لے جاتا ہے۔ اس کے زوالِ نعمت کو دوست رکھتا ہے۔ اکثر کفار کا حسد رسولِ مختارؐ کے ساتھ اسی قسم کا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہم کیونکر تحمل وصبر کریں کہ ہم پر ایک طفلِ فقیر ویتیم سبقت لے جائے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ

''ہمارے دو شہروں میں سے کسی مردِ عظیم پر قرآن کیوں نہ نازل ہوا ایک مردِ



مفلس وبے یار پر جو نازل ہوا۔''

(۷) تعجب باعثِ حسد ہوتا ہے مثلاً جب کسی حاسد کی نظر میں محسود حقیر اور کم درجے والا ہو۔ وہ نعمتِ عظیم سے سرفراز ہو جائے تو یہ شخص تعجب کرتا ہے کہ ایسا شخص ایسی نعمت پر پہنچا اس لیے اس سے حسد کرتا ہے اس کے زوالِ نعمت کا خواہاں ہوتا ہے اسی طرح امتوں نے حسد اپنے پیغمبروں پر کیا اور کہا:

''کیا تم لوگ ہمارے مانند نہیں ہو۔ پھر کیونکر خلعت نبوت وتاجِ کرامت کے سزاوار ہوئے اور وحی رسالت کا مرتبہ پایا۔''

واضح ہو کہ اکثر اوقات کئی ایک اسباب مذکورہ یا تمام ایک شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو اس وقت حسد کو نہایت تقویت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حسد اس درجہ قوت پکڑتا ہے کہ اس کا صاحب ہر کسی کی نعمت کو اپنے ہی لیے چاہتا ہے اور ہر ایک کی خیر اور بہتری اپنے لیے پسند کرتا یہ جہل وحماقت ہے۔

## فائدہ

اسباب مذکورہ اکثر ایسے اشخاص میں پائے جاتے ہیں جو آپس میں ربط وملاقات رکھتے ہوں جن کی محفلوں میں آمد ورفت رہتی ہو جن کا مطلب ومقصد ایک ہی ہو۔ ایسے اشخاص میں جو دوسرے شہر دور و دراز میں سکونت پذیر ہیں کوئی حسد نہیں ہوتا کیونکہ ان میں کوئی ربط وشناسائی نہیں ہوتی زیادہ تر ایک ہر کسب اور ہنر والا دوسرے اسی کسب اور ہنر والے پر حسد کرتا ہے نہ دوسرے قسم کے کسب اور ہنر والے پر۔ چونکہ ان کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کے مزاحم ومعترض ہوتے ہیں ایسا ہی ایک عالم دوسرے عالم سے حسد کرتا ہے اور ایک تاجر دوسرے تاجر سے۔ عالم وتاجر ایک دوسرے سے ہرگز حسد نہیں کرتے۔ ان تمام کا باعث ومنشاء محبت دنیائے دنی اور اس کے حصول نفع کا مقصد ہے۔ کیونکہ تنگی وکمی دنیا اور انحصار منفعت کے سبب سے یہ نزاع وخصومت پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی کو منصب ومال دنیویہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہو جب تک اس کے ہاتھ سے وہ مال ومنصب نہ نکل جائے' اس وقت تک دوسرے کو وہ منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ بخلاف نفعِ آخرت کے۔ چونکہ اس کی تنگی وکمی نہیں ہے اس لیے ان میں کوئی نزاع وخصومت

پیدا نہیں ہوتی۔

پس اس کی ایک مثال علم حقیقی و معرفتِ خدا ہے۔ جو شخص حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی صفات جلال و جمال کا طالب۔ اس کی عجائب صنائع کا جاننے والا ہو تو ایسا دوسرا عالم اس سے حسد نہیں کرتا۔ کونکہ ان علماء کی زیادتی دوسرے عالم کے علم کو کم نہیں کرتی بلکہ ان کی زیادتی باعثِ لذت وخوشی ہوتی ہے۔ ایسا ہی مرتبہ قربِ خدا اس کی محبت اور آخرت کی نعمتوں کا شوق ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ علمائے آخرت میں حسد وعداوت نہیں ہوتی بلکہ ان کی کثرت ان کو مسرور کرتی ہے۔ چونکہ علمائے دنیا میں حسد اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ علم سے ان کا مقصود مال وجاہ اور قربِ امیر و بادشاہ ہوا کرتا ہے مال ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص تمام روئے زمین یا اس کے تمام اسباب کا مالک ہو جائے تو دوسرے اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بخلاف نعمتِ اُخروی کے کہ جس کی انتہا نہیں ہے۔ منجملہ ان کے اگر کوئی کسی نعمت کا مال ہو تو دوسرا شخص اس کی ممانعت نہیں کرتا اور نہ کوئی عالم دوسرے کی تعلیم سے منع کرتا ہے چونکہ منشائے حسد جو امر اصلی ہوتا ہے وہ تمام کے لیے کفایت نہیں کرتا اور سب کے مطلب کو پورا نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے یہ صفتِ بد گرفتاری زنداں دنیوی ہے۔ لہٰذا آپ اپنے پر مہربانی کیجئے جو نعمت راحت وعیش جاودانی کا حکم رکھتی ہے اس کو طلب کیجئے جس کا مزاحم کوئی نہیں ہے۔ اس لذت کو تلاش کیجئے جس میں کوئی خرابی نہیں۔ اس مال کو حاصل کیجئے جس پر چوروں کا دستِ تصرف نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نعمت معرفت خدا اور اس کی محبت ہے۔ اس کی مشیت وارادہ کی تسلیم ورضامندی ہے۔ اگر آپ کو یہ لذات حاصل نہ ہوں تو اس کے مقام بلند کا اشتیاق نہ رکھئے۔

واضح ہو کہ آپ کا جوہر ذاتی معیوب اور عالم نور و بہجت سے دور ہے۔ شیطانِ لعین آپ کے قریب ہے۔ اس نے آپ کو فریب دیا ہے۔ اپنی طرح مشاہدہ انوار عالم قدس سے محروم رکھا ہے۔ اس لیے آپ عنقریب بہائم و شیاطین کے ساتھ محشور اور اسفل السافلین میں اس کے ساتھ طوق و زنجیر میں ہوں گے۔ جیسا کے اب خراب اور کم درجہ کی لذتوں میں گرفتار ہیں۔ جب کہ آپ کو معرفتِ پروردگار کے اوراک کا مرتبہ بہجت وسرور اس کی محبت وانس حاصل نہیں ہے تو گویا آپ کی مثال اس طفل وعنین کی سی ہے جو لذت جماع سے واقفیت نہ رکھتا ہو جیسا کے مردانِ صحیح المزاج کے لیے لذتِ معرفتِ خدا کا اوراک مخصوص ہے۔



# فصل نمبر (۲)

## معالجہ مرضِ حَسد

واضح ہو کہ جب آپ معلوم کر چکے کہ مرض حسد منجملہ امراضِ مہلکہ نفسانیہ کے ہے۔ لہٰذا اس کے معالجہ میں کوشش کیجئے۔ جیسا کہ حصہ اول میں مذکورہ ہوا کہ امراضِ نفسانیہ کا علاج معجون مرکب علم وعمل سے ہوا کرتا ہے۔ مگر علم اس مرض کے لیے مجرب ہے۔ وہ یہ کہ ابتداء اس عاریت سرا کی بے ثباتی پر تامل کیجئے اپنے محسود کی موت کو یاد کیجئے۔

یہ خیال کیجئے کہ یہ دنیائے چندروزہ اس قابل نہیں کہ جس کے واسطے سے بندگانِ خدا پر حسد کیا جا سکے۔

دنیا آں قدر ندارد کہ برآں رشک برند
اے برادر کہ نہ محسود بماند نہ حُسود !

چشم زدن میں حاسد و محسود خاک میں پوشیدہ ہو کر نیست و نابود ہو جائیں گے صفحہ روزگار سے ان کا نام محو ہو جائے گا۔ اس عالم میں اپنے کام سے عاجز رہیں گے۔

آپ غور کیجئے کہ کسی پر حسد کرنا اپنے دین و دنیا کو نقصان پہنچانا ہے محسود کو مطلقاً کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کو دنیا آخرت کا نفع حاصل ہوتا ہے مگر یہ حسد حاسد کو دنیا میں ہی ضرر پہنچاتا ہے۔ علاوہ اس کے حاسد قضاء وقدر پروردگار پر غیظ وغضب کرتا ہے وہ عطا جو آفریدگار نے بندوں پر تقسیم فرمائی ہے اس کو پسند نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ اس کے احکام نادرست ہیں عدالت پر مبنی نہیں ایسا جاننے والا خداوند عالم کے ساتھ ضد اور دشمنی پیدا کرتا ہے جس کے باعث ایمان و توحید فاسد ہوتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دوسرے کو ضرر پہنچائے خود ضرر اٹھاتا ہے باوجود ان تمام خرابیوں کے حسد کینہ وعداوت وترک دوستی پر آمادہ کرتا ہے مومنین کو مبتلائے بلا دیکھ کر شادی و خوشی کرنے میں ہم خیال شیطان ہوتا ہے جو نعمت کسی مومن کو خدا دیتا ہے حاسد کے دل پر اس کا بار غم عائد ہوتا ہے جو بلا اس سے دفع ہوتی ہے وہی حاسد کی جان پر نازل ہوتی ہے اس لئے وہ ہمیشہ مغموم ومخزون وتنگ دل و پریشان خاطر رہتا ہے جو برائی اپنے دشمن کے لیے چاہتا ہے وہی اپنے

جان کے واسطے خرید کرتا ہے حسد کرنا کس قدر نادانی ہے کہ اپنے دین و دنیا کو خراب کیا جائے ۔معرض غضب پروردگار اور طرح طرح کے رنج والم میں اپنے کو ڈالا جائے ۔فیاض علی الاطلاق نے اپنے بندوں پر جو عزت و کمال و نعمت و حیات جس مدت معینہ کے لیے مقرر فرمائی ہے ۔اگر اس کو تمام جن وانس متفق ہو کر کم و زیادہ کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ۔کسی کی تقدیر و تدبیر مانع نہیں ہوتی اور نہ کوئی حیلہ اس کو دفع کر سکتا ہے ۔اگر حاسد کے حسد سے کسی کی نعمت زائل ہو جاتی تو عالم میں کوئی شخص صاحبِ نعمت نہ رہتا ۔کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کے بہت سے حاسد نہ ہوں ۔ایسی صورت میں محسود بیچارہ کے بھی ضرور دوسرے حاسد ہوں گے ۔اگر حاسد محسود کے ضرر پہنچانے کی کوئی تدبیر پیدا کرے تو اس حسود کا حاسد بھی اس کی نعمت زائل نہیں ہوتی اور کو مطلقاً کوئی ضرر دنیوی نہیں پہنچتا اور نہ وہ گنہگار رہتا ہے بلکہ حاسد کے حسد سے اس کو نفع اُخروی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی غیبت یا اس پر بہتان لگایا جائے اس کے حق میں ناحق باتیں کہی جائیں ۔اس کی برائیوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ اپنے حسنات و طاعات کو اپنے دیوان عمل سے اس کے دفتر اعمال میں نقل کرتا ہے اور اس کے گناہوں کو اپنے نامہ اعمال میں ثبت ۔اسی وجہ سے حاسد بازار قیامت میں تہی دست و مفلس آئے گا ۔جیسا کے دنیا میں ہمیشہ محزون و غمگین رہا ۔حاسد اپنے دشمنوں کے مقصد کو پورا کرتا ہے ۔ان کی مراد کو بر لاتا ہے ۔حقیقتاً حاسد اپنا دشمن ہے اور دشمنوں کا دوست ۔

اگر کوئی شخص بیان مذکور الصدر پر تامل کرے تو البتہ صفت حسد کے زوال کی کوشش کرے گا ۔مگر مرض حسد کو شفا دینے والا عمل نافع و مجرب یہ ہے کہ اس شخص کی جس پر حسد کیا جاتا ہے ۔ہمیشہ خیر خواہی کی عادت کرے ۔خلاف مقتضائے حسد ہمیشہ اس سے عملدرآمد رکھے ۔اگر اس کی غیبت و بدگوئی کی گئی ہے تو مجمع اور محفلوں میں اس کی مدح و ثنا کرے ۔اگر اس کی ملاقات بری معلوم ہوتی ہو ۔نفس شوم ترش روئی اور گفتگوئے سخت پر آمادہ کرتا ہو تو خوش کلامی و شگفتہ روئی میں پیش آنا چاہیے ۔اگر حسد انعام و احسان کا مانع ہوتا ہے تو اس پر بذل و عطا کی جائے ۔جب اس طرح عمل کیا جائے گا تو ضرور مادہ حسد زائل ہو جائے گا ۔اس کو آپ دل سے دوست رکھیں گے ۔

یہ بیان صفت حسد کے معالجہ کلیہ کے متعلق ہے ہر ایک قسم مثلاً حبِ ریاست ' کبر ' حرص ' خباثتِ نفس وغیرہ کے لیے انکا علاج مخصوص ہے ۔



# فائدہ

جاننا چاہیے کہ حسد کے ذریعہ سے دو صورتیں پیش آتی ہیں :-

۱: یہ کہ حاسد محسود کے حق میں افعال و اقوال ناپسندیدہ ظاہر کرتا ہے اس کی غیبت و بد گوئی میں زبان کھولتا ہے اس پر تکبر و فخر کرتا ہے کہ حسد ظاہر ہو ۔

۲: یہ کہ حاسد اپنے کو اس کے اظہار سے پوشیدہ رکھتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جو اجتناب حسد پر دلالت کرتے ہیں لیکن باطن میں اس کے زوال کا طالب اس کی مصیبت والم کا راغب ہوتا ہے اپنے ایسی حالت پر ہرگز خشمناک نہیں ہوتا ۔

کوئی شک نہیں کہ ہر دو اقسام مذکورہ مذموم ہیں ۔ایسا شخص شرعاً و عقلاً معتوب و مغموم : ہر صورت میں اس کا نفس بیمار ہے اور ظلمت و کدورت میں گرفتار ۔

صورتِ اوّل میں مرض حسد میں مبتلا ہونے کے علاوہ اس سے اور گناہ بھی صادر ہوتے ہیں ۔اس کے مظلمہ و وبال سے نجات حاصل نہیں ہوتی ۔

مگر صورتِ دوم طریقہ مظلمہ سے پاک ہے ۔

اگر ایسی حالت ہو کہ آثارِ حسد بھی اس سے ظاہر نہ ہوں پھر اپنے پر خشمناک ہوتا ہے اس صفت سے متصف ہونے کو مکروہ جانتا ہے ۔اگر کبھی حسد کا اثر اس سے سہواً ظاہر ہو جائے تو اپنے پر عتاب کرتا ہے ۔اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ۔اس حسدِ باطنی پر غضبناک ہونے سے اس کی ظلمتِ حسد نور سے بدل جاتی ہے صرف میلانِ قلبی پر کوئی معصیت مترتب نہ ہوگی ۔کیونکہ وہ اس کی حدِ اختیار سے باہر ہے ۔تغیرِ طبیعت اور اسے اس مرتبہ پر پہنچانا کہ نیکی و بدی میں کوئی تفاوت نہ رہے اور بلا و نعمت و رنج و راحت اس کے نزدیک مساوی ہوں ۔تو یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے اور نہ یہ مرتبہ ہر شخص حاصل کر سکتا ہے ۔

ہاں ایسا شخص جس کے خانہ دل پر انوار معرفت پروردگار کا پرتو پڑا ہو ۔روشنی شمع محبت نے جس کے میدانِ نفس پر جھلک ڈالی ہو اس کی یاد نے تمام کی یاد کو بھلا دیا ہو ۔مشاہدہ جمالِ ازل سے والہ و مدہوش اور بادۂ محبت محبوبِ حقیقی سے مست و بے ہوش ہو ۔تمام آفرینش کا اسی کو پیدا کرنے والا تمام موجودات کو اسی کی رشحاتِ وجود کا ایک رشحہ تمام کائنات کو اسی کی دریائے فیض وجود

ذاتِ اقدس کا ایک قطرہ جانتا ہو۔تمامی اطفالِ آفرینش کو ایک ہی پستان کا پرورش یافتہ جملہ تشنہ لبانِ عالم کو ایک ہی سرچشمہ کا پانی پینے ولا برہنگان بادیہ امکان کو ایک ہی خلعت و جود سے سرفرازی کا یقین رکھتا ہوتو وہ تمام عالم کو بہ نظر دوستی ومحبت دیکھتا ہے۔سب کو ایک ہی مولا کا بندہ سمجھتا ہے وہ کسی پرنگاہِ بد نہیں ڈالتا۔اسی وجہ سے جو کچھ اس پر وارد ہوتا ہے راضی بہ رضا بتائے' چونکہ جس کو جس قدر محبت ہوتی ہے اسی قدر بلا میں شاد ہوتا ہے اور جو کچھ اس کو حاصل ہوا اس سے خوشنود۔

نہ از خارش غم دامن دریدن
نہ از تیغش ہر اس سر بریدن

# فصل نمبر (۳)

# ضدِ حسد جس کو نصیحت کہتے ہیں

واضح ہو کہ حسد کی ضد نصیحت ہے۔ یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کی اصلاح اور بہودی کے لیے کوئی خیر و نعمت چاہنے کو نصیحت کہتے ہیں۔یہ ایک صفت بزرگ ہے جو شخص مسلمانوں کی خیر خواہی کا طالب ہو اور جوان کو نیکی پہنچانے میں شریک ہو تو وہ حصولِ ثواب میں اس شخص کے مانند ہے جس نے حقیقتاً نیکی کی ہے اخبار سے ثابت ہے کہ کوئی شخص بذریعہ اعمالِ نیک نیکوں کے درجہ پر فائز نہیں ہوتا۔مگر یہ کہ جس چیز کو دوست رکھتا ہے روزِ قیامت اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔

ایک شخص نے حضرت پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ:

''قیامت کس روز ہے۔''

حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''تو نے اس روز کے لیے کیا چیز مہیا کی ہے۔''

اس نے عرض کیا کہ:

''روزہ و نماز کی زیادتی میں نے مہیا نہیں کی لیکن خدا اور رسول صلعم کو دوست رکھتا ہوں۔''

حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جس کو تو دوست رکھتا ہے۔اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔''



بندگانِ خدا کی خیر خواہی میں اس قدر اخبار آئے ہیں کہ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ قیامت میں خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ عظیم ہو گیا جس نے دنیا میں خیر خواہی خلق اللہ میں کوشش وسعی کی ہو۔

نیز انھیں حضرت نے فرمایا کہ ہر ایک کو اپنے برادر دینی کی اس طرح خیر خواہی کرنا چاہیے جیسا کہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

پھر انھیں حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ:

''جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت میں کوشش اور اس کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو اس نے گویا خدا اور رسول سے خیانت کی۔''

مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک مرد کو زیر عرش دیکھ کر اس مرتبہ ومقام کی آرزو کی اور خداوند عالم سے وجہ عمل کو اس کے مرتبہ کے دریافت کیا تو خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اس نے دنیا میں آدمیوں پر حسد نہیں کیا ہے۔''

نصیحت وخیر خواہی اعلیٰ درجہ کی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہو وہ اپنے برادرِ دینی کے لیے بھی پسند کرے۔

## دُوسری صِفت

# بندگانِ خُدا کی اہانت کی مذمت اور ان کی تعظیم کی فضیلت

واضح ہو کہ خدا کی اہانت وحقارت کرنے کی صفت مذموم اور شرعاً حرام اور موجب ہلاکت ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے میرے کسی دوست کی اہانت کی تو گویا اس نے میرے ساتھ لڑائی پر کمر باندھی۔

دوسری حدیث میں اسی سرورؐ سے منقول ہے کہ پروردگار جل شانہ نے فرمایا کہ بہ تحقیق اس نے میرے ساتھ لڑائی کی جس نے کسی بندہ مومن کو ذلیل کیا ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن مسکین یا غیر مسکین کو حقیر کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اس وقت تک اس کو ذلیل وحقیر نہیں کرتا جب تک کہ حقیر کنندہ کو ذلیل وحقیر نہ کرے۔ اگر کوئی شخص خدا و بندہ میں جو نسبت ہے جو ربط خالق ومخلوق کے درمیان ہے اس کو سمجھ لے تو اس وقت جان سکتا ہے۔ کہ بندہ کی اہانت اس کے مالک کی اہانت ہے تحقیر مخلوق فی الحقیقہ ان کے خالق کی تحقیر ہے۔ اسی قدر مذمت میں اس صفت کی کافی ووافی ہے لہٰذا ہر عقلمند پر واجب ولازم ہے کہ ہمیشہ اس کا خیال رکھے۔ جو آثار واخبار مذمتِ اہانت بندگانِ خدا میں وارده ہوئے ہیں۔ ان کو ملاحظہ کرے اور اپنے کو اس صفتِ بد سے کنارہ کش رکھے تا کہ موجبِ رسوائی دنیا وآخرت نہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ ضد اہانت اکرام وتعظیم بندگانِ خدا ہے یہ بزرگی اعمال و فضائل افعال ہے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے غضب سے ایمن چاہتا ہے اس کو ہر ایک بندہ مومن کا اکرام کرنا چاہیے۔

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ میری امت کا کوئی بندہ اپنے برادر مومن کے



ساتھ مہربانی سے پیش آئے تو خدائے تعالےٰ اس کے لیے بہشت میں ایک خادم مقرر کرے گا۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو کوئی اپنے برادر مومن سے کوئی تکلیف دور کرے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں اگر اس کے سامنے تبسم ہو تو اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔

فرمایا کہ: ''جو کوئی اپنے بھائی کو مرحبا کہے۔ خدا تعالیٰ قیامت تک اس کے لیے مرحبا لکھتا ہے۔''

فرمایا کہ: ''جو کوئی اپنے برادر مسلمان کے پاس جائے وہ اس کی عزت کرے تو خدا تعالیٰ اس کی عزت کرتا ہے۔''

ایک روز اسحاق بن عمار سے فرمایا کہ اے اسحاق! میرے دوستوں کے ساتھ جس قدر ممکن ہو نیکی واحسان کر۔ کیوں کہ کوئی مومن کسی مومن کے ساتھ احسان واعانت نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ وہ ابلیس کے چہرے اور اس کے دل کو مجروح کرتا ہے۔ تمام امور اکرام وتعظیم سے یہ ہے نیز تجربہ سے ثابت ہے کہ جو شخص جس نظر سے دوسروں کو دیکھتا ہے تو دوسرے بھی اس کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عموماً ان اشخاص کا اکرام واعزاز بقدران کی لیاقت بلحاظ اعمالِ نیک بجالائیں۔ جن کی تعظیم وتکریم مخصوص کی گئی ہے۔ وہ اہل علم وفضل اور صاحبِ زہد وتقویٰ ہیں جو مسلمان سن رسیدہ ہیں ان کی تعظیم واکرام جوانوں پر لازم ہے جس کی نسبت زیادہ تاکید کی گئی۔

حضرت پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو شخص اپنے سے زیادہ عمر والے کی اعانت واحترام کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو خوفِ قیامت سے ایمن رکھتا ہے۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ:

''شیخ بزرگ کی بزرگی اور اس کی تعظیم۔ خدا کی بزرگی وتعظیم سمجھی جاتی ہے۔''

نیز فرمایا کہ:

''جو شخص بوڑھوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہیں۔''

سب سے زیادہ جس کا احترام کرنا چاہیے۔ وہ بزرگ طائفہ وکریم قوم ہے۔ تمام طائفہ سے جن کی زیادتی تعظیم وتکریم لازم کی گئی ہے۔ وہ سادات علویہ ہیں۔ جن کی مودت ومحبت اجر رسالت اور مزدوری نبوت ہے۔

حضرت رسالتؐ پناہ سے مروی ہے کہ:۔

فرمایا کہ:

’’جو شخص ہاتھ یا زبان یا مال سے میری ذریت کی اعانت کرے تو میں اس کی ضرور شفاعت کروں گا۔ جن کی میں بروز قیامت شفاعت کروں گا۔ وہ مندرجہ ذیل چار اشخاص ہیں۔ اگرچہ وہ تمام اہلِ دنیا کے گناہ اپنے ساتھ لائے ہوں۔

۱: جس نے میری ذریت کی عزت کی ہو۔

۲: جس نے ان کی حاجت روائی کی ہو۔

۳: جس نے ان کی پریشانی کے وقت مدد کی ہو۔

۴: جو ان کو دل و زبان سے دوست رکھتا ہو۔

نیز فرمایا کہ:

’’میری ذریت نیک کا خدا کے لیے اور ان کے بدوں کا میرے لئے اکرام کرو۔‘‘

فضیلت سادات اور ان کے اکرام و تعظیم کے ثواب میں بے حد احادیث ہیں لیکن بطور اختصار جو حوالۂ قلم کیا گیا وہ اہل ایمان کے لیے کافی و وافی ہے۔



# تیسری صفت

# مذمت ظلم وفساد ظالم کی اولاد سے خدا انتقام لیتا ہے!

## اعانت ظالم کی مذمت اور عدالتِ خاص

واضح ہو کہ حصہ اول میں بیان کیا گیا کہ ظلم کے دراصل معنی از روئے لغت بیجا کام کرنا۔ حد وسط پر قائم نہ رہنا ہے۔ اس معنی میں تمام رذائل جملہ ارتکابات قبیحہ شرعیہ وعقلیہ شامل ہیں۔ یہ معنی عام ہیں۔

دوسرے معنی ظلم کے یہ ہیں کہ ضرر اور اذیت پہنچانا یا مار ڈالنا یا مارنا یا دشنام دہی و فحش کہنا یا غیبت یا کسی کے مال کو بغیر حق تصرف لے لینا۔ یا کسی طریقہ سے بذریعہ قول یا فعل ایذا دینا۔ یہ معنی خاص ہیں۔ زیادہ تر آیات و اخبار ہو اس بارے میں ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہی مقصود ہیں۔

پس اگر باعث ظلم عداوت و کینہ ہو تو اس کا تعلق قوتِ غضبیہ سے ہوگا۔ اگر موجب حرص و طمع مال ہو تو یہ قوتِ شہویہ کی طرف منسوب ہوگا۔ بہرحال باجماع تمام طوائف عالم باتفاق تمام بنی آدم ظلم معصیت عظیم ہے اس کا عذاب سخت اس کی ندامت زیادہ اس کا وبال بہت بڑا ہے۔

قرآن مجید میں اکثر مقام پر ظالموں پر لعنت وارد ہوئی ہے اکثر اخبار میں ان کی نسبت سخت برائی اور تہدید ثابت ہے اگر اور کوئی تہدید بھی نہ ہو تو یہ آئیہ مبارکہ ظالموں کے لیے کافی ہے کہ پروردگار نے فرمایا کہ:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾

یعنی: ’’عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم وستم کیا ہے یہ جان لیں گے کہ کس کروٹ وہ پلٹتے ہیں۔‘‘ (سورہ شعراء)

جو شخص بندگانِ خدا پر ستم کرتا ہے اس کی ہرگز بخشش نہیں۔

حضرت پیغمبر خدا سے مروی ہے کہ خدا کے نزدیک پست ترین و ذلیل ترین خلق وہ شخص

ہے جو مسلمانوں پر قدرت و اختیار رکھتا ہو مگر وہ ان کے ساتھ راستی سے برتاؤ نہ کرے۔

اسی سرورؐ سے دوسری حدیث میں مروی ہے کہ ایک ساعتِ کا ظلم و جور خدا کے نزدیک ستر سال کے گناہوں سے بدتر ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص انتقامِ ظلم سے ڈرتا ہے وہ بالضرور ظلم نہیں کرتا۔ منتقم حقیقی ہر ظلم کا انتقام لیتا ہے اور اس کا عوض اس کو پہنچاتا ہے۔

خداوند معبود نے حضرت داؤدؑ کو وحی کی کہ ظالموں سے کہیں کہ مجھ کو یاد نہ کریں کیونکہ ان میں سے جو کوئی مجھ کو یاد کرتا ہے اس پر مجھ کو لعن کرنا واجب ہے۔

حضرت سید سجادؑ نے بوقتِ وفات حضرت امام باقرؑ سے فرمایا کہ ہرگز شخص عاجز پر ظلم نہ کرو۔ وہ درگاہ مالک الملوک کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ منتقم حقیقی کو بدلہ لینے کے لیے بلاتا ہے جب آپ دوسروں پر قدرت و اختیار رکھتے ہیں تو کسی بیچارے بیکس کو ایذا نہ دیجئے کہ کوئی دوسرا بھی آپ کی ایذا دہی پر آمادہ ہو جائے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو خدا اس کے ظلم کو اسی کی جان و مال کی طرف پھیرتا ہے۔

ایک حاکمِ موضع نے اس والئ ولایت و امامت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آیا میرے واسطے توبہ ہے۔

فرمایا کہ نہیں۔ مگر اس وقت تک کہ دوسروں کے حقوق ادا نہ ہوں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ تفسیر میں اس قول خدا کے

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ

فرمایا کہ وہ ظلم شدید و بدتر ہے کہ کسی ایسے عاجز و بیکس پر کیا جائے کہ بجز خداوند قہار کے کوئی یار و مددگار نہ رکھتا ہو ایسا ظالم پل صراط سے نہیں گزر سکتا۔

نیز فرمایا کہ جو شخص ناحق کسی برادر مومن کا مال کھا جائے اور اس کو واپس نہ دے تو قیامت میں اس کو دوزخ کی آگ کھلائی جائے گی۔

انہی جناب سے مروی ہے کہ پروردگار نے کسی بادشاہ ظالم کے عہد حکومت میں کسی



پیغمبر کو وحی فرمائی کہ اس کو میری طرف سے یہ پیام پہنچائیں کہ میں نے تجھ کو بے گناہوں کا خون کرنے، آدمیوں کا مال لے لینے کے لئے بادشاہ نہیں بنایا بلکہ اس لیے صاحبِ اختیار کیا ہے کہ مظلوموں کی داد رسی کو پہنچے۔ میں ہرگز کسی پر ظلم کرنا پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر ہو۔ بادشاہ مثل چرواہے کہ ہے۔ تمام مخلوق کو اس کی رعیت بنایا گیا ہے تاکہ ان کی حفاظت کرے۔ اگر ان کی حفاظت میں کسی قسم کی غفلت و کوتاہی کی جائے تو اس سے وہ اختیار سلب کرتا ہوں۔ اس سے قیامت میں حساب لیتا ہوں۔

نیز ان جنابؑ نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر ظلم وبدی کرتا ہے۔ آیا اسے اپنے ساتھ بھی کسی کا ستم و بدی کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ کوئی تخم تلخ سے میوۂ شیریں حاصل نہیں کرتا اور تخمِ شیریں بار تلخ نہیں دیتا۔ جب ابنائے روزگار ظلم و ستم بیجا طرح طرح کے کرتے ہیں۔ اگر کبھی ورق زمانہ الٹ جائے، ظلم سے ان کا ہاتھ کوتاہ اور زمانہ بدلہ لینے پر آمادہ ہو تو تعجب نہیں کہ وہ بھی مثل ان کے نالہ و فریاد کریں گے۔ اگر کوئی شخص ان کے ظلم کے دفع میں سعی و سفارش نہ کرے تو اس پر ملامت و سرزنش کریں گے۔

افسوس صد افسوس جو لوگ ظلم کرتے ہیں۔ وہ اس امر سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں کہ ضرور بالضرور کسی نہ کسی وقت زمانہ ان پر ویسا ہی اثر ڈالتا ہے جیسا کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص ظلم کرتا ہے تو خداوند عالم بھی اس پر یا اس کی اولاد یا اس کی اولاد کی اولاد پر کسی ظالم کو مسلط کرتا ہے خداوند عادل کا عدل کیونکر قبول کر سکتا ہے کہ زیر دست کو کوئی زبردست ایذا پہنچائے وہ اس کے عوض کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ حضرت مالک الملوک بھی اس کا عوض نہ لے۔

راوی کہتا ہے کہ جب حضرتؑ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔

تو میں نے عرض کیا کہ: ''جو شخص ظلم کرتا ہے تو کیا خدا اس پر اور اس کی اولاد پر ظالم کو مسلط کرتا ہے؟''

فرمایا کہ ہاں!

کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا

عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ⑨

خلاصہ معنی یہ کہ: ''وہ لوگ جن کی اولاد بیکس و عاجز اور باقی رہنے والی ہو وہ خائف رہیں ہر کسی پر مہربان ہوں۔ رحم کریں اور ظلم سے پرہیز۔'' (سورہ نساء)

جامع السعادات میں مذکورہ ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا ظلم اس کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے باپ کے ظلم پر راضی رہے یا جن کے باپ کے ظلم کا کوئی اثر اس اولاد پر پڑتا ہو۔ مثلاً کوئی مال ان کی طرف منتقل ہوا ہو۔

بعض علماء نے اس بارے میں اس طرح صراحت کی ہے کہ دنیا مقام مکافات اور انتقام ہے اس لیے ہر ظلم کی مکافات دنیا میں ہی ہونی چاہیے۔ مگر بعض کی بروزِ قیامت۔ یہ انتقام بھی ظالم و مظلوم کے لیے مفید ہے۔ ظالم کے لیے اس وجہ سے کہ جب ظالم کو آگاہی ہو جائے گی کہ دنیا میں ہی ظلم کی مکافات ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ وہ ظلم نہ کرے گا۔

مظلوم کے لیے اس سبب سے کہ جب اس کو علم ہو جائے گا تو شاد و خرم ہوگا۔ علاوہ اس کے دنیا میں آخرت کے ثواب پر شاداں۔

اب رہی ظلم کی وہ مکافات جو ظالم کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو پہنچی ہے۔ حالانکہ ظاہراً یہ ظلم معلوم ہوتا ہے لیکن باطناً اس کے لیے خدا کی ایک نعمت ہے۔ کیونکہ اس میں دوسروں کے لیے بھی فائدہ ہے اگر کوئی معمولی عقل و شعور والا ہو۔ اپنا اور اپنی اولاد کا دشمن نہ ہو۔ موت و حشر کے حساب و عقاب پر اعتقاد رکھتا ہو تو وہ ضرور کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا۔ مگر تعجب ان پر ہے کہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ حشر و نشر اور بہشت و دوزخ کا دعویٰ بالیقین رکھتے ہیں۔ باوجود ظالم کے احوال کو معائینہ کرنے کے ہمیشہ زیر دستوں اور ضعیفوں پر ظلم وستم کرتے ہیں حکم حاکم عادل و مالک الملوک اور سطوت و قہر جبار سموات وارضین سے خائف نہیں ہوتے۔ نہ رسوائی سے جو بحضوری انبیاء و ملائکہ اور باقی اہلیان محشر کے اندیشہ کرتے ہیں نہ پروردگار کے کسی خوف و تہدید سے کوئی خوف لاحق ہوتا ہے۔ مظلوم کے اختیار و قدرت کا وہ دن ظالم کے اس روزِ قدرت سے جو مظلوم پر رکھتا تھا۔ نہایت شدید و سخت ہوگا۔

اے ظلم کرنے والو!



ذرا خیال کرو کہ تم پر بھی کوئی بالادست ہے۔ کوئی دوسرا کمیں گاہ میں انتقام لینے والا موجود ہے۔ روزِ قیامت کو یاد کرو۔ مواخذہ کی فکر کرو۔ اپنے کو پروردگار کے سامنے کھڑا ہوا سمجھو۔ ظلم وستم بیچارگاں کے جواب کے لیے مہیا رہو۔ جب آپ کے ہاتھ میں بندگان خدا کی عنان اختیار دی گئی ہے اور خلعتِ مہتری وسروری سے آپ سرفراز ہیں تو اس روز کو یاد کیجئے کہ جب دیوان اکبر ملوک وسلاطین عدالت گستر، عدل و انصاف پر مستعد آمادہ ہوگا تو آپ لباس یاس زیب تن کر کے اور خاکِ مصیبت سر پر ڈال کر اشکِ حسرت نہ بہائیں۔ دستِ ندامت سر پر نہ ماریں۔ حضرت ربّ العزت نے آپ کو جو شان و شوکت عطا فرمائی ہے وہ آپ کے ظلم وستم کے باعث کہیں سلب نہ کر لے۔

چنانچہ والئی مملکت عدالت اور سریر آرائے کشور ولایت نے فرمایا کہ:

''جس بادشاہ کو خدا تعالیٰ نے قوت و سلطنت عطا کی ہو وہ بندگانِ خدا پر ظلم وستم کی بنا ڈالے تو خدا تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس قوت وسلطنت کو واپس لے لے۔''

اُسی حضرت کا یہ قول ہدایت پر مبنی ہے کہ:

بِالظُّلۡمِ تَزُوۡلُ النِّعَمُ

یعنی: ''بسبب ظلم کے ان کی نعمتیں زائل اور نکبت سے بدل جاتی ہیں۔''

بدبختی سے ملک و مملکت کی حالت خراب ہوتی ہے اور تخت و دولت ویران اور برباد۔ کافر کی بادشاہی عدالت کے باعث قائم و پائیدار رہتی ہے اور مسلمان کی بادشاہت باوجود ایمان رکھنے کے غیر مستقل و ناپید۔

بسا اوقات ظالم کسی ایسے بیچارے پر ظلم کرتا ہے جس کی چارہ جوئی کہیں نہ ہو اور جس کی امید منقطع ہو چکی ہو تو آخر کار وہ بیچارہ عاجز ہو کر اس بادشاہ لم یزل ولایزال کی درگاہ میں دادخواہی چاہتا ہے۔ جس کی رحمت عاجزوں اور جس کی مرحمت بیکسیوں کی فریاد کو پہنچتی ہے۔ اس کے دیوانِ عدل کا سردار اس کی دادخواہی کے باعث اس ظالم کے دستِ اقتدار کو زیر تیغ انتقام رکھتا ہے۔ اس کا کوتوال سیاست اس ظالم کی گردن میں رسن عجز ڈال کر اس کے مکافات کے عوض میں دوڑاتا ہے ظالم کے ضرب سے کوئی مظلوم مضطرب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کا حاکم غضب ظالم کو تکلیف نہ

پہنچائے۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ ظلم کرنے سے خوف کرو۔ کیونکہ مظلوم کی دعا مقامِ اجابت تک پہنچتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے کہا کہ میں بہ نسبت نیزہ جوانمرو کے اس بوڑھی عورت کے تیر آہ سے جو مظلومہ ہو زیادہ خوف کرتا ہوں۔ کیونکہ ظلم وستم باعث پریشانی رعیت ہے اور موجب ویرانی مملکت۔

علاوہ اس کے اس ستمگار کا نام اطراف واکناف میں مشہور ہوتا ہے اور ہر ایک کا دل اس سے متنفر۔ سالہا سال اس کی بدنامی ورسوائی اس کے خاندان میں باقی رہتی ہے۔ اس کو زمانہ بدی سے یاد کرتا کتا ہے۔ اس سے زیادہ کون سی زیاں کاری بدتر ہوگی۔

## مذمت اعانت ظلم

واضح ہو کہ جس طرح دنیا وآخرت میں ظالم پر عذاب وملامت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی اعانت کی جائے یا اس کے فعل وعمل پر راضی ہو یا اس کی خدمت وحاجت برلانے میں ساعی۔ پس یہ تمام اشخاص بھی ظالم کی طرح گنہگار ہیں۔

جیسا کہ حضرت صادق سے مروی ہے کہ جو شخص کسی پر ظلم کرے یا کوئی کسی کے ظلم پر راضی ہو (یعنی دفعِ ظلم میں کسی طرح کی امداد نہ کرے) یا جس نے ظالم کی اعانت کی۔ یہ تینوں اشخاص ظالم ہیں اور شریک ظلم۔

نیز فرمایا کہ جو شخص ظالم کے ظلم میں اعانت کرے گا تو خدا اس پر بھی ایک ظالم کو مسلط کرے گا کہ اس پر ظلم کیا جائے اگر وہ اس کے دفعِ ظلم کی دعا کرے تو اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی اور اس کے لیے کوئی اجر بھی نہیں۔

مروی ہے کہ سید رسلؐ نے فرمایا کہ:

''مثلث بدترین مردم ہے۔''

عرض کیا گیا کہ:

''مثلث کون ہے؟''



فرمایا کہ:

''وہ چغل خور ہے جس کے باعث تین شخصوں کی ہلاکت وقوع میں آتی ہے:۔

ا: خود اس کی جس نے معصیت بدگوئی کی ہے۔

۲: اس حاکمِ ظالم کی جس کے سامنے بدی کی گئی اور وہ اس کے باعث مظلوم پر ظلم کرے۔

۳: اس مظلوم کی بہ سبب اس تکلیف وایذا کے جو اس کو پہنچائی گئی اور اس کے حق کو ضائع کیا۔

نیز فرمایا کہ اگر باوجود علم کسی ظالم کی اعانت ویاری کی جائے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے باہر ہوتا ہے اور داخلِ کُفر۔

نیز اسی جناب سے مروی ہے کہ جب قیامت ہوگی تو منادی ندا کرے گا کہ کہاں ہیں ظالم اور وہ اشخاص جو ظالموں کے مانند وہم شبیہ ہیں یہاں تک کہ جس نے ان کے لیے کوئی قلم تراشا ہو یا ان کے لیے دوات درست کی ہو پس ان تمام کو ایک تابوت آہنی میں بٹھا کر جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔ نیز ظالموں کے ہم شبیہ وہ ہیں جو ان کے ظلم پر راضی رہیں۔

## عدالت کی مدح وشرافت

واضح ہو کہ ظلم کی ضد عدالت ہے جس کی طرف حصہ اول میں اشارہ کیا گیا۔ وہ یہ کہ اپنے کو ظلم وستم سے باز رکھنے اور بقدر امکان ایک دوسرے کے ظلم کو ان سے دفع کرنے اور ہر کسی کے حقوق کو قائم رکھنے سے مراد لی گئی ہے اور یہ معنی خاص ہیں اکثر آیات واخبار میں عدالت کے یہی معنی لیے گئے ہیں۔

صفت عدالت کی بزرگی حدِ بیان سے باہر ہے اور اس کی فضیلت شرح سے افزوں۔ وہ ایک تاج ہے کہ جب کسی بادشاہ کے سر کو اس سے زینت دی جاتی ہے تو وہی منصبِ بلند ظلِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے۔ وہ ایک خلعت پر قیمت ہے کہ جب کسی سلطان کی قامت پر آراستہ کیا جاتا ہے تو وہ تمام خلائق میں مرتبہ جلیلہ عالم پناہی پر ممتاز ہوتا ہے اور یہ سکہ مبارکہ دار الضرب عنایت پروردگار میں جس نامدار کے نام نامی سے بنایا جائے تو اس کا نام نیک تا قیام قیامت صفحہ روزگار پر زینت بخش ورائج رہتا ہے اور یہ توفیق بلند دفتر خانہ مکرمت آفریدگار میں جس کامگار کے

اسم سامی سے رقم زدہ ہو تو اسی کا اسمِ مبارک اَبد الا باد تک ذرۃ التاجِ سرِ سلاطین ذوی الاقتدار رہتا ہے۔ اس کی بزرگی کیونکر بیان کی جا سکتی ہے کیونکہ اس بنی نوع انسان کا انتظام جو تمام انواع مخلوقات سے اشرف اور اس سلسلہ ہستی بنی آدم کا بقا جو تمام ابنائے عالم سے افضل ہے۔ اس کے ساتھ تفویض کیا گیا ہے۔

حضرت خداوند متعال و بادشاہ لم یزل ولا یزال نے بذریعہ معمار قدرت و سرکار حکمت اراضی عالم امکان پر شہرستان ہستی کی بنا ڈالی اور بغرض آبادی صحرا نشینانِ عدم کو اس میں داخل کیا۔ تمام جماعت کو ایک شہر میں تمام قوم کو ایک مسکن میں جگہ دی۔ مقامِ بلند پر سات گنبد افلاک لاجوردی قائم کر کے گروہ آسمانی کا ان کو مقام قرار دیا۔ تحت میں سات طبق اراضی بنا کر گروہ خاکی کا ان میں مسکن بنایا۔ چونکہ یہ بنی نوع انسان ہر دو جماعت مذکورہ کے ساتھ متعلق و آشنا ہیں اور ہر دو فرقوں کے ساتھ منسوب و مخلوط اس لیے مقام وسط عناصر اربع کے لیے مخصوص گردانا۔ میدان ربع مسکون اور ساتوں دریاؤں کی بنا ڈال کر حضرت آدم ابو البشرؑ کو جبرائیل و میکائیل کے ساتھ اس مقام پر بھیجا۔ تمام مادیات کو ان کی خدمت کے لیے معین و مامور فرمایا۔ خورشید درخشاں کو مرتبہ خوان سالاری سے سرفراز فرمایا۔ اور ماہِ تاباں کو منصب مشعل داری سے ممتاز۔ ابر کو سقائی کی مشک دی گئی اور بادِ بہاری کو خدمت جاروب کشی۔

ابرو باد ومہ و خورشید و فلک درکارند
تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری

چونکہ بنی نوع انسان کا جامہ زندگانی خواہشات نفسانی کے تاگے سے بُنا ہوا ہے اور اس کا تارِ حیات طول امل کے رشتہ سے بٹا ہوا۔ اس لیے ہر ایک کو سو سو طرح کے ارتکاب فساد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور ہر ایک راہِ مستقیم انصاف سے انحراف کرتا ہے۔ طمع مال پر ناپاک بے باک کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور صاحب قوت کا دستِ ظلم ضعیفوں کے گریبان کی طرف دراز۔ اسی وجہ سے امر معیشت تباہ ہے اور تیاری خانہ آخرت میں ہاتھ دامنِ مقصود سے کوتاہ۔ لہٰذا ایسے سرگروہ اور فرمانروا کی ضرورت تھی کہ جس کی متابعت سب پر واجب و لازم ہو کہ شریروں کے شر سے مسکین وزیرِ دست امین و محفوظ رہیں اور اس کی عدالت کے باعث نعمت راحت سے بہرہ مند و محفوظ ہوں۔



اسی بناء پر حضرت حکیم علی الاطلاق نے ازراہِ رحمت و مہربانی ہر شہر کے باشندوں پر ایک سردار مقرر فرمایا اور اہلیانِ دیار پر ایک سالار تمام جماعت کا تعلق و انتظام اس صاحبِ دولت کے قبضہ و اختیار میں دیا کہ دیدہ بخت بیدار سے ہمیشہ عالم کی نگاہبانی میں مصروف رہے۔ ظالموں کے ناخنِ دست تظلم کہیں بیکسیوں کے دل و جگر کو مجروح نہ کریں۔ تیشۂ ظلمِ اہلِ فساد کہیں زیردستوں کے نخل مراد کو نہ کاٹے۔

پس سلاطین عدالت شعار اور شہنشاہ معدلتِ آثار حضرت مالک الملک کی جانب سے دفع ظلم و ستم کے واسطے مقرر ہوا ہے۔ نیز پاسبانی ناموس اور جان و مالِ اہل عالم کے لیے معین۔ اسی وجہ سے تمام خلائق سے مرتبہ میں ممتاز کیا گیا اور شرف خطاب ظل اللّٰہی سے سرفراز۔ تا کہ اس کی سلسلہ حیات و انتظام میں تمام بندوں کا امر معاش و معاد ہمیشہ باقی و قائم رہے۔ اس لیے عدل و داد کی مدح و ترغیب میں آیات و اخبار بے حد و بے شمار آئے ہیں۔

چنانچہ حضرت آفریدگار جل شانہ فرماتا ہے:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔

یعنی: ”بہ تحقیق کہ خدا تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دو اور آدمیوں پر عدل اور راستی کے ساتھ حکم کرو۔“

حضرت فخر کائناتؐ نے فرمایا کہ جب کوئی حاکم صبح کو بیدار ہوا اور کسی کے ظلم کا قصد نہ رکھتا ہو تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی کا ثواب اس بادشاہ سے زیادہ عظیم نہیں ہے جو عدل کی صفت سے موصوف ہو اور اس کا طریقہ نیک مشہور و معروف۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ:

جس بادشاہ نے شیرینئ عدالت کو چکھ لیا ہے وہ اس کے نزدیک شہد و شکر سے شیریں تر ہے اور خوشبو میں مشک و عنبر سے بہتر بادشاہِ عادل بے حساب داخل بہشت ہوں گے۔

نقل ہے کہ ایک بادشاہ کو طوافِ خانہ کعبہ کا شوق ہوا۔ اس نے سفرِ حجاز کا عزم کیا۔

اس کے ارکانِ دولت نے عرض کیا کہ اگر جاہ وحشم وسپاہ کے ساتھ اس سفر کا قصد ہو تو ان تمام کا مہیا ہونا متعذر رہے۔ اگر تخفیف کے ساتھ توجہ کی جائے۔ تو ہر طرح کے خطرے متصور۔ علاوہ اس کے جب بادشاہ اپنی مملکت میں موجود نہ ہو تو طرح طرح کی خرابیاں اس کے ملک میں واقع ہوتی ہیں اور رعیت پائیمال۔

بادشاہ نے کہا کہ: ”جب یہ سفر میسر نہ ہو تو اس کے حصولِ ثواب کی کیا تدبیر کی جائے۔“

سب نے عرض کیا کہ: ”اس شہر میں ایک عالم ہے اس نے سالہا سال حرم کی مجاورت او رکئی مرتبہ سعادتِ حج حاصل کی ہے۔ اگر اس سے کسی حج کا ثواب خرید کر لیا جائے تو مناسب ہے۔“

بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی اور خود اس عالم کی صحبت سے فیضیاب ہو کر اپنے مطلب دلی کا اظہار کیا۔

تو اس عالم نے کہا کہ: ”ہاں میں اپنے حجوں کا ثواب تجھ کو بیچتا ہوں۔“

اس نے کہا کہ: ”ہر قدم کا ثواب کا عوض تمام دنیا۔“

بادشاہ نے جواب دیا کہ: ”میں تھوڑا سا حصہ دنیا رکھتا ہوں۔ وہ بھی ایک قدم کی قیمت نہیں۔ پس یہ معاملہ کیونکر طے ہو سکتا ہے۔

اُس عالم نے کہا کہ:

”اس کی تدبیر آسان یہ ہے کہ بیکسوں اور بے چاروں کی دادخواہی وعدالت میں جو تیری ایک ساعت گزری ہو اس کا ثواب مجھ کو دیا جائے تو میں اپنے ستر حجوں کا ثواب تجھ کو بخش دیتا ہوں۔“

اگر کوئی شخص دیدہ بصیرت کھولے۔ نظرِ حقیقت سے دیکھے تو معلوم کر سکتا ہے کہ سلطنت وحکمرانی کی لذت عدل ودادخواہی میں ہے اور شہر یاری وفرمانروائی کا لطف کرم وفریاد رسی میں۔ اگر عدل ودادخواہی اختیار نہ کی جائے تو جاہ وحشم وطبل وعلم بیکار وفضول ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب اسکندر ذوالقرنین نے بزورِ شمشیر دنیا کو لینے کا قصد کیا۔ تو اس کی پیشانی خاطر سے آثار تفکر پیدا ہوئے اور اس کے آئینہ ضمیر میں غبار رنج والم ظاہر ہو۔

وزیر ارسطو نے عرض کیا کہ خداوند عالم کا شکر ہے کہ تمام ملک وسلطنت کا انتظام اچھی طرح اور خزانے موفور ہیں اور ممالک معمور، پھر باعثِ آزردگی کیا ہے؟



اسکندر نے فرمایا کہ ہر چند میں بنظر تامل غور کرتا ہوں کہ میری عمر کوتاہ ہے اور عرصہ دنیا اس قدر حقیر ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی تسخیر پر توجہ کی جائے مجھ کو شرم آتی ہے کہ اس دنیائے دنی و فانی میں اپنی سرہمت بلند کر کے نام آوری پیدا کی جائے۔

ارسطو نے جواب دیا کہ اس میں کیا شک۔ یہ مقام حقیر وپست آپ کی ہمت بلند کے لائق نہیں۔

سزاوار یہ ہے کہ باقی ممالک عالم کو بھی ضمیمہ ممالک محروسہ ذریعہ دادخواہی وعدل عالم آرا فرمائیں۔ جس طرح ضرب شمشیر سے ملک دنیا کو اپنے قبضہ اقتدار میں لایا جاتا ہے۔ اس طرح اس سلطنت بے زوال کو اپنی ہمت کا سبب بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

فوائد آخروہ یہ اور صفت عدل ودادخواہی کا ثواب تمام فوائد سے بلند داخلی ہے اور فضائل بقیات وصالحات۔

# فوائد دنیویہ جو عدالت میں ہیں

واضح ہو کہ عدالتِ دنیویہ کے فوائد اس قدر زیادہ ہیں کہ زبان قلم سے اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان کے چند فوائد کی تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) یہ کہ عقل و نقل سے ظاہر اور تجربہ سے روشن ہے کہ یہ صفت شیوہ مایہ تحصیل دوستی ہے اور نیز سپاہی ورعیت کے دل میں باعث رسوخ محبت بادشاہ۔

(۲) اس صفت نیک سے بادشاہ کا نام نیک عالم کے اطراف و اکناف میں مشہور ہوتا ہے اور صفحہ قیامت تک اس کا نام بلند مذکور۔ اس کے بزرگوں کی ارواح کو دعائے خیر دی جاتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہزاروں سال گزر گئے نوشیرواں دل نے بستر خاک پر آرام کیا۔ لیکن اس کا نام نامی اب تک اہل عالم کی زبان پر جاری ہے۔ اس کی رسنِ عمر تیغ اجل سے قطع ہوگئی۔ مگر اب تک اس کی شہرتِ عدل تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

(۳) یہ کہ طریقہ عدالت و دادخواہی سبب دوام دولت و سلطنت ہے۔ بادشاہوں کی دولت سرا کا کون اس سے زیادہ پاسبان اور قصر سلاطین کا کون اس سے زیادہ نگہبان ہوسکتا ہے۔

جناب حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جو بادشاہ یا حاکم عدل وانصاف اختیار کرے تو خدا تعالیٰ اس کی دولت کو حصار امن میں محفوظ رکھتا ہے۔ جو کوئی اس کے خلاف کرتا ہے اس کو جلد ضائع فرماتا ہے۔

نیز فرمایا کہ رعیت کی نگاہداری ذریعہ نیکی باعث دوامی ریاست ہے۔ اور وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

(۴) یہ کہ طریقہ دادگری ورعیت پروری سبب خوشی روزگار اور باعث آبادی ہر کشور و دیار ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی حسن نیت اس میں بڑی تاثیر اور پورا دخل رکھتی ہے۔

چنانچہ حضرت امیر مومناں کے کلامِ صدق نظام سے اس کی تصریح ہوتی ہے کہ:

اذا تغیرت نیة السلطان فسد الزمان

یعنی: ''جب بادشاہ کی نیت نیکی سے منحرف ہوتی ہے تو زمانہ کا حال خراب ہوتا ہے اور طریقہ روزگار تباہ۔



(۵) یہ کہ جب بادشاہ کی عدالت مشہور ہوتی ہے تو دوسرے بادشاہ کو عرقِ حمیت آتا ہے اور وہ بھی طریقہ دادگستری ورعیت پروری اختیار کرتا ہے تو ایسی صورت میں بادشاہ اول الذکر اس کے ثواب میں شریک ہوجاتا ہے۔ نیم ممکن ہے کہ ممالکِ غیر کے سپاہی و رعایا عدالت کے باعث اس کے یا اس کے حکام کے مطیع وفرنبردار ہوں اور مملکت وسیع ہوجائے۔

(۶) یہ کہ جو بادشاہ عدالت سے موصوف اور دادخواہی سے مصروف ہو تو اس کی شان وحکومت اطراف و اکناف میں عالم کے زیادہ ہوتی ہے وہ نظروں میں باوقعت ہوتا ہے۔ اس کی حرمت جاگزیں اس کی بزرگی وحشمت دلوں میں رسوخ کرتی ہے۔

اسی وجہ سے شاہ ولایت پناہ نے فرمایا کہ:

تاج الملك عدله

یعنی: '' بادشاہ کا تاج اس کی عدالت ہے۔''

نیز اسی جناب سے مروی ہے کہ:

زین الملك العدل

یعنی: ''بادشاہ کی زینت عدالت ہے۔''

بادشاہان ذوی الاقتدار کا کونسا جامہ فخر جو نیک نامی سے زیادہ بہتر اور خوب ہو زیبِ جسم ہوسکتا ہے۔ کونسی کمر بند جس کی قیمت سعی واہتمام کافیہ انام سے بیش قیمت ہو کمر پر باندھی جاسکتی ہے۔ کونسا تاج تاج عدل سے افزوں ہوسکتا ہے۔ کونسا تخت بلند فقیروں کے دل کی برابری کرسکتا ہے۔ خوش رفتاری خلق اللہ سے کونسا اسپ خوشخرام بڑھ سکتا ہے۔ دادخواہوں کی فریاد بلند سے کونسی آواز بلند کانوں کو خوش آسکتی ہے۔ دردمندوں کے دل سے بہتر کون سا مال دنیا ہمدست ہوسکتا ہے۔ بادشاہوں کی سواری کے جلو میں دورباش وخبردار کی آواز دینے سے ظالموں کی تنبیہ اور دور کرنا بارگاہ خسروی میں پیشہ چوبداری سے جور پیشہ خاص کو راستہ نہ دینا بہتر وافضل ہے۔

(۷) یہ کہ عدالت ورعیت پروری باعث دعائے ترقی ودوامی دولت وسلطنت ہوتی ہے۔ تمام رعایا و برایا رات دن مشغول دعا رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اس کی عمر ودولت برخوردار ہوتی ہے۔ جو بات بے کسوں کی دعا سے میسر آتی ہے وہ مردوں کی تلوار سے نہیں نکلتی۔ جو کام

فقیروں کی التجا سے حاصل ہوتا ہے وہ دلیروں کے نیزہ سے ہرگز نہیں نکلتا۔

(۸) یہ کہ جب بادشاہ طریقہ عدالت کو اپنا شعار قرار دیتا ہے تو تمام عالم کے ہر مذہب والے فارغ البالی کے ساتھ اپنے حصول مقاصد میں مشغول ہوتے ہیں۔علم وعمل کے بازار کو ایک رونق تازہ اور گلستانِ شریعت کو طراوت بے اندازہ حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے صاحب شرع اس کی حفاظت کرتا ہے۔

جیسا کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جو فرماں روا حفاظتِ شریعت میں کوشش کرتا ہے اور دین و ملت کو رواج دیتا ہے تو اس کی دولت دائم بلکہ ایک مدت مدید تک اس کے خاندان میں سلطنت قائم رہتی ہے۔اس کی اولاد اور پسماندگان اس کے درختِ عدالت سے ثمرہ پاتے ہیں۔

# فصل نمبر (۱)

## علامات ولوازماتِ عدالت

واضح ہو کہ عدالت کے لیے چند علامات ولوازمات ہیں۔بغیر ان کے عدالت محقق نہیں ہوتی۔والائے دین وعدل ورعیت پروری وحکم حق جہانداری و دادا گستری جن امور کی رعایت پر موقوف ہے۔وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱: یہ کہ ہر حال میں ذات پاک ایزو متعال پر توکل کیا جائے اور فضل ورحمت خداوند لم یزل ولا یزال سے توسل۔ ہر ایک کام کے انجام کی بہتر کی درگاہ رب الارباب سے امید رکھی جائے۔۔ ہر امر کے اجرا کے متعلق اس کی مشیت پر بھروسہ کرکے رات دن بارگاہ حضرتِ آفریدگار میں عجز وانکساری کے ساتھ ملتجی رہے۔

۲: یہ کہ ہر امر حق کو بقدر امکان پر بنائے شریعت وحفاظت احکام ملت قرار دے تاکہ شماتت میں مخالفین اسلام کی زبان طعن وملامت دراز نہ ہو۔جب اس طریقہ پر ملوک وسلاطین کار بند ہوں گے اور رواج دین اور اجرائے حکم میں اس کا اہتمام بمصداق:

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ

کریں گے تو کبھی حکام وعمال ہر دیار واد کو انحراف کرنے کی مجال نہ ہوگی دین کی برکت



سے تمام رعایا آباد معمور ہوگی۔

۳: یہ کہ اپنا ظلم کرنا تو کجا بلکہ کسی کو ارتکاب ظلم کی قدرت نہ دے اور بذریعہ جاروب عدل ظالموں کے خس دخار ظلم سے میدان مملکت وولایت کو پاک صاف کر کے حسن سیاست سے امن وامان کا فرش بچھائے کیونکہ اہل شہر پر جو ظلم کیا جاتا ہے تو فی الحقیقت حاکمِ شہر پر اس کا مواخذہ عائد ہوتا ہے بلکہ اپنے پر حفظ وحراست اطراف واکناف بلدہ کی اَزم قرار دے۔طریقہ امن وامان کا ساعی ہو۔

۴: یہ کے جب رعایا و برایا کا اختیار کسی کے سپرد کرنا منظور ہو تو اس کو پہلے کوئی خدمت نیک تفویض کرے۔اس کی کارگزاری اور مداخل ومخارج نقدی کو اعتبار کی کسوٹی پر کس کے اس کا امتحان کرلے۔اگر کوئی حاکم اپنی رعیت کے کاروبار کسی ظالم کے سپرد کرے گا تو خدا کی اس امانت میں جو اس کے سپرد کی گئی ہے خیانت متصور ہوگی۔اگر وہ حاکم ماتحت کسی پر ظلم وستم کرے گا تو اس کی بدنامی حاکمِ بالادست کے ذمہ رہے گی۔اور مظلوموں کے دعوے بھی اس کے ذمے عائد ہوں گے۔

۵: یہ حکام ماتحت کے استفسار احوال کا نہایت اہتمام رکھے۔ان کے رویہ کو پوشیدہ طریقوں سے دریافت کرے۔کیونکہ اکثر اشخاص مکر وتلبیس کرتے ہیں۔اس لیے نہایت احتیاط کے ساتھ ان اشخاص خداترس وقوی النفس سے جو صاحبِ غرض نہ ہوں استفسارِ حال کیا کرے۔بعض اشخاص جو صاحب اختیار کی خدمت میں رہتے ہیں ان پر رشوت لینے اور مال پر فریفتہ ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ظالم وشریر بادشاہوں یا امیروں کی خدمت میں رہنے کے لیے ساعی رہتے ہیں۔ان کی ہر طرح کی خدمت پسند آتی ہے۔بعض ایسے ہیں جو رشوت کو قبول نہیں کرتے۔وہ دیانت دار ہیں۔لیکن اپنے ضعفِ نفس اور اندیشہ عاقبت سے خاموش رہتے ہیں یا بلحاظ عاقبت اندیشی بیان حقیقت سے احتیاط کرتے ہیں۔

۶: یہ کہ حشمت فرمانروائی وشوکت جہانبانی مانع دادرسئ بیچارگاں نہ ہو دادخواہوں کی فریاد سے منہ نہ پلٹائے۔ستم رسیدوں کے نالے سے رنجیدہ نہ ہو فقیروں وار ضعیفوں پر جو ظلم وستم ہوا ہے اس کو سماعت کرے۔بے سروپایان شکستہ حال کو اپنی درگاہ سے نہ نکالے۔گدایانِ پریشان کے آمدورفت کا راستہ بند نہ کرے۔ہاں جو کوئی سردار ہو اس کو دردسر کھینچنا چاہیے۔جو کوئی سرور ہوا سے اپنے کو زیردستوں کے حوالے کرنا ضرور ہے۔اگر وہ ان کی فریاد نہ سنے گا تو ان پر کیا

بزرگی حاصل کرسکتا ہے اگر وہ ان کی داد کو نہ پہنچے تو کیا خراج لے سکتا ہے۔ ان کے ہاتھ سے رنج پانا گوارا ہے تو ان کے ہاتھ کی عرضی لے۔ بادشاہ آفتاب کا حکم رکھتا ہے اس لیے اپنے التفات کا پرتو ہر ایک ذرہ بے مقدار پر ڈالنے میں دریغ نہ کرے۔ یہ شیوہ منافی بزرگی نہیں ہے۔ اس کی شان خدا کی شان سے زیادہ نہیں کہ وہ کسی کی التفات سے عار نہیں رکھتا اور کسی کو اپنی درگار سے رد نہیں کرتا رعیت کا ظلم سننا اور فریاد کو پہنچنا بادشاہ عادل کی علامت ہے ہر ایک کے درد دل کی سماعت کرنا لازمہ مرتبہ ظلِ الٰہی ہے۔

داد خواہوں کا شکوہ سننا فخر بادشاہی
اور بیسوں کی دلجوئی شکرانہ صاحب کجکلا ہی۔

جناب امیر المومنینؑ اپنے زمانہ خلافت میں دن کو خلق کا کام کرتے اور رات کو خالق کی عبادت۔

بعض نے عرض کیا کہ: ''یا امیر المومنینؑ ! کس لیے اپنے پر اس قدر سختی کھینچتے ہیں۔ دن کو آرام لیجئے یا شب کو۔''

فرمایا کہ: ''اگر دن کو آرام لُوں تو رعیت کا کام ناتمام رہے گا۔ اگر رات کو آرام لوں تو میرا کام نامکمل۔''

ایک بادشاہِ ہوشمند نے کسی سے التماس کیا تو اس نے کہا۔ اگر دونوں جہان کی سعادت چاہتا ہے تو راتوں کو درگاہ حق میں مثل گدا کے التجا کر اور دن کو اپنے دربار میں فقیروں کی داد کو پہنچ۔

زمانہ گزشتہ میں کسی بادشاہ عادل نے مظلوموں کی اس قدر دادرسی کی کہ وہ بہرا ہو گیا۔ من بعد اس کو دادخواہوں کی فریاد نہ سننے سے بے حد رنج والم ہوا آخر کار یہ حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے فریادی کے سرخ لباس نہ پہنے تا کہ اس کی دادرسی کی جائے۔

(۷) یہ کہ جب کسی مظلوم کا شکوہ سنے اور ستم دیدہ کا حال معلوم ہو تو اس کے صدق و کذب میں تفتیش کرے۔ کیونکہ بعض رشوت خوار یا صاحب غرض اس کو جھٹلاتے ہیں یا اس کو احمق یا نادان بناتے ہیں۔ جب اس پر واقعہ کی سچائی روشن ہو۔ تو جو کچھ متضائے عدالت ہو اس کا حکم کرے۔ اس مظلوم کے رفعِ ستم میں کوتاہی وغفلت نہ کرے۔

حضرت داؤد پیغمبر کے زمانے میں ایک بادشاہ جبار تھا۔ حضرت آفریدگار عالم جل شانہ



نے اس حضرتؑ کو وحی فرمائی کہ اس بادشاہ کو میری طرف سے یہ پیام دو کہ میں نے تجھ کو اس لیے سلطنت نہیں دی کہ تو مالِ دنیا جمع کرے بلکہ اس وجہ سے تجھ کو فرمانروائی دی گئی ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کی جائے تا کہ کوئی شخص نالہ و دادخواہی میری درگاہ میں بلند نہ کرے۔ بہ تحقیق میں نے اپنی ذات مقدس کی قسم کھائی ہے کہ مظلوم کی مدد کروں گا۔ اس شخص سے انتقام بھی لوں گا کہ جس کی حضوری میں مظلوم پر ستم پہنچایا گیا اور اس نے نصرت نہ کی۔ قطع نظر اس کے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جب کسی بے رحم وستمگار نے دست ظلم وستم کسی بیچارہ بیکس کے گریبان میں ڈالا ہو۔

وہ آہ و نالہ کرے باوجود دفع ظلم وستم کی قدرت کے اس مظلوم کی اعانت میں غفلت کرے اس کو ظلم میں گرفتار چھوڑ دے۔ آپ بستر راحت پر خاطر جمعی کے ساتھ آرام میں بسر کرے۔ اے شاہانِ فرمانروا آپ اپنا دن عیش وطرب میں اور رات ہزار طرح آرامی میں بسر کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے ستم رسیدہ و مظلوم بیچارہ دن سختی و تکلیف میں۔ رات خوف ظلم وستم اور طرح طرح کے غم والم میں گزارتا ہے۔

مشہور ہے کہ سلطان محمود غزنوی ایک رات بستر راحت پر لیٹا۔ اس کو نیند نہ آئی حالانکہ وہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلتا رہا۔ لیکن کسی طرح آنکھ بند نہ ہوئی۔ آخر کار دل میں کہنے لگا کہ شاید کوئی مظلوم میرے مکان پر بغرض فریاد آیا ہوگا۔ اس کے دستِ دادخواہی نے میرے خواب کو باندھا ہے۔ پس پاسبانوں کو حکم دیا کہ محل سرا کے اطراف تلاش کریں۔ اگر کوئی مظلوم ہو تو اس کو لائیں۔

نگہبانوں نے جستجو کی مگر کسی کو نہیں پایا۔ پھر بھی اس بادشاہ کو نیند نہ آئی۔

دوسری بار تلاش کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔ چوتھی مرتبہ خود اٹھا۔ اپنے دولت سرا کے اطراف پھرنے لگا۔ اس چھوٹی مسجد پر اس کو گزرا ہوا جس کو اس کے امراء اور غلاموں نے اس کے محل کے قریب نماز کے لیے بنایا تھا۔ وہاں کسی بیچارے کے نالے وزاری کی آواز سنی کہ وہ اس مسجد میں سر رکھ کر سوزِ دل سے خدا کو یاد کرتا ہے۔

پس بادشاہ نے آواز دی کہ اے مظلوم! خدا سے کہیں میری شکایت نہ کر۔ کہ میں اول شب سے اس وقت تک اپنے خواب کو حرام کر کے تجھ کو تلاش کر رہا ہوں۔ تیری جستجو میں آرام نہیں کیا۔ تجھ پر کیا ستم کیا گیا جلد بیان کر۔

اس نے کہا کہ ایک ستمگار بے باک رات کو میرے مکان میں آیا۔ اس نے مجھ کو گھر سے باہر کر کے میرے ناموس پر ہاتھ دراز کیا۔ اس لیے میں دروازہ پر بادشاہ کے حاضر ہوا۔ جب اس کے نزدیک میری رسائی نہ ہوئی تو درگاہِ خدا میں عرض حال کر رہا ہوں۔

بادشاہ کو یہ سنتے ہی بہت غیظ آیا۔ اس کے حکم پر اس ظالم کی تلاش کی گئی۔ تو اس رات کو وہ بھی نہ ملا پھر اس مظلوم کو حکم دیا کہ جب وہ نابکار آئے تو اس کو گھر میں چھوڑ کر فوراً میرے پاس حاضر ہو نیز اپنے پاسبان سے کہا کہ جس وقت یہ شخص آئے مجھ کو فوراً مطلع کرنا اگرچہ میں آرام میں ہوں۔

تیسری رات پھر وہ ظالم اس کے مکان میں آیا تو اسی وقت یہ بیچارہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بادشاہ اور اس بلا توقف چند ملازموں کے ساتھ اس مظلوم کے گھر پر آیا۔ اس نے پہلے چراغ گل کر دیا۔ بعد میان سے تیغ کھینچ کر ظالمِ بدبخت کو قتل کیا۔ چراغ طلب کر کے اس کا منہ دیکھا اور سجدہ شکر ادا کیا۔

اس مسکین نے بادشاہ کی دعا و ثنا میں زبان کھولی۔ چراغ کے گل کرنے اور سجدہ شکر ادا کرنے کا سبب دریافت کیا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ کام کہیں میرے کسی فرزند نے نہ کیا ہو۔ دوسرے کی جرأت کا مجھ کو ہرگز گماں نہ تھا۔ اس لیے میں خود سیاست کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر دوسرے سے یہ کام لیا جاتا تو ممکن تھا کہ سیاست میں کوئی حیلہ یا توقف ہوتا چراغ کے گل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ میں ڈرا کہ اگر میرا فرزند ہوا تو کہیں محبت پدری جوش میں نہ آئے اور مانع سیاست نہ ہو۔ سجدہ شکر کا یہ سبب تھا جب میں نے دیکھا کہ دوسرا شخص ظالم ہے میرا کوئی فرزند نہیں نیز ایسا عملِ قبیح میری اولاد سے واقع نہ ہوا۔

خلاصہ بیان یہ کہ بادشاہان زمانہ کو اس حکایت میں تامل و غور کرنا چاہیے کہ ایک ساعت کی دادرسی جو اس بادشاہ نے کی اس کو ہزار سال گزر گئے۔ اس کا نام اس عمل کے ذریعہ سے ہزاروں کتابوں میں درج کیا جاتا ہے۔ منبروں اور مسجدوں میں اس حکایت کو بیان کرتے ہیں۔ خاص و عام آفرین و دعا دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے اس کے لیے فوائد واخرویہ حاصل ہیں۔

منقول ہے کہ سلطان سلجوقی نے کسی ندی کے کنارے شکار کھیل کر ایک ساعت کسی سبزہ



زار میں آرام کیا۔ اس کے غلام خاص نے جب ایک گائے کو نہر کے کنارے چرتی ہوئی دیکھا تو اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت سے کباب بنایا اس کی مالکہ ایک بڑھیا تھی۔ جس کے چار یتیم بچے تھے۔ اس کی وجہ معیشت اس کے دودھ پر تھی۔ جب اس بڑھیا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک آہ سرد کھینچی۔ سر پر برقع ڈال کر اس پل پر جس طرف سے بادشاہ گزرنے والا تھا بیٹھی۔ بادشاہ جب قریب پہنچا تو وہ بڑھیا اٹھی با دیدہ گریاں بادشاہ سے متوجہ ہوئی اور کہا کہ اگر تو میری داد اس پل پر نہیں دیتا ہے تو میں پلِ صراط پر داد چاہوں گی۔ خصومت کا ہاتھ تیرے دامن سے نہ اٹھاؤں گی بلکہ ان دو پلوں میں سے کس پل کو اختیار کرنا چاہتا ہے؟

بادشاہ اس بات کو سن کر نہایت خوف زدہ ہوا اور کہا کہ مجھ کو پل صراط کی طاقت نہیں۔ تجھ پر کیا ستم ہوا ہے جلد بیان کر۔

اُس بڑھیا نے حقیقتِ حال اس سے عرض کی۔

بادشاہ نے متاثر ہو کر اس غلام کی سیاست کا حکم دیا۔ اس کی گائے کے عوض ستر گائے۔ دوسری روایت میں دو سو گائے اپنے خاصہ کی اس کو دے دیں۔

کہتے ہیں کہ اس بادشاہ نے دنیا سے رحلت کی تو یہ بڑھیا اس کی قبر پر بیٹھی اور کہتی تھی کہ:

''اے پروردگار! جس وقت میں بے کسی کی حالت میں تھی تو اس نے میری دستگیری کی۔ آج وہ بیکس ہے تو اس کی دستگیری کر۔''

اُسی زمانہ کے نیکوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کو خواب میں دیکھا' اور پوچھا کہ:

''خدا نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

اس نے کہا کہ:

''اگر وہ بڑھیا دعا نہ کرتی تو مجھ پر وہ عذاب کیا جاتا کہ اگر وہ تمام اہلِ زمین پر تقسیم کیا جائے تو عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔''

یہ دو حکایتیں بادشاہوں کی تنبیہ و ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ لیکن جو بادشاہ بہت سا روپیہ اس غرض سے صرف کرتا ہے کہ کسی ولایت کو تسخیر کیا جائے۔ اس کا نام خطبہ میں لیا جائے۔ اس کے نام کا سکہ رائج ہو۔ وہ اس امر سے غافل ہے کہ شہرت کے لیے کونسا خطبہ درکار ہے جو عالم کے منبروں پر اس کے نامِ نامی سے مثل بادشاہانِ مذکورہ الصدر کے پڑھا جا سکتا ہے وہ کونسا سکہ اس نقش

سے زیادہ پائیدار ہوسکتا ہے کہ دفتروں اور کتابوں میں اس کے نامِ نامی سے نقش کیا جاسکے۔

(۸) یہ کہ بدعت سے نہایت پرہیز کرے اگر چہ اس سے کوئی نفع ہو اور تھوڑا زمانہ بسر ہوسکے لیکن قیامت تک اس کے نام پر لعنت کی جائے گی۔ اس کی خرابی کا اثر اس کی قبر میں پہنچے گا۔ ہر لحظہ اس پر عذاب کیا جائے گا۔

(۹) یہ کہ جب کسی سے کوئی خباثت وخیانت یا طریقہ خدمت میں کوئی خطا یا لغزش صادر ہو تو اس کو معاف کریں اور اس کو دیدہ التفات سے پوشیدہ کیونکہ جرائم کا عفو کرنا اشرف مکارم ہے۔

چنانچہ جناب امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

جَمَالُ السِّيَاسَةِ اَلْعَدْلُ فِي الْاَمْرِ وَالْعَفْوَ مَعَ الْقُدْرَةِ ۔

یعنی: جمالِ شہریاری وحسن مملکت داری عدل کرنا ہے۔ اور باوجود قدرت کے انتقام نہ لے کر اس کی خطا کو عفو کرنا۔

(۱۰) یہ کہ وہ عمدہ لوازم ہے بلکہ اسی پر عدل موقوف ومنحصر ہے کہ اس بادشاہ وحاکم کا مقصد حصولِ خط نفسانی و پیروی لذات وشہوات جسمانی نہ وہ نفس کو بدی و مناہیاتِ شرعیہ سے باز رکھے۔ اپنی تمام اوقات آرائش وآسائش میں بسر نہ کرے۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ:

رَاسُ الْاٰفَاتِ اَلْوَلَهُ بِاللَّذَّات

یعنی: سر تمام آفتوں کا لذات پر شیفتہ ہونا ہے۔

جب بادشاہ لہو ولعب میں مشغول ولذاتِ نفس کا مفتون ہوگا تو اپنی تمام اوقات اسی میں صرف کرے گا تو ایسی حالت میں اس کا ملک تباہ وویران ہوگا وعدالت ملک کی آرائش وزیور ہے اور بادشاہ کی آسائش رعیت کی آسائش پر منحصر۔ کوئی جامہ قامت شہریاری کے لائق سوائے خلعت عدالت کے نہیں ہے۔ کوئی تاج تابندہ سوائے تاجِ مرحمت کے نہیں ہوسکتا۔

واضح ہو کہ جس طرح بادشاہوں پر معدلت گستری ورعیت پروری لازم وواجب ہے اسی طرح تمام خلائق پر ان کی اطاعت وفرمانبرداری لازم۔



رعایا کو ضروری ہے کہ اس کی اطاعت وفرنبرداری سے منحرف نہ ہوں۔ طریقہ یک رنگی و محبت سے پیش آئیں۔ اس کے نامِ مبارک کو ہر حالت میں تعظیم وتکریم کے ساتھ زبان پر جاری کریں۔ اس کی دعائے خیر کو اپنے پر لازم قرار دیں۔

حضرت امام موسیٰؑ کاظمؑ سے مروی ہے کہ:

اے ہم کو دوست رکھنے والو!

اپنے کو ذلیل نہ کرو۔ بادشاہ کی نافرمانی کے باعث اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اگر بادشاہ عادل ہے تو اس کی پائیداری کی دعا کرو۔ اگر وہ ظالم ہے تو اس کے صلاح وبہتری کی التجا۔ رعایا کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر وموقوف ہے بہ تحقیق کہ بادشاہ عادل بمنزلہ پدرِ مہربان ہے۔

پس اس کے لیے وہ چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ وہ چیز پسند نہ کرو جو اپنے لیے پسند نہیں کی جاتی۔ حقیقتاً بادشاہ عادل کا وجود خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر نہ کرنا کفرانِ نعمت۔

پس اس کے ساتھ محبت رکھنا اور ہمیشہ اس کی عمر واقبال کی دعا مانگنا تمام عالم پر واجب ہے۔

# فصل نمبر (۲)

## معالجہ مرضِ ظلم

واضح ہو کہ حسبِ بیان مذکورہ امراضِ نفسانیہ کا معالجہ معجون مرکب (یعنی علم وعمل سے) کیا جاتا ہے۔

پس صفت ظلم کا دفع کرنا علم ہے۔ اور فضیلتِ عدالت کا حصولِ عمل لیکن اس کے علم کا علاج یہ ہے کہ خرابی ظلم دینیہ ودنیویہ پر اور فوائد عدل کے بیان مذکورہ پر تامل کیجئے۔ اور معلوم کیجئے کہ عدالت موجب نام نیک و محبت عالم ودوامِ دولت ہے اور سببِ قیام سلطنت و آمرزش آخرت۔

غور کیجئے کہ جب کوئی شخص کسی پر ظلم کرے اور کوئی اس کی داد کو نہ پہنچے تو اس شخص کی جو حالتِ قلبی ہوگی وہی حالت اپنے لیے اس دن کی تصور کی جائے جس روز تلافی کی قدرت نہ ہوگی۔

خیال کیجئے کہ اس باغ کا پھول ہمیشہ تروتازہ نہیں رہتا۔ ضعیفوں کی قدرت کونظرِ عبرت سے دنیااوراس کی دولت کودیکھئے۔

احوالِ گزشتگان کویادکیجئے۔

بہ نظرِتحقیق معلوم کیجئے کہ زمانہ ظلم وستم کا گزرجائے گا۔مظلمہ ووبال اور بدنامی ونکال اس کے لیے باقی رہ جائے گی۔

دنیا کی حالت اور اس کی بے وفائی کومشاہدہ کیجئے۔دولت وجاہ پر مغرور نہ ہوں۔قوت وشوکت پر فریب نہ کھائیں۔دنیائے چندروزہ اس قابل نہیں کہ جس کے سبب سے ظلم وستم کے مرتکب ہوں۔

اس عاریت سرا کی لذت اس قدر نہیں کہ جس کی وجہ سے بے چاروں کے دل کوآزردہ کیا جائے۔

علاجِ عملی یہ ہے کہ اخبار وآثار جو مذمت وخرابی میں ظلم کے اور تعریف میں فوائد عدل کے آئے ہیں ان کا ہمیشہ مطالعہ کرئے کیفیت وحکایات سلاطین عادل جوگزرے ہیں ان کو دیکھے۔اہل علم وفضل کے ساتھ میل وملاپ رکھے اوران کا ہم نشیں ہو۔اپنے کوظلم وستم سے منع اور فقرااور مظلوموں کی دادرسی کرے تاکہ عدالت کی لذت کو پائے۔شہد عدل کی شیرینی کا لطف اٹھائے۔اس صفتِ فاضلہ کا ملکہ حاصل ہو۔



## چوتھی صفت

# مُسلمانوں کی ترک اعانت کی مذمت

واضح ہو کہ ترکِ اعانت کا منشاء اگر عداوت یا حسد ہوتو رذائلِ قوتِ غضبیہ سے متعلق ہوگا۔اگراس کا باعث سستی یا بخل یاضعفِ نفس ہوتو یہ نتیجہ قوت شہویہ کا ہے حاصل کلام کوئی شک نہیں کہ یہ صفت رذیل ومہلک ہے۔یہ علامت ضعفِ ایمان ہے اور باعثِ محرومی درجہ جناں۔اس کی مذمت میں احادیث واخبار بہت آئے ہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

''جوشخص اپنے برادر مسلم کی اعانت اوراس کی حاجت پوری نہ کرے تو وہ کسی ایسے شخص کی اعانت میں جس کی اعانت گناہ کا حکم رکھتی ہے مبتلا ہوتا ہے اوراس کے لیے کوئی اجر نہیں۔''

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص اپنے برادر مومن کی حاجت کی اعانت کا خواستگار ہو۔وہ باوجودقدرت کے اس کی اعانت نہ کرے تو خدا اس کو ہمارے دشمنوں کی اعانت میں مبتلا کرتا ہے جس کے باعث خدا روزِ قیامت عذاب کرے گا۔

فرمایا کہ جومومن کسی دوسرے مومن کو باوجود اپنی یا دوسری جگہ سے دلانے کی قدرت رکھنے کے اس چیز کے دینے سے جس کا وہ محتاج ہومنع کرے تو خدا اس کو بروزِ قیامت ایسی حالت میں کہ جس کا منہ کالا، آنکھیں نیلی، ہاتھ گردن میں بندھے ہوں گے اٹھائے گا اور جہنم میں ڈالے گا اور خطاب ہوگا کہ جس نے خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت کی اس کی یہی سزا ہے۔

ایک روز سرور کائناتؐ نے جب کہ آپ کی خدمت میں ایک جماعت حاضر تھی فرمایا کہ:

''تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ میرے ساتھ حقارت کرتے ہو۔''

ایک مرد اہل خراسان اٹھا اوراس نے عرض کیا کہ

''معاذ اللہ ہم آپ سے حقارت کر سکتے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''تو انہی اشخاص میں سے ہے جنھوں نے میرے ساتھ حقارت اور سبکی کی۔''

عرض کیا کہ:

''معاذ اللہ''

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

''آیا تو نے نہیں سنا کہ فلاں شخص منزل جحفہ کے نزدیک جب ہم آتے تھے کہتا تھا کہ مجھ کو ایک رات کے لیے سوار کرلو۔ خدا کی قسم کہ میں خستہ ہوگیا ہوں۔ تو نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پس اس کو حقیر سمجھا۔ جس نے کسی مومن کی حقارت کی اس نے میری حقارت کی اور خدائے عزوجل کی حرمت کو ضائع کیا۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مومن کے پاس کسی حاجت روائی کی غرض سے جائے اور وہ اس پر قادر ہو۔ اس کی حاجت روائی نہ کرے تو خدا اس کی قبر میں ایک سانپ مسلط کرتا ہے کہ قیامت تک اس کو ایذا پہنچاتا رہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے برادر مومن سے امداد کا طالب ہوا اور وہ باوجود قدرت کے مدد نہ دے تو بہ تحقیق کہ خدا کی ولایت کو اس نے قطع کیا۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کام میں کوشش نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

# فصل نمبر(۱)

# مُسلمانوں کی ضروریات بجالانے کی اوران کوخوش کرنے کی شرافت

واضح ہو کہ ترکِ اعانت کی ضد مسلمانوں کی ضروریات کے بجالانے میں کوشش اور ان کے کاموں میں اعانت کرنا ہے۔ یہ صفتِ نیک ہے۔ اس کا ثواب بیحد و نہایت۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت کو پورا کرے تو اس نے تمام عمر اپنے خدا کی خدمت کی۔



نیز فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت کے لیے ایک ساعت راستہ چلے خواہ اس کی حاجت پوری ہوئی ہو یا نہ ہو لیکن اس کو ثواب دو ماہ کے اعتکاف کا ملتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے برادر مسلم کی حاجت پوری کرنے کا ساعی ہو تو خدا تعالیٰ پانچ ہزار ملک کو حکم فرماتا ہے کہ اس پر سایہ کریں اور ہر ایک قدم پر ایک ایک حسنہ لکھا جاتا ہے اس کا گناہ محو ہوجاتا ہے اس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ جب وہ اس کی حاجت سے فارغ ہو تو اس کے لیے حج وعمرہ کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی برادر مومن کسی کے پاس کوئی حاجت لے جائے۔ مگر وہ اس کو پوری نہ کرسکتا ہو اور دل میں خیال کرے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کی حاجت پوری کرتا۔ خدا تعالیٰ اس سبب سے اس کو داخلِ بہشت کرتا ہے۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پوری کرے تو خدا تعالیٰ قیامت کے روز اس کی سو ہزار حاجتوں کو پورا کرتا ہے ان میں سے ایک اس کو اور دوسرے اس کے برادر قرابت دار اور دوستوں کو داخلِ بہشت کرتا ہے بشرطیکہ وہ اہل بیتؑ کے دشمن نہ ہوں۔

نیز فرمایا کہ برادر مومن کی حاجت پوری کرنا ہزار بندے آزاد کرنے۔ ہزار سوار راہِ خدا میں جہاد پر بھیجنے سے بہتر ہے۔

نیز فرمایا کہ کسی برادر مومن کی حاجت پوری کرنا خدا کے نزدیک اس میں ہزار حجوں سے جس کے ہر حج میں سو ہزار دینار راہِ خدا میں صرف کیے گئے ہوں زیادہ بہتر ہے۔

فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے تو چھ ہزار حسنہ اس کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ چھ ہزار گناہ اس کے محو ہوتے ہیں۔ چھ ہزار درجے بلند، چھ ہزار اس کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور جب وہ موضع [1] تلزم تک پہنچتا ہے

راوی نے عرض کیا کہ:

''میں آپ پر فدا ہوں۔ یہ تمام فضیلت طواف کے لیے ہے۔''

فرمایا کہ۔ ہاں! مگر کسی برادر مومن کی حاجت کا پورا کرنا خانہ کعبہ کے دس طواف سے بہتر ہے۔

[1] دیوار خانہ کعبہ میں ایک مقام ہے۔ ۱۲

فرمایا کہ جو مومن اپنے برادر کے پاس کوئی حاجت لے جائے تو ایک رحمت ہے کہ خدا نے اس کی طرف بھیجی ہے اور اس کے لیے ایک سبب مقرر کیا ہے۔ اگر اس نے اس کی حاجت پوری کی تو گویا اس نے رحمت کو قبول کیا۔ اگر باوجود اس کی قدرت کے اس کی حاجت کو نہ برلایا تو گویا اس نے اس کی رحمت کو واپس کر دیا۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پوری کرنے میں کوشش کرے یہاں تک کہ وہ حاجت پوری ہو جائے تو خدا تعالیٰ حج و عمرہ کا دو ماہ حجتہ الحرام کے روزوں کا۔ نیز اعتکاف دو ماہ مسجد حرام کا ثواب اس کے لیے لکھتا ہے اگر کوئی شخص اپنے برادر مومن کی حاجت پوری کرنے کی غرض سے راستہ چلے مگر اس کی حاجت پوری نہ کر سکے تو خدا اس کے لیے ایک حج کا ثواب لکھتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ جو کوئی عنداللہ آدمیوں کی حاجت میں کوشش کرے تو وہ قیامت کے خوف و ہراس سے امین ہوگا۔ جو شخص کسی مومن کو خوش کرے تو خدا قیامت میں اس کو مسرور کرتا ہے ان مضامین میں بہت سے اخبار آئے ہیں کہ جن کی شرح ممکن نہیں۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ چونکہ خداوند منان کے تمام بندے ہیں۔ جب کوئی بندہ کسی بندے سے نیکی کرے تو گویا خدا کے ساتھ اس نے نیکی کی۔ صاحب کے ساتھ نیکی کرنے کی بجائے اس کے بندے سے نیکی کرنا زیادہ تر باعثِ خوشنودی ہوتا ہے۔

پس وہ شخص خدا کا متلاشی ہے۔ جو اس کے بندوں کی حاجت روائی میں نہایت کوشش وسعی کرے جس کو حق سبحانہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کاموں کو انجام دینے کا اقتدار دیا ہو تو اس کو شکر خدا بجالانا چاہیے کوئی شک نہیں کہ برادر دینی کی حاجت کا برلانا اس کی خوشحالی کا باعث ہے اور برادر ایمانی کے مسرور کرنے کا ثواب بے انتہا کسی کے دلِ غمناک کو خوش کرنا خداوند عالم کے گھر کو آباد کرنا ہے چونکہ ہر ایک بندے کی نسبت خدا کے ساتھ ہے جب کسی بندے کو خوش کیا تو گویا اس نے اسکے صاحب کو خوش کیا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن کے دل کو خوش کرے تو اس نے حضرت رسولؐ کو خوش کیا۔ جس نے حضرت رسولؐ کو خوش کیا اس نے خدا کو خوش کیا۔ ایسا ہی کسی مومن کو غمگین کرنے کی نسبت قیاس کیا جائے۔

نیز اس سرورؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی مومن مضطر کی فریاد رسی کرے اور اس کو غم سے



نجات دے اس کی حاجت کے پوری کرنے میں مدد کرے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے بہتر (72) رحمت مہیا کرتا ہے۔ ان میں سے ایک کو اس کے لیے دنیا میں بھیجتا ہے جس کے ذریعہ سے اس کی معیشت اصلاح پر لائی جاتی ہے اور اکہتر کو قیامت کے لیے ذخیرہ کرتا ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین اعمال خوشنودی مومنین ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ خداوند سبحانہ نے جن امور کا راز حضرت موسیٰؑ کو فرمایا ان میں ایک یہ تھا کہ بعض بندوں پر بہشت مباح کی گئی اور ان کو بہشت کا اختیار دیا گیا۔ جنھوں نے کسی مومن کے دل کو مسرور کیا ہو۔

پس اس حضرتؑ نے فرمایا کہ ایک بادشاہ جبار کی مملکت میں ایک مومن تھا۔ اس بادشاہ ظالم نے اس کو ایذا دینے کا قصد کیا تو اس مومن نے بھاگ کر کسی مشرک کے گھر پناہ لی۔ اسی مشرک نے اس کے ساتھ مہربانی کی اور حق مہمانی بجالایا اور جب اس مشرک کا وقتِ نزع قریب پہنچا تو پروردگار عالم نے اس کو وحی کی کہ میری عزت وجلال کی قسم ہے کہ اگر تو کافر نہ ہوتا تو بہشت تیرا مقام ہوتا۔ پس مشرک پر بہشت حرام ہے لیکن اے دوزخ کی آگ اس کو ڈرا اور مضطرب کر۔ مگر اس کو ایذا نہ پہنچانا۔ اس کی روزی برابر پہنچے گی۔

نیز اس حضرت نے فرمایا کہ:

'' ایسا خیال نہ کیا جائے کہ تم نے کسی مومن کو شاد کیا۔ بلکہ واللہ ہم کو اور پیغمبر خدا کو شاد و خرم کیا۔''

فرمایا کہ:

جب مومن قبر سے باہر آئے گا تو اس کے ساتھ اس کی ایک مثال ہوگی۔ وہ مثال اس سے کہے گی کہ تجھ کو منجانب خدا کرامت و سرور کی خوشخبری ہو۔ مومن بھی اس کو نیکی کی بشارت دے گا۔ پس وہ مثال اس کے ہمراہ رہے گی۔ جب واقعہ ہولناک درپیش ہوگا تو وہ کہے گی کہ یہ تیرے واسطے نہیں ہے۔ جب خیر و خوبی سامنے آئے گی تو کہے گی کہ یہ تیرے لیے ہے۔ یہاں تک کہ حضور باری تعالیٰ کے مقام پر پہنچے گا تو اس وقت حکمِ الہیٰ ہوگا کہ اس کو بہشت میں لے جائیں پھر وہ مثال گویا ہوگی کہ تجھ کو بشارت ہو کہ خدا نے تجھ کو بہشت میں لے جانے کا حکم فرمایا۔

وہ مومن کہے گا کہ خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو کون ہے کہ میرا ساتھ دیا اور مجھ کو ہر مقام

پر بشارت دی۔

وہ جواب دے گی کہ:

میں وہ سرور ہوں جو تو نے اپنے برادر مومن کے دل میں داخل کیا تھا۔ خدا نے مجھ کو خلق کیا کہ تجھ کو ہر مقام پر بشارت دوں تنہائی کا انیس رہوں۔

برادر دینی کو مسرور کرنے کی نسبت جس قدر فضیلت وثواب ہے ۔اسی قدر ان کے غمگین و اندوہگیں کرنے میں معصیت وعذاب ہے جو شخص بندگانِ خدا کے غمگینی پر شاد ہو وہ خبیث النفس اور ناپاک طینت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ خباثت نفس کے باعث یہ صفت واقع ہوتی ہے۔ خبیث طبع اس صفتِ بد میں مبتلا ہیں اور آدمیوں کو وحشت ناک خبریں دیتے ہیں جب کوئی خبر کسی کے غم واندوہ کی سن پاتے ہیں تو فوراً وہ خبر ان کو پہنچاتے ہیں۔



# پانچویں صفت

# امر معروف ونہی منکر میں کوتاہی کرنے کا فساد وضرر

واضح ہو کہ امر معروف میں کوتاہی کرنے اور منکر میں متوجہ نہ ہونے کا سبب ضعفِ نفس یا طمع مال ہے۔ یہ مہلکات سے ہے اور اس کا ضرر عام اور اس کا فساد کلی۔ کیونکہ جب امرِ معروف و نہی منکر دنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو آیات نبوت برطرف ہوتے ہیں اور دین وملت کے احکام ضائع و تلف۔ عالم کو جہل ونادانی وضلالت وگمراہی گھیر لیتا ہے شریعت رب العالمین کے آثار فراموش ہوتے ہیں اور آئین سید المرسلین کا چراغ خاموش۔ فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے اور شہر نابود وضائع ہوجاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی قوی النفس عالم متدین یا امیر متشرع نے جس کا حکم جاری ونافذ تھا۔ اس امر میں کوشش کی اور راہِ دین وآئین میں آدمیوں پر ملامت وسرزنش کرنے سے اندیشہ نہ کیا۔

پس تمام آدمی طاقت ومبرات کی طرف راغب ہوئے اور علم وعمل کی تحصیل کے طالب آسمان سے ان پر برکت نازل ہوئی اور دنیا وآخرت کی نیکی ان کو حاصل۔ جس زمانے میں عالم باعمل یا سلطان عادل اس امر خطرناک پر کمر ہمت نہ باندھے۔ اس بڑے کام کو آسان جانے تو خلق اللہ کا کام فاسد ہوتا ہے اور علم وعمل کا بازار بے رونق۔ آدمی لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں اور ہوا وہوس میں گرفتار وخودسر۔ یاد خدا اور فکر روز جزا کو فراموش کیے ہوتے ہیں اور باوجود معاصی سے مست وبیہوش۔ اسی سبب سے آیات واخبار میں ترک امر معروف اور نہی منکر کی بے حد مذمت آئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝63

یعنی: ”علماء اور عقلمند جھوٹی بات کہنے اور حرام سے کیوں ان کو منع نہیں کرتے یقیناً وہ بدکاری ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“ (سورہ مائدہ)

حضرت رسولِ صلعم سے مروی ہے کہ کوئی قوم معصیت کرتی ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص ہو کہ ان کو منع کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور منع نہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نیز انہی سرورؐ سے منقول ہے کہ ضرور امر معروف و نہی منکر کو بتلانا چاہیے ورنہ وہ اشخاص جن کو تم بد جانتے ہو وہ تم پر مسلط و حاکم ہوں گے اور تمھارے نیکوں کی دعا مقبول نہ ہوگی۔

فرمایا کہ خدا بہ سبب عوام کے گناہوں کے خاص لوگوں پر اس وقت تک عذاب نہیں کرتا۔ جب تک کہ ان کے گناہ صادر نہ ہوں اور مخصوصین منع کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر ان کو منع نہ کریں۔

امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ تم سے قبل جن لوگوں کی ہلاکت واقع ہوئی ان کی وجہ یہی تھی کہ مرتکب گناہ ہوتے تھے اور ان کے علماء ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب ان سے گناہ متواتر صادر ہوتے تو وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتے۔

فرمایا کہ امر معروف و نہی منکر دو مخلوقِ الٰہی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ دوستی کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو شخص ان کو ذلیل کرتا ہے تو خدا ان کو ذلیل کرتا ہے۔

نیز ان حضرتؑ کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے جو شخص دل و زبان اور ہاتھ سے انکار منکر کو ترک کرے تو وہ زندوں کے درمیان ایک مردہ ہے۔

اور فرمایا کہ رسولِ خدا صلعم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ گنہگاروں کے ساتھ نفرت و آزردگی سے ملاقات کرو۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے شعیبؑ نبی کو وحی فرمائی کہ میں تمھاری قوم کے سو ہزار آدمیوں پر عذاب نازل کروں گا۔ جس میں چالیس ہرار گنہگار رہوں گے اور ساٹھ ہزار نیک۔

عرض کیا کہ:

اے پروردگار ! نیکوں کو کس لیے۔”

خطاب ہوا:

“اس وجہ سے کہ گنہگاروں کا ساتھ دینے اور میرے قہر کو آسان سمجھنے اور میرے غضب



پر غضب ناک نہ ہونے کے باعث۔”

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

وہ گروہ پاک و پاکیزہ نہیں ہوتا کہ جس کے قوی لوگوں سے ضعیفوں کا حق نہ لیا جائے۔

انہی حضرت سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بھیجا کہ کسی شہر کو اس کے اہلیان شہر کے ساتھ سرنگوں کر دیں۔ جب وہ ملک اس مقام پر پہنچے تو ایک مرد کو دیکھا کہ خدا کو یاد کرتا ہے اور گریہ وزاری میں مشغول ہے ایک نے دوسرے سے کہا کہ:

“اِس مرد کو نہیں دیکھتا ہے۔”

اس نے کہا کہ:

“جو کام ہم کو خدا نے فرمایا ہے اس کو بجالائیں گے۔”

اس ملک نے جواب دیا کہ:

“میں جب تک اپنے پروردگار سے دریافت نہ کرلوں اپنا کار مفروضہ نہ کروں گا۔”

پس وہ واپس ہوا اور عرض کیا کہ:

“اے پروردگار! جب ہم اس شہر میں پہنچے تو فلاں بندے کو دیکھا کہ تجھ کو یاد اور گریہ وزاری کرتا ہے۔”

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ:

“جو حکم میں نے تم کو دیا ہے بجالاؤ۔ بہ تحقیق کہ وہ مرد کبھی دوسروں کی معصیت پر غضبناک نہیں ہوا۔”

ایک روز ان حضرتؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھ پر لازم ہے کہ تم بے گناہوں کو گنہگاروں کے ساتھ مواخذہ کروں اور کیونکر لازم نہ ہو کہ تم میں سے جو عمل بد کرتا ہے اس کا اثر تم پر پڑتا ہے اور تم اس سے انکار اور دوری نہیں کرتے اور اس کو ایذا نہیں دیتے تا کہ وہ اس عمل بد کو ترک کر دے فرمایا کہ:

“تمھارے علماء اور عقلمندوں پر تمھارے نادانوں کے گناہوں کا بوجھ ڈالا جائے گا کیونکہ جب تم کسی شخص کو معصیت کا مرتکب دیکھتے ہو تو اس کو سرزنش اور نصیحت نہیں کرتے۔”

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''وہ نہیں مانتا ہے۔''

فرمایا کہ:

''اس سے دوری کرو اور اس کی ہم نشینی سے اجتناب۔''

بہت سے اخبار ان مجالس میں نہ بیٹھنے کے لیے جن کی معصیت ہوتی ہو وارد ہوئے ہیں بشرطیکہ اس کے امتناع اور دفع کرنے پر قدرت و امکان نہ رکھتا ہو۔

وارد ہے کہ اگر کوئی شخص مجلسِ معصیت میں شریک صحبت ہو تو اس پر لعنت نازل ہوتا ہے اس لیے جائز نہیں کہ کسی ظالم و فاسق کے مکان میں جب کہ وہ مشغول ظلم یا فسق ہو داخل ہوں اس طرح اس مجمع میں جس میں کوئی معصیت ہوتی ہو اور وہ اس کے دفع کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو شریک ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ بغیر ضرورت کے ملاحظہ معاصی جائز نہیں اور یہ عذر کہ اس کے دفع کی قدرت نہ تھی مسموع نہ ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ بعض خدا شناسوں نے آدمیوں سے کنارہ کشی اختیار کی تھی کہ کہیں بازار، راستوں، مجمع، عیدگاہ میں کوئی معصیت ہوتی ہوئی نہ دیکھیں جس کو دفع نہ کر سکیں۔ آپ نے امر معروف و نہی منکر کی طرف سے بے پروائی و آسانی کی حالت کو معلوم کیا کہ جس کی وجہ کس قدر خرابیاں مترتب ہوتی ہیں تو اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ معصیت کا حکم کرنے اور اطاعت سے رکنے کا کس قدر عذاب ہے۔

ایک روز حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

''کس طرح ہوگا جب کہ تمہاری عورتیں خراب ہوں گی تم لوگ فاسق امر معروف اور نہی منکر نہ بجالائیں گے۔''

اس وقت تعجب سے عرض کیا گیا کہ:

''ایسا وقت آئے گا''

فرمایا:

''ہاں! بلکہ اس سے بدتر جب منکر کا امر کیا جائے گا اور معروف سے نہی کیا جائے گی۔''

عرض کیا گیا کہ:

''ایسا وقت بھی ہوگا۔''

فرمایا:



''ہاں! بلکہ اس سے بدتر۔ جب کہ تمہاری نظروں میں معروف منکر ہو جائیگا اور منکر معروف۔''

جو شخص اخبار و آثار میں غور کرے۔ تواریخ و حکایات گزشتگان کو دیکھے۔ ان پر بلا و عذاب کے نزول کو ملاحظہ کرے اور پھر اپنے زمانہ حال اور ان امور کو جو واقع ہو رہے ہیں مشاہدہ کرے۔ تو وہ یقین کر لے کہ یہ آفاتِ ارضی و سماوی مثلاً:

- ☆ طاعون
- ☆ وباء
- ☆ قحط
- ☆ کمی آب و باراں
- ☆ تسلطِ اشرار و ظالمان
- ☆ قتل و غارت
- ☆ زلزلہ وغیرہ

یہ تمام امر معروف اور نہی منکر کے ترک کرنے کی بدولت واقع ہو رہے ہیں۔

# فصل نمبر (۱)

## امرِ معروف و نہی منکر کا وجوب اور اس کی شرافت

واضح ہو کہ امر معروف اور نہی منکر میں کوتاہی کرنے کی ضد۔ ان میں سعی اور طریقہ نیک اختیار کرنا ہے اور یہ اعظم عبادت دین ہے اور بہت بڑی علامت شریعت و آئین۔ اور یہی مقصدِ کلی بعثت انبیاء و نصب آئمہ و اوصیاء ہے۔

اسی وجہ سے اس کی مدح و ترغیب میں بے حد آیات و اخبار آئے ہیں اور خداوند عالم جل شانہ کا اس امر پر حکم ہوا ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

خلاصہ معنی یہ ہے کہ: ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو کہ وہ آدمیوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے منع کرے اور وہی گروہ نجات پانے والا ہے۔'' (سورہ آل عمران)

نیز فرماتا ہے کہ:

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

یعنی: ''تم تمام امتوں سے بہتر ہو کہ نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو۔'' (سورہ آل عمران۔ ۱۱۰)

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں ان دو امور میں سے ایک امر ضرور ہوگا۔

یا یہ کہ:

معروف کا امر کرو گے اور گنہگاروں کو منکرات سے باز رکھو گے۔

یا یہ کہ:

حق سبحانہ تعالیٰ کوئی عذاب تم پر نازل کرے گا اور ہر چند دعا کرو گے مگر مقبول نہ ہوگی۔

نیز آں حضرتؐ سے منقول ہے کہ:

راہِ خدا میں جہاد، تمام اعمالِ حسنہ کے مقابل اور نیز تمام اعمالِ حسنہ اور راہ خدا میں جہاد کرنا امر معروف و نہی منکر کے اس طرح مقابل ہے جیسے دریائے بے پایاں کے مقابلہ میں ایک پانی کا گھونٹ۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ ہر ایک پیغمبر خاص اصحاب کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور وہ پیغمبران میں اس زمانے تک جب تک کہ خدا چاہتا ہے توقف کرتا ہے اور خدا کی کتاب اور اس کے حکم پر عمل کرتا ہے جب خدا اس پیغمبر کی روح کو قبض کرتا ہے تو وہ مصاحب باقی رہ جاتے ہیں اور



کتابِ خدا اور اس کے احکام و طریقہ پیغمبر کے پابند ہوتے ہیں اور جب وہ بھی دنیا میں باقی نہیں رہتے تو بعد ان کے ایک گروہ جمع ہوتا ہے جو منبر پر جا کر بیان کرتا ہے جس کا قول معروف ہوتا ہے اور جس کے عمل منکر جس وقت تم لوگ اس زمانے کو پاؤ تو ہر مومن پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ جہاد کرے اور ان کو دفع کرے اگر اس پر قدرت نہ رکھے تو ان کے ساتھ دل سے میل و ملاپ نہ رکھے اگر اس طرح نہ کریں گے تو وہ صاحب اسلام نہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ امر معروف و نہی منکر کے بیان کرنے سے کسی کی اجل نہیں آتی اور کسی کی روزی کم نہیں ہوتا اور کلامِ حق میں بہتر یہ ہے کہ کسی حاکم جابر کے سامنے کہا جائے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امر معروف و نہی منکر کرنا پیغمبروں کا طریقہ ہے اور نیکوں کا شیوہ اور یہ فریضہ اعظم ہے جس کے ذریعہ سے تمام فرائض جاری کیے جاتے ہیں۔ ان طریقوں میں امن قائم رہتا ہے اس کے صاحب کی طرف مظلمہ رد ہوتا ہے دنیا آباد ہوتی ہے دین کے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے امر شریعت کو قیام حاصل ہوتا ہے پس اپنے دلوں میں ایسے لوگوں سے انکار کیجئے راہِ خدا میں ملامت کرنے والوں سے کوئی خوف اور اندیشہ نہ کیجئے اور ان کے ساتھ جہاد کیجئے۔ ان کو دل سے دشمن جانئے۔

بعض اخبار میں وارد ہے کہ موسیٰؑ نے پروردگار سے عرض کیا کہ کون سا بندہ تیرے نزدیک محبوب ہے۔

خطاب ہوا کہ وہ شخص جو میری حصول مرضی میں اس قدر کوشش کرتا ہے کہ جس طرح اپنے آرزوؤں کی تحصیل میں کوشش کی جاتی ہے۔ پس مومن کو چاہیے کہ جب کسی کو گناہ کرتا ہوا دیکھے تو حصولِ رضائے پروردگا ری ں اس کو اس قدر غیرت دین وغضب وحمیت غالب ہو کہ مخالفوں کی زیادتی وقوت سے اندیشہ نہ کرے اور دبدبہ وسطوت ملوک وسلاطین پر ملتفت نہ ہوا اور حق کی نصرت میں مال و جان وآبرو کی پرواہ نہ کرے

رسا نیدن امر حق طاعت است
ززنداں نہ ترسی کہ یک ساعت است

پس جو شخص طالب سعادت اور رضا جوئے رب العزت ہو اور وہ جس وقت کسی کو گناہ

کرتا ہوا دیکھے تو خود داری اختیار نہ کرے۔ کیونکر ایک بندہ خدا دوسرے بندہ کی نافرمانی دیکھ کر خو داری کرسکتا ہے۔ حالانکہ جب کسی حاکم یا بادشاہ کا ایک ملازم دوسرے ملازم کی کوئی نافرمانی دیکھتا ہے تو اس کی مخالفت کرتا ہے پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ کسی کو پروردگار کے احکام کی مخالفت کرتا ہوا دیکھے تو معترض نہ ہو اور دوسروں کی خوشنودی کو خوشنودی خدا پر مقدم رکھے۔

تجربہ سے ثابت اور اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کا پاس کرنا اور بندوں کے اصلاح کی کوشش کرنا موجب عزت و زیادتی حرمت ہے اور باعثِ طول عمر۔

واضح ہو کہ جو کچھ آیات و اخبار کر کیے گئے ان سے پایا جاتا ہے کہ امر معروف و نہی منکر مکلفین کے ہر فرد بشر پر واجب ہے اس مطلب میں میں عام علمائے فریقین کا اتفاق ہے۔ اس معنی پر کہ واجبات میں امر کرنا اور افعالِ محترمہ کی نہی کرنا واجب ہے لیکن مستحب میں امر کرنا اور امور مکروہ میں نہی واجب نہی بلکہ سنت ہے۔

واجب میں امر اور حرام میں نہی کرنا مندرجہ ذیل چار شرائط پر واجب ہے:۔

(۱) یہ کہ علم رکھتا ہو کہ یہ فعل اس شخص پر واجب ہے یا حرام پس وہ امور جو امر معروف و نہی منکر کے مشابہ ہوں ان میں واجب نہیں بنا بریں جب کسی امر کے وجوب یا اس امر کی حرمت میں اس طرح پر علم حاصل کیا جائے کہ اختلاف مجتہدین کا اس میں احتمال نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ ضروریات دین یا مذہب یا جس پر تمام علماء کا اجماع ہو تو اس شخص پر لازم ہے کہ اس امر میں امر و نہی بجالائے اور جس شخص کو علم قطعی اس چیز کے حکم میں حاصل نہ ہو اور اجماعی نہ ہو بلکہ اس میں کوئی اختلاف پایا جائے اور فقہاء کے اختلاف کا احتمال ہو اگر چہ خود مجتہد ہو اور اس کے حکم میں کوئی رائے رکھتا ہو یا کسی مجتہد کی رائے کو جانتا ہو تو ایسی حالت میں بطریق وجوب اس میں امر و نہی نہیں کرسکتا۔

خلاصہ حکم یہ ہے کہ:

مسائلِ قطعیہ اجماعیہ میں ہر شخص پر امر معروف و نہی منکر لازم ہے۔ لیکن جو امور کہ غیر اجماعی ہیں اور اختلاف آرائے مجتہدین ہیں تو کوئی مجتہد یا مقلد امر و نہی اس میں نہیں کرسکتا۔ مگر ہاں اس شخص کو جس کی نسبت یہ جانتا ہو کہ وہ اس کے ہم اعتقاد ہے۔

(۲) یہ کے احتمال فائدہ و اثر امر و نہی پر حاصل ہو اور جب بطور یقین جانے یا اس کا



گمان غالب ہو کہ کوئی اثر مترتب نہی ہوتا تو ایسی حات میں امر معروف و نہی منکر واجب نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ کسی فساد و ضرر کا گمان نہ ہو۔ اگر امر معروف یا نہی منکر میں اپنے یا کسی مسلمان کے ضرر کا گمان ہو تو اس کا وجوب قطع ہو جائے گا۔

جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے :

جو شخص کسی حاکم ظالم کا متعرض ہو اور کوئی بلا اس کو پہنچے تو کوئی اجر اور ثواب اس کے لیے نہ ہوگا۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ:

بزرگ ترین شہید وہ ہے جو سخن حق کسی ظالم کے سامنے کہے اور وہ اس کو مار ڈالے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ابتدا گمانِ فساد نہ رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

(۴) یہ کہ جس شخص نے امر معروف کو ترک کیا ہو یا منکر اس سے صادر ہوا ہو مگر پشیمانی و توبہ کا اثر اس سے ظاہر نہ ہوا گر وہ شخص شرمندہ ہو تو دوسرے وقت امر معروف و نہی منکر کی احتیاج نہیں ہے جو امور امر معروف و نہی منکر میں لازم ہیں۔

وہ یہ ہیں کہ:

اس کے صدور کا علم حاصل ہو اس طریقہ پر کہ خود دیکھا ہو یا اور کسی طریقہ سے بغیر تفحص و تجسس کے اس کا علم حاصل ہو مگر صرف گمان یا موقع گمان پر اس کا تجسس جائز نہی اور نہ متلاشی ہونا چاہیے۔ اگر گمان کیا جائے کہ گھر میں کوئی مشغول معصیت ہے لیکن اس کو درجہ یقین نہ ہو تو اس جائے داخل نہ ہو اور اس کی تحقیق نہ کرنا چاہیے اور ایسا ہی کان لگا کر سننا جائز نہیں کہ جو آواز آتی ہے وہ معصیت کی ہے یا نہیں یا کسی کا منہ اس گمان پر سونگھنا کہ اس نے شراب پی ہے یا نہیں۔ یا تحقیق کرنا کہ کسی گھر میں یا کسی ظرف میں شراب ہے یا نہیں یا دریافت کرنا کہ کسی جگہ کوئی ساز تو پوشیدہ نہیں کیا گیا۔

حاصل کلام جب تک کہ علم حاصل نہ ہو دریافت و تحقیق جائز نہیں اور اسی طرح ہمسایہ اور رفقائے فاسق کی بدکاری کی تفتیش کرنا روا نہیں ہے اور اگر کسی شخص کو تلاش کے بعد کسی معصیت کا علم ہو جائے تو اس وقت سے اس کو نہی کرنا لازم ہے۔ گو ابتداء تجسس کرنا بہتر نہ تھا اور جو شخص امر معروف و نہی منکر کرتا ہے اس کا عادل ہونا لازم نہی۔ خواہ وہ کوئی معصیت یا وہی

معصیت کرتا ہو بلکہ جس شخص کو ترک معروف یا فعل منکر کی اطلاع ہو جائے اس پر امر و نہی لازم ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اگر خود اس معصیت کا مرتکب ہو تو اس وجہ سے وہ عاصی و گناہ گار ہو گا۔ اگر باوجود اس کے دوسرے شخص کے ترک معروف یا فعلِ منکر کی اطلاع ہونے کے بعد اس کی نسبت امر و نہی نہ کرے تو دو گناہوں کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ جو شخص خود مرتکب معصیت ہوتا ہو اور شرمساری کرنا چاہیے۔

جیسا کے اخبار میں آیا کہ:

حضرت عیسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ اول اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر وہ نصیحت قبول کرے تو دوسروں کو نصیحت کر! اور نہ مجھ سے شرم و حیا کر!

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ قہر و غلبہ کے ذریعہ سے امر معروف و نہی منکر کیا جائے لیکن اگر بہ طریق پند و موعظہ و نصیحت ہو تو دور نہیں ہے کہ خود نصیحت کرنے والے کے لیے بھی اس معصیت کا مرتکب نہ ہونا مشروط ہو اور دوسروں کو معلوم ہو کہ یہ اس معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی نصیحت ہرگز کوئی فائدہ یا ثمرہ نہیں دیتی ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود عدم اثر امر و نہی واجب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ امر معروف و نہی منکر کی دو صورتیں ہیں:۔

ایک:

قہر و تسلط۔ مثلاً:۔

☆ ساز کا توڑ ڈالنا

☆ شراب پھیکنا

☆ اور زنا و لواطہ سے باز رکھنا وغیرہ۔

اسی صورت میں امر و نہی کرنے والے کے لیے عدالت اور اس معصیت کے عدم ارتکاب کی شرط نہی ہے۔

دوسری:

وہ صورت ہے کہ:۔

خدا اور عذاب خدا سے خوف دلایا جائے ایسی صورت میں جبکہ وہ خود مرتکب معصیت



ہو تو اس کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نیز شرط یہ بھی ہے کہ اس کو دوسرے اس معصیت کا مرتکب نہ جانیں۔

بین مذکور الصدر اس شخص کے لیے ہے جس نے معصیت کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھا ہو اور اس پر مطلع ہوا ہو لیکن جو شخص آدمیوں کی اصلاح و تبلیغ احکام شریعت کے واسطے نیابت حضرت سید المرسلین اور آئمہ طاہرین کی مسند پر بیٹھتا ہے اور ان کے ارشادات و ہدایات کو بیان کرتا ہے اور کو تقوے و عدالت و ورع و زہد کی صفت سے متصف ہونا ضروری ہے اور لازم ہے کہ کتاب خدا اور احادیث و آئمہ ہدا کے احکام کا علم رکھتا ہو اور حکم و فتویٰ کے لیے جامع الشرائط ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے مصباح الشریعہ میں ایسے شخص کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے ہوا و ہوس اور نفس امارہ کی آفت اور اس کی خواہشات کو ترک نہ کرے اور شیطان کے لشکر کو شکست نہ دے اور خدا کی پناہ اور اس کی نگہداری میں داخل نہ ہو تو وہ امر معروف و نہی منکر کی قابلیت نہیں رکھتا ہے۔ اگر وہ خداوند عالم کے احکام کو بیان کرے تو خود اس پر حجت قائم ہوتا ہے اور دوسرے آدمی اس پر یقین نہیں کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''تو دوسروں کو حکم دیتا ہے اور خود اپنے لیے بھول گیا ہے۔''

نیز اس کو خطاب ہوتا ہے کہ:

اے خیانت کرنے والے!

میری مخلوق کو منع کرتا ہے اور خود عمل کرتا ہے۔

واضح ہو کہ جو شخص امر معروف و نہی منکر کی خدمت کو بجالاتا ہے اور آدمیوں کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اس کو سزاوار یہ ہے کہ خوش خلق ہو اور صاحب صبر و حلم، قوی النفس، اور دوسروں کی گفتگو سے مضطر غمگین نہ ہو۔ اگر اس کو کوئی ایسی بات کہی جائے جو اس کے لائق نہیں تو متغیرہ نہ ہو۔ کیونکہ تمام اشخاص تابع ہوا اور ہوس اور حصول لذات کے درپے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو منع کریں گے تو ان پر شاق و ناگوار ہو گا۔ اسی وجہ سے اپنی زبان کو آپ کے حق میں کھول دیں گے اور آپ کے متعلق ایسی باتیں کہیں گے۔ جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور اکثر آپ کے ساتھ خلافِ ادب پیش آئیں گے۔ پس آپ کو اپنا دل مضبوط رکھنا چاہیے۔ اور ان کے قول و فعل

سے مضطرب اور غضبناک نہ ہونا چاہیے۔ آدمیوں کے ساتھ مہربانی و مروت محبت سے پیش آئیے۔ کیونکہ پند و نصیحت نرمی و ملائمت سے دوسروں کے دل میں اثر کرتی ہے۔ ان سے کوئی طمع و امید نہ رکھیے۔ جب آدمی دوسروں کے مال یا ان کی مدح و ثنا کی امید رکھے گا تو وہ دوسروں کی اصلاح اور ان کو امر معروف و نہی منکر نہیں کرسکتا۔

کہا جاتا ہے کہ:

ایک بزرگ نے اپنے مکان میں بلی پالی تھی اور قصاب کی دکان اس کے مکان کے بازو میں تھی۔ وہ بزرگ ہر روز اس قصاب سے اپنی بلی کے واسطے تھوڑا گوشت لیتا تھا۔

ایک روز اس نے اس اس قصاب کو کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہوا دیکھ لیا تو پہلے اپنے گھر میں آکر بلی کو اپنے مکان سے نکال دیا پھر قصاب کو معصیت سے منع کیا اور سخت و سست کہا۔

قصاب نے جواب دیا کہ:

''اب تیری بلی کو گوشت نہیں دیا جائے گا۔''

اس نے کہا کہ:

''جب میں نے اپنی بلی کو گھر سے باہر نکال دیا اور طمع کو منقطع کر چکا۔
اس وقت تیری نصیحت کے لیے آیا ہوں۔''

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ:

صاحبِ امر معروف کو حلال وحرام کا علم رکھنا چاہیے۔ اور جو اس کے نفس کے متعلق ہو اور جس کی امر و نہی کرتا ہو اس کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ وہ ہر ایک خلق اللہ پر مہربان و خیر خواہ ہو ان کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آئے اور ہر ایک کے رتبہ و اخلاق سے واقف ہوتا کہ ہر کسی سے اس کی شان کے مطابق رفتار کی جاسکے۔ نفسِ امارہ اور شیطان کے مکروں کا دانا و بینا ہو۔ آدمیوں سے جو اذیت اس کو پہنچے۔ اس پر صابر ہو اور اس کے عوض کا درپے نہ ہو اور ان سے شکایت نہ خیال کرے۔ اپنی قرابت داری کی جمعیت کا خیال نہ رکھے اور اپنے نفس کے لیے غصہ میں نہ آئے اپنی نیت کو خدا کے لیے پاک وصاف کر کے اس سے امداد کا مستدعی ہو۔ اگر آدمی اس سے نافرمانی کریں اور اس پر ظلم کریں تو صبر کرے اگر اس کی فرنبرداری کریں اور اس کی بات کو قبول کریں تو ان کی شکرگزاری کرے اور اپنے کاموں کو خدا پر نہ چھوڑ دے اور اپنے عیوب کا بینا ہو۔



واضح ہو کہ جو کچھ آداب وشرائط بیان کیے گئے یہ اس کے متعلق ہیں۔ جو امر معروف و نہی منکر کرتا ہے۔

لیکن جس شخص کی نسبت امر و نہی کی جاتی ہے اس کی بھی شرط غالب یہ ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو۔

ہاں بعض منکرات میں اس کی شرط نہیں جب کسی طفل یا دیوانہ کو دیکھا جائے کہ شراب پیتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ شراب کو پھینک دے اور اس کو منع کرے۔

ایسا ہی اگر کوئی دیوانہ کسی دیوانے کے ساتھ لواطہ یا زنا یا کسی جانور سے جماع کرتا ہوا دیکھا جائے تو اس کو منع کرنا چاہیے۔

# فصل نمبر (۲)

# امرِ معروف اور نہی منکر کے مراتب

واضح ہو کہ امر معروف و نہی منکر کے چند مراتب حسبِ ذیل ہیں:۔

## پہلا:

دل سے انکار کرنا اس طریقہ پر کہ دل میں منکر کو فاعل معصیت جانے اور اس وجہ سے اس کو دشمن رکھے۔

یہ مرتبہ ان چار شرائط سے مشروط نہیں بلکہ انھیں شرائط کے مجمد دو شرطوں سے مشروط ہے:۔

۱: یہ کہ اس معصیت مرتکبہ کا علم رکھتا ہو۔

۲: یہ کہ وہ مرتکب منکر نادم وپشیمان نہ ہو۔

## دوسرا:

یہ کہ اس کو حسبِ ارشاد و ہدایت معصیت جانتا ہو کیونکہ اکثر اشخاص جہل و نادانی کے باعث مرتکب معاصی ہوتے ہیں۔

## تیسرا:

اس شخص عاصی سے نفرت وکراہت رکھنا۔علیحدگی و دوری کرنا اور اس سے میل وملاپ اور ترک محبت کر دینا۔

## چوتھا:

بذریعہ پند ونصیحت کے زبان سے منع کرنا اور اس سے انکار کرنا اور جب یہ مفیدہ نہ ہوتو ذریعہ تہدید خوف دلانا۔

اگر یہ بھی اثر نہ کرے تو سختی کے ساتھ کہنا اور دشنام دینا۔

اس طریقہ سے کہ:

☆ اے نادان!

☆ جاہل!

☆ احمق!

☆ اے فاسق! وغیرہ

## پانچواں

اس کو بذریعہ قہرو تسلط معصیت سے باز رکھنا۔

مثلاً

☆ سامان لہولعب توڑ ڈالنا۔

☆ شراب پھینک دینا۔

☆ اور مالِ غصبی کو لے کر اس کے مالک کے حوالہ کر دینا وغیرہ۔

## چھٹا:

ہاتھ اور پاؤں سے بغیر جراحت یا قتل مارنا۔



## ساتواں:

تلوار یا کسی ہتھیار سے مارنا اور زخمی کرنا۔

اس مرتبہ کے لیے اکثر علمائے سابق نے امامِ وقت کی اجازت بتلائی ہے اور حاکمِ وقت کا بغیر اجازت امام کے جہاد کرنا جائز نہیں جانتے لیکن سید مرتضیٰ اس جماعت کے لیے جو متمکن ہو اور موجب فساد نہ ہو جائز جانتے ہیں اور امام کی اجازت مخصوص نہیں ہے۔

# فصل نمبر (۳)

# محرمات ومکروہات اعمالِ ناشائستہ بطورِ اجمال

واضح ہو کہ منکرات یعنی اعمالِ ناشائستہ جو حرام ومکروہ شامل ہیں، بہت ہیں اور جو فی زمانہ ظاہر ومروج ہیں وہ بے حد وبے حساب ہیں۔جن کی صراحت ممکن نہیں اور بطور اجمال بھی بہت ہیں جن کے منجملہ وہ تمام اعمال جو مسجدوں میں واقع ہوتے ہیں اور واجبات نماز میں خلل انداز بعض وہ افعال جن سے رکوع وسجود میں اطمینان قلب نہیں ہوتا۔

☆ وقتِ نماز میں تاخیر کرنا۔

☆ مسجد میں نجاست ڈالنا۔

☆ دنیا کی باتیں اور خرید وفروخت۔

☆ دیوانوں اور بچوں کا بازی کرنا۔

☆ قرآن راگ سے یا غلط پڑھنا۔

☆ مرد نامحرم کا عورت پر اور غیر عورت کا مرد نامحرم پر نظر ڈالنا۔

☆ حالتِ جنب وحیض میں داخل ہونا۔

☆ راگ سے اذان دینا۔

☆ راگ سے نوحہ پڑھنا اور گانا۔

☆ وعظ اور مجلس تعزیت میں غلط حدیث بیان کرنا۔

☆ نااہل کا فتویٰ دینا۔

☆ ریا وقصد خودنمائی وغیرہ۔

افعالِ ناشائستہ مذکورۃ الصدر جن میں بعض حرام بعض مکروہ ہیں اگر کسی نے ان کے حرام ہونیکی اطلاع پائی تو اس پر امتناع واجب ہوگیا اور جس نے اس کے مکروہ ہونے کی واقفیت حاصل کی۔ اس کو نہی کرنا مستحب نیز اعمال ناشائستہ جو بازار میں واقع ہوتے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

مثلاً:

☆ معاملات میں جھوٹ بولنا۔

☆ کم تولنا۔

☆ نیز معاملاتِ فاسدا اور اپنے برادر مومن کے خرید وفروخت میں حارج ہونا۔

☆ سود کھانا وغیرہ۔

وہ اسی طرح افعال قبیح ہیں جو گلیوں اور شاہراہ عام پر واقع ہوتے ہیں۔

مثلاً:

☆ راستے میں ستون ڈالنا اور دکان قائم کرنا یا ملک غیر کے متصل کھودنا جس سے آمد ورفت کا راستہ تنگ ہوجائے۔

☆ لکڑیوں اور چوپایوں کا باندھنا۔

☆ لکڑیوں کا گٹھا۔

☆ کچرا۔

☆ نجاست۔ اس طریقہ سے لے جانا کہ دوسروں کو اذیت پہنچتی ہو۔ اور آمد ورفت کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو۔

☆ چوپایوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا۔

☆ جانوروں کا راستہ میں ذبح کرنا اور ان کا خون، گوبر، مٹی، کوڑا وغیرہ ڈالنا۔

☆ اس قدر پانی کا چھڑکاؤ کرنا کہ راستے چلنے والوں کا پاؤں پھسلے۔

☆ کوچہ تنگ میں پرنالہ لگانا۔

☆ کاٹنے والے کتے کو سرِ راہ باندھنا وغیرہ۔



جو معصیتیں حمام وسرا ومجلس اور مدرسے وغیرہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

مثلاً:

☆ غیبت

☆ اسراف

☆ ریا

☆ خودنمائی

☆ جھوٹ اور فضول باتیں وغیرہ

ان تمام منکرات سے جس کو اطلاع ہو۔ اس کو چاہیے کہ اس کو منع ودفع کرے۔

بیان مندرجہ بالا میں گناہان صغیرہ کی صراحت کی گئی ہے۔

لیکن گناہان کبیرہ مثلاً:

☆ دین میں بدعت۔

☆ مسلمانوں پر ظلم کرنا۔

☆ قتل۔

☆ زنا۔

☆ لواطہ کا مرتکب ہونا۔

☆ شراب پینا۔

☆ ساز بجانا۔ گانا۔

☆ نامحرموں پر نظر ڈالنا۔

☆ مالِ حرام کھانا۔

☆ مقامِ غصبی میں نماز پڑھنا۔

☆ آبِ حرام سے غسل یا وضو کرنا۔

☆ مالِ وقف کا تصرف وغصب اور بذریعہ ظلم کوئی معاملہ کرنا۔

☆ دین اور مسائل عبادت سے جاہل ونادان ہونا وغیرہ۔

یہ بے حد و بے شمار ہیں جن کا حصر خصوصاً اس زمانے میں ممکن نہیں اگر کسی مومن دیندار

کومعلوم ہوتو دفع کرنے کی کوشش کرے اوراس کواپنے مکان میں آرام سے بیٹھنا اورآدمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ دینِ خدا کی اعانت پر کمر باندھے' بلکہ ہر ایک مسلمان کوسزاوار ہے کہ پہلے اپنے سے ابتداء اوراپنی اصلاح اور درستی کرے۔ طاعت کی عادت اورمحرکات کوترک کرے۔ بعداس کے اپنے اہل' اولا' اقارب' خویش کی طرف متوجہ ہو۔ ان کو ہرایک گناہ کی اطلاع دے اوراعمال ناشائستہ سے باز رکھے۔ جب ان سے فارغ ہوتواپنے ہمسایوں اوراہل محلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے بعداہل شہر کی جانب۔

ایسا ہی ہرایک مقام پر جہاں تک کہ اس کو دسترس حاصل ہوسکے۔ چنانچہ کوئی شخص باوجود قدرت کے منجملہ اشخاص مذکورہ کے کسی سے بھی غفلت وبے پروائی کرے تو اس کو پروردگار کے اس مواخذہ پر جوقیامت میں ہوگا۔مستعدوآمادہ رہنا چاہیے۔

## چھٹی صفت

# برادرانِ دینی سے کنارہ کشی کی مذمت اوران کے ساتھ محبت اورملاقات رکھنے کی شرافت

واضح ہوکہ برادر مومن سے دوری اورکنارہ کشی اوراس پرغیظ وغضب کرنا یہ نتیجہ عداوت و کینہ وبخل وحسد ہے اور یہ افعالِ ذمیمہ سے ہیں۔

حصرت رسولِ صلعم نے فرمایا کہ:

''جب ایک مسلمان دوسرے پرقہر وغضب اورآپس میں دوری اختیار کرے یہاں تک کہ تین روز گزرجائیں اورانھوں نے مصالحت نہ کی تووہ دائرہ اسلام سے باہر ہیں جوشخص صلح اور بات کرنے میں سبقت کرے تونیز آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ:

''کسی مسلمان کوتین روز سے زیادہ قہرودوری اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔''

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ:

''کوئی شخص ازروئے قہرایک دوسرے سے جدانہیں ہوتا۔مگر یہ کہ ان میں سے کوئی



ایک مستوجب لعنت ہوتا ہے اوراکثر دونوں مستحق لعنت ہوتے ہیں۔''

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''جومظلوم ہووہ کیونکر مستوجبِ لعنت ہوسکتا ہے؟''

فرمایا کہ:

اس وجہ سے کہ وہ اپنے بھائی سے کس لیے صلح کرنے میں سبقت نہیں کرتا۔

میں نے اپنے والاد بزرگوار سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جس وقت دوآدمی آپس میں نزاع کریں۔ان میں سے ایک دوسرے پرغیظ وغضب کرے تومظلوم کوچاہیے کہ دوسرے کے نزدیک آکراس طرح معذرت کرے کہ:

''اے بھائی!

میں خطاوار ہوں اور میں نے ظلم کیا ہے۔''

تاکہ جھگڑا برطرف ہو۔

بہ تحقیق کہ خداحاکمِ عادل ہے اورظالم سے مظلوم کاعوض لیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ:

''خدااس پررحمت نازل کرتا ہے جوہمارے دوستوں کے درمیان محبت ڈالتا ہے۔اے مومنین!

کوشش کرواورایک دوسرے سے بہ مہربانی پیش آؤ۔اس مضمون میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔

پس ہرطالبِ آخرت پرلازم ہے کہ:

تامل کرے اوراپنے برادروں کی دوستی والفت رکھنے کے ثواب کوملاحظہ کرے اوراپنے کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ایک دوسرے کے فضول مطالب اورگردکدورت ورنجس کے باعث زندہ درگورنہ ہوں۔اگر کوئی نزاع آپ میں اوردوسرے میں واقع ہوتوابتدا صلح میں کوشش کیجیے تاکہ شیطان ونفس امارہ پرآپ غالب ہوں۔درجاتِ بلنداور ثواب آخرت حاصل ہو۔

چونکہ ہرشخص کادشمنِ شیطان لعین ہے اورنفسِ امارہ بدخواہ اورہم نشین۔جب وہ کدورت و رنجش کاموقع پاتا ہے تومکروحیلہ کے ذریعہ سے بردرانِ دینی میں دشمنی ڈالتا ہے۔

# فصل نمبر(۱)

## برادران دینی کے ساتھ محبت رکھنا

حسبِ بین مذکورہ الصدر دوری کی ضد برادرانِ دینی سے میل وملاپ اور محبت رکھنا ہے۔ یہ اوصافِ جمیلہ واعمال فاضلہ سے ہے اور اس کا ثواب بے حد ہے اور اس کا فائدہ بے نہایت۔

حضرت رسالتؐ پناہ نے فرمایا کہ:

جبرائیلؑ نے مجھ کو خبر دی کہ خدائے عزوجل نے زمین پر ایک فرشتہ بھیجا اور وہ اس مکان کے دروازے پر پہنچا جس پر ایک مرد کھڑا ہوا اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتا تھا۔

اُس فرشتے نے کہا کہ:

مالک مکان سے کیا کام ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ:

وہ میرا مسلمان بھائی ہے اور خدا کے لیے اس کو دیکھنے آیا ہوں۔

فرشتے نے کہا کہ:

تجھ کو اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے؟

اس نے کہا:

نہیں۔

بعد اس فرشتے نے کہا کہ:

خدا نے مجھ کو تیری طرف بھیجا ہے اور بعد سلام کہتا ہے کہ بہشت تیرے لیے واجب ہوا۔

نیز کہا کہ:

خدائے عزوجل کہتا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کرے تو اس نے اس کی زیارت نہ کی بلکہ میری زیارت کی اور اس کا ثواب بہشت ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

جب کوئی مومن اپنے برادر مومن کو دیکھنے کی غرض سے باہر نکلے تو خدائے عزوجل ایک



فرشتے کو اس پر متوکل کرتا ہے کہ اس کے قدم کے نیچے اپنے پروں کو بچھائے اور کچھ اس پر سایہ کرے۔ جب وہ اپنے برادر مومن کے مکان میں داخل ہو تو خدا تعالیٰ ندا فرماتا ہے کہ:

اے میرے حق کی تعظیم کرنے والے اور میرے پیغمبرؐ کی پیروی کرنے والے بندے مجھ پر لازم ہے کہ میں تیری تعظیم کروں۔ جو مجھ سے سوال کرے عطا کروں جو دعا کرے قبول کروں اور بغیر طلب تیری حاجت کو برلاؤں۔ جب وہ واپس ہوتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی مشائعیت کرتا ہے اور ویسا ہی اپنے پروں کو اس پر سایہ کرتا ہے جب تک کہ وہ اپنے مکان کو واپس ہو۔

بعد اس کے خدا تعالیٰ ندا فرماتا ہے کہ:

بہ تحقیق کہ میں نے تیرے لیے بہشت کو واجب کیا اور تجھ کو اپنے بندوں کی شفاعت کی اجازت دی۔

نیز مروی ہے کہ:

جو مومن اپنے برادر مومن کی زیارت کے لئے گھر سے باہر آتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے ہر قدم پر ایک حسنہ لکھتا ہے اور ایک گناہ محو اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ جب اذنِ دخول کے لیے دستک دیتا ہے تو اس کے لیے دروازے آسمان کے کھولے جاتے ہیں اور جب وہ آپس میں ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں تو خدا تعالے ان پر ملائکہ کے سامنے مباہات کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ:

ان دو بندوں پر نظر کرو جو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور انھوں نے میری خوشنودی کے لیے باہم دوستی اختیار کی ہے۔ مجھ پر لازم ہے ان پر عذاب نہ کروں۔

جب وہ واپس ہوتا ہے تو ان کے نفوس اور قدر اور باتوں کے مطابق ملائکہ کو مشائعیت کا حکم ہوتا ہے اور ان کی سختی دنیا اور عذابِ آخرت سے ایک سال تک محافظت کی جاتی ہے اگر اس سال میں وہ مرجائے تو روزِ قیامت کے حساب سے معاف کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

جو مومن اپنے برادر مومن کے دیکھنے کو جائے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

تو نے مجھ کو دیکھا اور اس کا ثواب مجھ پر یہ ہے کہ بہشت عطا کروں۔

اور فرمایا کہ:

برادر مومن کی ملاقات جو صرف خدا کے لیے ہو دس بندہ مومن کے آزاد کرنے سے بہتر

ہے۔ جو شخص ایک بندہ مومن کو جس عضو کے ذریعہ سے آزاد کرتا ہے وہی عضو آتشِ جہنم سے محفوظ رہتا ہے۔

برادر مومن کی ملاقات کی تاکید میں ایک راز یہ ہے کہ ان کی آپس کی ملاقات میں رفع ناخوشی وعداوت ہوتی ہے اور حصولِ الفت ومحبت۔ اور یہ اعظم اسباب اصلاحِ دنیا وآخرت ہے۔ جب دو شخصوں میں کدورت واقع ہو تو شیطان کو موقع ملتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ مقامِ امتناع میں مومنین کے لیے فرماتا ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ط

یعنی: ''جو کچھ کہ روئے زمین میں ہے اگر اس کو خرچ کر کے ان کے دلوں میں الفت ڈالنے کا قصد کیا جائے تو ممکن نہیں لیکن خود خدا ان میں الفت ڈالتا ہے۔'' (سورہ انفال۔ ۶۳)

اسی وجہ سے ایک دوسرے پر سلام کرنے اور مصافحہ اور معانقہ کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ:

''خدا تعالیٰ اور پیغمبر صلعم کے نزدیک بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔''

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا افضل ہے اس مصافحہ سے جو ملائکہ کے ساتھ کیا جائے۔

نیز مروی ہے کہ:

جب دو مومن ایک دوسرے سے ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں میں داخل کرتا ہے جو شخص اپنے برادر مومن سے زیادہ محبت رکھتا ہے وہ مصافحہ کرتا ہے۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

جب تم لوگ اپنے برادر مومن سے ملاقات کرو تو سلام اور مصافحہ کرو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

جب دو مومن ایک دوسرے کے ساتھ معانقہ کرتے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی گردن



میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو رحمتِ الٰہی ان کو گھیرے لیتی ہے۔ اور اس معانقہ وہم آغوشی سے خوشنودی الٰہی کے سوا اور کوئی غرض دینوی منظور نہ ہو تو ربّ العزّت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ:

''تمہارے گناہ بخشے گئے۔''

اسی وجہ سے مہمانی، عیادتِ مریض، تشیع جنازہ اور اہل مصیبت کی تعزیّت وغیرہ کا حکم ہے اور ان اخبار سے پایا جاتا ہے کہ بندوں کی الفت اور دوستی کے لیے حضرت باری کا اہتمام کس قدر ہے اور اس صفت کی حفاظت کے لیے کیا کیا نیکیاں قرار دی ہیں۔ کیا کیا قاعدے وضع فرمائے ہیں۔ اس زمانے میں اکثر وہ سنّتیں متروک وفراموش ہوگئیں اور طریقہ جاہلیت لوگوں میں رواج پایا ہے۔

آثار نبوت سے بجز رسوم اور طریقہ شریعت سے بجز اسم کچھ باقی نہیں رہا اور بعض شیطانی صفت والے اغراض فاسدہ دو روزہ دنیویہ کے سبب سے آمد ورفت رکھتے ہیں۔ بندگانِ خدا کے درمیان نفاق وعداوت ڈالتے ہیں۔ جو کچھ کہ پروردگار نے اہتمام کیا ہے اس کو ترک کرتے ہیں۔

ایک دوسرے کو دیکھنے نہیں جاتے مگر از روئے ریا و نفاق اور بر بناء خود غرضی وفساد۔ اور ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کرتے۔ مگر از راہ فساد و نیت باطل اور سلام کو پستی کی علامت قرار دیتے ہیں ہر ایک سے امید سلام رکھتے ہیں اور مصافحہ کو احمقوں کا شیوہ جانتے ہیں۔

## ساتویں صفت

# مذمت قطع رحم اور صلہ ارحام کا وجوب اور اُس کا فائدہ

واضح ہو کہ قطع رحم کا سبب عداوت یا بخل وخست ہے۔ یہ صفت باتفاق علماء محرمات عظیمہ اور گناہانِ شدیدہ سے ہے۔ یہ موجب عذاب آخرت وبلائے دنیا ہے۔

اخبار سے پایا جاتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ قطع رحم فقر اور پریشانی اور کوتاہی عمر کا باعث ہے۔

اسی سبب سے ہر خاندان میں نفاق وعداوت پھیلی ہوئی ہے اور اس لیے تمام فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں۔ تھوڑے زمانے میں ان کا سلسلہ ایک دوسرے سے منقطع ہو جائے گا اور ان کی زندگی تمام قطع رحم کی مذمت میں اسی قدر کافی ہے کہ رحم کے قطع کرنے والے پر خداوند عالم نے قرآن مجید میں لعنت کی ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

یعنی: ''جو لوگ عہدِ خدا کو بعد پیوند کرنے کے توڑتے ہیں اور خدا نے جس سے وصل کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور جو لوگ زمین پر فساد کرتے ہیں۔ ان کے لیے لعنت ہے اور آخرت کی بدی۔'' (سورہ رعد)

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

''دشمن ترین اعمال خدا سے پہلا شرک دوسرا قطع رحم ہے۔''

اور فرمایا کہ:

''اپنے رحم کو قطع نہ کرو۔ حالانکہ وہ قطع کرے۔''

خدا نے فرمایا کہ:



''میں خداوندِ رحمن ہوں اور یہ رحم ہے اس کا نام میرے نام سے مشتق ہے جو شخص اس کے صلہ کو بجالاتا ہے میں بھی اس کے صلے کو بجالاتا ہوں۔ جو شخص اس کو قطع کرتا ہے میں بھی اس کو قطع کرتا ہوں۔''

حضرت امیر المومنینؑ نے خطبہ میں فرمایا کہ:

خدا سے اس گناہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو اپنے صاحب کو نیست ونابود کرنے میں تعجیل کرتا ہے۔''

اس وقت عبداللہ ابن کوا نے عرض کیا کہ:

''وہ کونسا گناہ ہے؟''

فرمایا کہ:

وہ قطع رحم ہے۔ بہ تحقیق کہ جب تمام خاندان ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوں۔ گو یہ اہل فسق وفجور ہوں۔ لیکن خدا ان کی روزی کو وسیع کرتا ہے۔ جس اہل خاندان نے ایک دوسرے سے دوری اختیار کی ہو اور قطع رحم کے مرتکب ہوں تو خدا ان کو محروم کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہلِ تقویٰ و پرہیز گار ہوں۔

کتاب امیر المومنینؑ میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

اِن تین خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت رکھنے والا آدمی نہیں مرتا جب تک کہ اس کا وبال اس پر عائد نہ ہو۔

۱: سرکشی کرنے والا۔

۲: قطع رحم کرنے والا۔

۳: جھوٹی قسم کھانے والا۔

اور کسی طاعت کا ثواب بہ نسبت ثواب صلۂ رحم کے اس کے صاحب کو فوراً نہیں پہنچتا۔ بہ تحقیق کہ جو طائفہ اہلِ معصیت ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتا ہو وہ تو ان کا مال زیادہ ہوتا ہے۔ جھوٹی قسم آباد گھروں کو ویران کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

قطع رحم کرنے والوں سے پرہیز کرو۔

حضرت امیر مومنان نے اپنے ماتحت حکام شہر کو تحریر فرمایا کہ:

قرابت داروں کو حکم دو کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کے واسطے جائیں لیکن آپس میں ہمسائگی نہ کریں۔ کیونکہ ہمسایہ حسد و بغض و قطع رحم کا باعث ہوتا ہے اور یہ امر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب قرابت دار ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں تو ان کی دوستی ایک دوسرے سے زیادہ ہوتی ہے اور ان کا شوق افزوں۔

واضح ہو کہ قطع رحم کی ضد صلہ رحم ہے جو باتفاق تمام علماء واجب اور افضلِ طاعات ہے۔

خداتعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى

خلاصہ معنی یہ کہ: ''خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دو۔ اپنے والدین اور قرابت داروں سے احسان اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ۔'' (سورہ نساء۔۳۶)

اور فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ

''اور اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ کو اختیار کرو۔ کیوں کہ اس کے متعلق اور قرابت داروں کے حقوق کی نسبت سوال کیا جائے گا۔'' (سورہ نساء۔۱)

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ:

میں حاضرین و غائبین امت کو وصیت کرتا ہوں کہ صلہ رحم بجالائیں اگرچہ کہ وہ ایک سال کی راہ پر رہتے ہوں۔ بہ تحقیق کہ یہ جزو دین ہے۔

اور فرمایا کہ:

بعض قوم بہتر نہیں ہوتی بلکہ وہ اہلِ معصیت ہوتے ہیں لیکن صلہ رحم بجالانے کی وجہ سے ان کے اموال میں زیادتی اور ان کی عمر طویل ہوتی ہے اور اگر وہ اہل معصیت نہ ہوں تو کس قدر بہتر خوب ہوں گے۔



دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

جو اہلِ خاندان فاسق و فاجر ہوں۔ مگر صلہ رحم کے سبب سے ان کا مال زیادہ ہوتا ہے اور ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

اور فرمایا کہ:

☆ صدقے کا ثواب پندرہ حصے۔

☆ برادر دینی کے ساتھ احسان کرنے کا ثواب ۲۰ حصے۔

☆ قرابت داروں سے احسان کرنے کا ثواب چوبیس حصے ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

صلہ رحم خُلق کو نیک کرتا ہے۔ ہاتھ کو کشادہ اور روزی کو دوست دیتا ہے اور اجل کو تاخیر۔

دوسری حدیث میں اس سرور سے منقول ہے کہ:

صلہ رحم اعمال کو پاکیزہ کرتا ہے اور اموال کو زیادہ' بلاؤں کو دفع اور اجل کو تاخیر میں ڈالتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

صلہ رحم حساب روزِ قیامت کو آسان کرتا ہے اور عمر کو طویل اور آدمیوں کی برائیوں سے محافظت کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

صلہ رحم اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنا گھروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔

نیز ان حضرت سے مروی ہے کہ:

کوئی عمل عمر کو زیادہ نہیں کرتا۔ مگر صلہ رحم۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی عمر تین سال باقی رہ گئے ہوں اور وہ صلہ رحم بجالائے تو خدا اس کی عمر میں تیس سال باقی رہ گئے ہوں اور وہ صلہ رحم بجالائے تو خدا اس کی عمر میں تیس سال اضافہ کرتا ہے۔ اگر کسی کی عمر ۳۳ سال باقی رہی ہو اور قطع رحم کرے تو خدا اس کی عمر سے تیس سال کم کر دیتا ہے اور تین سال باقی رہ جاتے ہیں۔

اس مضمون میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔ جو کچھ اخبار سے پایا جاتا ہے وہی تجربہ اور معائنہ سے ثابت ہے کہ صلہ رحم زیادتی عمر و وسعتِ رزق اور جمعیت احوال کا باعث ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ:

صلہ رحم سے کسی عملِ نیک کا ثواب آخرت وفوائد دنیویہ زیادہ نہیں ہے اور بہ نسبت اس کے کسی طاعت کا اثر فوراً ظہور پذیر نہیں ہوتا۔

## فائدہ

جب آپ نے وجوب صلہ رحم اور اس کا فائدہ اور ضرر قطع رحم کا بھی علم حاصل کیا تو اب معلوم کیجئے کہ رحم سے مراد کہ جس کا صلہ واجب اور جس کا قطع کرنا حرام ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر ایک خویش نسبی ہے جو قرابت رکھتا ہو اگر چہ وہ نسبت بہت دور کی ہو اور کوئی محرمیت ان میں نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ:

کوئی نسبت دوسرے سے دور کی ہی کیوں نہ ہو مگر ہو اس کے ارحام سے ہے اس کا صلہ واجب۔

قطع رحم جو حرام کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

اس کو کوئی ایذا ذریعہ قول وفعل نہ پہنچائی جائے اور نہ اس کے ساتھ کوئی طریقہ ناشائستہ اختیار کیا جائے۔ یا کوئی بات رنج دینے والی کہی جائے کہ وہ آزردہ ہو۔ یا اس کو سکونت یا لباس یا خوراک وغیرہ کی کوئی احتیاج ہو اور آپ اس کے پوری کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور اپنی ضرورت سے زائد بھی ہو تو اس سے مضائقہ نہ کیجئے یا اس کے ساتھ کوئی ظالم ظلم کرے۔ آپ اس کو دور کر سکتے ہوں لیکن اس میں کوتاہی کی جائے یا کینہ وحسد کے باعث جس سے کنارہ کشی و دوری۔ اور بغیر عذرِ معقول اس کی عیادت نہ کریں۔ جب وہ سفر سے واپس ہو اس کے دیکھنے کو نہ جائیں اور جب اس پر کوئی مصیبت پڑے اس کی تعزیت نہ کی جائے یا اسی طرح کی اور صورتیں قطع رحم میں داخل ہیں۔ ان کی ضد صلۂ رحم ہے کہ کوئی بات سخت اور فعل بد اس کے ساتھ نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ مال وزبان وآبرو سے اعانت کی جائے اس کے پاس آمد ورفت رکھیں۔ اس کے احوال کی پرسش کریں۔



## آٹھویں صفت

# مذمت عقوق والدین اور ان کے ساتھ اِحسان کرنے کی فضیلت وآداب

واضح ہو کہ عقوقِ والدین از قسم قطع رحم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جو کوئی بے چارہ باپ یا ماں کا عاق کیا گیا ہو وہ نہ دنیا میں کوئی نیکی دیکھتا ہے اور نہ آخرت میں اور نہ اپنی عمر سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ عزت سے۔ نہ ایک لقمہ کھانے کا خوشی کے ساتھ اس کے گلے سے اترتا ہے، اور نہ پانی کا ایک گھونٹ۔

تمام آیات واخبار جو خصوص مذمت میں قطع رحم کے وارد ہوئے ہیں وہ اس کی مذمت پر بھی دلالت کرتے ہیں اور آیات واخبار خصوص اس کی مذمت میں آئے ہیں۔

اور حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳

خلاصہ معنی یہ کہ: ”تیرے پروردگار نے حکم فرمایا کہ سوائے میرے کسی کی پرستش و بندگی نہ کرو۔ باپ اور ماں کے ساتھ احسان و نیکی کرو۔ جب کہ ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو گئے ہوں تو ان کے رُوبرُو اُف نہ کرو۔ جب کسی چیز کی خواہش کریں تو ان کو پورا کرو اور ان کے ساتھ گفتگوئے نیک کے ساتھ پیش آؤ۔“ (سورہ اسراء)

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:۔

باپ اور ماں کے حقوق سے نہایت پرہیز کرو۔ کیونکہ ہزار سال کی راہ سے بوئے بہشت سونگھی جاتی ہے۔ باوجود اس کے جو عاق کیا گیا ہو اور جامے کو زمین پر کھینچے وہ بوئے بہشت نہیں

سونگھے گا۔

فرمایا کہ:

جو شخص بصورت خفگی پدر و مادر رات بسر کردے۔ جب صبح کو اٹھے تو اس کے لیے دو دروازے جہنم کے کھول دیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

جو شخص غصہ سے ماں باپ پر نگاہ کرے جبکہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہوتو خدا تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

جب قیامت ہوگی تو بہشت کے پردوں میں سے ایک پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ جس کی بو پانچ سو سال کے راستہ تک جائے گی مگر ایک جماعت کے سوا ہر شخص اس کی بو سونگھے گا۔

عرض کیا گیا کہ:

''وہ کون ہے؟''

فرمایا کہ:

''وہ عاق والدین۔''

اور فرمایا کہ:

ماں باپ کے روبرو اگراف کرنے سے بھی کوئی بات کم درجہ کی ہوتی تو اس سے بھی خداوند عالم امتناع فرماتا ہے۔ عقوق کا ادنیٰ مرتبہ اس کے سامنے اُف کرنا ہے اور ان پر تیز نظر ڈالنا بھی عقوق میں داخل ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ:

''اگر کوئی شخص اپنے فرزندوں سے کسی فرزند کو یہ کہے کہ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں تو یہ کوئی ثواب رکھتا ہے؟''

فرمایا کہ:

اس کے ماں باپ زندہ ہوں تو ایسا کہنا عقوق میں داخل ہے اور اگر مر گئے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مذمت میں عقوق والدین کے بہت سے اخبار ہیں بلکہ باتفاق علماء یہ گناہ کبیرہ سمجھا



جاتا ہے۔

بعض اخبار قدسی میں وارد ہے کہ: خداوند عالم نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ عاق والدین تمام پیغمبروں کی سی عبادت کرے تو مقبول نہیں اور جو چیز لوحِ محفوظ میں ابتدا لکھی گئی وہ یہ تھی کہ میں ایک خدا ہوں سوائے میرے کوئی خدا نہیں ہے جس فرزند سے باپ اور ماں راضی ہوں میں بھی اس سے راضی ہوں جس کے ماں اور باپ غضبناک ہوں میں بھی اس پر غضبناک۔

حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ:

تمام مسلمان مجھ کو بروز قیامت دیکھیں گے۔ مگر عاق والدین، شراب خور، اور وہ شخص جو میرا نام سنے اور صلوٰۃ نہ بھیجے۔ اسی قدر عاق والدین میں کافی ہے کہ پیغمبر خداؐ نے اس پر نفرین کی۔

اور فرمایا کہ:

خدایا جو شخص باپ اور ماں یا ان میں سے کسی ایک کی ناراضگی کو معلوم کرے اور ان کو راضی نہ کرے تو وہ ہرگز نہ بخشا جائے۔

آں حضرتؐ کی نفرین پر جبرائیلؑ نے آمین کہی۔

خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ جس نے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کی اور میرے ساتھ عقوق کیا تو اس کو نیک لکھتا ہوں۔ اور جس نے میرے ساتھ نیکی کی اور وہ اپنے والدین کا عاق کیا ہوا ہو تو اس کو عاق کرتا ہوں۔

بہت سے اخبار میں وارد اور تجربہ سے ظاہر و ثابت ہے کہ جو شخص باپ اور ماں یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بدی کرے تو اس کی عمر کوتاہ اور اس کی زندگی تلخ بسر ہوتی ہے اور فقر و پریشانی اس کو گھیر لیتی ہے۔ اور حالت سکرات اس پر سختی سے گزرتی ہے اور جان کندنی دشوار ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی اخبار و آثار سے اور تجربہ روزگار سے پایا جاتا ہے کہ باپ کا فرزند پر نفرین کرنا مستجاب ہوتا ہے۔

لہٰذا اے صاحبو!

ہوشیار ہوجایئے۔ اپنی جان پر رحم کیجئے۔ باپ اور ماں کی تیغ عقوق سے پرہیز کیجئے۔ انھوں نے آپ کی پرورش میں جو تکلیف اور زحمت اٹھائی ہے اس کو یاد کیجئے اور غور کیجئے کہ آپ کے آرام کے لیے انھوں نے اپنے آرام کو حرام کر دیا۔ آپ کو سیر کرنے کے لیے اپنے پر گرسنگی کی

تکلیف اٹھائی' سال ہا سال آپ کو آغوش مہربانی میں لیا۔ دودھ پلا کر پرورش کی۔ اپنی عمر آپ کی خوشنودی میں صرف کی۔ عجب بے مروتی اور بے انصافی ہے جب کہ آپ کو تھوڑی قوت حاصل ہوئی تو آپ نے ان سب احسانات کو فراموش کر دیا۔

عقوقِ والدین سے مراد یہ ہے کہ:

ان کو غصہ دلایا جائے اور آزردہ کریں اور جس طریقہ سے وہ آزردہ ہوں عقوق حاصل ہوتا ہے اور آدمی مستحق عذابِ الٰہی اور بلائے غیر منتہائی۔ خواہ مارنے یا دشنام دینے یا ان کے ساتھ آواز بلند کرنے یا ان پر تیز نظر ڈالنے یا ان سے منہ پھیر لینے اور بے اعتنائی یا ان امور میں نافرمانی کرنے سے جن میں طاعت لازم ہے جیسا کہ حوالہ قلم کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ نیکی والدین اور ان کے ساتھ احسان کرنا ضد عقوق ہے۔ اور یہ اشرف سعادت اور افضل قربت 'بہت سے آیات واخبار میں اس کی نسبت بے حد ترغیب آئی ہے۔

حضرت آفریدگار فرماتا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾

خلاصہ معنی یہ کہ:" ان کے ساتھ انکساری اور فروتنی اور خاکساری کرو اور کہو اے پروردگار! تو میرے ماں باپ پر ایسا ہی رحم فرما جیسا کے انھوں نے عالمِ طفولیت میں مجھ کو پرورش کیا۔" (سورہ اسراء)

پھر فرماتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

یعنی:" خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔" (سورہ نساء۔ ۳۶)

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ:

"بہ نسبت نماز وروزہ اور حج وعمرہ اور جہاد کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا افضل ہے۔"

مروی ہے کہ: سرور کائنات صلعم کی خدمت میں ایک مرد نے حاضر ہو کر عرض کی کہ:۔



"یا رسول اللہؐ ! مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے۔"

فرمایا کہ:

"خدا کے ساتھ شرک نہ کر حالانکہ لوگ تجھ کو آگ میں جلائیں اور عذاب کریں۔ مگر دل کو اطمینان کے ساتھ مطمئن رکھ اور اپنے باپ ماں کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیکی کر خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ اگر تجھ کو حکم دیں کہ اپنے اہل ومال کو چھوڑ دے تو ویسا ہی کر۔"

دوسرا شخص آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے باپ اور ماں سے نیکی کرنے کی نسبت سوال کیا۔

حضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا کہ:

"ماں اور باپ سے نیکی کر۔"

ابتداء ماں کا نام لیا اور بعد میں باپ کا۔ سرور عالم صلعم کی خدمت میں ایک جوان نے حاضر ہو کر عرض کی کہ:

"میں جوان ہوں۔ راہِ خدا میں جہاد کرنے کو بہتر جانتا ہو۔ ماں سے کہتا ہوں لیکن وہ جہاد کو پسند نہیں کرتی۔"

فرمایا کہ:

"اپنی ماں کی خدمت میں واپس جا۔ بخدا ایک رات اپنی ماں کے نزدیک تیرا آرام کرنا ایک سال کے راہِ خدا میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔"

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

"افضل اعمال وقت پر نماز پڑھنا اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔

ایک مرد نے ان حضرتؑ سے عرض کی کہ:

"میرا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور اس پر ضعف غالب ہے جب اس کو حاجت کی ضرورت ہوتی ہے تو میں اس کو اٹھا کر لے جاتا ہوں۔"

فرمایا کہ:

"ہاں ایسا ہی کر اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں نوالا دے کہ کل کے روز یہ خدمت

تیرے کام آئے گی۔''

ایک شخص نے حضرتؑ سے عرض کی کہ:

''باپ اور ماں رکھتا ہوں لیکن وہ مذہبِ حق کے مخالف ہیں۔''

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

''ان کے ساتھ اس طرح نیکی کر کہ مخالف نہ ہونے کی صورت کی جاتی۔''

ایک شخص نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کی کہ:

''میں اپنے باپ اور ماں کے لیے دعا کروں' حالانکہ مذہب حق نہیں رکھتے ہیں۔''

فرمایا کہ:

''ان کے لیے دعا اور ان کی جانب سے تصدق کر۔ اگر وہ زندہ ہوں تو لطف و کرم سے پیش آ۔''

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ:

خداوندعالم جل شانہٗ نے کسی کے لیے اس کا ترک کرنا پسند نہیں فرمایا:۔

۱: امانت کا واپس کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بدکار۔

۲: عہد کا وفا کرنا خواہ وہ نیک سے کیا جائے یا بدکار سے۔

۳: والدین کے ساتھ نیکی کرنا خواہ وہ نیک ہوں یا بدکار۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ:

اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ان کی جانب سے نماز ادا کرو اور صدقہ دو۔ ان کی طرف سے حج اور روزہ رکھو تاکہ ان تمام کا ثواب ان کو پہنچے۔ جن کے باعث خداتعالیٰ اس کے لیے بہت سی نیکیاں اضافہ کرتا ہے۔

اس خصوص میں اخبار حد سے زیادہ متجاوز ہیں۔ جس کے ذکر سے بیان عاجز ہے۔

پس ہر مومن کو سزاوار ہے کہ نہایت اہتمام اکرام واحترام والدین کے لیے بجالائے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کوتاہی و تقصیر نہ کرے۔ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً پہنچادے۔ طلب کرنے کا انتظار نہ کرے۔

ایسا ہی اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اگر اس کے ساتھ سختی کریں تو ان کے روبرو اُف نہ



کرے۔ اگر اس کو ماریں تو اپنی بری صورت نہ بنائے۔ بلکہ کہے کہ خدا تم کو بخش دے۔ نگاہِ تند سے ان کو نہ دیکھے۔ اپنی آواز ان کی آواز پر اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر بلند نہ کرے۔ ان کے آگے راستہ نہ چلے۔ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ بلکہ جہاں تک ممکن ہو ان کی حدمت میں بیٹھے۔ حتی المقدور خاکساری و تواضع وفروتنی اختیار کرے۔ اس قدر اس کا اجر زیادہ ہے اور دنیا و آخرت کا فائدہ بیشتر۔

حاصل کلام ان کی فرمانبرداری وطلب خوشی واجب ہے مگر فعل حرام میں یا ترک واجب عینی میں حسب اتفاق علماء اطاعت والدین کی واجب نہیں واجبات میں اختلاف ہے اور تمام علماء کا قول یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔ بعض اِذن والدین کو سوائے واجبات کے فعل مباح ومستحبہ میں مستحب جانتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا ترک کوئی ضرر معتدبہ نہ رکھتا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ وجوب اطاعت والدین کی نسبت علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جب والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس کے ترک کرنے کا حکم کریں۔ ان میں مخالف کرنا حرام ہے۔ اگر ان میں کوئی ضرر ہو تو بعض علماء ان کی اطاعت کو واجب نہیں جانتے ہیں۔ بعض دوسروں کا اطلاق کلام وجوبِ فرمانبرداری اور مباحات ومستحبات میں ان کی حرمت مخالفت پر دلالت کرتا ہے۔

جامع السعادت میں بھی حسبِ اخبار وآیات ایسا ہی پایا جاتا ہے جن کا ترجمہ کلام یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اور ان کی طلب واجب ہے۔

پس فرزند کو واجب نہیں ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے کسی فعلِ مباح ومستحب کا مرتکب ہو۔ بعد اس کے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا فتوے اسی پر ہے کہ تحصیل علم کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔ مگر ان کی اجازت سے اور اس علم کا حاصل کرنا جو واجب عینی ہو۔ مثلاً تحصیل مسائل نماز وروزہ اصولِ دین اگر اسی شہر میں جہاں کہ وہ رہتا ہو کوئی ایسا شخص نہ ہو کہ ان کی تعلیم دے سکے اور اگر اس شہر میں کوئی عالم ہو تو اس کی مسافرت جائز نہیں۔ پس ہر ایک دیندار کو کوشش کرنی چاہیے کہ جو فعل ان کی خواہش کے مخالف ہو اس سے ظاہر نہ ہو۔ مروی ہے کہ اس برگزیدہ ذوالمنن کی خدمت میں شہر یمن سے ایک مرد حاضر ہوا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ ''آیا تو ماں رکھتا ہے؟''

عرض کیا کہ: ''ہاں''

فرمایا: ''جا اس کی خدمت کر بہ تحقیق کہ بہشت اس کے قدم کے نیچے ہے۔اخبار سے ظاہر اور آثار وتجربات سے پتہ چلتا ہے کہ نجات آخرت کے لیے حصولِ رضائے والدین بڑا وسیلہ ہے اور اسی طرح طلبِ طول عمر اور جمعی احوال وانتظام معاش دنیا کا ایک ذریعہ اور نیز ان پر احسان کرنے سے کوئی عمل بہتر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ والدین میں سے ہر ایک کا حکم مساوی ہے اور کوئی فرق نہیں رکھتا۔لیکن ماں کی رعایت کی نسبت زیادہ تاکید ہے اور اس کا حق افزوں جبکہ باپ ماں کسی ترک فعل واجبی یا ارتکاب حرام کی نسبت حکم دیں حالانکہ ان میں ان کی اطاعت واجب نہیں مگر جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ خوشامد ومہربانی سے پیش آئے اور نرمی والتماس کے ذریعہ سے ان کی رائے کو پلٹا دے۔اگر اس طرح کرنا ممکن نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے بغیر ان کی اطلاع کے عمل کرے جب کسی کے باپ اور ماں دونوں ہوں۔ان میں مخالفت واقع ہوئی ہو جب فرزند ایک کو راضی رکھنا چاہتا ہے تو دوسرا ناراض ہوتا ہے ایسی صورت میں ان کے اتفاق وصلاح میں جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی کوشش کرے اور کسی کو واسطہ قرار دے یا مجتہد سے عرض کرے کہ ان کو طلب کر کے پند ونصیحت کریں۔

واضح ہو کہ بڑے بھائی کا حق سب سے چھوٹے بھائی پر بڑا ہے اور صاحبِ ایمان پر اس کی نگرانی لازم۔

نیز چھوٹے کو بڑے کی حتی المقدور اطاعت بہتر ہے۔

حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ:

بڑے بھائی کا حق چھوٹے پر مثل باپ کے حق کے ہے۔



# فصل نمبر(۱)

# حقوقِ ہمسایہ

واضح ہو کہ باپ، ماں، خویشوں اور متعلقین کا حق جس طرح ہے ویسا ہی ہمسایہ والوں کا بھی۔

منجانب پروردگار ایک حق ثابت ہے اس کو حق جوار کہتے ہیں اور وہ قریب قریب خویشوں کے حق کے ہے۔حق برادری کے علاوہ ہمسایہ کے دوسرے حقوق ہیں جو شخص ان میں کوتاہی کرے گا روہ گنہگار ہوگا۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ:

☆ ایک وہ ہمسایہ جس کو ایک حق ہے۔

☆ دوسرا وہ ہمسایہ جس کے دو حقوق ہیں۔

تیسرا وہ ہمسایہ جس کے تین حقوق ہیں۔

جو ہمسایہ تین حقوق رکھتے ہیں وہ مسلمان وقرابت دار ہے۔اس کو حق ہمسایہ وحق اسلام و حق خویشی حاصل ہے۔

جس کے دو حقوق ہیں وہ ہمسایہ مسلمان ہے جو خویش نہ ہو اس کے لیے حق ہمسائیگی اور حق برادری اسلام ہے۔

جو ایک حق رکھتا ہے وہ ہمسایہ کافر ہے اس کو صرف ایک حق ہمسائگی حاصل ہے۔

نیز آں حضرت سے مروی ہے کہ ہمسایہ والوں کے ساتھ نیکی کریں تاکہ مسلمانیت قائم رہے۔

دوسری حدیث میں انہی سرورؐ سے مروی ہے کہ:

جو شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے لیکن وہ ہمسایہ کو اذیت پہنچائے تو وہ اہل جہنم سے ہے۔

حضرت امیر سے مروی ہے کہ:

حضرت رسول صلعم نے اپنے مہاجروں اور انصاروں کوتحریر فرمایا کہ جو لوگ اہل یثرب کے قریب ساکن ہیں وہ مثل ہمسایہ کے ہیں اور ہمسایہ نفس کے مانند ہے چاہیے کہ ان کوضرر نہ پہنچایا جائے اور ایک ہمسایہ کی حرمت دوسرے ہمسایہ پر ماں کی حرمت کے مانند ہے جیسے کہ فرزند پر ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہمسایہ کیساتھ نیکی کرنا باعثِ زیادتی عمروآبادی شہر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ:

وہ ہم سے نہیں جو ہمسایہ کے ساتھ نیکی نہ کرے۔

انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ:

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ شخص صاحب ایمان نہیں جو سیر ہو اور اس کے ہمسایہ میں کوئی بھوکا رہ جائے۔منقول ہے کہ:

جب حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ سے جدا ہوئے تو حضرت یعقوبؑ نے فریاد کی کہ:

اے پروردگار!

مجھ پر رحم نہیں کرتا تونے میری آنکھیں لے لیں۔مجھ کو نابینا اور میرے فرزند کو مجھ سے جدا کردیا۔

خدا نے اس وقت وحی فرمائی کہ:

ایک روز تو نے گوسفند ذبح کیا اور کباب بنا کر کھایا۔ایک شخص تیرے ہمسایہ میں روزے سے تھا تو نے اس کی خبر نہ لی اور نہ کوئی چیز بھیجی۔

بعد اس کے ہر صبح وشام حضرت یعقوبؑ کی جانب سے ایک منادی ندا کرتا تھا کہ مکانِ یعقوبؑ سے ایک فرسخ تک جو بھوکا ہو صبح یا شام حضرت یعقوبؑ کے مکان پر حاضر ہو کر طعام کھایا کرے۔

مروی ہے کہ قیامت کے روز ہمسایہ نادارا ہمسایہ مالدار کے دامن کو پکڑے گا اور کہے گا کہ:

اے پروردگار!



اس سے دریافت کر کہ کس واسطے اس نے کوئی احسان مجھ پر نہیں کیا۔

آپ ایسا ہی نہ سمجھیں کہ ہمسایہ کا حق یہی ہے کہ اس کو اذیت نہ پہنچائی جائے یہی تخصیص ہمسایہ کے ساتھ نہیں بلکہ ایک حق ہے جو تمام اشخاص کے لیے ثابت ہے بلکہ علاوہ اس کے ساتھ مہربانی اور عنایت سے پیش آئے۔اس پر احسان کرنے سے دریغ اور جس چیز کا وہ محتاج ہو اور آپ اس کے مالک ہوں تو اس کے دینے میں مضائقہ نہ کریں۔اس کو اپنے مال میں شریک سمجھئے۔

☆ اور اس کو سلام کیجئے۔

☆ اگر وہ اپنی حالتِ پوشیدہ ظاہر کرنا نہ چاہتا ہو تو آپ تفتیش نہ کیجئے۔

☆ اگر وہ بیمار ہو تو عیادت کیجئے۔

☆ اس کی مصیبت میں تعزیت کے لیے جایئے اور عزا میں اس کا ساتھ دیجئے۔

☆ اور خوشی میں مبارکباد دیجئے۔

☆ اگر اس کے عیب کی اطلاع ہو تو پوشیدہ کیجئے۔

☆ اس سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو اس کو عفو فرمایئے۔

☆ اگر وہ آپ کے گھر کی دیوار پر بوجھ رکھنا چاہے یا کوئی پرنالہ آپ کے صحن میں لگانا چاہے تو آپ مضائقہ نہ کیجئے اور گھر کا اسباب مثلاً:

☆ دیگ

☆ ظرف

☆ تبر

☆ تیشہ

☆ نمک

☆ آتش وغیرہ

طلب کرے تو دریغ نہ کیجئے۔

☆ اگر آپ کے خاص راستے سے آمدورفت رکھنا چاہے تو اس کو منع نہ کیجئے۔

☆ اس کے اہل وعیال کو نہ دیکھئے۔جب اس کے گھر کا دروازہ نہ ہو تو اس کے گھر سے غافل نہ ہو جایئے۔اس کی اولاد کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آیئے۔بلحاظ مصلحت دین ودنیا

اس سے گفتگو کیجئے۔

☆ اگر وہ آپ سے کوئی مدد چاہے تو مدد دیجئے۔

☆ اگر وہ قرض طلب کرے تو قرض دیجئے۔

☆ اپنا مکان بغیر اس کی اجازت کے اس طرح نہ بنائے کہ اس کے مکان کی ہوا بند ہو جائے۔

☆ جب آپ کوئی عمدہ غذا لائیں یا پکائیں تو اس کے لیے بھی بھیجئے۔ اگر بھیجنا نہیں چاہتے ہیں تو پوشیدہ کیجئے تا کہ اس کے بچوں کو اطلاع نہ ہوا اور اس کی خواہش نہ کریں۔

واضح ہو کہ ہمسایہ کی شناخت عرفا ہوتی ہے یعنی جو متعارف ہو کہ ہمسایہ کہ سکیں۔ اس کے لیے یہ حقوق ثابت ہیں۔

بعض اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ:

مکان کے چاروں طرف سے چالیس گھر تک ہمسایہ کہلاتا ہے۔

## نویں صفت

# عیب جوئی کی مذمت اور عیب پوشی کی مدح

واضح ہو کہ آدمیوں کے عیوب کی تلاشی خباثت نفس ہے اور ان کے عیبوں کا اظہار معیوب بلکہ آیات و اخبار سے پایا جاتا ہے کہ جو شخص عیوب کا متلاشی ہو اور رسوا کرنے والا ہو وہ خبیث ترین انسان ہے۔

خداوند جل شانہ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

خلاصہ معنی یہ کہ: 'جو لوگ مومنین کے اعمال ناشائستہ کے ظاہر کرنے کو دوست رکھتے ہیں ان کیلیے عذاب دردناک ہے۔' (سورہ نور۔۱۹)

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:



جو شخص کسی کے عملِ ناشائستہ کو ظاہر کرے تو وہ اس شخص کی مثل ہے کہ خود عملِ ناشائستہ کا مرتکب ہوا۔ جو شخص کسی مومن کو کسی چیز کی نسبت سرزنش کرتا ہے تو وہ نہیں مرتا۔ جب تک کہ اس میں مبتلا نہ ہو۔

ایک روز آں حضرت صلعم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ایسی بلند آواز سے کہ گھر کی عورتوں نے بھی سنا فرمایا کہ:

اے وہ گروہ!

جس نے زبان سے ایمان لایا اور دل مسلمانی سے خالی ہے مسلمانوں کی لغزشوں اور عیبوں کا متلاشی نہ ہو۔ بہ تحقیق کہ جو شخص مسلمان کی عیب جوئی کرتا ہے خدا اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور جس کی خدا عیب جوئی کرتا ہے وہ رسوا ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

وہ بندہ کفر سے قریب ہے جو اپنے برادر دینی کی برائیوں اور لغزشوں کا نگران رہے کہ کسی روز اس کو سرزنش کی جائے۔ وہ شخص احمق ہے جو ہزار طرح کے عیب رکھتا ہو اور سر سے پاؤں تک معصیت میں بھرا ہو لیکن اپنے عیوب کا دیکھنے والا نہ ہو اور دوسروں کے عیبوں پر زبان کھولتا ہو۔ اگر اس میں کوئی عیب بھی نہ ہو تو یہی صفت عیب جوئی بہت معیوب ہے کہ وہ اپنی خباثت باطنی سے آدمیوں کو خبر دیتا ہے۔ پس پہلے اپنے عیوب کو دیکھنا چاہیے بعد دوسرے کے عیبوں پر نظر ڈالے۔

حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ:

اس قدر آدمی کے عیب میں کافی ہے کہ اپنے لیے اندھا ہوا اور دوسروں کے عیوب کو دیکھے اور ان امور کی نسبت سرزنش کرے جس کو آپ خود ترک نہیں کرتے۔

واضح ہو کہ:

اس صفتِ خبیثہ کی ضد عیب پوشی اور آدمیوں کی برائیوں کا اخفا کرنا ہے۔ جس کا ثواب بہت ہے۔ اور جس کی فضیلت بے انتہا۔

صاحب مسند رسالتؐ و شافع روز قیامت نے فرمایا کہ:

جو شخص مسلمانوں کے عیوب کو پوشیدہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کے عیوب کو دنیا و آخرت میں

چھپاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ:

کوئی شخص کسی برادر مسلم کے کسی فعل ناشائستہ کو پوشیدہ کرتا ہے۔تو وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے۔

اسی قدر پردہ پوشی کی شرافت میں کافی ہے کہ تمام صفات آفریدگار سے ایک صفتِ ستاری ہے کہ:

خداوندعالم نے اپنے بندوں کی برائیوں کے چھپانے میں کس قدر سخت اہتمام کیا ہے کہ جو فعل زنا بدترین فواحش ہے۔اس کے ثبوت کا ایک ایسا طریقہ مقرر فرمایا۔جس کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے اس کے لیے چار گواہِ عادل جنھوں نے اس عمل کو مثلاً:

سرمہ دانی میں میل کا ہونا

مشاہدہ کیا ہو ضروری ہیں۔

پس اے صاحبو!

پروردگار عالم کو دیکھئے کہ اس نے اپنے بندوں کے گناہوں کے اخفا کرنے میں دنیا میں کس قدر پردہ پوشی کی اور اس کے اظہار کے راستوں کو مسدود کیا۔گناہ گاروں کی فضیحت پر راضی نہ ہوا بلکہ ہر روز کس قدر معصیتیں آپ سے سرزد ہوتی ہیں۔ان کو خداوندعالم دیکھتا ہے اور فاش نہیں کرتا۔

پس آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ وہ ستار اسی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اور عقبیٰ میں ان کو آشکار کرے گا کہ جب بندہ بروزِ قیامت روتا ہوا آئے گا تو وجہ گریہ دریافت کی جائے گی۔

عرض کرے گا کہ:

اب میرے عیوب تمام اہل محشر پر ظاہر ہوں گے۔

خداوندعالم فرمائے گا کہ:

اے میرے بندے تجھ کو دنیا میں میں نے رسوا نہیں کیا۔حالانکہ تو میری مصیبت کرتا تھا اور ہنستا تھا کیونکر آج کے روز تجھ کو رسوا کروں حالانکہ تو اس وقت کوئی معصیت نہیں کرتا اور روتا ہے۔

مروی ہے کہ:



جناب پیغمبرؐ اس داورا کبر سے قیامت میں خواہش کریں گے کہ میری امت کا محاسبہ فرشتوں اور پیغمبروں اور باقی امتوں کی حضوری میں نہ لیا جائے تا کہ ان کے عیوب ظاہر نہ ہوں۔ بلکہ اس طرح حساب لیا جائے کہ تیرا اور میرے سوا کوئی دوسرا اس پر مطلع نہ ہو۔

خطاب الٰہی ہوگا کہ: اے میرے حبیبؐ ! میں اپنے بندوں پر تجھ سے زیادہ مہربان ہوں۔جب تجھ کو منظور نہیں کہ ان کا عیب غیروں پر ظاہر ہو تو میں بھی پسند نہیں کرتا کہ تجھ پر بھی ظاہر ہو اور تیرے آگے شرمندہ ہوں۔میں خود تنہائی میں اس طریقہ پر ان کا محاسبہ لوں گا کہ بجز میرے کسی پر ان کے عیوب ظاہر نہ ہوں گے۔

جب پروردگار کی عنایت پسندوں کے عیب پوشیدہ کرنے میں اس حد تک بڑھی ہوئی ہے تو اے مسکین غافل اے مبتلائے عیوب ورذائل آپ کو کیا ہوا ہے کہ بندگانِ خدا کے عیوب کو ظاہر اور ان کی برائیوں کے فاش کرنے میں کوشش کرتے ہیں اور اپنی بے ہودہ زبان ان کی مذمت میں کھولتے ہیں۔اپنے سے غافل کہ کن کن عیوب میں مبتلا ہیں۔اپنے عملِ ناشائستہ پر تھوڑی دیر نگاہ دوڑائے اپنے صفحہ نفسِ خبیث کا مطالعہ اور اپنے عیوب کا علاج کیجئے۔اگر کوئی شخص آپ کا عیب دوسروں کے سامنے بیان کرے تو آپ کا کیا حال ہوگا۔دوسروں کی حالت کا بھی اس طرح قیاس کیجئے۔بہر حال جو شخص کسی کے عیب کو ظاہر کرتا ہے اس کا عیب بھی فاش ہوتا ہے۔

پس آپ کو ضروری ہے کہ:

اپنی آنکھوں کو دوسروں کے عیوب دیکھنے سے اندھا اور اپنے کانوں کو بہرا بنائے۔اپنی زبان کو ان کے اظہار کرنے سے ممانعت کیجئے۔

## دسویں صفت

# مذمّت افشائے راز اور اُس کے اخفا کی مدح

واضح ہو کہ افشائے راز سے مراد اظہار عیوب عام ہے ۔خواہ وہ عیوب راز ہو سکتے ہوں یا نہ ہوں لیکن اس کے افشاء سے ایذا اہانت ہوتی ہے یہ عمل شرعاً مذموم ہے اور اس کے عمل کرنے والا عقلاً معتوب وملول۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

''دو آدمیوں کے درمیان جو بات کی جائے وہ تم میں امانت ہے۔''

وارد ہوا ہے کہ:

وہ بہت برا شخص ہے جو کسی کے بھید کو فاش کرتا ہے۔

عبداللہ سان نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ:

''مومن کی عورت مومن پر حرام ہے؟''

فرمایا:

''ہاں۔''

عرض کیا:

''عورتوں سے یہی مراد ہیں۔''

فرمایا کہ:

''ایسا نہیں بلکہ اس کے بھید کا فاش کرنا ہے اور اس کی ضد راز و اسرار کا نگاہ رکھنا اور پوشیدہ رکھنا ہے۔

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہِ نجات
بداد جام می و گفت راز پوشیدن

حضرت پیغمبرؐ اور محرمِ رازِ خداوند اکبر فرماتے ہیں کہ:

خوشا حال اس بندہ کا کہ جس کا نام مشہور نہ ہو اور خدا اس کو پہچانے اور وہ آدمیوں میں



معروف نہ ہو۔ایسے اشخاص چراغ راہِ ہدایت ہیں اور سرچشمہ علم وحکمت۔فتنہ ظلمت ان کے واسطہ سے روشن ہوتا ہے۔یہ فاش کرنے والے اسرار کے نہیں ہیں اور نہ پوشیدہ کاموں کو ظاہر کرنے والے ہیں اور نہ جفا آزاد کے درپے۔یہ ریا سے دور ہیں اور خودنمائی سے مجور۔

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ:

اُن لوگوں میں داخل نہ ہوں جو کسی کے عیوب اور بھیدوں کو ظاہر کرتے ہیں بہ تحقیق کہ وہ لوگ بہتر ہیں کہ جب ان کو دیکھتے ہیں تو خدا کی یاد میں مشغول ہیں۔وہ لوگ بد ہیں جو سخن چینی کرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور آدمیوں کے عیوب کی تفتیش کے درپے ہیں۔

واضح ہو کہ رازداری دو قسم کی ہے:

ا: یہ کہ دوسروں کے راز کا پوشیدہ رکھنا۔وہ یہ ہے کہ جو مذکور ہوا۔

۲: یہ کہ اپنے اسرار کا پوشیدہ کرنا اور ظاہر نہ کرنا یہ بھی تمام لوازمات سے ہے اور ان کا افشا کرنا بھی باعثِ ضعفِ نفس وسستی عقل ہے۔

آدمی کے اسرار دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے ہیں:۔

ا: یا تو دولت وسعادت ونیک بختی کا نتیجہ ہوں گے۔

۲: یا نکبت وشقاوت وناکامی ان سے ظاہر ہوتی ہوگی۔ان دونوں حالتوں میں پوشیدگی افضل ہے۔

پہلی حالت میں اس کا اظہار موجبِ زیادتی عداوتِ دشمنان وحسدِ ابنائے زمان ہوتا ہے اور باعثِ طمع دون ہمتاں۔

دوسری حالت ہو تو اس کا ظہور سبب شماتتِ دشمنان و اندوہ دوستاں ہوگا اور ظاہر ادیکھنے والوں کی نظر میں خفت حاصل ہوگی۔

اکثر ہوتا ہے کہ افشائے راز سے بہت فساد برپا ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے منع کیا گیا کہ اپنا راز چھپا نہ سکے تو دوسرے آپ کے راز کو کیونکر اخفا کریں گے۔اس صفت سے کسی جماعت کو اس قدر تاکید نہیں کی گئی جیسی کہ سلطان والا تبار کے لیے اسرار کا پوشیدہ کرنا شرائط سلطنت وجہانبانی قرار دیا گیا اور مہم ضوابط کشورستانی۔کیونکہ ان کے دشمن ومدعی بہت ہوتے ہیں جب بادشاہ کے دلی راز سے اطلاع ہوجاتی ہے تو اس کے عوض کی کوشش کی جاتی ہے پس محرمان اور

امنائے دولت کو بھی چاہیے کہ اسرار مخفی رکھیں کہ محرم کا بھی کوئی محرم ہونا ضروری ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ افشائے راز ہلاکت وفساد کی طرف منجر ہوتا ہے۔ جب مہدی عباسی نے اپنے فرزندوں ہادی اور ہارون کو ترتیب کے ساتھ ولیعہد بنایا تو اس کی وفات کے بعد ہادی تختِ خلافت پر بیٹھا اور اس نے ہردن سے ترک خلافت کرنے اور اپنے فرزند جعفر سے بیعت کرنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار ہادی نے اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہا اور اس ارادہ کو بعض ارکانِ دولت اور اہل حرم پر ظاہر کیا۔

خیزران جو ہادی و ہرون کی ماں تھی اُس کو اس ارادہ کا علم ہو گیا۔ چونکہ یہ ہردن کے ساتھ زیادہ محبت رکھتی تھی۔ اس لیے ہادی کو زہر دے کر ملکِ عدم کو روانہ کیا۔

جب کوئی شخص اپنے اسرار کے پوشیدہ کرنے کا ملکہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اپنے ہر ایک راز اور کیفیت کو ہر کسی سے پوشیدہ رکھے اور اپنے نفس کو اس طرح کی عادت ڈالے تاکہ اس کے لیے ایک ملکہ حاصل ہو جائے۔

## گیارہویں صفت

# مذمت سخن چینی و چغل خوری

واضح ہو کہ سخن چینی ونمامی جو کہنے یا لکھنے یا رمز واشارہ سے کی جائے۔ یہ رزیل ترین فعلِ قبیح ہے اور اس صفت کا صاحب رزیل اور خبیث النفس بلکہ کلامِ الٰہی سے پایا جاتا ہے کہ سخن چینی کرنے والا ولد الزنا ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾

یعنی: ہر سخن چین غیبت کرنے والے پر وائے ہو۔ (سورہ ہمزہ)

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا:

''کوئی سخن چین داخل بہشت نہیں ہوتا۔''

اور فرمایا کہ:



''تم میں خدا کے نزدیک وہ شخص بدتر ہے جو بغرض سخن چینی دوستوں میں بیٹھتا ہے اور ایک دوسرے میں جدائی ڈالتا ہے اور نیکوں کے عیوب کا متلاشی ہے۔''

آں حضرت سے مروی ہے کہ:

حق سبحانہ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا اور اس کو فرمایا کہ:

''بات کر۔''

بہشت نے کہا کہ:

''جو شخص مجھ میں داخل ہوا وہ سعادت کو پہنچا۔''

خداوند جبار جل جلالہ نے فرمایا کہ:

میری عزت وجلال کی قسم کہ تجھ میں یہ آٹھ گروہ داخل نہیں ہوں گے:۔

۱: جو ہمیشہ شراب خوری کرے۔
۲: جو ہمیشہ مرتکبِ زنا ہو۔
۳: سخن چین۔
۴: دیوث
۵: بادشاہ ظالم کا لشکری۔
۶: مخنّث
۷: جو اشخاص قطع رحم کریں۔
۸: جو خدا سے عہد کر کے اس کو وفا نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے وقت بنی اسرائیل میں خشک سالی وقحط نمودار ہوا۔ حضرت موسیٰؑ نے کئی بار شہر سے باہر تشریف لا کر بارش کی دعا کی۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت کلیم اللہ نے اس بارے میں مناجات کی تو وحی ہوئی کہ تم لوگوں میں ایک شخص سخن چین ہے۔ میں اس کی بدبختی کے باعث تمہاری دعا کو قبول نہیں کرتا ہوں۔

اس مضمون سے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس صفت والا کس قدر رحمتِ الٰہی سے دور ہے۔ اس کی شامت سے دعائے حضرتِ کلیم مقبول نہ ہوئی اور نہ رحمت وفیض کا دروازہ اُمت پر کھولا گیا۔ جو شخص اس صفتِ بد کی حقیقت کو پہچانتا ہے۔ تو وہ جانتا ہے کہ سخن چین بدترین وخبیث ترین مردم

ہے۔اس صفت والے میں تمام اوصافِ رذیلہ داخل ہیں:۔

☆ دروغ ☆ غیبت

☆ مکر ☆ خیانت

☆ کینہ ☆ حسد

☆ نفاق ☆ فساد

یہ تمام باعثِ ہلاکت ابدی وشقاوتِ سرمدی ہیں۔

خداتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ:

''وہ شخص جو وصل کردہ خداوند کو قطع کرے اور زمین پر فساد برپا کرے وہ سخن چین ہے۔''

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

''وہ شخص داخل بہشت نہیں ہوتا جو آدمیوں میں جدائی ڈالے سخن چین دوستوں کو متفرق کرتا ہے۔''

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''بدترین مردم وہ شخص ہے کہ جس کی شرارت سے آدمی پرہیز کریں۔کوئی شک نہیں کہ سخن چین ایساہی ہے۔''

حاصل کلام سخن چین کی بدی تمام اشخاص سے زیادہ ہے نقل ہے کہ کسی نے ایک غلام کو فروخت کیا اور خریدار سے کہا کہ:

''یہ غلام سوائے سخن چینی کے کوئی عیب نہیں رکھتا ہے۔

خریدار نے کہا کہ:

''میں راضی ہوں۔''

چنانچہ اس کو خرید کیا اور گھر لے گیا۔جب چندروز اسی طرح گزر گئے۔ ایک روز اس غلام نے اپنی مالکہ سے کہا کہ:

''مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ میرا آقا تجھ کو دوست نہیں رکھتا۔اس لیے دوسری عورت کرنا چاہتا ہے۔''



عورت نے کہا کہ:

''اس کا کیا علاج''

اُس نے کہا کہ:

''آقا کے داڑھی کے تھوڑے بال مجھ کو لادے تو میں اس پر کوئی افسوں پڑھوں گا جس کے باعث وہ تیرا مطیع ہوگا۔''

عورت نے کہا کہ:

''کس طرح اس کی داڑھی کے بال ہم دست کرسکتی ہوں۔''

اس نے کہا:

''جب وہ آرام کرے تو تیغ سے چند بال داڑھی کے تراش کر مجھ کو لادے۔''

اس کے بعد وہ اپنے آقا کی خدمت میں گیا۔اور کہا کہ:

''آپ کی عورت نے کسی بیگانہ سے راہ ورسم اختیار کی ہے اور آپ کو مار ڈالنے کا ارادہ رکھتی ہے اگر آپ میرے قول کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو اپنے کو نیند میں ڈال کر ملاحظہ کیجئے تو روشن ہوجائے گا۔''

آقا نے مکان پر جا کر اُسی طرح عمل کیا اور دیکھا کہ اس کی عورت تیغ لے کر سرہانے آئی ہے۔غلام کے کہنے کا یقین کر کے فوراً اُس عورت کو قتل کیا۔اس وقت غلام نے اُس عورت کے خویش واقارب کو جا کر خبر دی تو ان لوگوں نے آ کر اس آقا کو مار ڈالا اور اس عورت وآقا کے خاندان میں وہ تلوار چلی کہ ایک جماعت کثیر قتل ہوئی۔علاوہ اس کے سخن چین کی اکثر اوقات اس خوف میں صرف ہوتی ہے کہ کہیں رسوا نہ ہو وہ اکثر خجل وشرمسار رہتا ہے باوجود اس کے جس سامنے کے سخن چینی کرتا ہے اس کی نظر میں خفیف وبے وقعت اور بد ہوتا ہے پس ہر عقلمند پر لازم ہے کہ جس وقت سخن چین اس کے نزدیک آئے اور کسی مسلمان کی ایسی شکایت کرے جس کو نہ کرنا چاہیے تو وہ اس کو قبول نہ کرے کیونکہ سخن چین فاسق ہوتا ہے اور ہر فاسق نص قرآن سے مردود ہے۔اس کو سخن چینی سے منع اور نصیحت کرے بلکہ اس کو دشمن سمجھے کیونکہ اس سے ایسی ہی معصیت علاوہ دشمنی کے سرزد ہوتی ہے۔کیونکہ جو شخص کسی کے پیٹھ پیچھے کہنے پر آمادہ ہوتا ہے گو کوئی الم اس کو نہیں پہنچاتا مگر اس کے روبرو کہنے میں شرم کرتا ہے تو وہ شخص تمام یعنی چغلخور ہے کہ اس نے

دوسرے کو اطلاع دی اور اس کو غمگین کیا اور اس سے شرم نہ کی۔ بلکہ باعثِ فساد وفتنہ ہوا۔ اگر وہ شخص دوست ہوتا تو جس نے پیٹھ پیچھے کہا ہے اس کو منع کرتا اور نہ اس کو موقع دیتا کہ وہ شکایت کر سکے اگر کسی نے کوئی بات کہی تو اس کی اصلاح میں کوشش کرتا پس عاقل کو یقین کرنا چاہیے کہ سخن چین اس بات کہنے والے سے زیادہ دشمن ہے۔ دشمن فاسق کے قول پر برادر مومن سے دل کو برا نہ کرنا چاہیے اور نہ سخن چین کا نام بھی ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اظہار بھی سخن چینی وغیبت میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کاظمؑ سے محمد بن فضل نے عرض کیا کہ آپ پر فدا ہوں کہ ایک برادر دینی نے مجھ کو خبر دی کہ میں نے کسی کو ناراض کیا ہے جب خود اس سے دریافت کرتا ہوں تو وہ انکار کرتا ہے حالانکہ ایک جماعت معتبر نے خبر دی ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ اے محمد اگر تو نے خود سنا یا دیکھا تو بھی اس کو باور نہ کر۔ اگر پچاس آدمی اس خصوص میں شہادت دیں تو اپنے برادر کے قول کی تصدیق کر اور ان کو جھوٹا سمجھ۔

ایک شخص حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور کسی شخص کی بدی کی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ دریافت کرتا ہوں۔ اگر تو نے سچ کہا تو تجھ کو دشمن سمجھوں گا۔ اور اگر تو نے جھوٹ کہا ہے تو تجھ پر مواخذہ کر دوں گا۔

نقل ہے کہ کوئی شخص ایک صاحب حکمت کی خدمت میں گیا اور اس نے کسی کی کوئی بات اس سے بیان کی۔ اُس حکیم نے کہا کہ تو نے میرے بھائی کی طرف سے مجھ کو بدکیا اور میرے دل کو فکر میں ڈال دیا اور آپ اپنے کو جو میرے نزدیک امین تھا تہمت کنندہ بنایا۔

واضح ہو کہ سخن چینی سے چغلخوری بدتر ہے وہ یہ ہے کہ کسی صاحبِ حکومت کے سامنے چغلخوری کرنا جس سے خوف ضرر واذیت پیدا ہو۔ اس صفت والے کو ہرگز اپنے نزدیک نہ آنے دیجیے۔ اور اس کی بات نہ سنیے اور یقین کیجیے کہ اس کا ضرر سگ گزندہ وگرگ درندہ سے زیادہ ہے۔



## بارہویں صفت

# مذمّت فساد اور اصلاح کی شرافت

واضح ہو کہ فساد ڈالنا جس میں سخن چینی بھی داخل ہے۔ لیکن بغیر سخن چینی کے بھی بعض فساد برپا ہوتے ہیں۔ یہ صفتِ خبیث ہے اور اس کا صاحب اہل شقاوت۔ اس صفت والا جہنم کا مستحق ہے دین کو تباہ کرتا ہے اور خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت۔ کیونکہ بہت سے قواعد شرعیہ جن کو خداوند عالم نے مقرر کیا ہے مثلاً جمعہ اور نماز جماعت میں حاضر ہونا اور امتناع غیبت و بدگمانی یہ تمام امور باعث حصولِ دوستی اور الفت ہیں جن سے بجز خوشنودی خدا اور رسول کوئی امر مطلوب نہیں ہوتا یہ خبیث ملعون و بدنفس خلافِ منشائے خدا اور رسولؐ فساد ڈالتا ہے جو کچھ ان سے خواستگاری کی گئی ہے۔ ان کو یہ نہیں چاہتا کوئی شک نہیں کہ ایسا شخص رزیل وخبیث ترین مردم ہے اور مستحق انواع لعن۔ اس صفت بد کی ضد آدمیوں میں میل وملاپ کرنا ہے۔ یہ صفت نیک فضائلِ ملکات وعلامت شرافت نفس و طہارت ذات ہے۔ اس وجہ سے اس کا ثواب بے حساب ہے اور اس کی بزرگی بیشمار۔ بہت سی احادیث واخبار اس کے گواہ ہیں۔ سید رسلؐ نے فرمایا کہ:

"فاضل ترین صدقات آدمیوں میں اصلاح کرنا ہے اور وجوب اصلاح کے لیے جھوٹ کہنا جائز ہے۔"

چنانچہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہر ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے مگر جو جہاد میں یا دو آدمیوں کی اصلاح میں کہا جائے وہ جھوٹ نہیں لکھا جاتا۔

حضرت صادقؑ نے ابنِ عمار سے فرمایا کہ:

میری طرف سے فلاں فلاں شخص کو ایسا ایسا کہنا۔

اس نے کہا کہ:

ان باتوں کے علاوہ کوئی اور بات جو ان کی اصلاح کے لیے ہو کہہ سکتا ہوں۔ فرمایا کہ ہاں۔ کیونکہ اصلاح کرنے والا دروغ گو نہیں سمجھا جاتا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اصلاح کے لیے کوئی بات غیر واقعہ کہی جائے جس سے اصلاح

ہوتی ہے تو وہ جھوٹ میں داخل نہیں اور نہ اس کا کوئی ضرر۔ سبحان اللہ پروردگار عالم کا خیال اصلاح کیلئے کس حد تک ہے کہ اس نے جھوٹ جس کا گناہ عظیم ہے اس خصوص میں جائز اور افضل صدقات قرار دیا۔ قواعد و قانون حصولِ الفت کے لیے مقرر فرمایا۔ مفسد کو لعن و عذاب سے مخصوص کر دیا۔ باوجود اس کے اکثر ابنائے زمانہ کو دیکھا جاتا ہے کہ امور دنیویہ کے لیے اس دنیائے عاریت سرا میں دوستوں اور مسلمانوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں اور فتنے برپا کرتے ہیں۔

## تیرہویں صفت

# مذمت شماتت

واضح ہو کہ شماتت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص اپنی بدی کے باعث فلاں فلاں بلا یا معصیت میں گرفتار ہوا اور نیز اس پر شاد و مسرور ہو تو اس کا منشا غالباً عداوت وحسد ہوتا ہے اور اکثر قضا وقدر الٰہی کی ناواقفیت۔ یہ صفت نہایت بد ہے اور اس کی بدی بے انتہا۔ تجربہ سے ظاہر اور آثار سے ثابت ہے کہ جو شخص دوسرے شخص پر بلا میں مبتلا ہونے کے باعث شماتت کرتا ہے تو وہ خود اس بلا میں گرفتار ہوتا ہے تاکہ دوسرے اس پر شماتت کریں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اپنے برادر پر شماتت نہ کر۔ اگر ایسا کرے گا تو خدا اس پر رحم کرتا ہے اور وہ بلا تجھ پر نازل ہوتی ہے۔

پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ اپنے حالت سے بے فکر ہو کر دوسرے کی شماتت کریں۔

لا تنخا واز خدا نشیدۂ
پس چہ خودرا ایمن و خوش دیدہ
تانز وید ریش تو اے خوش ذقن
بردگر سادہ زنخ طعنہ مزن

علاوہ اس کے جو بلا و مصیبت واقع ہوتا ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ یا اس کے درجاتِ بلند کا باعث ہوتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں



ہر کہ دریں بزم مقرب تراست
جام بلا بیشترش مید ہند

کوئی شک نہیں کہ اولیاء اور انبیاء پر جو مصیبتیں واقع ہوئی ہیں معاذ اللہ وہ ان کے افعال کے باعث نہ تھیں۔ پس عقلمند کو لازم ہے کہ ان اشکار پر تامل کرے۔ ابتداء آپ خود خائف ہو اور اپنی گرفتاری سے پرہیز کرے اس کے بعد معلوم کرے کہ بلا و گرفتار حضرت باری کے نزدیک بدی و خواری پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ بلکہ اس کے قرب درگار کی بوئے خوش صاحبان بصیرت کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ پس اپنے کو اس صفتِ شماتت سے مخاطب کیجئے اور اس کی ہلاکت سے اپنے کو بچایئے۔

## چودہویں صفت

# لڑائی اور جھگڑے کی مذمت

واضح ہو کہ جدال ومخاصمہ کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کی بات پر معترض ہونا اور اس کے نقص وخلل کو اس کی اہانت وحقیر کرنے اور اپنی بزرگی اور عقلمندی کے ظاہر کرنے کی غرض سے بغیر سبب دینی وفائدہ اخروی کے اظہار کرنا۔

خصومت بھی از قسم جدال ہے اور وہ کسی مال یا مقصد کے حصول کے لیے ذریعہ گفتگو جدال و مبالغہ کرنے کو کہتے ہیں مراء وجدال اخلاقِ مذمومہ اور صفاتِ رذیلہ سے ہے۔ خواہ وہ مسائل علمیہ میں ہو یا سوائے اس کے خواہ اس کا اعتراض حق پر ہو یا باطل پر۔ مگر جب کہ مسائل دینیہ کے متعلق ہو اور اس کی مراء وجدال کہتے ہیں۔ بلکہ اس کا نام ارشاد وہدایت ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلب حق دوسرے شخص کے ذریعہ سے ظاہر ہو جائے تو آپ کو برا نہ معلوم ہو۔

مجادلہ کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی حق بات دوسرے کی زبان پر جاری ہو تو آپ کو برا معلوم ہو اور آپ کی خواہش ہو کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلی اسے مدمقابل کو منوا دیا جائے اور بطور جدال اور اس کے کلام کا نقص ظاہر کر دیا جائے۔

پہلی صورت مذموم نہیں۔ بلکہ بہتر ہے اور وہ نتیجہ قوت معرفت اور بزرگی نفس ہے۔

دوسری صورت ہر دو جانب مذموم وممنوع اور ہیجان غضب کا باعث ہے اور سبب حصول عداوت وحسد اور یہ امر اکثر اپنے یا دوسروں کے اعتقادات حصہ میں شک وشبہ ڈالتا ہے۔

اسی وجہ سے حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نسبت منع فرمایا کہ:

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ط (سورہ انعام۔ ۶۸)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط (سورہ نساء۔ ۱۴۰)

خلاصہ معنی یہ کہ: ''جس وقت دیکھا جائے کہ جو لوگ ہمارے آیات میں غور کرتے ہیں اور ان پر معترض ہوتے ہیں تو ان سے کنارہ کشی کرو تا کہ دوسری بات کی طرف مشغول ہوں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تم بھی ان لوگوں کے مانند ہو جاؤ گے۔''

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

حقیقت ایمان اس وقت کامل ہوتی ہے جب مراء وجدال ترک کر دے اگر چہ وہ حق پر وہ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

ہرگز مجادلہ نہ کرو۔ خواہ مد مقابل صاحب علم ہو یا سفیہ۔ کیونکہ صاحب علم تیرا دشمن ہو جاتا ہے اور سفیہ اذیت پہنچاتا ہے۔

فرمایا کہ:

مراء وجدال سے پرہیز کرو کیونکہ یہ باعثِ عداوت ہے اور عیبوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔

کثرت سے مجادلہ کرنا اور دشمن پر غالب ہونا خواہ حق پر ہو یا باطل یہ صفت مذموم ہے۔



جب یہ قوت پکڑتی ہے تو اس کا صاحب پکڑنے والے کتے کی طرح راغب رہتا ہے وہ ہر کسی پر حملہ کرتا ہے اور ہمیشہ در پے رہتا ہے کج۔ جو بات کسی سے سنی جائے اس میں دخل وتصرف کرتا ہے اور خصوصاً ضعیف العقول سے لطف اٹھاتا ہے اور جو لوگ خُلق بد کو کمال جانتے ہیں اور اس کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ فلاں شخص لسان وتیز بحث ہے کوئی شخص اس کو زیر و عاجز نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ لیکن جس خصومت میں اپنے حصول مطلب ومقصد کے لیے کلام میں مبالغہ کیا جاتا ہے وہ بھی مراء وجدل کے مانند مذموم و بد ہے اور اس کی برائی بیحد اور ابتداء میں اکثر شرارتیں اور فساد طرح طرح کے رنج والم پیدا ہوتے ہیں۔

حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ:

جس وقت جبرائیل میرے نزدیک آتے تو مجھ کو نصیحت کرتے جن کا کلامِ آخر یہی ہوتا کہ آدمیوں پر تنگ گیری اور مبالغہ سے پرہیز کیجئے۔ یہ صفت آدمی کے عیب کو ظاہر اور اس کی عزت کو کھو دیتی ہے۔

اور فرمایا کہ:

دشمن ترین مردم خدا کے نزدیک خصومت کرنے والا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ:

تم لوگوں کو چاہیے کہ مراء وخصومت سے اجتناب کریں کہ یہ دل کو بیمار کرتی ہے اور برادروں میں نفاق ڈالتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

خصومت سے پرہیز کرو کہ وہ دل کو مشغول و گرفتار کرتی ہے اور کینہ ونفاق کا باعث ہوتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اکثر فتنے اور رنج خصومت سے پیدا ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو شخص اپنے حصول مقصود کے لیے خصومت کے در پے ہو اور دوسرے کے مقابلہ میں اگر حق مال یا اور کوئی حق ثابت کرنا منظور ہو جس کا شرعاً وہ مستحق ہے تو ایسی خصومت مذموم نہیں بلکہ مقتضائے غیرت ہے اور ممدوح۔

خصومت مذموم وہ ہے جو ایسی چیز میں کی جائے جس میں کوئی حق نہ ہو یا اس کی تحقیق کا یقین اور اس کا استحقاق نہ رکھتا ہو مثلاً اس وکیل دار القضا کی خصومت جو کہ نہ جانتا ہو کہ حق

کس طرف ہ اور ایک فریق کی طرف سے وکیل ہو کر خصومت پر کمر باندھتا ہے اور بغیر علم ویقین ۔ ایک جانب سے گفتگو اور دوڑ دھوپ کرتا ہے اور مسلمانوں کے مال کو ضائع اور بغیر عوض اور غرض غیر کے وبال کا متحمل ہوتا ہے ۔ ایسا شخص زیاں کار اور احمق ترین مردم اور فاسق ہے اور قیامت میں معذب وملول رہے گا۔

واضح ہو کہ جو خصومت ممدوح ہے وہ اپنے طلب حق شرعی کی نسبت ہونی چاہیے۔ اس میں اظہار مبالغہ وعناد نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ گفتگو نہ کریں۔ اگر مبالغہ کیا جائے یا گفتگو میں بغیر ضرورت واحتیاج کے دشمن کی اہانت وایذا کے باعث ہوں تو یہ خصومت مذموم ہے اور اس سے احتراز کرنا واجب۔ ایسا ہی اگر اپنے حصول حق کی غرض نہ ہو بلکہ دشمن پر غلبہ منظور ہو تو یہ بھی ممنوع ہے اور اس کا ارتکاب حرام۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض کم قیمت شے کے مطالبہ میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ مال کوئی قابلیت نہیں رکھتا اور نہ اس کی پروا ہے۔لیکن میرا حق ثابت ہونے کے بعد مجھ کو وہ مال ملے گا تو میں اس کو پانی میں پھینک دوں گا یا اس کو بخش دوں گا یا کسی کو دے دوں گا۔ انھیں باتوں کی طرح بلکہ یہ مبالغہ وعناد بھی ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ حاکم شرعی کا اس کی نسبت فیصلہ کرنا اور مرافعہ سننا جائز ہو سکے۔

بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ جو خصومت جائز رکھی گئی ہے وہ خصومتِ مظلوم ہے جو اپنے طلب حق میں بغیر قصد عناد وایذا و شکست خصم کے ہو اور ضرورت سے زیادہ اثبات حق میں کوئی بات نہ کرے۔لیکن اگر ممکن ہو تو دوسرے طریقہ سے اپنے حصول حق میں بغیر مخاصمہ کے کوشش کرے اگر ترک کرنا حق کا آسان ہو تو ترک کردے۔ کیونکہ مخاصمہ میں زبان کی حفاظت مشکل ہے اور کبھی منازعہ کی طرف منجر ہوتا ہے اور ان میں دشمنی مستحکم ہوتی ہے یہاں تک کہ ہر فریق دوسرے کے ضرر بلا کے باعث مسرور ہوتا ہے۔

پس عاقل کو سزاوار ہے کہ جہاں تک ہو سکے خصومت اختیار نہ کرے۔لیکن ایسی ہی ضرورت ہو تو خصومت کو ضرورت سے زیادہ طول نہ دے۔

اگر خصومت میں کوئی ضرر بھی نہ ہوتا تاہم پریشانی خاطر اور مشغول دلی ضرر ہے۔ آخر کار اس کی پریشانی اس حد تک پہنچتی ہے کہ حالتِ نماز میں دشمن کے جواب اور اس کی تکذیب وطعن کا



خیال آتا ہے۔

اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اس صفتِ خبیثہ کے نتیجہ پر غور کرے۔ اس کی برائی پر جو شرعاً و عقلاً ہو نظر ڈالے اور جانے کہ یہ تمام صورتیں دشمنی اور عداوت وزوال الفت ومحبت کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ دوستی اور یگانگی کو قطع کرتی ہیں۔ جو باعثِ خلاف منشائے پروردگار ہے اور موانع امور اور اپنی گرفتاری وپریشانی دل کا باعث جدال وخصومت کی وجہ سے آئینہ دل تیرہ ہوتا ہے۔ اور عزت وحرمت ضائع ہوتی ہے۔

علاوہ اس کے جب یہ صورت حد ضرورت سے تجاوز کرتی ہے تو اکثر اپنے حق کا نقصان ہوجاتا ہے۔

ان امور پر تامل کیجئے۔

اپنے کو اس سے باز رکھیے۔

بلکہ اس کی ضد جو خوش کلامی اور دلجوئی ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے اور اس کی عادت ڈالیے۔ تاکہ اس کا ملکہ حاصل ہو۔

جس شخص نے خوش کلامی کی لذت پائی اور اس کے فوائد کو سمجھا تو ظاہر ہے کہ حتی المقدور اس سے تجاوز نہ کرے گا۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

جو شخص ان تین چیزوں کو رکھتا ہو وہ جس دروازے سے چاہے بہشت میں داخل ہو:۔

(۱) حسن خلق

(۲) خوفِ خدا

(۳) ترکِ جدال

اگرچہ کہ وہ حق پر ہو۔

نیز انہی سرورؐ سے مروی ہے کہ:

بہشت کی کھڑکیاں ایسی مصفا اور درخشاں ہیں کہ باہر کی حالت اندر سے اور اندر کی حالت باہر سے معلوم ہوتی ہے انھیں خداوند عالم نے ان لوگوں کیلیے رکھا جو اطعام کرتے ہوں اور خوش کلامی ان کا شیوہ ہو۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قریب سے ایک سُور گزرا تو حضرت نے فرمایا کہ:

''اطمینان سے جا۔''

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''اے روح اللہ ! سُور سے آپ اس طرح کہتے ہیں۔''

فرمایا کہ:

''میں نہیں چاہتا کہ اپنی زبان کو بری بات کی عادت ڈالوں۔''

## پندرہویں صفت

# استہزا کی مذمّت

واضح ہو کہ استہزا اس کو کہتے ہیں کہ کسی آدمی کے قول وفعل یا اس کے اوصاف یا خلقت کو قول وفعل یا ایماء واشارہ یا کنایہ کے ذریعہ سے بیان کیا جائے کہ دوسروں کی ہنسی کا سبب ہو۔

اس صفت خبیثہ کا باعث عداوت یا تکبر یا اس شخص کی حقارت ہے۔ جس کا استہزا کیا جاتا ہے اکثر اوقات بعض اہل دنیا کی ہنستی کے لیے ازراہِ طمع دینویہ اموال حرام اسی طرح عمل کیا جاتا ہے کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ عمل طریقہ ارزل واوباش ہے اور یہ صفت کمینوں کی ہے اس عمل والے کو دین وایمان کی خبر نہیں اور نہ انسانیت ومروی کا کوئی اثر۔ اس نے دیدہ مردمیت اور آدمیت میں خاک بے شرمی ڈال دی۔ اپنے نفس رذیل وخبیث کو اس امر پر راضی کیا کہ چند ایسی باتیں جھوٹ بنائے کہ دوسرے ہنسیں۔ اس کی طبیع پست اس پر قائم ہوئی ہے کہ اپنی صورت اور ہاتھ سے چند ایسی حرکتیں کرے کہ جن سے نیکیوں کے افعال ظاہر ہوں اور اشقیا اور اشرار مضحکہ کریں۔

کوئی شبہ نہیں کہ ایسا شخص منزل انسانیت سے دور ہے اور نام آدمیت سے مہجور۔ صاحب عقل ودانش کی نظر میں بے وقت وخوار ہے۔ اور نگاہ عقلا میں پست وبے اعتبار قیامت مس ی طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوگا اور مستوجب عقاب۔

سبحان اللہ کس قدر شیطان لعین کو انسان پر تسلط ہے کہ اس سے یہ اعمال صادر کراتا ہے اور یہ ملعون اس کے آگے ہنستا ہے۔ اگر اس کی دیدہ بصیرت پر ابلیس نے پردہ نہ ڈالا ہوتا تو کیونکر یہ



پشت آدم ابوالبشر سے جو مسجود ملائکہ ملکوت ہے وجود میں آکر ایسا صفت پر راضی ہوتا اور اس کا دل غصہ سے خوں نہ ہوتا۔

مذمت میں اس عمل کے اسی قدر کافی ہے کہ مال وزر جو آدمیوں کے ہاتھوں کا میل ہے اس کے حاصل کرنے کے لیے ایسی معصیت خبیثہ کو اپنا وسیلہ بنایا تاکہ نظر میں ابنائے روزگار کے بے اعتبار وخوار ہو۔ گویا وہ اس پر اعتقاد نہیں رکھتا کہ بندے کہ جو اس کے پیدا کیے ہوئی ہیں وہ ان کی روزی کا متکفل ہے جس شخص کو تھوڑی بھی عقل ہو تو وہ اس عم کے نتیجہ پر ن رڑ ڈالے گا اور دنیا میں بے وقعتی اور آخرت میں شرمساری کو مدنظر رکھے گا۔ اگر اس صفت کا منشا عداوت ہو تو عداوت کی برائی اور فساش کا متذکر ہو۔ اگر اس کا سبب طمع مال ہو تو یقین کرے کہ ہر شخص کے لیے جس قدر مال وروزی مقرر کی گئی ہے اوکو ضرور پہنچے گی۔ اور اس کی قسمت کم وزیادہ نہ ہوگی پس انے نفس پر عتاب اور اس کو پند ونصیحت کرے۔ اس صفت کی مذمت جو از روئے شرع بیان کی گئی ہے۔ اس کو ملاحظہ کرے ہر حالت میں اپنے احوال کو دیکھے اور اس عمل کا مرتکب ہو کر عذابِ آخرت میں گرفتار نہ ہو۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ قیامت میں استہزا کرنے والے کو لائیں گے اس کے لیے ایک دروازہ بہشت کا کھولا جائے گا اور کہیں گے کہ جلد اس میں داخل ہو۔ وہ غم واندوہ کے ساتھ داخل ہونے کے لیے آئے گا۔ تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا اور دوسری طرف سے دوسرا دروازہ کھولیں گے اور اس کو کہیں گے کہ اس میں جلد داخل ہو۔ جب وہ اس دروازہ کے نزدیک آئے گا۔ تو پھر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ بلا میں گرفتار رہے گا۔ کسی دروازے سے بھی داخل نہ ہوگا۔

جو اس صفت میں مبتلا ہوا اور دوسروں کو ہنسایا۔ اسی کی تقلید کو اپنے شعار بنایا اس وقت اپنی حقیقت کو سمجھے گا۔ اپنی حالت پر کبھی ہنسے گا اور کبھی روئے گا۔ جیسا کہ علماء وعقلمند ہنستے تھے وہ کیونکر اپنی حالت پر نہ روئے کیونکہ اس نے حقیقت میں بہ سبب استہزا اہلِ دنیا کے نزدیک اپنے کو خوار وذلیل کیا ہے۔ جب قیامت ہوگی تو اس کا ہاتھ پکڑیں گے اور تازیانہ مار کر دوڑائیں گے تاکہ داخلِ جہنم ہو جو شخص اسکو دیکھے گا مسخرے کا مذاق اڑائیگا

## سولہوں صفت

# ظرافت وشوخی اور ہنسی کس قدر جائز ہے

# ان کی صراحت

واضح ہو کہ ظرافت اور شوخی کی زیادتی مذموم ہے اور از روئے شرع ممنوع ۔ کیوں کہ یہ باعث سبکی وکم وقاری ہے اور جب قطع بزرگی وحصول خواری ۔ دل کو آخرت سے غافل اور اکثر عداوت ودشمنی پیدا کرتی ہے اور دوسروں کی آزردگی وخجالت کا باعث ہوتی ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

صاحب عزت سے شوخی نہ کرو کہ وہ دل میں کینہ پکڑتا ہے۔

نیز کمینہ سے بھی شوخی نہ کرو کہ تیری عزت وشان اس کی نظر سے گرجاتی ہے اور اس کو سخت بات کہنے کی جرات پیدا ہوتی ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ شوخی عزت کو کھودیتی ہے اور دوستوں کو جدا کرتی ہے۔

کسی کا مقولہ ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک تخم ہے عداوت ودشمنی کا تخم شوخی ہے۔شوخی کی برائی یہ ہے کہ آدمی فضول ہنسی کیلئے منہ کھولتا ہے اور ہنسا ہے ہنسی دل کو تاریک اور آبرو اور وقار کو کھودیتی ہے۔

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا

یعنی بہت کم ہنسو اور زیادہ گریہ کرو۔(سورہ توبہ۔۸۲)

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ:

جو کچھ کہ میں جانتا ہوں ۔اگر تم لوگ ان کو جان لوگے تو ضرور کم ہنسو گے کوئی شک نہیں کہ ہنسی کی زیادتی آخرت اور موت سے غافل کرتی ہے۔

ایک بزرگ نے اپنے نفس سے خطاب کیا اور کہا کہ اے نفس تو ہنستا ہے ۔شاید تیرا کفن دھوبی کے پاس ہو۔جس مرحلہ مرگ درپیش ہو اور خانہ آخرت آنے والا ہو اور دشمن مثل شیطان کے



اور کرام الکاتبین مانند محاسب کے نزدیک ہوں اور عمر مثل برق کے گزر رہی ہو اور دنیا میں ہزار طرح کے خطرے موجود ہوں تو پھر اس مقام میں کیونکر ہنسی اور شوخی کی جاسکتی ہے اور خاطر جمع بیٹھ سکتے ہیں۔بیشک یہ غفلت وبے خبری ہے۔

ایک بزرگ دین نے ایک شخص کو ہنستا ہوا دیکھ کر کہا کہ:

تو آتش جہنم کے نزدیک پہنچا ہے

اس نے کہا: ہاں

اس بزرگ نے کہا کہ:

''تو جانتا ہے کہ اس سے نجات حاصل ہوگی۔''

اس نے کہا کہ:''نہیں۔''

پھر اس بزرگ نے کہا کہ:

''کس امید پر ہنستا ہے''

اس شخص کو پھر کسی نہ ہنستا ہوا نہ دیکھا

واضح ہو کہ ہنسنا بطور جس میں آواز ہو مذموم ہے لیکن تبسم جس میں کوئی آواز نہ ہو مذموم نہیں بلکہ نیک ہے اور پیغمبرؐ کا تبسم کرنا مشہور ومعروف۔

ایسا ہی شوخی وخوش کلامی جب کہ وہ زیادتی یا جھوٹ یا غیبت پر مشتمل ہو یا دوسرے کی آزردگی وخجالت کا باعث ہو مذموم ہے لیکن تھوڑی سی خوش کلامی جو حد سے متجاوز اور سخن باطل یا ایذا اہانت پر مشتمل نہ ہو اور جس سے کوئی شکستہ خاطر نہ ہوتا ہو وہ مذموم نہیں۔چنانچہ حضرت رسولؐ سے اور نیز بعض اصحاب سے صادر ہوتی تھی۔حضرت امیر المومنین مکرر شوخی فرماتا تھے یہاں تک کہ منافقین اس کو عیب سمجھنے لگے۔

ایک روز آنحضرتؐ نے شوخی فرمائی تو سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اسی وجہ نے آپ کو چوتھے درجہ کی خلافت پر پہنچادیا۔

## ستر ہویں صفت

# غیبت' اُس کی حقیقت ومعانی اور اُس کے گناہ اور فساد کا بیان' اس کے معالجے اور مستشنیات اور اس کی ضد کا بیان

## فصل نمبر(۱)

## حقیقت غیبت

واضح ہو کہ حقیقت غیبت یہ ہے کہ برادر مومن کی کسی صفت بد کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اگر وہ سن پائے تو ناخوش ہو اور اس پر راضی نہ ہو خواہ وہ نقص اس کے بدن میں واقعی موجود ہو۔ مثلاً:

کہا جائے کہ:۔

فلاں اندھا ہے یا بہرا یا لنگڑا یا کم طاقت یا کوتاہ یا بلند یا کالا یا ترچھرا وغیرہ۔

یا اس کے نسب میں مثلاً:

فلاں فاسق کا بیٹا یا حلال زادہ یا شریف نہیں ہے وغیرہ۔

یا کسی کی صفات وافعال یا اقوال میں مثلاً:

یہ کہ فلاں شخص بدخلق یا بخیل یا متکبر یا جبر کرنے والا یا صاحب ریا یا چور یا ظالم ہے یا فضول گو یا پرخوار وغیرہ۔

یا کسی چیز میں مثلاً:

جو لباس یا سواری سے متعلق ہو۔ مثلاً:

اُس شخص کا لباس میلا یا اس کا گھر یہودیوں کے گھر کے مانند ہے یا اس کا عمامہ



گنبد یا گردوں کے مثل یا برابر یا اس کے مرکب میں عیب وغیرہ ایسا ہی ہے ان امور میں جو اس کے ساتھ منسوب ہوں اس کی برائی بیان کرنا۔ اگر وہ سن پائے تو ناخوش ہو جیسا کہ حدیثِ نبویؐ اس پر دلالت کرتی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

''جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟''

عرض کیا گیا کہ:

''خدا اور رسولؐ زیادہ جاننے والے ہیں۔''

فرمایا کہ:

''اپنے برادر کی کسی صفتِ بد کا بیان کرنا جس سے اس کو ناخوشی ہو۔''

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''اگر وہ صفت اس میں موجود ہو۔''

فرمایا کہ:

''اگر موجود ہو تو غیبت ہے ورنہ بہتان۔''

آنحضرت کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''فلاں شخص عاجز ہے۔''

حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''اپنے رفیق کی تو نے غیبت کی۔''

ایک روز کسی عورت کا ذکر آیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ:

''وہ کوتاہ قد ہے۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

''اس کی تو نے غیبت کی۔''

جب کسی دوسری عورت کا ذکر ہوا تو حضرت عائشہ نے کہا کہ:

اس کا دامن بلند ہے

حضرت نے فرمایا:

اپنے منہ سے تھوک ڈال دے۔

پس گوشت کا ایک ٹکڑا منہ سے باہر گرا۔

ایک روز ایک صحابی نے دوسری کی نسبت کہا کہ :۔

فلاں شخص زیادہ سونے والا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ:

تو نے اپنے برادر کا گوشت کھایا۔

بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ:

پیغمبر یا بعض ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بعض اشخاص معینہ کی مذمت فرمائی ہے۔ ان کیلئے حکم الٰہی ہوا تھا یا وہ گروہ وا ایسا تھا کہ جن کی غیبت جائز کی گئی اور وہ داخل مستثنٰی ہوں جیسا کہ آئندہ حوالہ قالم کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ غیبت کرنا زباب سے منحصر نہیں بلکہ جس طریقہ سے کہ غیر کا نقص سمجھ میں آئے ۔وہ غیبت ہے۔خواہ وہ قول یا فعل یا ارشاد یا ایماء یا رمز یا تحریر سے کی جائے۔

مروی ہے کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہو کر جب واپس ہونے لگی تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ کوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ:

تو نے اس کی غیبت کی۔

غیبت صریح و کنایہ کی حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا کنایہ بدتر ہوتا ہے غیبت کنایہ مثلاً یہ کہنا کہ الحمد للہ ہم کو خدا نے ہم نشینی غالم یا حب ریاست یا سعی حصول مال میں مبتلا نہیں کیا۔ یا کہے کہ بے شرمی سے خدا کی پناہ یا یہ کہ بے شرمی سے خدا نے ہماری حفاظت کی۔ غرض اس طرح کنایہ کسی شخص کی طرف ہو جس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ ان اعمال کا مرتکب ہوا ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ جب کسی کی غیبت ریا سے اور صلح کے طور پر کرنا چاہتے ہیں تو ابتداء میں اس کی مدح کی جاتی ہے اور اپنی مذمت بھی کرتی ہیں۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کس قدر بہتر تھا اور اب زمانے نے اس کو بھی ہمارے مانند



کر دیا۔ اسے شیطان کے ہاتھ سے خلاصی نہ ملی۔ بعض اس طرح مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں کہ بطور عداوت کے اپنے رنج و غم کو اس شخص سے اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنے دل میں کوئی رنج والم نہیں ہوتا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی بے عزتی کے باعث یا فلاں عمل کے سرزد ہونے یا اس کو اہانت پہنچنے کے سبب سے میں نے کس قدر غم و غصہ کھایا کہ میرا دل جل گیا۔ خداوند عالم اس کے کام کو اصلاح پر لائے۔ اگر یہ منافق اس کا دوست ہوتا غم والم اٹھاتا تو ضرور اس امر کو جس سے اس کی ناخوشی ہوتی ہے اس کا ظہر نہ کرتا جو دعا ظاہر اس کیلئے کی جاتی ہے۔ وہ خلوت میں کی جاتی پس اس کا اظہار حزن اور اس کی دعا بوجہ خباثت باطن ہے۔ اس کی شیطان لعین نے اپنا باز بچہ قرار دیا ہے اور اس پر کام کو مشتبہ کیا اور اس پر ہنستا ہے اور اس کی نیکیوں کو برباد کرتا ہے۔ وہ شخص جانتا ہے کہ اپنا یہ عمل بہت اچھا ہے۔

وہ شخص جس کے سامنے کسی مسلمان کے غیب کی جائے تو یا تو وہ اس سے خوشحال نہیں ہوتا ور برا بھی نہیں سمجھتا۔ اس لیے منع نہیں کرتا اور یا خوشحال تو ہوتا ہے مگر بوجہ ریا تصدیق نہیں کرتا اور کبھی منع بھی کرتا ہے تو یہ ممانعت دل سے نہیں ہوتی بلکہ دل سے نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات غیب قطع نہ ہونے کیلیے حیلے کرتا ہے۔

مثلاً یہ کہ:

اظہارِ تعجب کرے یا یوں کہے کہ میں اس کو اس طرح نہ سمجھتا تھا۔

پس اس غیبت کرنے والے کو غیبت کی زیادہ خواہش ہوتی ہے اور یہ باتیں اس کو غیب پر قائم رکھتی ہیں اور یہ تمام گناہ ہیں اور ایسا شخص غیبت کنندہ کے حکم میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

غیبت سننے وگالے کا گناہ مثل غیبت کرنے والے کا گناہ مثل غیبت کرنے والے کے ہے مگر اس صورت میں جب کہ سننے سے انکار کیا جائے اور اس کی بات کو قطع کرے یا اس مجلس سے اٹھ جائے۔ اگر ان امور پر قدرت نہ رکھتا ہو تو دل میں غضبناک ہو اور اگر وہ زبان سے کہتا ہے تو خاموش ہو لیکن اس کا طالب و مائل رہنا یہ اہل نفاق سے ہے۔ پس دیندار پر لازم ہے کہ جب کسی مسلمان کی غیبت سنے تو اس سے انکار کرے اور اس کو رد ورنہ وہ مستوجبِ عذاب ہوتا ہے۔

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ:

جوشخص کسی مومن کوکسی کے پاس ذلیل کرے اور وہ اس کی یاری کرسکتا تھا مگر نہ کرے تو خدا اس کو قیامت میں ذلیل کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

جوشخص اپنے برادر کی غیبت کو رد کرے اور اس کی آبرو کی حفاظت ۔تو خداوند عالم پر حق ہے کہ قیامت میں اس کی آبرو کی حفاظت کرے۔

اور فرمایا کہ:

کوئی مرد نہیں ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی بدی اس کے سامنے کی جائے اور وہ اس کی طرفداری وحمایت کرسکتا تھا۔اگر چہ وہ ایک کلمہ سے کیوں نہ ہو لیکن وہ نہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرتا ہے اور جس کے سامنے کسی برادر مسلمان کا ذکر کیا جائے اور اور وہ اس کی یاری کرے تو خدا دنیا اور آخرت میں اس کی یاری کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

جوشخص کسی مسلمان کی آبرو کی حمایت کرے تو خدا بروزِ قیامت ایک ملک کو اس کی حمایت کے لیے بھیجتا ہے۔

اور فرمایا کہ:

جو شخص اپنے برادر پر احسان کرے خصوصاً غیبت میں جو کسی مجلس میں کی جارہی ہو اور اس کو رد کرے تو خدا تعالیٰ دنیا و آخرت کی ہزار طرح کی خرابیوں کو اس سے دور کرتا ہے۔اگر باوجود ممکن ہونے کے اس کی غیبت کو رد نہ کرے تو اس کا گناہ ان ستر اشخاص کے مقابل ہے جنھوں نے غیبت کی ہے۔



# فصل نمبر (۲)

## وہ آیات واخبار جو غیبت کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں!

واضح ہو کہ غیبت مہلکہ عظیمہ و معاصی شدیدہ میں سے ہے اور باجماع تمام امت اور کتاب ربُّ العزت اور احادیث پیغمبرؐ اور ائمہ اثناء عشرؑ سے اس کی حرمت ثابت۔

خداوند عزت فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط

یعنی: ''ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔کیا تم اپنے اس برادر کا گوشت جو مرا ہوا ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔ کھانا پسند کرتے ہو۔پس اس سے کراہت رکھو۔'' (سورہ حجرات۔۱۲)

حضرت رسولِ خداؐ سے مروی ہے کہ فرمایا:

''غیبت سے پرہیز کرو۔بہ تحقیق کہ غیبت زنا سے بدتر ہے کیوں کہ جو مرد زانی توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کو خدا اس وقت تک نہیں بخشتا جب تک کہ وہ شخص جس کی اس نے غیبت کی ہے نہ بخشے۔

اور فرمایا کہ:

شبِ معراج ایک قوم پر میرا گزر ہوا کہ جو اپنی صورتوں کو اپنے ناخن سے زخمی کرتے تھے۔جبرائیل سے دریافت کیا کہ:۔

''یہ کون لوگ ہیں۔''

انھوں نے کہا کہ:

''یہ غیبت کرنے والے ہیں۔''

ایک روز وہ سرورؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ایسی بلند آواز سے خطبہ پڑھا کہ تمام عورتیں آواز سن رہی تھی اور فرمایا کہ اے گروہ! تم زبان سے ایمان لائے ہو مگر تمہارا دل ایمان سے خالی

ہے۔مسلمانوں کی غیبت اوران کی عیب جوئی نہ کرو۔جوشخص اپنے برادر کی عیب جوئی کرتا ہے خدا اس کے عیب کوظاہر کرتا ہے۔اگرچہ وہ اپنے مکان میں ہو۔

ایک روزان سرورؐ نے منبر پرخطبہ ادافرما کرزنااوراس کی عقوبت کواس طرح بیان فرمایا کہ تینتس بار زنا کرنے سے ایک درہم سود کالینابدتر ہے اور برادر مسلمان کی آبرو لینا زنا سے بدتر۔

آں حضرتؐ نے آدمیوں کوروزہ رکھنے کاحکم فرمایا۔اورفرمایا کہ کوئی شخص بغیراجازت روزہ افطارنہ کرے۔

پس سب نے روزہ رکھااور جب شام ہوئی توایک ایک حاضرہوتا۔

اجازت حاصل کرکے افطار کرتا۔

یہاں تک کہ ایک مردحاضرِ خدمت ہوااورعرض کیا کہ:

''یارسول اللہؐ !میری دولڑکیوں نے روزہ رکھاہے اوران کوآپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے حیامانع ہوتی ہےلہٰذااجازت دیجئے کہ افطارکریں۔''

حضرت نے اپنامنہ پھیرلیا۔

پھراس مردنے وہی عرض کیا۔پھرحضرت صلعم نے منہ پھیرلیا اورتیسری مرتبہ پرفرمایا کہ:

''وہ روزہ سے نہ تھی۔کیونکہ تمام دن انھوں نے آدمیوں کا گوشت غیبت کے ذریعہ سے کھایاہےجاان کوکہ وہ قے کریں۔''

وہ مردواپس ہوااوران کواس کی خبردی۔پس انھوں نے قے کی توہر ایک کے منہ سے ایک ایک خون کاٹکڑا نکلاجوبستہ ہوگیاتھا۔جب حضرت پیغمبرؐ کواس کی خبردی گئی توفرمایا کہ:

''اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ ان کے پیٹ میں رہ جاتاتوجہنم کی آگ اُس کوکھاتی۔''

خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کووحی فرمائی کہ جوغیبت کرنے والاتوبہ کرنے کے بعد مرجائےتوآخر میں اوراگربغیرتوبہ کے دنیاسے جائےتو پہلے پہل داخل جہنم ہوگا۔

حضرتِ رسولؐ سے مروی ہے :

جوشخص مسلمان یامسلمہ کی غیبت کرےتو خدااس کی نمازاور روزے چالیس روز کے قبول نہیں کرتا۔مگرجس شخص کی غیبت کی جائےتووہ اس کوعفوکردے۔



اورفرمایا کہ:

''جوشخص کسی مسلمان کی ماہِ رمضان میں غیبت کرےتواس کے روزے کاکوئی اجرنہیں۔''

دوسری حدیث میں انہی سرور سے منقول ہے کہ:

جوشخص حلال زادہ ہونے کا گمان کرتا ہےتو اس کا گمان غلط ہے جبکہ وہ بذریعہ غیبت آدمیوں کا گوشت کھاتا ہے۔

حضرت امام جعفرؑ سے مروی ہے کہ:

جوشخص کسی مومن کی نسبت بیان کرے کہ میں نے خوداس کے امرقبیح کودیکھایاسناتووہ شخص اس آئیہ مبارک میں داخل ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

یعنی: بہ تحقیق کہ جولوگ مومنین کے امرقبیح وناشائستہ کااظہار پسند کرتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے''(سورہ نور۔۱۹)

انہی حضرت سے مروی ہے کہ:

جوشخص کسی مومن کاعیب اس کومعیوب اوراس کی آبروکم کرنے کی نیت سے بیان کرے تاکہ وہ لوگوں کی نظروں سے گرجائےتوخداوندعزشانہ اس کواپنے تحت حکم سے باہرکرکے شیطان کے تحت حکم میں داخل کرتاہے اورشیطان اس کوقبول نہیں کرتا۔

انہی حضرتؑ نے فرمایا کہ جوشخص اپنے برادرمومن کی بغیرعداوت کے غیبت کرےتو شیطان اس کے نطفہ میں شریک ہے۔

اورفرمایا کہ:

''مسلمان پرغیبت حرام ہےاوروہ حسنات کوکھاجاتی ہےاور ان کوباطل کرتی ہےجیسا کہ آگ لکڑی کو۔

اس خصوص میں اخبار بہت ہیں ان تمام کاذکرکرنادشوار ہے بلکہ مشکل۔جس قدرکہ حوالہ قلم کیاگیاکافی ہے۔علاوہ اس کے جومعمولی عقل والاہووہ جان سکتاہے کہ یہ صفت خبیث ترین

صفات اوراس کا صاحب رذیل ترین مردم ہے سابق کے بزرگ خدا کی بندگی' نماز' روزے سے واقف نہ تھے بلکہ چشم پوشی اور دوسروں کے عیوب کی پیروی سے اپنی حفاظت کرنا مقدم سمجھتے تھے اور ان کو افضل اعمال اور ان کے خلاف کرنا منافقین کی صفت جانتے تھے اور ترک غیبت پر مرتبہ بلند و درجات رفیع کے وصول کا انحصا سمجھتے تھے۔

کیونکہ حضرت رسول سے وارد ہے کہ جس شخص کی نماز نیک ہو اور وہ صاحب عیال ہو اور مال کم رکھتا ہو اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔

وہ کس قدر برا ہے کہ جو اپنے عیوب سے غافل ہو اور دوسروں کے عیوب کو ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

پس اے صاحبو!

جب آپ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے عیوب کو ظاہر کریں تو پہلے اپنے عیوب پر نظر کیجئے اور بعد دوسروں کی اصلاح۔

قولِ پیغمبرؐ کو یاد کیجئے۔فرمایا ہے کہ:

خوشا بحال اس شخص کا جو اپنے عیوب کی اصلاح پر مشغول ہو اور دوسروں کے عیوب پر نظر نہ ڈالے خصوصاً جب کہ آپ کسی شخص کا وہ عیب ذکر کرتے ہیں جو اس کا اختیاری نہ ہو بلکہ منجانب حق سبحانہ تعالیٰ ہو تو اس کے عیب کی مذمت کرنا فی الحقیقۃ خالق کی مذمت سمجھی جاتی ہے۔

ایک شخص نے کسی عقلمند سے کہا کہ:

''اے بدصورت!'

اس نے جواب دیا:

''کیا میرا پیدا کرنے والا مجھ کو نیک پیدا نہ کرسکتا تھا۔''

غیبت کرنے کی بڑی خرابی یہ ہے کہ غیبت کنندہ کے اعمالِ نیک غیبت کے عوض میں اس کے نامہ اعمال میں جس کی غیبت کی جاتی لکھے جاتے ہیں اور اس کے گناہ اس کے نامۂ اعمال میں نقل ہوتے ہیں۔وہ شخص کس قدر احمق ہے کہ ایک بات کے ذریعے سے قیامت میں دوسروں کے وبال کا متحمل ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ:



جب قیامت میں بندہ نامہ اعمال لے کر حاضر ہوگا اور اس کو دیکھے گا تو کوئی نیکی اس میں نہیں پائے گا۔

عرض کرے گا کہ:

''اے پروردگار! یہ میرا نامہ اعمال نہی ہے کیوں کہ اس میں اپنے کوئی اطاعت نہیں دیکھتا ہوں۔''

خطاب ہوگا کہ:

''اے بندے! تیرا پروردگار خطا وسہو سے بری ہے تیرے اعمالِ نیک آدمیوں کی غیبت میں محو ہوگئے ہیں۔

جب دوسرا حاضر ہوکر اپنے نامہ اعمال میں بہت سی اطاعت وعبادت دیکھے گا تو عرض کرے گا کہ:

''یہ نامہ اعمال میرا نہیں ہے کیونکہ یہ اعمال نیک مجھ سے صادر نہیں ہوئے۔''

خطاب ہوگا کہ:

''فلاں شخص نے تیری غیبت کی تو اس کی طاعت وعبادت اس کے عوض تجھ کو دی گئی ہے۔''

پس عقلمند کو غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے اگر وہ آپ کا دوست ہے تو کس قدر بے مروتی ہے کہ اس کی غیبت کریں اور اس کی بدی کو دوسروں پر ظاہر کریں۔

اگر وہ آپ کا دشمن ہے تو کس قدر بے عقلی اور کمینہ پن ہے کہ اپنے دشمن کا وبال اپنے ذمہ لیں اور جو اطاعت آپ نے کی ہو وہ اس کو دے دیں۔

# فصل نمبر (۳)

# معالجہ مرضِ غیبت اور اُس کے اسباب واقسام

واضح ہو کہ مرض غیبت کا علاج دو قسم پر ہے:

☆ ایک اجمالی

☆ دوسرا تفصیلی

## معالجہ اجمالی یہ ہے کہ:

دیدہ بصیرت کھولے اور ایک ساعت ان آیات قرآنی و احادیث کا جو مذمت میں اس صفتِ خبیثہ کے وارد ہوئے ہیں۔ معانہ کرے اور غضب حق سبحانہ تعالیٰ اور عذاب روز جزا کو یاد کرے اور دنیا کی خرابیوں کو نظر میں لائے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کی آپ غیبت کرتے ہیں اس کو اطلاع ہو جانے سے وہ آپ سے بغض و عداوت کرتا ہے۔ آپ کی اہانت وغیبت یا اذیت پہنچانے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور بعض وقت اس کا فعل اس حد تک پہنچتا ہے کہ اس کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ نیز اس امر پر غور کیا جائے کہ اگر آپ کی غیبت کوئی شخص کرے تو آپ کس قدر آزردہ و خشم ناک ہوتے ہیں۔

پس بلحاظ شرف ذات ونجابت آپ جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہیں دوسرے کے حق میں بھی اس کو پسند نہ کریں گے۔ جو بات آپ اپنے منہ سے نکالنا چاہیں۔ اس پر پہلے غور کرلیں۔ اس سے اگر کسی کی غیبت ہوتی ہو تو وہ بات منہ سے نہ نکالیے یہاں تک کہ عادت ہو جائے۔

## معالجہ تفصیلی یہ ہے کہ:

غیبت کے سبب و باعث کو دریافت کیجئے اور اس کی قطع میں کوشش کیجئے اس سے مطلب یہ ہے کہ غیبت کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں:۔

### ۱: غضب

جب کہ آپ کسی سے آزردہ ہوں اور وہ سامنے آجائے تو غضبناک ہوتے ہیں جس وقت وہ



موجود نہ ہو تو اس کی مذمت میں زبان کھولتے ہیں تا کہ اس کے وسیلہ سے اپنے غصہ کو دفع کریں۔

### ۲: عداوت وکینہ

جب کہ آپ کسی کو دشمن رکھتے ہوں تو آپ عداوت سے اس کی بدی کا ذکر کرتے ہیں۔

### ۳: حسد

جب کہ آدمی کسی کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو آپ بوجہ حسد اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کے عیوب کو ظاہر۔

### ۴: خوش طبعی

جب کہ آپ دل لگی وخوشی طبعی کے ذریعہ سے اپنی اوقات لہولعب میں صرف کرتے ہوں اور دوسروں کے افعال واحوال کو بغیر قصد اہانت وخواری بیان کریں۔

### ۵: استہزا

آپ ذریعہ مسخرگی واستہزا کسی کی اہانت کریں۔ خواہ وہ اس کی حضوری میں ہو یا غیبت میں۔

### ۶: فخر ومباہات

یعنی جب کہ ارادہ ہو کہ اپنا فضل وکمال کسی کو ذلیل کرنے کی غرض سے ظاہر کیا جائے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کچھ نہیں جانتا یا وہ راستی پر نہیں یا حاضرین کو یہ باور کرانا منظور ہو کہ آپ اس سے بہتر اور بلند درجہ پر ہیں۔ ان چھ طریقوں کا معالجہ ان چھ صفاتِ خبیثہ کے علاج سے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا۔

### ۷:

یہ کہ کسی سے فعل بد صادر ہوا اور وہ آپ کے ساتھ منسوب کرے تو آپ چاہتے ہوں کہ اس کو اپنے سے دفع کریں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے نہیں کیا فلاں نے کیا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی غیبت سے غضبِ الٰہی میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ آپ کو قول کو قبول کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس عمل بد سے آپ خود نفی کرجائیں اور اپنے کو دوسرے کے ساتھ نسبت دینے سے کیا غرض۔ اگر وہ آپ کے قول کو قبول نہیں کرتا ہے تو دوسرے کو بھی اپنے سے نسبت نہ دینی چاہیے۔

## :۸

یہ کہ جب آپ اپنے کو کسی فعل بد کرنے والے سے نسبت دے کر یہ کہتے ہوں کہ وہ فعل بد آپ سے دور ہوجائے اور اس وجہ سے آپ کہتے ہوں کہ فلاں شخص بھی اس امر کا مرتکب ہوا ہے یا فلاں عالم نے بھی حرام کھایا یا مالِ حرام حاصل کیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔

چنانچہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اگر میں نے سود لیا تو فلاں شخص نے بھی لیا ہے اگر میں نے شراب پی ہے تو فلاں شخص نے بھی پی۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا عُذر آپ کے گناہ سے بدتر ہے۔ کیونکہ علاوہ اس کے کہ گناہِ اول کی خرابی اس سے دفع نہیں ہوسکتی۔ دوسرا گناہ جو غیبت ہے اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنی جہالت وحماقت آدمیوں پر ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص آگ میں گرتا ہے تو آپ کو بھی گرنا ضروری نہیں۔ آپ ضرور اس میں موافقت نہ کریں گے اگر موافقت کی جائے گی تو سخت حماقت ونادانی ہوگی۔ وہ گروہ اشقیا عوام جن کیدل شیطان کے آشیانے بنے ہیں اور جن کی معصیت پروردگار میں گزری ہے اور اس قدر آدمیوں کا مظلمہ ان کی گردن پر ہے کہ امید خلاصی نہیں۔ اسی وجہ سے ان کا نفس خبیث معد وحساب وحشر ونشر کا طالب نہیں ہے۔

جب شیطان لعین نے ایسی خواہش ان کے دل میں پائی تو قابو پا کر ان کو وسوسہ میں ڈالا اور طرح طرح کے شک وشبہ ان کے دل میں پیدا کیے۔ ان کے اعتقاد کو سست وضعیف کیا۔ اسی وجہ سے گناہوں میں پروردگار کے بیباک ہوئے ہیں۔ ان سے جو معصیت صادر ہوتی ہے۔ اس کے عدمِ اعتقاد کے باعث ان کو شیطان نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے اکہ اس کا اس طرح عذر کریں کہ و ہم نے کیا ہے۔ فلاں شخص نے بھی اس کو کیا ہے ہم جس امر قبیح کے مرتکب ہوئے ہیں فلاں شخص بھی اس کا مرتکب ہوا ہے اس امر سے وہ غافل ہیں کہ یہ عذر نہیں جہل وحماقت ہے اگر ان کے اس عمل نے معد وحساب روم جما کے اعتقاد کو کھو دیا تو ضرور کافر ہوگئے پھر کیا عذر پیش کر سکتے ہیں۔ اگر



نہیں کھویا تو اس شخص کا عمل اس کے واسطے کی فائدہ دیتا ہے علاوہ اس کے اگر بعض ان علماء کا عمل ہو جنھوں نے اپنا نام عالم رکھا ہے۔ تو کیوں وہ اس عام کی جوان کے مانند شقاوت وخباثت میں گرفتار ہے پیروی کرتے ہیں کس لیے علمائے آخرت کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ وہ علم و اکمل ہیں اور سرچشمۂ علم ومعرفت۔

## :۹

غیبت کا سبب ان رفیقوں کے ساتھ موافقت وہمزبانی ہوتی ہے جو آپ کے ہم صحبت ہوں اور کسی کی غیبت میں مشغول۔ اگر آپ ان کو منع کریں یا ان کے ساتھ غیبت میں موافقت نہ کریں تو آپ کو خیال ہوتا ہے کہ وہ آپ سے نفرت کریں گے اور آپ کو برا جانیں گے اس صورت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ عجب احمق ہیں کیونکہ جس امر کو پروردگار نے منع کیا ہے آپ اس کو بجالاتے ہیں اور اس کی رضا وخوشنودی کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کے برگزیدگان درگاہ وملائکہ وانبیاء واولیاء کی نظر میں خفیف ہوتے ہیں صرف اس گمان سے رذیل اور اوباش آپس راضی رہیں بلکہ یہ امر آپ پر دلالت کرتا ہے کہ آپ خدا ورسول سے زیادہ انھیں بزرگ سمجھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ آپ مستحق لعن بیشمار ہیں اور عذاب روزشمار کے سزاوار۔

## :۱۰

جبکہ آپ یہ گمان کریں کہ کوئی شخص کسی بزرگ کے نزدیک آپ کی مذمت کرے گا یا کوئی شہادت جو آپ کے مضر بے دے گا اس لئے آپ اپنی بہتری اس میں دیکھیں اور سبقت کریں اور اس کو اس بزرگ کے نزدیک معیوب بنائیں یا اپنا دشمن قرار دیں کہ اس کی بات آپ کے حق میں بے اثر اور اس کا کلام درجہ اعتبار سے ساقط ہوجائے تو آپ اپنے کو پروردگار کے نزدیک ضائع و بے اعتبار کرتے ہیں اور خدا کو اپنا دشمن صرف اس گمان پر کہ دوسرا بندہ آپ کا دشمن ہوگا۔ پس عجب کمینہ پن اور بیوقوفی ہے کہ صرف تو ہم اور خیال پر کہ مخلوق کے غضب سے دنیا میں نجات حاصل ہو کہ جس کا یقین نہ ہو مگر اپنے کو آخرت کی ہلاکت میں جس کا یقین ہے ڈالتے ہیں اور اپنے حسنات کو ہاتھ سے کھوتے ہیں اس امید پر کہ مخلوق کی مذمت دفع ہو۔

:۱۱

کسی پر ترحم کرنا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی نقص یا عیب میں مبتلا یا حقیر بے اعتبار دیکھتے ہیں اوآپ کا دل اس پر محزون ہوتا ہے تو آپ اپنے رنج والم کا سچا اظہار کرتے ہیں۔

:۱۲

جب آپ کو کسی کی معصیت کے ارتکاب کی اطلاع ہو اور محض رضائے خدا کے باعث آپ اس پر غضبناک ہوں اور اس شخص کا نام اور اس کی معصیت کو بیان کریں۔ بہت سے لوگ اس قسم کی خرابی سے غافل ہیں اور ایسا سمجھتے ہیں کہ رحم وغضب کرنا جواز برائے خدا ہو تو اس کا نام بتانا کوئی ضرر نہیں۔ یہ خطا وغل ہے چونکہ رحم وغضب از برائے خدا خوب اور آدمیوں کی غیبت حرام و بد ہے اور صرف ترحم وغضب کسی شے کی حرمت کو دفع نہیں کرسکتے اور بسا اوقات کہ غیبت کے اسباب اور بھی ہوتے ہیں جو انھیں اسبابِ مذکورہ کے نزدیک ہوتے ہیں اور ان کی خرابیاں بھی جو مذکورہ ہو ہیں وہی معلوم ہوتی ہیں۔

# فصل نمبر (۴)

# کن مقامات میں غیبت جائز ہے اور اس کا کیا کفارہ ہے۔

واضح ہو کہ مقاماتِ مندرجہ ذیل میں غیبت جائز ہے:۔

۱: مظلوم کا ظالم کے ظلم کو اس شخص سے جو اس کے سننے کا حقدار ہو بیان اور استغاثہ کرنا اس غرض سے کہ اس سے انتقامِ ظلم لیا جائے یا اس کی اعانت کیجائے۔لیکن شرط یہ ہے کہ جس قدر اس پر ظلم ہوا اسی قدر بیان کریں اور ظالم کے دوسرے عیوب نہ بیان کیے جائیں۔

۲: کسی شخص کے عیوبِ شرعیہ کا بقصد امر معروف ونہی منکر خدا کی رضا کے لئے بیان



کرنا یہ بیان اس کی رسوائی وہوا وہوس کی بناء پر نہ ہو اور اس پر فائدہ دفع منکر مترتب ہوا اور موافق شریعت بھی ہو اور ایسے ظالم بیباک کے سامنے بیان نہ کیا جائے جو حد شرع سے تجاوز کرجائے یا اس حد تک بیان کیا جائے کہ اس پر فائدہ نہی المنکر مترتب نہ ہو۔

۳: جب کوئی شخص آپ سے کسی شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں یاداد وستد میں مشورت کرے تو ایسی صورت میں اس شخص کا ذکر عیب جو اس بارے میں دخل رکھتا ہو جائز ہے بشرطیکہ اس کے ذکر کی ضرورت ہو۔لیکن اگر اس کی احتیاج نہ ہو تو یہی کہنا کافی ہے کہ میں اس امر میں آپ کی بہتری نہیں جانتا اور اس شخص کے عیب کی صراحت نہ کی جائے۔

۴: کسی مومن کو حکم ونصیحت کرنا جب کہ وہ فاسق و بداخلاق کا مصاحب ہو اور اس کے اعمال بد اس مومن میں صحبت کے باعث اثر کرجائیں گے۔ایسی صورت میں بھی اس کے کسی عیب کا اظہار کہ اسی مطلب پر دخل رکھتا ہو جائز ہے۔

۵: کسی حکیم کا حالت پوشیدہ مریض کو بغرض معالجہ بیان کرنا۔

۶: کسی گواہ یا راوی حدیث کے عیوب کا اظہار کرنا جس کے باعث اس کی شہادت میں جرح ہوسکے یا اس کی حدیث رد لیکن اس خصوص میں بقدر اس کے جرح کے اکتفا کیا جائے اور یہ اس شخص کو ضروری ہے جو اس کی شہادت یا اس کی حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہو۔

۷: کسی عالم یا حاکم شرع کے عیب کا اظہار جو قابلیت فتویٰ اور حکم نہ رکھتا ہو تو جب کہ کوئی اس کا حال پوچھے یا کوئی فتویٰ وحکم مخالفِ حق اس سے صادر ہوا ہو۔

۸: جب کہ کوئی شخص کسی لقب سے مشہور ہو اور وہ لقب اس کے عیب پر دلالت کرتا ہو مثلاً لنگڑا تر چھا وغیرہ کہ اس کے لقب سے اس کا معلوم کرانا کوئی ضرر نہیں رکھتا۔بشرطیکہ اور کسی طریقہ سے ممکن نہ ہو اور وہ اس کے سننے سے ناخوش نہ ہوتا ہو جبکہ وہ کراہت رکھتا ہو یا اس کا معلوم کرانا دوسرے الفاظ سے ممکن ہو تو جائز نہیں ہے۔

۹: جب کہ کوئی شخص علانیہ فسق کا مرتکب ہوتا ہو اور اس کے اظہار سے وہ مضائقہ نہ رکھتا ہو بلکہ وہ خود اس کا اظہار کرے یا علانیہ اس کا مرتکب ہو اس فاسق کی غیبت کوئی ضرر نہیں رکھتی۔ اگر چہ کہ اس کو برا معلوم ہو۔بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ایسے شخص کی غیبت جائز ہے۔اگر چہ وہ فسق میں مبتلا ہو۔اس کو ظاہر نہ کرتا ہو اور اس کے اظہار میں مضائقہ کرتا ہو۔

۱۰: ادائے شہادت حقوق الناس یا حقوق اللہ جب کہ اس کی ضرورت پائی جائے۔

۱۱: اقوالِ اہلِ بدعت وضلالت میں۔

۱۲: غیبت کفار اور جو لوگ مخالفین مذہب میں سے ہوں۔

۱۳: جو شخص اپنے کو کسی دوسرے کے ساتھ منسوب کرے حالانکہ وہ منسوب نہ ہو اس کی نسبت کو رد کردینا جائز ہے۔

۱۴: غیبت جو معین نہ ہو اور کوئی شخص نہ سمجھے کہ اس سے کون مراد ہے مثلاً کہا جائے کہ:

آج کسی احمق یا نادان کے پالے پڑ گیا یا

کسی فاسق نے ایسا کہا اور ایسا کیا۔ وغیرہ

بشرطیکہ وہ شخص نہ پہچانا جائے اور جب کہ بعض ایسی نشانی وعلامت ہو کہ جس کے اظہار سے اس کا عیب معلوم ہوتا ہو تو وہ حرام ہے۔

اور

چند مقامات حسبِ ذیل ہیں جن میں بعض علماء نے غیبت جائز قرار دی ہے:۔

(۱) جب دو شخص کسی کے عیب پر مطلع ہوں تو ان میں سے ہر شخص اس دوسرے کے سامنے کسی تقریب سے ذکر کر سکتا ہے۔

(۲) ایسی جماعت کی غیبت جو محصور نہ ہو سکے مثلاً کہے کہ فلاں طائفہ یا ساکنانِ قریہ یا شہر کوئی عیب رکھتے ہیں۔

(۳) جو شخص کسی معصیت کا پے در پے مرتکب ہو تو اس معصیت کا ذکر اس سے جائز ہے۔

(۴) کسی شخص کے کسی عیب کا ذکر کرنا کہ اگر وہ اسے سنے تو مضائقہ نہ کرے۔ اگرچہ وہ عیب شرعی نہ ہو یا عیب شرعی ہو لیکن وہ علانیہ کرنے والا نہ ہو۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان تمام چاروں صورت میں بھی غیبت حرام ہے اور کوئی دلیل ان کے استثناء پر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ جو شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ شروع میں توبہ کرے اور پشیمان ہو۔ اس کے بعد اس شخص سے جس کی غیبت کرے اگر وہ زندہ ہو اور ممکن ہو اور اس نے سن



بھی لیا ہو اور اگر نہ سنا ہو اور اس کے اظہار میں کسی فساد یا عداوت کا گمان نہ ہو تو اس سے معاف کرالے اور اگر کسی عداوت کا گمان ہو یا اس سے معاف کرانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے استغفار اور طلب آمرزش کرے اور اس کے لیے اعمالِ نیک بجالائے کہ قیامت میں اس کی غیبت کا عوض ہو سکے۔

# فصل نمبر (۵)

# مسلمانوں کی تعریف کرنے کی شرافت

غیبت کی ضد مدح وستائش مسلمین ہے یہ صفت خوب ہے اور عمل مرغوب اور یہ صفت حصول محبت اور دوستی کا باعث ہوتی ہے خصوصاً جب کہ کسی برادر مومن کی غیبت میں مدح کیجائے تو اس کے دل میں فرحت اور سرور داخل ہوتا ہے جس کا ثواب حسبِ بین مذکورہ بیحد ہے اور احادیث و ثواب خصوص صفت مدح میں آئے ہیں۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک جماعت نے بعض مرے ہوؤں کی تعریف کی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ:

''تمہارے لیے بہشت واجب ہوا۔''

وارد ہوا ہے کہ:

ہر فرزند آدم کے لیے چند ملائکہ ہمنشین ہیں۔ اگر وہ اپنے برادر مسلم کو نیکی سے یاد کرے تو ملائکہ کہتے ہیں کہ اس کے مانند تیرے لیے بھی ہوں۔

واضح ہو کہ جو مدح وستائش کی جائے وہ راست ہو اور جھوٹ پر مشتمل نہ ہو از روئے ریا ونفاق نہ کی جائے۔ اگر بطور نفاق کی جائے تو وہ مدح بد ہے۔ اگرچہ راست ہو ظالموں اور فاسقوں کی سچی مدح بھی نہ کرے۔ کیونکہ وہ مدح اس ظالم وفاسق کے سرور وفرح کا باعث ہوتی ہے ان کا شاد کرنا مذموم ہ اور بعض حرام جانتے ہیں۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی فاسق کی مدح کرے تو خدا خشمناک وغضبناک ہوتا ہے۔ چونکہ بعض شخص

کواس کی مدح عجب وتکبر کا باعث ہوتی ہے اور بعض خوش ہوتے ہیں اور مغرور۔اس لیے ایسے اشخاص کی بھی مدح کرنا جائز نہیں اور وہ مدح ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔

جواخبار مدح کی مذمت میں آئے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی برائی پائی جاتی ہے۔بہر حال کسی کی ایسی مدح وثنا کرنا نہایت مذموم اور صفاتِ رذیلہ میں داخل ہے جس کی نسبت آئندہ حوالۂ قلم کیا جائے گا۔

## اٹھارہویں صفت

# جھوٹ کہنے کی مذمّت

واضح ہو کہ جھوٹ کہنا گناہِ کبیرہ ہے بلکہ بدترین گناہ وخبیث ترین صفت ہے کیونکہ یہ صفت آدمی کو دوسروں کی نظروں میں خوار کرتی ہے اور نگاہوں میں بے وقعت و بے اعتبار۔یہ سرمایہ خجالت وانفعال ہے اور باعثِ دل شکستگی وملال۔خلق میں آبرو جاتی ہے اور دنیا وعقبیٰ میں باعثِ روسیاہی اس صفت کی مذمت میں بہت سے اخبار آئے ہیں اور اس کی خرابی میں آیات بے شمار۔

خداوندکریم فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

یعنی: ''جو لوگ جھوٹ سے افترا باندھتے ہیں وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔''(سورہ نحل۔۱۰۵)

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ

جس وقت کسی مومن پر بغیر عذر شرعی کے جھوٹ بات کہی جائے تو ۷۰ ہزار فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے دل سے ایسی بدبو نکلتی ہے جو عرش تک پہنچتی ہے اور خدا تعالی بسبب اس جھوٹ کے ستر زنا کا گناہ اس کے نام پر لکھتا ہے۔ان میں سے کم درجہ کا وہ زنا ہے جو اپنی ماں کے ساتھ مرتکب ہوا ہو۔

ان سرورؐ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''مومن بزدل اور بخیل ہوتا مگر جھوٹا نہیں ہوتا۔''



نیز فرمایا کہ:

تم کو بزرگ ترین گناہِ کبیرہ کی خبر دوں۔وہ خدا سے شرک اور عقوق والدین اور جھوٹ ہے۔''

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ:

''خدا تعالی نے بدی کے لیے قفل مقرر کیے ہیں۔ان قفلوں کی کنجی شراب ہے اور جھوٹ شراب سے بدتر ہے۔''

اور فرمایا کہ:

''ایمان کی بنیاد کو جھوٹ خراب کرتا ہے۔''

حضرت امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے کہ:

''تمام اعمال خبیثہ گھر کے دروازے کے مانند ہیں اور اس گھر کی کنجی جھوٹ ہے۔''

واضح ہو کہ خدا اور رسولؐ وآئمہؑ پر جھوٹ کہنا نہایت بد ہے۔مثلاً کوئی جھوٹ مسئلہ کہنا یا جھوٹی حدیث نقل کرنا۔اسی قدر جھوٹ کی مذمت کافی ہے کہ وہ روزہ کو باطل کرتا ہے اور وجوب قضا و کفارہ کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکورہ ہے۔

حسب ذیل مقامات پر جھوٹ کہنا جائز ہے:۔

(۱) یہ کہ اگر جھوٹ بات نہ کہی جائے تو فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ضرر اس کو پہنچتا ہو یا کسی مسلمان کے قتل کا باعث یا اس کی ناموس یا مال محترم یا اس کی آبرو برباد جاتی ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ کہنا جائز بلکہ واجب ہے اگر کوئی ظالم یا جابر کسی کو اس کے مال یا اس عملِ بد کے متعلق جو اس کے اور خدا کے درمیان صادر ہوا ہو استفسار کرے تو جائز ہے کہ انکار کردے۔ایسا ہی کسی معصیت کو ظاہر نہ کرنا چاہیے جو اس سے صادر ہوئی ہو۔کیونکہ گناہ کا اظہار دوسرا گناہ ہے۔کسی مسلمان کے عیب یا مال کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔بلکہ ان تمام صورتوں میں انکار واجب۔

(۹۲ جب کہ دو آدمیوں میں کوئی رنج وملال ہو گیا ہو تو ان کی اصلاح کے لیے جھوٹ کہنا جائز ہے کہ رفع ملال ہو۔ایسا ہی جب کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی عمل کیا۔اگر وہ سچ سچ کہتا ہے تو فتنہ یا کسی مومن کی عداوت کا باعث یا کوئی فساد واقع ہوتا ہے تو اس سے انکار کیا جائے۔اگر کوئی

شخص رنجیدہ ہو اور اس کا رفع کرنا اس بات پر جو کہی گئی ہے یا اس عمل پر جو کیا گیا ہے منحصر ہو تو اس سے انکار جائز ہے۔

(۳) جب کہ کوئی عورت اپنے شوہر سے کسی چیز کی خواستگار ہو اور وہ اس کے لینے کی قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ لیکن اس پر واجب نہ ہو تو کہ اس سے وعدہ کرلے حالانکہ اس کے لینے کا قصد نہ رکھتا ہو اور نہ لے ایسا ہی جب کسی کی کئی عورتیں منکوحہ ہوں تو جائز ہے کہ ہر ایک سے کہے کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں اور حقیقتاً وہ دوست نہ رکھتا ہو۔

(۴) جب کہ کسی لڑکے کو کسی کام میں مشغول کرنا چاہتے ہوں اور وہ اس پر رغبت نہ رکھتا ہو مثلاً مدرسہ جانا وغیرہ تو جائز ہے کہ اس کو وعدہ دیا جائے یا ڈرایا جائے حالانکہ آپ کو اس طرح کرنا منظور نہ ہو۔

(۵) دشمنان دین کے مقابل جہاد بطور مکر جس سے حریف پر فتحیاب ہوں۔ حاصل کلام ہر مقام پر جب کہ بہت بڑا فائدہ شرعی حاصل ہوتا ہو اور اس کا حصول جھوٹ پر ہی موقوف ہو تو جھوٹ جائز رکھا گیا ہے اور اگر سچ کہنے میں شرعاً فساد پایا جاتا ہو تو جھوٹ کہنا واجب ہو جاتا ہے بہر حال ضرورت و احتیاج کی حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے اور حصولِ زیادتی مال و منصب وغیرہ اور ان چیزوں میں جن سے آدمی مضطر نہیں ہوتا ہے جھوٹ کہنا حرام ہے اور اس کے ارتکاب میں آثم و گناہگار۔

واضح ہو کہ جس مقام میں حسبِ شرع جھوٹ کہنا جائز ہے اس میں جہاں تک ہو سکے صاف طور پر جھوٹ نہ کہا جائے۔ بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ جس کا ظاہر معنی سچ ہو اگرچہ اس کا وہ مفہوم جو سننے والا سمجھتا ہے جھوٹ ہوتا کہ نفس کو جھوٹ کہنے کی عادت نہ ہو جائے مثلاً یہ کہ کوئی ظالم کسی کی سکونت کی نسبت سوال کرے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے یا غیب کا جاننے والا خدا ہے۔ اگر کوئی گناہ آپ سے صادر ہوا ہو اور استفسار کیا جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نہیں چاہتا ہے کہ میں ایسا عمل کروں یا استغفر اللہ خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں نے ایسا کام کیا ہے۔ اگر کوئی بات کسی کے حق میں کہی جائے اور آپ چاہتے ہوں کہ بذریعہ انکار اس کا رفع ملال کریں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ ایسی بات آپ کے حق میں کہی جائے۔ یہ جو عرفا کہا جاتا ہے کہ سو مرتبہ فلاں بات کہی جائے۔ یہ جو عرفا کہا جاتا ہے کہ سو مرتبہ



فلاں بات کہی گئی یا ہزار مرتبہ فلاں عمل آپ سے صادر ہوتے دیکھا گیا یا پچاس مرتبہ آپ کے گھر میں آیا۔ حالانکہ یہ تعداد تحقیق نہ کی گئی ہو۔ یہ جھوٹ نہیں اور ایسا کہنا کوئی گناہ نہیں یہ بطور مبالغہ وتاکید ہے اور اس تعداد کا خاص طور پر قصد نہیں بشرطیکہ وہ امر مکرر واقع ہو۔ ایسا ہی اقسام مجاز و استعارہ و تشبیہ جائز ہے کہ ان سے مراد ان کی حقیقت نہیں ہوتی وہ جھوٹ جس کو آدمی آسان جانتے ہیں۔ حالانکہ اس کا وقوع حرام ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے پاس جائے جب کہ وہ کھانے میں مشغول ہو اور اس کو کھانے کے لیے کہا جائے اور وہ بھوکا ہو بغیر عذر صحیح شرعی کے کہے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

عذر شرعی صحیح یہ ہے کہ اس کھانے کو حرام جانتا ہو۔ تمام جھوٹ جو مشہور ہیں اور ان کا گناہ سخت اور ان کی برائی بڑی ہے۔ وہ یہ ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ خدا جانتا ہے کہ اس طرح ہے حالانکہ خدا اس کے خلاف جانتا ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ:

جب بندہ امر خلاف واقع پر خدا کو گواہ کرتا ہے تو خداوند عالم کہتا ہے کہ تو نے کسی کو مجھ سے زیادہ ضعیف یعنی کم درجہ کا نہیں پایا کہ اس جھوٹی بات پر گواہ قرار دیا تمام جھوٹ کی قسموں سے بلکہ شدید ترین و بدترین جھوٹی شہادت ہے۔

حضرت رسولؐ خدا نے جھوٹی شہادت دینے والے کو بت پرست کے مساوی قرار دیا ہے اور اسی طرح قسم کھانا بہت برا ہے۔

حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ:

جو شخص اپنے مال کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچتا ہے تو خدا قیامت میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور اس پر نظر رحمت نہ ڈالے گا اور اس کے عمل کو قبول نہ کرے گا۔ بلکہ زیادہ قسم کھانا اگرچہ وہ سچی کیوں نہ ہو مذموم ہے۔

احادیث سے پایا جاتا ہے کہ:

زیادہ قسم کھانا باعثِ تنگی و فقر ہے اور منجملہ دروغ ایک وعدہ خلافی بھی ہے یہ حرام ہے اور وعدہ کا ایفا واجب و لازم۔

حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

جوشخص خدااور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ جب وعدہ کیا جائے تو اسکو وفا کرے اور جوشخص کسی سے وعدہ کر کے وفا نہ کرے اور اس کا قصد بھی نہ رکھتا ہو تو اس سرورؐ نے اس کو منافقین میں شمار فرمایا ہے۔

وہ جھوٹ جن میں اکثر آدمی مبتلا ہیں۔ ان تمام قسموں میں سے بدتر ہے جو خدا سے حالتِ نماز میں بولا جاتا ہے۔

مثلاً جب نماز شروع کی جائے تو کہتے ہیں:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

خلاصہ معنی یہ ہے کہ: ”میں نے اپنے دل کو اس بخداوند عالم کی طرف متوجہ کر دیا جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔“

اگر اس وقت آپ کا دل اس سے بے خبر ہو اور کوچہ و بازار وغیرہ۔ اور سو ہزار طرح کی فکرِ بے ہودہ میں مشغول ہو تو وہ تمام آپ کا معروضہ جھوٹ ہوا اور آپ نے خدمتِ پروردگار و حضوری ملائکہ میں اس طرح جھوٹ کہا۔ ایسا ہی جب کہا جاتا ہے کہ:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

یعنی: ”تیری پرستش کرتا ہوں اور تجھ سے یاری اور مددگاری چاہتا ہوں اور بس۔“

یہ بیان آپ کا اس وقت سچ ہوگا۔ جب کہ آپ کی نظر میں دنیا بے اعتبار ہوگی اور اپنے دین کے مقابل تمام دنیا کو ہیچ سمجھیں گے۔ جب آپ اس طرح نہ ہوں گے تو دنیا پرست کہلائیں گے۔

پس چاہیے کہ یاری و مددگاری کی امید بجز ذاتِ باری کسی سے نہ رکھی جائے ورنہ آپ اس مطلب میں جھوٹے ہوں گے اور وہ بندہ کس قدر بد اور قبیح ہے کہ پروردگار کی حضوری میں کھڑا ہو کر جھوٹ کہہ رہا ہو باوجود اس کے اس کو معلوم ہے کہ وہ اس کے جھوٹ کو جانتا ہے عجب طرح کی بے شرمی اور بے حیائی ہے۔



# فصل نمبر(۱)

## جھوٹ کہنے کا معالجہ

واضح ہو کہ آپ نے جھوٹ کی حرمت کو معلوم کر لیا۔ اگر آپ خدا اور رسولؐ پر اعتقاد اور روزِ جزا پر ایمان رکھتے ہیں تو اس سے اجتناب کیجئے۔

طریق خلاصی اس صورت میں ہے کہ:

ہمیشہ آیات و اخبار جو اس کی مذمت میں آئے ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھے اور جانے کہ جھوٹ کہنا باعثِ ہلاکت ابدی و عذاب اخروی ہے اور جھوٹ کہنے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ نگاہوں میں خوار اور بے اعتبار ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس کی بات کی اعتناء نہیں کرتا۔

اکثر اوقات جھوٹ کہنا رسوائی و فضیحت کا باعث ہوتا ہے۔ مطلب و مقصد سے باز رکھتا ہے اور اس میں آدمی کی عزت باقی نہیں رہتی۔

کتاب حبیب السیر میں لکھا ہے کہ:

بادشاہِ خراسان نے امیر حسین کو ایلچی مقرر کیا اور بادشاہ آذر بائیجان کی خدمت میں منجملہ سوغات و ہدیہ اور چند کتب جس میں کلیات جامی جو اس زمانے میں نادر اور کمیاب تھی ہمراہ لے جانے کا حکم دیا لیکن داروغہ کتب خانہ نے سہواً فتوحاتِ مکی جو حجم و جلد وغیرہ میں بالکل اس کے مشابہ تھی اس کے حوالے کر دی اور اس نے اس کتاب کو لیتے وقت نہ دیکھا۔ جب اس بادشاہ کی حضوری میں گیا تو بادشاہ نے اس سے نہایت لطف و مہربانی سے پیش آ کر کہا کہ:

”سفر دور و دراز نے بہت خستہ کیا ہوگا۔“

چونکہ امیر حسین کو علم تھا کہ کلیات جامی کے دیکھنے کا بادشاہ کو بے حد اشتیاق ہے اس لیے جواب میں عرض کیا کہ:

”راستہ میں ایک مصاحب تھا جو میں ہر منزل میں اس کے ساتھ مشغول رہا۔ اسی وجہ سے مجھ کو کوئی سختی و تکلیف اس سفر کی معلوم نہ ہوئی۔

بادشاہ نے دریافت کیا:

''وہ کون تھا؟''

امیر حسین نے جواب دیا کہ:

''کلیاتِ جامی' جو میرے ہمراہ ہے جس کو بادشاہ نے منجملہ سوغات کے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے جب میں اس سفر میں دل تنگ ہوتا تو اس کا راستہ میں مطالعہ کرتا جس کے باعث میرا دل بہل جاتا تھا۔''

بادشاہ نے زیادتی اشتیاق کے باعث فرمایا کہ:

''کسی کو بھیج کر وہ کلیات طلب کریں۔''

امیر حسین نے کسی کو اپنے ٹھکانے پر بھیج کر وہ جلد طلب کی۔ جب کھولی گئی تو معلوم ہوا کہ فتوحاتِ مکی ہے۔ کلیاتِ جامی نہیں۔ چونکہ راستہ میں اس کو مطلقاً اس جلد کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نہ اس نے کلیاتِ جامی کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لیے امیر حسین ایلچی بے حد منفعل و شرمسار ہوا اور بادشاہ کے درجہ اعتبار اور آنکھوں سے گر گیا۔

حاصل کلام رسوائی کے سوا جھوٹ کہنے والے پر فراموشی غالب ہوتی ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ:

جھوٹ کہنے والا بھول جاتا ہے اور اس کے خلاف کہہ کر رسوا ہوتا ہے۔ ان تمام خرابیوں کو جن کا ذکر کیا گیا پیشِ نظر رکھ کر جھوٹ کی ضد جو سچائی ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے۔

اگر آپ اپنے دشمن نہ ہوں اور جو بات کہنا چاہتے ہوں تو ابتدا غور و فکر کریں کہ اس میں کسی قسم کا جھوٹ تو شامل نہیں اور فاسقوں جھوٹوں کی ہمنشینی سے اجتناب کیجئے تا کہ سچائی کا ملکہ حاصل ہو۔

# فصل نمبر (۲)

## سچائی اور راست گوئی کی فضیلت

واضح ہو کہ جھوٹ کی ضد سچائی ہے۔ یہ اشرف صفات نفسانیہ ہے اور رئیس اخلاق ملکیہ۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾



یعنی: ''خدا سے خوف کرو اور سچ کہنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''(سورہ توبہ)

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ یہ چھ خصلتیں جس میں ہوں گی میں اس کے لیے بہشت کا ضامن ہوں:

۱: جو شخص ہرگز جھوٹ نہ کہے۔

۲: جب وعدہ کیا جائے تو اس کے خلاف نہ کرے۔

۳: امانت قبول کی جائے تو اس کی خیانت نہ کرے۔

۴: اپنی آنکھیں نامحرموں سے پوشیدہ کرے۔

۵ء اپنے ہاتھوں کو ان چیزوں کی طرف جو سزاوار نہیں ہیں دراز نہ کرے۔

۶: اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔

امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مرد راست گوئی سے صدیقوں کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔

حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جس کی زبان سچ کہنے والی ہے اس کا عمل پاکیزہ ہے اور جس کی نیت نیک ہے اس کی روزی زیادہ۔ جو شخص اپنے اہل خانہ سے نیکی کرتا ہے۔ اس کی عمر دراز ہوتی ہے۔

اور فرمایا کہ:

کسی کے رکوع و سجود کے طول پر نظر اور اس پر غرہ نہ کرو اس لیے کہ جب کسی کو اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کو ترک نہیں کر سکتا لیکن اس کے کلام کی سچائی اور امانت داری کو دریافت کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ جس طرح کلام میں جھوٹ اور سچ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح افعال و اخلاق و مقامات دین میں بھی اعمال و افعال میں جھوٹ یہ ہے کہ کسی شخص سے ظاہرا اعمال نیک سرزد ہوتے ہیں لیکن اس کا باطن ظاہر کے مطابق نہیں ہوتا اور ان میں سچائی یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہو یا باطن ظاہر سے آراستہ تر اور یہ مرتبہ کلام کی سچائی سے افضل و اشرف ہے۔

اخبار میں وارد ہے کہ جب کسی بندہ مومن کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو خداوند عالم ملائکہ پر

مباہات کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ:

''میرا حقیقی بندہ یہی ہے۔''

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کون ہے مجھ کو اس شخص کا نشان دے جس کی آنکھیں اندھیری راتوں میں روتی ہوں اور دن کے وقت اس کے ہونٹ محفلوں میں خنداں اور جس کا ظاہر باطن کے مخالف ہو اور ظاہر اعمال نیک سے آراستہ ہو تو کوئی اجر اور مزدوری اس کے عمل کے لیے نہیں لیکن اس نے بیکار تکلیف و رنج اٹھایا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جس چیز پر ملمع کیا گیا ہو اور جس کا ظاہر آراستہ اور جس کا باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو تو اس کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے ہیں۔ اخلاق و مقامات دین میں جھوٹ یہ ہے کہ حسب ذیل چند صفتوں کا دعویٰ کرتا ہو۔

مثلاً:۔

☆ خوفِ خدا ورجا۔

☆ صبر و شکر۔

☆ تسلیم و رضا۔

☆ معرفت و زہد وغیرہ۔

لیکن ان صفات سے حقیقتاً متصف نہ ہو اور اس میں ان کے لوازمات نہ پائے جائیں تو ایسا شخص بھی جھوٹا ہے۔

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی بادشاہ قہار یا میر صاحب اقتدار کی کوئی خیانت کسی سے صادر ہو جاتی ہے یا کسی تقصیر کا مرتکب ہوتا ہے تو مارے خوف کے اس کا چہرہ زرد ہوتا ہے اور اس کا نفس سرد اور خواب و خوراک اس پر دشوار ہوتی ہے اور عیش و عشرت ناگوار۔ اور اس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اور اس کے اعضاء و جوارح مضطرب و لرزاں۔ بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ اہل و عیال اور مال و منال کو ترک کر کے دوسرے شہر میں غربت و تنہائی اور مشقت میں بسر کرتا ہے۔

پس اگر اس طرح کا تمام خوف و بیم اس شخص پر طاری ہوتا ہو تو ایسا خوف سچا ہے اور اس کے صاحب کو خائف کہتے ہیں۔ لیکن جس کو پروردگار اور نیز جہنم کے سانپ اور بچھو کے خوف کا دعویٰ ہو اور اس کے احوال میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو بلکہ رات دن کھانے پینے اور سونے میں مشغول ہو اور



اس کی عمر عیش و عشرت میں مصروف اور ہر گھڑی کوئی نہ کوئی قصور اس سے صادر اور ہر روز کسی نہ کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہو تو ایسا شخص جھوٹا ہے حالانکہ خوف کا دعویٰ کرتا ہو۔

بالجملہ مقاماتِ دین میں بندہ صادق کی علامت یہ ہے کہ تمام سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت کرے ان کے اظہار میں زبان نہ کھولے اور اپنی عمر کو اطاعت و عبادت میں صرف کرے اور اسے خلق اللہ کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھے۔

مروی ہے کہ:

مُوسیٰ بن عمرانؑ کو وحی ہوئی کہ میں اپنے بندوں میں سے جس بندے کو دوست رکھتا ہوں اس کو ایسی بلا میں مبتلا کرتا ہوں کہ پہاڑ بھی جس کی برداشت کے متحمل نہیں ہو سکتے تا کہ اس کو دیکھوں کہ بندگی و محبت کے دعوے میں وہ سچا ہے یا نہیں۔ اگر اس کو سچا اور صبر کرنے والا پاتا ہوں تو اسکو اپنا ولی و حبیب بناتا ہوں۔ اگر اس کو بے صبر اور ہر مقام پر شکوہ کرنے والا پاتا ہوں تو اس کو ذلیل و خوار کرتا ہوں اور مجھ کو کچھ پرواہ نہیں۔

# فائدہ

## زبان کی خرابیوں اور خاموشی کے فوائد

واضح ہو کہ غیبت، بہتان، شماتت، مسخرگی، لڑائی جھگڑا، مذاق، اور دل لگی، فضول بکواس، جھوٹ وغیرہ زبان کے ہی باعث پیدا ہوتی ہیں اور انسان پر اس عضو کا ضرر تمام اعضاء کے فساد سے بیشتر ہے اور اس کی خرابی تمام جوارح سے افزوں تر۔ اگرچہ اس عضو کے فساد معاصی ظاہرہ میں سے ہیں جن سے علمِ اخلاق میں گفتگو نہیں ہوتی لیکن ان میں سے ہر ایک گناہ اخلاقِ رذیلہ و ملکاتِ فاسدہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور ملکات و اخلاق کا رسوخ و قیام نفس میں تکرار اعمال و افعال کے ذریعہ سے ہوجاتا ہے۔

پس طالبِ اخلاق کو لازم ہے کہ نفس و اعضاء دونوں کی مخالف کرے۔ پس جیسا کہ بیان کیا گیا وہ عضو جو سب سے بڑھ کر ذمیمہ و اخلاقِ رذیلہ کا مرکز ہے۔ وہ زبان ہے اور بنی نوع انسان کے گمراہ کرنے کے لیے شیطان کا یہ عمدہ ہتھیار ہے۔ یہ عضو میدان کشادہ اور وسیع ہے جس کی انتہا

وحدنہیں تمام اعضاء سے اس کی سرکشی زیادہ ہے۔

پس جس شخص نے اس کو مطلق العنان کر دیا تو اس کو شیطان نے صحرائے ہلاکت میں پہنچایا۔ اس لیے اس کی حفاظت اور نگہبانی واجب ولازم ہے۔ کوئی شخص زبان کے شر سے نجات نہیں پاتا۔ جب تک کہ اس کو قید شریعت میں مقید نہ کرے۔ اسی وجہ سے بہت سے اخبار اس عضو کی حفاظت اور نگرانی میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرتِ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

''زبان دو جبڑوں کے درمیان ہے اور شرم گاہ دو پاؤں کے بیچ میں ہے اگر کوئی شخص ان کی حفاظت کرے تو میں اس کے لیے بہشت کا عہد کرتا ہوں۔''

فرمایا کہ:

''جو شخص اپنے شکم وفرج اور زبان کے شر کی حفاظت کرے تو وہ تمام شر سے محفوظ رہتا ہے۔''

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

''یارسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے؟''

فرمایا کہ:

''اپنی زبان کو نگاہ رکھو۔''

دوسرے نے عرض کیا کہ:

''کس چیز سے مجھ کو زیادہ ڈرنا چاہیے؟''

اس کی زبان پکڑ کر فرمایا کہ: ''اس سے''

اور فرمایا کہ:

''جس چیز کے باعث زیادہ تر آدمی داخلِ جہنم کیے جاتے ہیں وہ زبان اور شرمگاہ ہے۔''

نیز فرمایا کہ:

''جب صبح ہوتی ہے تو آدمی کے تمام اعضاء وجوارح زبان کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے حق میں خدا سے ڈر۔ اگر تو راست رہے گی تو ہم تمام راستی پر رہیں گے۔ اگر تو خلاف کرے گی تو ہم تمام خلاف ہو جائیں گے۔''



مروی ہے کہ ہر صبح زبان اعضاء سے کہتی ہے کہ تم نے کس طرح صبح کی اور تمہارا کیا حال ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ اگر تو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دے گی تو ہمارا کام نیک وبہتر ہوگا۔

نیز آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ خدا زبان کو ایسا عذاب دیتا ہے۔ جو کسی اعضاء وجوارح پر نہیں کیا جاتا۔

زبان کہے گی کہ:

اے پروردگار!

تو نے مجھ پر وہ عذاب کیا جو کسی اعضاء وجوارح پر نہیں کیا۔

اس وقت خطاب ہوگا کہ:

تجھ سے ایسا کلمہ سرزد ہوا جو مشرق سے مغرب تک پہنچا اور اس کے ذریعہ سے بہت سے خون محترم بہہ گئے اور اموالِ وناموس غارت اور برباد۔ میری عزت کی قسم ہے تجھ پر وہ عذاب کیا جائے گا جو کسی اعضاء وجوارح پر نہ ہوگا۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ:

کوئی ایسا روز نہیں جو ہر عضو زبان سے خطاب نہ کرتا ہو کہ تجھ کو خدا کی قسم ہے مجھ کو عذاب میں گرفتار نہ کر۔

سچ ہے کہ:

اکثر تکالیف دنیویہ ومفاسد دینیہ کا منشا یہی زبان ہے۔

بہت سے راز زبان کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں اور متعدد عزتیں ایک سخنِ بیجا سے برباد جاتی ہیں اور بہت سے اشخاص کی قائم شدہ وقعت ایک کلام بد کے باعثِ درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے۔

زبان بریدہ بکنجے نشستہ صُم و بکم
بہ از کسے کہ نباشد زبانش اندر حکم

واضح ہو کہ زبان کی تمام خرابیوں اور اس کے فساد کی ضد سکوت اور خاموشی ہے۔ جو شخص اپنی زبان کی آفات سے خلاصی پاتا ہے وہ نیک خصلت اور اس کا صاحب عزیز ومحترم ہوتا ہے اور یہی شے باعثِ خاطر جمعی، موجب ہیبت ووقار ہے۔ اسی سے ذکر وعبادت کی فراغت حاصل

ہوتی ہے اور دنیا وآخرت کی سلامتی۔

اسی وجہ سے سید رسلؐ نے فرمایا کہ:

''جس شخص نے خاموشی کو اپنا شعار قرار دیا اس کو نجات حاصل ہوئی۔''

اور فرمایا کہ:

'' جو شخص خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو ہر ایک بات نیک کہنا' اور خاموش رہنا چاہیے۔''

ایک اعرابی آں حضرتؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ:

مجھ کو کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ داخلِ بہشت ہوں۔''

فرمایا کہ:

''بھوکے کو سیر کر' اور پیاسوں کو پانی پلا۔ اگر ان پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو اپنی زبان سے نیک بات کے سوا کوئی بات نہ کر۔ تو اس سبب سے شیطان پر غالب ہوگا۔

اور فرمایا کہ:

''جب کسی مومن کو خاموش وصاحب وقار دیکھو تو اس کی ہمنشینی اختیار کرو۔ کیوں کے اس کے دل پر حکمت القا ہوتی ہے۔

نیز فرمایا کہ:

آدمی کی تین قسمیں ہیں:۔

۱: غانم

۲: سالم

۳: ہالک

☆ غانم وہ شخص ہے جو خدا کا ذکر کرتا ہے۔

☆ سالم وہ ہے کہ سکوت کو اپنا شعار بناتا ہے۔

☆ ہالک وہ ہے جو زیادہ باتیں کرتا ہے۔

ایک روز اس سرورؐ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ:

''یارسول اللہؐ! مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے۔''



فرمایا کہ:

''اپنی زبان کی حفاظت کر۔''

پھر عرض کیا تو یہی ارشاد ہوا۔

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ سے مروی ہے کہ عبادت کے دس جزو ہیں۔ اس کے نو جزو خاموشی ہیں اور ایک جزو آدمیوں سے دوری اختیار کرنا۔

اور فرمایا کہ:

''سوائے ذکرِ خدا کے زیادہ بات نہ کرو۔''

لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ:

''اے فرزند! اگر بات کرنے کو نقرہ جانتا ہے تو سکوت کو طلا سمجھ لے۔''

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ:

''ہمارے دوستوں کی زبان گنگ ہوتی ہے۔''

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

آلِ داوٗدؑ کے حکیمانہ اقوال میں سے یہ قول تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ اپنے اہل زمانہ کو پہچانے۔ اپنے کام میں متوجہ ہو اور اپنی زبان کا نگہبان۔

کتاب مصباح الشریعۃ میں اسی جنابؑ سے منقول ہے۔

فرمایا کہ:

دنیا وآخرت کے ہر ایک دروازہ راحت کی کلید خاموشی اور باعثِ خوشنودی پروردگار ہے۔ اور آسانی حساب روز شمار۔ لغزش وخطا سے حفاظت ہوتی ہے اور عالم کی زینت ہے اور پردہ جاہل۔ اس سے ریاضتِ نفس اور شیرینی عبادت ہے۔ اس کے سبب سے قساوتِ دل برطرف اور مروت و پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے۔

پس اپنی زبان کے مقابل ہونٹوں کا دروازہ بند کیجئے۔

کہتے ہیں کہ:

ربیع خیثم ایک کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا۔ جو کہنا چاہتا اس پر لکھتا جاتا تھا جب رات ہوتی تو اپنا حساب دیکھتا۔

اور کہتا:

آہ ! آہ!! یقیناً خاموش رہنے والوں نے نجات پائی اور میں ویسا ہی باقی رہ گیا۔

بعض اصحابِ رسولؐ اپنے منہ میں پتھر رکھتے تھے تاکہ کوئی بات بے اختیاری سے نہ نکل جائے۔ جب بات کرنے کا ارادہ کرتے اور خدا کے لیے ہی وہ بات ہوتی تو اپنے منہ سے پتھر کو باہر نکالتے اور بات کرتے۔

آں جنابؐ کے بہت سے اصحاب نے خاموش رہنے کی عادت ڈالی تھی۔ اس لیے ان کی آواز اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ وہ بیماروں کے مانند آہستہ آہستہ بات کرتے تھے۔

ہماری زیادہ گوئی و خاموشی سببِ ہلاکت و نجات ہے۔

پس خوش نصیب وہ شخص ہے کہ جو کلام کے عیب کو پہچانے اور خاموشی کے فوائد کو جانے۔

بہ تحقیق کہ:

خاموشی انبیاء کی خصلت ہے اور اصفیاء کا شعار۔

آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ:

''حکمت کے دروازوں کا ایک دروازہ خاموشی ہے جس نے اپنے منہ کو بند کیا اس پر حکمت کا دروازہ کھل گیا۔''

بیان مذکورہ الصدر سے معلوم ہوا کہ:

سکوت اور خاموشی باوجودیکہ سہل و آسان ہے مگر پھر بھی تمام چیزوں سے بڑھ کر انسان کے لیے فائدہ مند ہے۔

بعض باتیں اگرچہ کہ ان میں بعض فوائد ہیں لیکن ان میں بہتری اور برائی کا امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے جب زبان کھول دی گئی تو کلام بے عیب کی جانچ دشوار ہے۔ لہٰذا حتی الامکان خاموشی کو اپنا شعار بنانا بہتر ہے اور بقدرِ ضرورت بات کرنا اولیٰ و انسب۔

منقول ہے کہ یہ چاروں بادشاہ:

(۱) رائے ہند

(۲) خاقانِ چین

(۳) کسریٰ عجم



(۴) قیصرِ روم

نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور انھوں نے بات کرنے کی مذمت میں اور خاموشی کی مدح میں اتفاق کیا۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ:

''میں خاموشی سے ہرگز پشیمان نہ ہوا۔ جب میں نے بہت سے باتیں کیں، تو پشیمانی حاصل ہوئی۔''

دوسرے نے کہا کہ:

''جب میں کوئی بات کرتا ہوں تو میری مالک ہوجاتی ہے پھر مجھ کو اس پر اختیار باقی نہیں رہتا اور جب تک کہ نہیں کہتا تو میں اس کا مالک و صاحبِ اختیار ہوں۔''

تیسرے نے کہا کہ:

''بات کرنے والے پر تعجب کرتا ہوں۔ جب وہ بات اس کے منہ سے نکلتی ہے تو اس کو ضرر پہنچاتی ہے اور اس کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔''

چوتھے نے کہا کہ:

''میں اس پر اختیار رکھتا ہوں جو نہیں کہا ہے اور جو کہہ دیا ہے اس کے رد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔''

## انیسویں صفت

# محبت جاہ وشہرت وبزرگی وریاست جس میں چار فصلیں ہیں

واضح ہو کہ حقیقت جاہ یہ ہے کہ آدمیوں کے قلوب کو تسخیر کیا جائے اوران کے دلوں پر قابو پائے جیسا کہ مالداری میں درہم ودینار‘ملک‘ املاک‘ متاع‘ اسباب غلام‘ کنیز پر قابو حاصل ہوتا ہے پس جب قلوب کسی کے مسخر ہوتے ہیں تو اسکی نسبت صفت کمال کا اعتقاد رکھتے ہیں۔خواہ وہ صفت واقعی کمال رکھتی ہو۔مثلاً علم‘ عبادت تقویٰ‘ زہد‘ شجاعت‘ سخاوت وغیرہ یا یہ کہ آدمیوں کے اعتقاد اور ان کے خیال میں کمال ہو مثلاً سلطنت‘ولایت‘ منصب‘ ریاست‘ مالداری حسن وجمال وغیرہ۔پس وہ شخص جس کو آدمی کسی صفت سے متصف جانتے ہیں تو جس قدر وہ صفت ان کے خیال میں کامل ہوگی اسی قدر موصوف کی عظمت ان کے دل میں جاگزیں رہے گی اوران کے دل اس کے مسخر ہوجائیں گے اوراسی قدر اس کی اطاعت ومتابعت کریں گے۔ کیونکہ آدمی ہمیشہ اپنے اعتقاد وگمان کے تابع ہوتے ہیں۔

پس اسی لیے جس طرح صاحب مال باندی اورغلام کا مالک ہوتا ہے۔اسی طرح صاحبِ جاہ آزاد آدمیوں کا مالک ہوجاتا ہے اور مردم آزاد اس کے مطیع وزیر فرمان رہتے ہیں۔ بلکہ آزاد لوگوں کی اطاعت بہتر ہے کیونکہ غلاموں کی اطاعت قہر وغلبہ سے اورآزاد لوگوں کی اطاعت خودان کی تسلیم ورضا سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے محبتِ جاہ محبتِ مال سے زیادہ ہے اوراس کے علاوہ جاہ کے لیے دوسرے بھی فوائد ہیں جو مال کے واسطے نہیں۔اسی وجہ سے جب کسی شخص کی جاہ بڑھتی ہے اوراس کے کمالات کی شہرت ترقی پکڑتی ہے تو اس کی مدح وثنا کی جاتی ہے مال کی قدر اس کی نظر میں بالکل حقیر ہوتی ہے وہ مال کو اپنے جاہ ومرتبہ پر فدا کرتا ہے اس شخص کے سوا جو بہت ہی بخیل وخسیس ہو۔



# فصل نمبر(۱)

## حب جاہ وشہرت وبزرگی کی برائی

واضح ہو کہ حُبِ جاہ وشہرت مہلکہ عظیمہ ہے اوراس کا طالب آفات دینویہ واخرویہ ہیں مبتلا۔جس شخص کا نام مشہور ہوتا ہے اورجس کی شہرت ترقی کرتی ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دنیا آخرت دونوں باقی رہ سکیں مگر اس شخص کے سوا جس کو خداوند عالم نے اپنی حکمتِ کاملہ سے احکامِ دین کے جاری کرنے کے لیے پسند فرمایا ہو۔اسی وجہ سے آیات واخبار اس کی مذمت میں بےحد وارد ہوئے ہیں۔

خداوند عالم جل شانہ فرماتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

خلاصہ معنی یہ ہے کہ:’’اس خانہ آخرت کو جس کی تعریف تم سن رہے ہو ان اشخاص کے لئے قرار دیئے ہیں جو دنیا میں بزرگی وبرتری اورزمین پر فساد کرنا نہیں چاہتے۔‘‘(سورہ قصص۔۸۳)

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۝

خلاصہ مضمون یہ ہے کہ:’’جو اشخاص زندگی دنیا کے طالب ہوتے ہیں اوراس کی آرائش وزینت کی خواہش کرتے ہیں کہ منجملہ اس کے جاہ ومنصب ہے تو ان کی کوشش کا عوض ہم ان کو دنیا میں پہنچاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ ہے۔‘‘(سورہ ہود۔۱۵۔۱۶)

نیز آفتاب فلک سروری و والی ولایت پیغمبری سے مروی ہے کہ جاہ و مال کی دوستی سے دل میں نفاق اُگتا ہے جیسا کے پانی سے گھاس۔

انہی سرورؐ سے منقول ہے کہ:

اگر دو گرگ درندہ بکروں کے باڑے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس قدر بکروں کو تباہ نہیں کرتے جیسا کہ جاہ و مال کی دوستی مسلمان کے دین کو تباہ کرتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

ان رئیسوں کی ریاست سے پرہیز کرو جن کے عقب میں گھوڑوں کی آواز بلند نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ وہ خود ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو ہلاک کرتے ہیں۔

اور فرمایا کہ:

آیا تم لوگ ایسا خیال کرتے ہو کہ میں بروں اور نیکوں کو نہیں پہچانتا ہوں۔ خدا کی قسم ہے ضرور پہچانتا ہوں۔ بہ تحقیق کہ برے لوگ وہ ہیں جو اپنے عقب میں کسی کا راستہ چلنا پسند کرتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سے اخبار و آثار مجملاً وارد ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے جس شخص کو تھوڑی سی عقل و شعور حاصل ہو تو اس پر ظاہر ہے کہ منصب و ریاست دنیا و آخرت کی بہت سی خرابیوں اور برائیوں کو پیدا کرتی ہے اور منصب و جاہ کا طالب اپنی دنیا و آخرت کی برائیوں کا طلب والا ہے۔ زمانہ حضرت آدمؑ سے اس وقت تک اکثر عداوتیں اور مخالفتیں جو انبیاء و اوصیاء کے ساتھ کی گئی ہیں وہ حبِ جاہ و منصب کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ نمرود مردود نے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے واسطے آگ روشن کی۔ فرعون ملعون نے اسی سبب سے اپنے خاندان اور قبطیوں کو جلایا۔ حُبِ جاہ و منصب کے باعث ہی شداد و بدنہاد نے ارم بنایا اور وہ لعن و عذاب کا مستحق ہوا۔ اسی وجہ سے خانہ دین سید آخر الزمانؐ خراب و ویران اور اہل بیتؑ رسالت ہمیشہ مضطرب و حیران رہے۔ خاندان خلافتِ الٰہیہ اسی باعث سے غارت کیا گیا۔

یثرب بہ بادرفت بہ تعمیر خاک شام
بطحا خراب شد بہ تمنائے ملک رے

اس کی تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حب جاہ و برتری پیدا ہوتی ہے تو وہ خلق کا طرفدار ہو جاتا ہے۔ اور خالق کی رضا و خوشنودی سے دور اپنے اعمال و افعال کو ریا سے



دوسروں کی نظر میں ہمیشہ جلوہ دیتا ہے۔ اپنی دوستی کو منافقانہ طریقہ سے ہمیشہ ان پر ظاہر کرتا ہے اور رات دن اسی خیال میں رہتا ہے کہ کونسا کام کیا جائے کہ کہ اس کی قدر و منزلت کو ترقی ہووے۔ صبح شام اس فکر میں ہے کہ کونسی بات کی جائے کہ اس کا مرتبہ بعض اوباش کے نزدیک زیادہ ہو وہ شیوہ نفاق کو اختیار کرتا ہے اور طرح طرح کے معاصی و محرمات اس سے صادر ہوتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کے بزرگان علماء و متقین جاہ و ریاست سے اس طرح بھاگتے تھے جیسا کہ آدمی شیر درندہ و مار گزندہ سے بھاگتا ہے۔ ان میں سے بعض کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ وہ تین آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں نہیں بیٹھتے تھے اور بعض اس پر روتے تھے کہ ہمارا نام مسجد جامع میں کیوں پہنچ گیا۔

ان میں بعض ایسے گزرے ہیں کہ جب کوئی جماعت ان کے عقب میں راستہ چلتی تو کہتے کہ اے بے چارو! کیوں میرے عقب میں آرہے ہو۔ خدا کی قسم کہ اگر میرا کوئی عمل جو خلوت میں مجھ سے صادر ہوتا ہے اس کو معلوم کرو گے تو پھر کوئی شخص تم میں سے میری طرف نہ آئے گا۔

## فصل نمبر (۲)

## حب جاہ و شہرت کے اقسام جو شرعاً نیک ہیں

واضح ہو کہ حسبِ بیانِ مذکورہ اگرچہ حُبِ جاہ و شہرت مہلکہ عظیمیہ ہے۔ لیکن اس کے تمام اقسام اسی طرح پر نہیں ہیں اور اس کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا مزرعہ آخرت ہے۔ جس طرح مال و منال دینویہ سے توشہ آخرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی قدر جاہ سے بھی کمالِ آخرت کی تحصیل ہو سکتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی خانہ آخرت کی تعمیر میں حسبِ ضرورت اکل و شرب، ملبوس، مسکن کا محتاج ہے۔ اسی طرح وہ مجبور و ناچار ہے کہ کوئی خادم اس کی خدمت اور کوئی رفیق اس کی اعانت کرے اور حاکمِ متسلط کی بھی اسے احتیاج ہے تا کہ ظالموں کے شر سے اسے محفوظ رکھے۔

پس اگر کوئی شخص خادم اور رفیق یا سلطان کے سامنے اپنی قدر و منزلت کو عزیز رکھتا ہوتا کہ وہ حصول سعادتِ جاودانی میں اس کے معین و مددگار ہوں اور خرابی جاہ مثلاً:

☆ کبر

☆ عُجب

☆ ظلم

☆ تفاخر

وغیرہ سے اجتناب کرے تو ایسی حالت میں جاہ کی محبت موجبِ ہلاکت نہیں ہوتی' بلکہ شرعاً نیک ہے اور اسبابِ آخرت سے ہے۔

اس قدر جاہ کو دوست رکھنے والے کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مکان میں بیت الخلاء ہو کہ قضاء حاجت ہو سکے۔ اگر کوئی اس کی احتیاج نہ رکھتا ہو تو ایسے مکان سے متنفر ہوتا ہے۔ جس میں بیت الخلاء ہو اگر کوئی شخص جاہ وشہرت کی محبت آخرت کی تحصیل کی وجہ سے نہ رکھتا ہو لیکن لذاتِ دینویہ کا توسّل اور شہوات نفسانیہ کا فائدہ اٹھانا بھی مقصود نہ ہوا اور خلافِ شرع کوئی امر اس سے سرزد نہ ہوتا ہو' بلکہ جاہ و برتری وشہرت وسرور کو بذاتہ دوست رکھتا ہو اور اپنی قدرت منزلت کا دوسروں سے متوقع ہو تو اگرچہ ایسی صفت کچھ بہتری کا پہلو نہیں رکھتی ہے۔ لیکن اگر حب جاہ کے باعث اس سے کوئی معصیت واقع نہ ہوتی ہو تو وہ فاسق وعاصی نہ ہوگا۔

ایسا ہی کوئی شخص اگر کسی صفتِ کمالیہ کو ظاہر کرنے کے لیے جو اس میں موجود ہے یا اپنے عیب کو چھپانے کی غرض سے یا کسی معصیت کا انکار کرنے کے لیے جو اس سے سرزد ہوئی ہے جاہ وشہرت وقدر ومنزلت کو دوست رکھے تو جائز ہے بلکہ اپنا پردہ فاش کرنا شرعاً مذموم ہے۔

ہاں ہاں یہ بھی گمان نہ کیجیے کہ جاہ و بلندی وسرفرازی کی محبت لذات وشہواتِ دینویہ کے حصول کے لیے ہی ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ ایسا گمان کرنا حقیقت انسان کی ناواقفیت پر دال ہے۔ چونکہ جزو اعظم انسان' بلکہ اس کی تمام حقیقت روحِ ربانی ہے جس نے عالمِ امر سے بحکم پروردگار نزول اجلال کیا اور اس بدنِ خاکی کے ساتھ مصاحبت اختیار کی ہے۔

اس وجہ سے انسان صفاتِ ربوبیہ وکبریائی کا بالطبع مائل اور تمام کمالات میں یکتائی کا طالب اور قہر وغلبہ کا خواہاں وغالب ہے اور علم وقدرت اور غرور وعزت پر راغب۔

پس حتی المقدور جاہ و برتری کی محبت کا ہونا مقتضائے حقیقت انسان ہے اور اس کی



فطرت میں داخل۔ اگرچہ دوسرے مطلب کا حصول کا اسے ذریعہ نہ بنائے۔ لیکن ابلیس پر تبلیس سرکشی کے باعث آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے سے راندہ درگاہ ہو گیا۔ اس لیے اس نے ان کے فرزندوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی اختیار کی اور اس کا حسد اس کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ انسان کو کمال حقیقی و بزرگی وجاہ واقعی سے محروم رکھے۔

پس انتہا درجہ کی کوشش واہتمام مکر وحیلہ میں کرتا ہے تاکہ ہر ایک امر ان بے چاروں پر مشتبہ رہے اور ان کے ذرائع عالیہ کو بند کر کے چند کمالاتِ موہومہ کو ان کی نظر میں جلوہ دے دیا اور چند روزہ جاہ ومنصب فانیہ کو جو عین خرابی وبدبختی ہیں ان کے دل میں محبوب بنایا تاکہ ان کو بھی مثل اپنے صحرائے ضلالت وہلاکت میں ڈالے۔ مرتبہ ارجمند ومنازل بلند وشرکت ملاء اعلیٰ وسلطنت کبریائی کے حصول سے محروم کر دیا۔

کوئی شک نہیں اس عاریت سرائے فانی کے اموال پر جو چند سیپی کے ٹکڑوں کے مانند ہیں کسی قدر متصرف ہونا یا چند ابنائے زمانہ کی تسخیر قلوب یا ان پر برتری وغلبہ کا حاصل کرنا۔ یہ چیزیں ایسی نہیں کہ جنھیں کمال کہہ سکیں لیکن شیطان لعین نے ان کی نظر میں انھیں کمال وجلال بنایا ہے یہاں تک کہ انسان ایک لخت بادہ غفلت سے بیہوش ہو گیا اور مناصب رفیع ومراتب بلند کو فراموش کر دیا اور دنیا کے کھیل میں مشغول ہو کر اس آیہ میں داخل ہو گیا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

یعنی: ''جن لوگوں نے آخرت کے عوض زندگانی دینا بخوشی خرید لی پس نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ انھیں کوئی مدد دی جائے گی۔'' (سورہ بقرہ)

# فصل نمبر(۳)

## مُعالجہ مرضِ حب جاہ وریاست

واضح ہو کہ آوازشہرت، حکومت، سلطنت، سروری ورتبہ بلند مالک الملوک کی ذاتِ پاک کے لیے مختص ہے اور اس کے جلال و کبریائی کا میدان لازوال ہے کہ کسی بادشاہ ذوی الاقتدار کو اس کی نافرمانی کی مجال نہیں۔ کوئی بندہ اس صفت میں کوئی حق نہیں رکھتا اور نہ کسی کو سوائے ذلت و فروتنی کے دوسرا امر سزاوار و لائق ہے۔ بے شک جس کی ابتداء نطفہ نفس اور جس کا آخر مردار گندیدہ ہو اس کو جاہ وریاست سے کیا کام اور اس کو سروری و برتری سے کیا غرض۔

جاہ وریاست کا انتہائی فائدہ اور اقتدار وشہرت کا نتیجہ اس صورت میں ہے کہ وہ تمام آفات سے بری اور وہ زیادہ سے زیادہ موت کے وقت تک ہے اور بس، موت کی وجہ سے ریاست زائل اور حکومت منقطع ہو جاتی ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ خود جاہ وریاست تھوڑے زمانہ میں فنا ہونے والا ہے۔ اس لیے عقلمند اس پر ہرگز خوش نہیں ہوتا۔ اگر آپ حقیقتاً اسکندر ذوالقرنین کے مانند بادشاہ بھی ہو جائیں۔ مشرق سے مغرب تک آپ کا حکم نافذ ہو، آپ کی شان وشوکت تمام دنیا پر احاطہ کر لے، آپ کا کلس خیمہ مہر و ماہ کے ساتھ برابری کرے آپ کا ستارہ عزت دیدہ کواکبِ افلاک کو خیرہ کر دے اور آپ کا دبدبہ حشمت وجلال آسمانوں کو گھیر لے تاہم جب آپ کا آفتاب حیات مغرب ممات میں غروب ہو گا تو آپ کا نورِ ہستی ظلمتِ نیستی سے مبدل ہو جائے گا۔ منادی پروردگار کوچ کی ندا دے گا۔ آپ کی عزیز مسافر روح سامانِ سفرِ آخرت باندھے گی۔ آپ کے دل پر درد سے نالہ حسرت نکلے گا۔ آپ کے اور فرزندوں کے درمیان جو رشتہ الفت ہے وہ ضرور ٹوٹ جائے گا۔ آپ کا تختِ و دولت تختہ تابوت سے اور آپ کا بسترِ مخمل فرشِ خاک سے بدل جائے گا۔ اور آپ کو اس محل سے جس میں آپ نے ہر طرح کا سامان آرام و آسائش جمع کر رکھا ہے قبر تنگ و تاریک میں لا کر سلائیں گے اور بجائے تکیہ زریں کے آپ کے سر کے نیچے اینٹ دی جائے گی۔ پھر وہ تمام عظمت و جاہ آپ کو کیا فائدہ دے گی۔

مشہور ہے کہ اسکندر ذوالقرنین نے نزع کے وقت وصیت کی کہ اس کے دونوں ہاتھ



تابوت سے نکالے جائیں تاکہ تمام عالم معائنہ کرے کہ باوجود اس قدر ملک و مال رکھنے کے مقامِ دنیا سے خالی ہاتھ منزلِ آخرت کو گیا۔

ایک روز ہارون الرشید نے بہلول دانا کو راستہ میں دیکھا کہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے آگے جا کر سلام کیا اور ملتمس نصیحت ہوا۔

بہلول نے کہا کہ:

بادشاہان گزشتہ کی عمارتوں اور ان کی قبروں کا ملاحظہ تیری نصیحت کے لیے کافی ہے۔ ان کو دیکھ اور عبرت حاصل کر کہ وہ لوگ بھی تیرے برابر والے تھے۔ جنھوں نے ایک زمانے تک ان عمارتوں میں عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب وہ ان قبروں میں جہاں مور و مار جمع ہیں حسرت وندامت کی خاک سر پر ڈالے ہوئے سو رہے ہیں۔ کل تیری بھی یہی حالت ہوگی۔

پس اے صاحبو!

ایک ساعت اپنے زمان آئندہ پر غور کیجئے اور تھوڑی دیر حالتِ گزشتگان پر نظر ڈالیے اور استخوان بوسیدہ کی عینک دوربین سے اپنی حالتِ آئندہ کو دیکھئے، اور فرض کیجئے کہ تمام عالم آپ کے زیر فرمان ہے لیکن چند سال کے بعد خود آپ کا کوئی اثر نہ رہے گا اور نہ ان کی کوئی خبر۔ اور آپ کا حال مثل ان لوگوں کے ہو گا جو پچاس سال کے قبل تھے جن کے اطراف امیر و وزیر اطاعت گزار اور رعایا ماتحت جمع تھے اور اس وقت ان کا کوئی نشان نہیں۔ آپ سوائے ان کی حکایت کے کچھ نہیں سنتے ہیں۔

پس آپ اس طرح تصور کیجئے کہ آپ کے پچاس سال آئندہ گزر گئے اور آپ کا حال بھی ان لوگوں کے حال کے مانند ہو گیا ہے اور جو لوگ آنے والے ہیں۔ وہ آپ کی حکایت کہیں گے اور سنیں گے اور آپ کا نام ونشان صفحہ روزگار سے محو ہو گا۔ جب آپ نے صاحبان جاہ ومنصب کے احوال آئندہ پر فکر کی تو اب ذرا ان کی حالت ریاست وحکومت پر تامل کیجئے اور دیکھئے کہ صاحبانِ جاہ واقتدار کی اکثر زندگی غم وغصہ میں بسر ہوتی ہے۔ ہمیشہ دشمنوں کے تیر آزار سے اور اپنی ذلت وخرابی کے اندیشہ میں ہراساں رہتے ہیں۔ ہر لحظہ ان کا دامنِ خاطرہ ہاتھ میں فکر باطل کے رہتا ہے اور ہر ساعت ان کا گریبانِ حواس پنجاہ میں ہر امر مشکل میں گرفتار ہر دم دشمن کے ساتھ مقابلہ ہے اور ہر وقت کسی ن کسی کی گفتگو سے غمگین۔ کبھی خیالات خام ان کو گھیرے

ہوئے ہیں۔ بہرحال ان کی زندگی تملق وخوشامدی میں بسر ہوتی ہے اوران کی عمر نفاق میں نہ ان کو رات میں نیند آتی ہے نہ دن کو عیش وآرام۔ یہ ظاہر وروشن ہے کہ جب کسی کی زندگی اس طرح گزرتی ہوتو پھر کیونکر وہ اپنی شاخ زندگانی سے خوشی کا پھول توڑ سکتا ہے اور پھر کیا نخل جاہ ومنصب سے عیش وطرب کا میوہ چکھ سکتا ہے ہم ضرور جانتے ہیں کہ اس کی عشرت کا ہر نفس کدورت مذکورہ کے ساتھ اوراس کا قہقہہ گریہ کے ہائے ہائے سے ملا ہوا ہے۔

اے صاحبو!

انصاف کیجئے کہ جاہ ودولت میسر ہونے کے بعد کیونکر قرار وآرام حاصل ہوسکتا ہے جن لوگوں نے کسی قدر بھی مرتبہ بزرگی وجاہ حاصل کیا تو ان پر دوسرے رشک لے جاتے ہیں۔

میں نے سنا ہے کہ کسی نے ایک روٹی کا ٹکڑا پرانا لباس، فقیرانہ جھونپڑا عیش درویشانہ کے لیے حسرت کی ہے۔ ان کی تمنا میں دل پر درد سے آہ کھینچی۔

حاصل کلام جب تک کہ منصب برقرار رہے وہ تمام محنت وبلا میں گرفتار اور جب اس کے ایام روزگار پلٹ جائیں اور حادثات زمانہ اس کے تختِ دولت کو الٹ دیں تو کیا کیا رنج والم ابنائے زمانہ سے حاصل نہیں ہوتے اور اپنے مکافات کے باغِ اعمال سے کیا کیا پھول نہیں چنتا۔ کبھی ان دو دینار حرام کے لیے جو بوقت منصب وجاہ قرض دیے گئے تھے کسی کمینہ کے گریبان میں ہاتھ ڈالتا ہے اور بعض وقت ان اراذل وادباش کے دشنام سے اس کا دل مجروح ہوتا ہے جن کو کسی زمانہ میں رنج پہنچایا گیا تھا۔ سالہا سال سے جو نقد وجنس جمع کیا گیا وہ حادثوں کی وجہ سے دو تین روز میں تاراج ہوجاتا ہے اور جائداد واملاک جو مال حرام سے حاصل کی گئی۔ وہ تھوڑے زمانہ میں دوسرے کے ہاتھ منتقل ہوجاتی ہے۔ بہرحال طالب جاہ وجلا وشیفتہ منصب سریع الزاول کو کسی حال میں کسی طرح کا آرام حاصل نہیں ہوتا حصولِ منصب وجاہ میں کس قدر جان لڑانی پڑتی ہے اور کیا کیا تکلیفیں اس کی جستجو میں اٹھائی جاتی ہیں جب وہ مقصد حاصل ہوگیا اور جاہ ومنصب سے سرفراز، تو رات دن اس کی اصلاح میں زحمت وجانکاہی کی جاتی ہے اور صبح وشام اس کا دل شغل لاحاصل میں مضطرب وحیران رہتا ہے۔ ہر دم غلاموں کی صدا ہوش کو گم کرتی ہے اور چوبدار کے پاؤں کی آواز دل کو پہلو میں تڑپاتی ہے۔ اس خیال سے کہ کیا حادثہ وقوع پذیر ہوا اور جب تحریر معزدلی اس کے منصب وحکومت پر لکھی گئی تو اس کی عزت وجلال میں فرق آتا ہے اور صدائے



نالہ وآہ بلند ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی موت پر راضی ہوتا ہے اور ملا وقاضی کی ملازمت پسند کرتا ہے۔ بہرحال تمام عمر وہ اس جان کندنی میں ہے جب اس کو اجل کا سامنا ہوگیا تو پہلے حساب اور سوال وجواب کی ابتداء کی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چارے کو غم و محنت سے کس وقت آرام ملے گا اور اس کا سرِ پریشان کب تکیہ استراحت پر رہے گا۔

یہ تمام خرابیاں جاہ ومنصب کی محبت سے حاصل ہوتی ہیں، اور اسی منصب وجاہ چند روزہ کے باعث سعادت ابدی دبادشاہی سرمدی، اور ان نعمتوں سے جن کو کسی نے نہ سنا اور نہ دیکھا اور کسی کے دل میں نہ گزرا ہو محروم ہوجاتے ہیں۔

حضرت سلیمان ابن داؤدؑ پیغمبر ہر گناہ ومعصیت سے معصوم تھے جنھوں نے حکمِ الٰہی سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا۔ باوجود ایسی سلطنت عظیم الشان رکھنے پر بھی انھوں نے اپنی دستکاری کی معاش پر زندگی بسر کی اور لذات دینویہ سے اپنی زبان کو آشنا نہ کیا۔

باوجود اس کے اخبار میں آیا ہے کہ اس عالم کے پانچ سو سال کے بعد جس کا ہر روز دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے تمام پیغمبروں کے آخر میں داخلِ بہشت ہوں گے۔

پس ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جن کے جاہ ومنصب کا نتیجہ معصیت پروردگار اور جن کی ریاست کا ثمرہ تکالیف خلق اللہ ہے۔

پس وہ شخص عجب احمق ونادان ہے جو بسبب ریاست دور روزہ دنیائے ناپائیدار اور دولت سرائے ناہنجار کے اس سلطنتِ عظمیٰ ودولت کبریٰ سے ہاتھ اٹھا کر اپنے نفس پاک کو جو زادہ عالم قدس اور پروردہ دائیہ عزیز مصر عزت اور یوسف کنعان سعادت ہے۔ ہوا ہوس کے چاہ تاریک میں ڈالے اور اس کو قید خانہ الم جس میں سو ہزار طرح کے رنج وغم ہوں مقید کرے۔

افسوس صد افسوس اگر آپ کا دیدہ ہوش بینا ہوتا اور غفلت کا پردہ اٹھ جاتا تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہوتے اور اپنے مرغ روح کو پہچانتے اس کی گرفتاری میں کیا کیا آہ ونالے کھینچتے اور اس کے ماتم میں کس قدر اشک حسرت برساتے اور کون ومکاں کو ترک کرتے۔ میرے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے۔ آپ اور ہم کنج حسرت میں بیٹھتے۔ اور ان اشعارِ دردناک کو پڑھتے۔

# مثنوی مولانا رُوم

کائے دریغا مرغ خوش آواز من
اے دریغا ہمدم و ہمراز من
اے دریغا مرغ خوش الحانِ من!
راحِ و روحِ روضہ رضوان مُن
اے دریغا مرغ خوش پرواز من
زانتہا پرندتا آغاز من!
طوطی من مرغ زیرک سازمن!
ترجمان فکرت و اسرار من
طوطیٔ کاید زوحی آواز اُو
پیش از آغازِ وجود آغاز اُو
اے دریغا اے دریغا اے دریغ
کاین چنین ماہی نہاں شد زیر میغ

آپ لوگوں کا حال کس قدر اس شہزادے کے مشابہ ہے جس کے باپ نے اس کو نوشاہ بنا کر بڑے خاندان سے کسی عروس خوبصورت کو اس کے نکاح میں دینا چاہا۔ جب تمام سامانِ شادی مہیا ہوگیا۔ خاص و عام اس کے دربار میں حاضر ہوئے انعام واکرام سب کو تقسیم کیا گیا۔ چھوٹے اور بڑے وضیع وشریف عیش وعشرت میں شریک ہوئے۔ کوچہ وبازار آراستہ اور تمام شہر میں روشنی کی گئی۔ عروسِ مالِ سیما کو بڑی شان وشوکت سے اس کے حجرے میں بٹھایا اور اس شہزادے کو شاہانہ جلوس سے لے چلے۔ اتفاقاً اس رات نوشاہ نے بہت شراب پی تھی۔ جس کے باعث اس کے عقل و ہوش کا چراغ گل ہوگیا تھا حالت نشہ میں وہ اپنے جلوس سے باہر ہوکر مجوس کے قبرستان میں جا پہنچا چونکہ مجوس اپنے مردوں کو تہ خانہ میں رکھ کران کے نزدیک چراغ روشن کرتے تھے۔ وہ شہزادہ شاہی لباس پہنے ہوئے اس تہ خانہ پر پہنچا اور چراغ روشن دیکھا تو حالتِ نشہ میں اس تہ خانہ کو اپنی دلہن کا حجرہ تصور کرکے اندر گیا۔ اتفاقاً ایک بوڑھی مجوس اس روز مرگئی تھی ابھی اس کا جسم نہ گلا تھا۔ اس کو اس تہ خانہ میں رکھے تھے۔



شہزادے نے اپنے عروس خیال کرکے بغیر سوچے سمجھے اس کو بغل میں لے لیا اور بڑی خواہش کے ساتھ اس کے منہ پر منہ رکھا۔ اس وقت اس کے جسم میں جو غلاظت پوشیدہ تھی۔ حس و حرکت کے باعث ظاہر ہوئی۔ شہزادہ اس کو عطر وگلاب تصور کرکے اپنی صورت پر ملتا اور کبھی اپنے منہ کو اس بوڑھی کے منہ پر رکھتا۔ تمام رات اسی عیش میں بسر ہوئی۔

امراءوزراءنوکر چاکر ہر طرف اس کو تلاش کرتے تھے۔ جب صبح ہوگئی اور صبح کی ٹھنڈی ہوا کے باعث اس کا نشہ کافور ہوگیا۔ اور ہوش میں آیا تو اپنے کو اس نے ایسے مقام میں بوڑھیا کے ساتھ ہم آغوش پایا اور اپنے لباسِ فاخرہ کو غلاظت وخون میں آلودہ دیکھا تو اس درجہ نفرت ہوئی کہ اس کو مرجانا اور شرم وخجالت کے مارے زمین میں گڑ جانا پسند تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی اس کو نہ دیکھ لے۔ اتنے میں اس کا باپ امیروں اور وزیروں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا اور اس نے اس حالت خراب میں اس کو دیکھا۔

واضح ہو کہ حب جاہ کا معالجہ یہ ہے کہ جس جگہ آپ کو کوئی نہ پہچانتا ہو وہاں کنارہ کشی وگوشہ نشینی اختیار کریں اپنے وطن کی گوشہ نشینی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ گمان اغلب یہ ہے کہ اس سے عوام میں مقبولیت وحصولِ جاہ زیادہ ہو۔ چنانچہ بعض اشخاص اپنے شہر میں اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھے ہیں اور آدمیوں سے انھوں نے کنارہ کشی اختیار کی ہے لیکن اہل دنیا اس طریقہ سے ان کی خواہش وعزت زیادہ کرتی ہے اور انھوں نے اس عمل کو تحصیل جاہ کا وسیلہ قرار دیا ہے اور یہ جانتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو ترک کیا ہے۔

افسوس! افسوس!! انھوں نے شیطان کا فریب کھایا ہے۔ اپنے صفحہ دل پر نظر ڈالے کہ اگر آدمیوں کا اعتقاد ان سے زائل ہو۔ وہ ان کو اذیت پہنچائیں اور ان کی بدگوئی کریں تو کیونکر ان کا دل غمگین وملول ہوتا ہے اور ان کا نفس مضطرب اور اس کی کس طرح چارہ جوئی کی جاتی ہے۔

اس کا عمدہ علاج یہ ہے کہ کسی چیز کی طمع نہ رکھے۔ یہ صفت قناعت کے باعث حاصل ہوتی ہے جس نے قناعت اختیار کی۔ جب مستغنی ہوگیا تو اس کا دل کسی چیز کے ملنے اور نہ ملنے کی پرواہ نہیں کرتا اور ہر حالت اس کی نظر میں یکساں ہوتی ہے بلکہ جو شخص صاحبِ معرفت ہوگا اس کو کسی کی طمع نہ ہوگی۔ آدمی اس کی نظر میں مثل چار پایوں کے ہوں گے۔

تمام معالجاتِ عملیہ حب جاہ سے یہ ہے کہ جس چیز کے باعث حُبِّ جاہ کی زیادتی اور اس کی

حرمت ہوتی ہو اس سے اجتناب کریں اور اور جن امور سے آپ کی وقعت ساقط ہوتی ہے ہمیشہ ان کے مرتکب ہوں لیکن وہ خلافِ شرع نہ ہوں۔

وہ اخبار و آثار جو جاہ کی مذمت میں آئے ہیں ان کو ملاحظہ کیجیئے اور اس کی ضد جو گمنامی ہے اس کو دیکھیئے۔

# فصل نمبر (۴)

## محبت گمنامی و بے اعتباری کی شرافت اور اس کا فائدہ

واضح ہو کہ حب جاہ وشہرت کی ضد اپنی گمنامی اور بے اعتباری کی محبت ہے یہ زہد کا ایک شعبہ ہے جو تمام صفاتِ حسنہ مومنین سے ہے اور خصائل پسندیدہ مقربین۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے فرمایا:

''بہ تحقیق کہ خدا پرہیزگارانِ پوشیدہ کی گمنامی کو دوست رکھتا ہے کہ جب وہ غائب ہوں تو ان کو کوئی تلاش نہ کرتا ہو اور جب وہ حاضر ہوں تو کوئی نہ پہچانتا ہو۔ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں جو دوسروں کی نجات کے باعث ہیں۔''

نیز اُس سرورؐ سے مروی ہے کہ:

اہل بہشت وہ لوگ ہیں جن کے بال پریشان 'غبار آلود' بجز دو جامہ کہنہ کے کچھ نہ رکھتے ہوں اور کوئی شخص ان کی طرف اعتنا نہ کرے۔اگر وہ کسی امیر کے گھر جانا چاہیں تو ان کو اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے جب وہ اپنے واسطے کسی عورت کی خواستگاری کریں تو کوئی قبول نہ کرے جب وہ کوئی کہے تو ان کی بات نہ سنے اور ان کی کوئی خواہش و حاجت پوری نہ ہو۔ اگر ان کا نور اہلِ محشر پر قسمت کیا جائے تو تمام پر احاطہ کرے۔

نیز فرمایا کہ:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا دوست وہ بندہ مومن ہے جو اپنی نماز سے لذت پائے۔اپنے پروردگار کی ظاہر اور پوشیدہ عبادت کرے۔اس کا نام آدمیوں میں مشہور اور انگشت نما نہ ہو 'وہ صابر ہو۔اس کی موت اس حالت میں آئے جب کہ اس کی میراث اور اس پر رونے والے کم



ہوں۔

اسی وجہ سے زمانہ سابق کے نیکوں نے کنج تنہائی اختیار کر کے خلق اللہ کی آمد و رفت کا دروازہ بند کیا اور ملک قناعت کی بادشاہی کے طالب رہے۔اس لیے صاحبان منصب و جاہ کی بزرگی ان کی نظر میں ہیچ تھی اور بادشاہوں کا تخت و تاج ان کے نزدیک فضول و بیکار۔

نقل کرتے ہیں کہ ہارون الرشید جو بادشاہ روئے زمین تھا اس کا ایک فرزند بہت زاہد و پرہیزگار جس نے مال و متاع دنیا کو ترک کر کے تخت و تاج شاہی پر لات ماری تھی دو جامہ سفید پرانے پہنتا اور جو کی روٹی سے روزہ کھولتا۔ایک روز اس کا باپ اپنے مقام پر بیٹھا تھا اور وزیر امیر اس کی خدمت میں کمر بستہ حاضر تھے کہ وہ لڑکا وہی اپنا پرانا لباس پہنے ہوئے اسی وضع و قطع میں اس مقام سے گزرا تو چند حاضرین کہنے لگے کہ یہ لڑکا بادشاہ کی عزت و آبرو کھوتا ہے پس بادشاہ کو ضروری ہے کہ اس وضع میں رہنے سے اس کو منع کرے۔

اتفاقاً ہارون الرشید نے یہ بات سن لی اس فرزند کو بلایا اور اس کو مہربانی کے ساتھ نصیحت کی۔

اس جوان نے کہا کہ:

اے باپ!

میں نے دنیا کی عزت دیکھی اور لطف ریاست اٹھایا۔میں آپ سے امیدوار ہوں کہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے کہ اپنے کام میں مشغول رہوں اور آخرت کا توشہ تیار کروں۔مجھ کو دنیائے فانی سے کیا کام اور دولت بادشاہی سے مجھ کو کیا غرض۔

ہارون الرشید نے قبول کیا اور اپنے وزیر کو اشارہ کیا کہ حکومت مصر اس کے نام سے تحریر کی جائے۔

فرزند نے کہا کہ:

اے باپ مجھ کو چھوڑ دے ورنہ ترکِ وطن کروں گا۔

ہارون الرشید نے کہا:

اے فرزند! مجھ کو تیری جدائی کی طاقت نہیں اگر تو ترکِ وطن کرے گا تو میری زندگی کس طرح گزرے گی۔

اس نے کہا کہ:

اے باپ! دوسرے بیٹے ہیں اپنے دل کو ان سے خوش کیجیے۔ اگر میں قضا کر جاؤں۔ تو آپ مجھ کو کہاں سے لائیں گے اور اس کا کیوں کر بدل ہوگا۔

جب اس نے دیکھا کہ باپ اس کو کسی طرح نہیں چھوڑتا ہے تو آخر کار آدھی رات کو پوشیدہ طور پر اس کی حکومت سے فرار ہو گیا سوائے قرآن کے مالِ دنیا سے اس نے کچھ نہیں لیا۔ بصرہ میں مزدوری کرتا اور سات روز میں سوائے ہفتہ کے کام نہ کرتا۔ ایک درہم اجرت لیتا۔ اسی اجرت پر اپنی زندگی بسر کرتا۔

ابو عامر بصری کہتا ہے کہ میرے باغ کی دیوار گر گئی تھی۔ میں ایک مزدور کی خواہش میں گھر سے باہر نکلا تو ایک جوان خوبصورت کو دیکھا۔ جس سے بزرگی کی علامت ظاہر ہو رہی ہے اور اپنے آگے آلہ معماری رکھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔

میں نے کہا:

''اے نوجوان! کیا مزدوری کرنا چاہتا ہے؟''

تو اس نے جواب دیا کہ:

''کیوں نہ کروں کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں کہیے کونسا کام ہے؛

میں نے کہا:

''گِلکاری۔''

تو اس نے جواب دیا کہ:

''اس شرط پر کہ درہم اجرت لوں گا۔ اور نماز کے وقت مجھ کو چھوڑ دینا۔''

یہ سن کر میں نے قبول کیا اور اس کو ہمراہ لا کر کام بتلایا۔ جب شام ہوئی تو دیکھا کہ اس نے دس آدمیوں کا کام کیا ہے میں نے دو درہم کیسہ سے نکال کر دینا چاہا تو اس نے قبول نہ کیا۔ وہی ایک درہم لے کر چلا گیا۔

دوسرے روز اسی کی طلب میں بازار گیا اور دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سوائے ہفتہ کے کسی روز کام نہیں کرتا۔ اس لیے میں نے اپنا کام ملتوی رکھا یہاں تک کہ وہ روز آیا۔ جب میں ہفتہ کو بازار میں گیا تو اس کو سابق کی طرح قرآن شریف پڑھنے میں مشغول دیکھا۔



میں نے سلام کیا اور اس سے مزدوری کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اس کو کام پر لا کر لگایا۔ میں خود دور سے معائنہ کرتا تھا کہ گویا اس کے کام میں عالمِ غیب سے مدد کی جا رہی ہے جب شام ہوئی میں نے اس کو تین درہم دینا چاہے تو اس نے قبول نہ کیا وہی ایک درہم لے کر چلا گیا۔

پھر تیسرے ہفتہ کو اس کی خواہش میں بازار گیا تو اس کو نہ پایا میں نے اس کی کیفیت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تین روز سے کسی خرابہ میں وہ بیمار ہے یہ سن کر میں کسی شخص کے ذریعہ سے اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ایک خرابہ میں وہ بیہوش پڑا ہے اور اس کے سر کے نیچے ایک اینٹ رکھی ہے ک۔ میں نے سلام کیا چونکہ اس کی حالت نزع کی تھی اس نے التفات نہ کی۔ دوسری بار سلام کیا تو اس نے پہچانا' میں نے اس کے سر کو اپنے زانو پر رکھا تو اس نے منع کیا اور کہا کہ اس سر کو چھوڑ دیجیے کہ یہ سر خاک کے سزاوار ہے۔ اس کے سر کو میں نے زمین پر رکھ دیا اور دیکھا کہ چند اشعار عربی پڑھ رہا ہے۔

میں نے کہا کہ تم کوئی وصیت کرتے ہو۔

اُس نے کہا۔ میری وصیت یہ ہے کہ میں مر جاؤں تو میرا منہ خاک پر رکھنا اور کہنا اے پروردگار یہ تیرا بندہ ذلیل ہے جو دنیا کے مال و متاع سے بھاگ کر تیری درگاہ کی طرف آیا ہے کہ شاید تو اس کو قبول کرے اور اپنی فضل و رحمت سے اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ میرا لباس اور زنبیل قبر کھودنے والے کو دینا۔ یہ قرآن 'انگوٹھی' ہارون الرشید کے پاس پہنچانا اور اس کو کہنا یہ امانت ایک جوان غریب کی ہے اور یہ اس کا پیغام ہے کہ کہیں حالتِ غفلت میں نہ مر جانا۔ یہ کہا اور اس کا مرغِ روح قفسِ جسم سے پرواز کر گیا۔

حاصل کلام اے صاحبو! امارت و ذلت روزگار مثل برق گزر رہی ہے اور دولت و نکبت زمانہ غدار تھوڑے عرصہ میں یکساں ہے۔ کوئی آفتاب دولت اُفقِ مشرق سے طلوع نہیں ہوتا جو تھوڑی دیر میں گریبان مغرب میں جا کر فنا نہ ہو جائے۔ کوئی اندھیری رات کسی بیچارے پر نہیں آتی کہ تھوڑے وقت میں روشنی صبح سے مبدل نہ ہو۔

پس نہ اس سے خوش ہونا چاہیے اور نہ غمگین۔

اے صاحبو!

یہ زندگانی پنج روزہ دنیا جس طریقہ سے گزرے گزاریئے اور ناموافقت زمانہ سے جس

طرح ہو سکے موافقت کیجئے اور ایک پیٹ کے واسطے جو روٹی کے دونوالوں سے سیر ہو سکتا ہو لازم نہیں ہے کہ اپنے کو ہزار طرح کی بلا میں ڈالیں اور ایک بدن جو پانچ گز کپڑے سے پوشیدہ ہو سکتا ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اپنے کو ہزاروں تکالیف میں مبتلا کریں حالانکہ جس کا مرتبہ دنیا میں بڑا اور جس کا منصب بلند ہے۔ اس سے راحت و عیش دور ہے اور وہ بے نصیب سلطنت میں ہزار طرح کی آفتیں ہیں فقیر کے گوشہ ویران میں کوئی آفت نہیں فقیر بینوا کے واسطے جو عیش ہے ہرگز وہ صاحب جاہ و منصب کو میسر نہیں آپ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کی زندگی جاہ و منصب کے باعث راحت و آرام میں وبسر ہوتی ہے اگر آپ کو ان کی حقیقت سے آگاہی ہوگی تو جانیں گے کہ وہ اپنی زندگی سے کس طرح دلگیر ہیں۔ اور کیونکر اپنی اوضاع سے ناگزیر۔

## بیسویں صفت

# اپنی مدح وثنا کی محبت اور اپنی مذمّت کی کراہت

واضح ہو کہ جب انسان اس کی امر کا متمنی ہو کہ اس کی مدح وثنا اور خوشامد کی جائے او ربدگوئی سے متنفر ہو تو یہ صفت نتیجہ حُبِّ جاہ اور مہلکات عظیمہ میں سے ہے۔ چونکہ ہر شخص اپنی مدح کو دوست رکھتا ہے اور اپنی مذمت سے نفرت کرتا ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ آدمیوں کی خوشنودی کا طالب رہتا ہے اور اپنا قول و فعل ان کی خواہش کے مطابق بجالاتا ہے اس امید پر کہ اس کی تعریف کریں اور مذمت نہ کریں۔ خوشنودی خالق کا اس کو ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ اس لیے اکثر واجبات کو ترک کر دیتا ہے اور محرکات کا مرتکب ہوتا ہے اور امر معروف و نہی منکر سے بے پرواہ۔ اور حق وانصاف کے حد سے تجاوز کر جاتا ہے کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور باعثِ ہلاکت ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے اخبار اس کی مذمت میں آئے ہیں۔

سید عالمؐ نے فرمایا ہے کہ:

''متابعت ہوا و ہوس اور دوستی مدح وثنا کے باعث بہت سے اشخاص ہلاک ہوئے۔''

آں حضرتؐ کی خدمت میں ایک روز ایک شخص نے کسی کی تعریف کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ:



''اگر وہ شخص جس کی تو نے مدح کی ہے موجود ہوتا اور تیری مدح پر خوشنود اور راضی ہوتا اور اسی حالت میں مرجاتا تو داخلِ جہنم ہوتا۔''

اور فرمایا کہ:

''جب تم دیکھو کہ لوگ تمہاری حضوری میں تمہاری مدح کرتے ہیں تو ان سے بیزاری اختیار کرو۔''

اس صفت والے کے چند مراتب ہیں:۔

(۱) جو شخص اپنی مدح و شہرت میں حتی المقدور کوشش کرے یہاں تک کہ عبادت میں بھی مدح کا متمنی ہو اور تالیف القلوب کے لیے محرمات کا مرتکب ہو۔ ایسا شخص اہل شقاوت ہے اور غرق دریائے ہلاکت۔

(۲) جو شخص مدح وثنا کا طالب ہو اور خوشامد پسند کرتا ہو لیکن بذریعہ محرمات اسے حاصل نہ کرے بلکہ امور مباح کے ذریعہ سے جس قدر حاصل ہو اس پر اکتفا کرے تو ایسے شخص کی ابھی ہلاکت واقع نہیں ہوتی لیکن ہلاکت کی حد میں داخل ہو گیا۔ چونکہ ایسا شخص آدمیوں کے دل کو اختیار میں لینے کی خواہش کرتا ہے اور تمام افعال واقوال میں اپنی ہوشیاری کو کہ کوئی معصیت صادر نہ ہو نہایت مشکل میں پھنسا دیتا ہے۔

(۳) جو شخص مدح کا طالب نہ ہو اور اس کے حصول میں کوشش بھی نہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی مدح کرے تو خوش ہو اور اس کو اچھا معلوم ہوا گرچہ یہ مرتبہ نقصان کا ہے لیکن وہ گناہگار نہیں ہوتا۔

جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''کوئی شخص عملِ نیک کرتا ہے اور اگر دوسرا شخص اسے اس عمل کا مرتکب ہوتے ہوئے دیکھ لے تو وہ خوش ہوتا ہو۔''

حضرتؑ نے فرمایا کہ:

''کوئی اندیشہ نہیں۔ کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے عمل نیک کو ظاہر کرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس عمل کو اس کے دکھانے کے لیے نہ کیا ہو۔''

(۴) جو شخص حُصولِ مدح میں کوشش نہ کرے مگر کوئی شخص اس کی مدح کرے تو

خوش ہو۔لیکن یہ خوشی اس کو دل گیر کرتی ہو اور اپنے کو مدح وثنا سے شاد نہ ہونے کے مرتبے پر پہنچنے کی خواہش رکھتا ہو تو یہ شخص مقامِ مجاہدہ میں ہے۔

واضح ہو کہ مدح وخوشامد کو دوست رکھنے کے لیے چند اسباب ہوتے ہیں:۔

۱: اپنے کمال سے فائدہ اٹھانا۔کیونکہ مرتبہ کمال ہر کسی کے نزدیک محبوب ہے اور فی نفسہٖ کمال ہر شخص کا مطلوب۔کیوں کہ جب کوئی شخص اپنے کمال سے فائدہ اٹھاتا ہے تو لذت پاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔اور آدمیوں کی مدح وثنا اس کا سبب ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنے کمال سے فائدہ اٹھائے۔

اسی لیے اگر کسی مبصر اور جاننے والے نے مدح کی ہو تو اس کی لذت اور خوشی زیادہ ہوتی ہے بخلاف اس احمق ونادان کی مدح کے جو کچھ بھی نہ جانتا ہو۔

۲: یہ کہ مدح وثنا سے ثابت ہوتا ہے کہ مدح کرنے والے کا دل ممدوح کا مسخر ہے اور وہ اس کا مرید ومعتقد ہے۔چونکہ تسخیر دل لذت وسرور کا موجب ہے۔

اسی وجہ سے جس وقت کوئی شخص بزرگ صاحبِ اقتدار جس کے دل کی تسخیر حصولِ فوائد کا باعث ہوتی ہے کسی کی مدح کرے تو اس سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے بخلاف اس شخص کے جو بے اعتبار اور حقیر ہو۔

۳: یہ کہ کسی کے اوصافِ نیک کا ذکر اور مدح کرنا دوسروں کے دلوں کے بھی صید کا باعث ہوتا ہے۔خصوصاً جبکہ کسی ایسے شخص کی ثنا کی جائے جس کے قول پر آدمی اعتماد رکھتے ہوں۔

۴: یہ کہ کسی کا آپ کی مدح کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے نزدیک آپ کی کوئی عزت وحشمت ہے اور اس کے دل میں آپ کی وقعت۔اس لیے بے اختیار اس کی زبان پر آپ کی مدح جاری ہے اور خوشامد سے لذت حاصل ہونے کی یہی وجہ ہے۔

جو لوگ جانتے ہیں کہ یہ جو کہتا ہے بے اعتقادی سے کہتا ہے تو اس پر ملتفت نہیں ہوتے ہیں۔

اسباب مذکور الصدر مذمت کی کراہت سے بھی متعلق ہیں اور مدح وثنا ہر ایک سبب سے جو خوشامد میں داخل ہو سکتی ہے وہ مرضِ نفسِ انسان ہے اور علامتِ نقصان۔

مگر یہ سبب اول مدح وثنا سے جو نشاط وسرور حاصل ہوتا ہو اور دوسرے کی مدح وثنا سے



اپنے ان اوصاف کو معلوم کر رہا ہو جو اس کے نزدیک مشکوک تھے تو اپنے کو کمال سے متصف ہونے اور اس نعمت وعطیہ الٰہی پر سرفراز ہونے سے خوش ہوتا ہے۔لہٰذا ایسی لذت اور سرور مذموم نہیں ہے اور حقیقتاً یہ لذت مدح وثنا سے نہیں بلکہ یہ لذت اپنے کمال سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے اکثر علمائے اخلاق نے محبت مدح وثنا کے تمام اقسام کو صفاتِ رذیلہ سے قرار دیا ہے۔اور کسی قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔علاوہ اس کے اس کمال پر خوش ہونا جس کا انجام کا معلوم نہیں کہ آیا وہ ذریعہ نجات ہوگا یا سبب ہلاکت ہاں بالضرور وہ باعثِ جہل ونادانی ہے۔

## فصل نمبر (۱)

## مرض حب مدح اور کراہتِ مذمّت کا معالجہ

واضح ہو کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ حُبِّ مدح اور مذمت کی کراہت صفات رذیلہ میں سے ہے۔

پس دامنِ ہمت باندھ کر قبل اس کے کہ آپ کے ہاتھ سے موقع نکل جائے اس کے معالجہ میں کوشش کیجئے۔

مدح وثنا کی محبت کا معالجہ یہ ہے کہ:

ابتداء ان اسباب کو دیکھئے جن کے سبب سے نشاط ولذت حاصل ہوتی ہے۔اگر سبب اول میں داخل ہو یعنی آپ اپنے کمال پر ملتفت ہو کر خوش ہوں پس اگر وہ کمال' کمالِ حقیقی نہ ہو مثلاً: مال' جاہ' شہرت' منصب وغیرہ امورِ دنیویہ میں سے ہو تو اس پر خوشی کرنا حماقت ہے اور نادانی وجہالت۔عاقل ان چیزوں سے غمگین ومحزون ہوتا ہے اور جو کمالِ حقیقی ہوں مثلاً: علم' ورع' تقویٰ وغیرہ۔

پس اگر حقیقت میں وہ شخص جس کی مدح کی جاتی ہے اس صفت سے متصف نہ ہو تو پھر کس امر پر خوش ونشاط ہوتی ہے بلکہ رنج وغم کا مقام ہے اور اگر اوصاف مذکورہ سے متصف ہو مگر جب تک اس کا خاتمہ بخیر نہ ہو ان کمالات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

پس کسی کا اس کمال پر خوشی کرنا جس سے اپنے انجام کی واقفیت نہ ہو جہل وغفلت ہے جب

مدح وثنا کی محبت کسی دوسرے سبب سے ہوتو وہ حب جاہ کا ایک شعبہ جس کا علاج بیان کیا گیا۔ اس کے بعد تامل کیجئے۔

اکثر ہوتا ہے کہ:

جو شخص آپ کی مدح خصوصاً آپ کے سامنے کرتا ہے تو اس کو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور یہ اس کی خوشامد ایک دام ہے جو آپ کے دین اور دنیا کی صید کرنے کے لیے بچھایا گیا ہے اور آپ اس سے خوش ہوتے ہیں علاوہ اس کے اکثر خوشامدیں ایسی ہوتی ہیں کہ خوشامد کرنے والا حقیقتاً اس کو نہیں جانتا اور اس پر مطلقاً اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس کا جھوٹ واضح ہے اور اس کا نفاق ظاہر۔

اور جب آپ کی تعریف کی جاتی ہے تو آپ خود اور نیز دوسرے اشخاص سننے والے جانتے ہیں کہ وہ احمق اور منافق ہے جو آپ کے سامنے جھوٹی باتیں کر رہا ہے باوجود اس کے آپ کو اس کی تعریف سے خوشی حاصل ہوتی ہے مذمت کراہت کا علاج بھی بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو شخص مذمت کرتا ہے اگر وہ مذمت میں سچا ہے اور اس کی غرض نصیحت و پند ہے تو پھر آپ کس وجہ سے اسے کراہت و دشمنی کرتے ہیں۔ بلکہ سزاوار یہ ہے کہ اس کی مذمت سے خوش ہوں اور اس کو اپنا دوست سمجھیں اور اس صفتِ خراب کے دور کرنے میں کوشش کریں۔ وہ شخص کس قدر برا ہے جو ہدایت اور نصیحت کرنے والے کے ساتھ دشمنی کرے اور اگر اس کا قصد آپ کی ایذا و ملامت کا ہے تو تاہم آپ کو سزاوار نہیں کہ آپ اس کو برا جانیں اور اس کے ساتھ بغض کریں۔ کیوں کے اگر آپ اس عیب سے ناواقف تھے تو اس نے آپ کو معلوم کرایا۔ اگر آپ غافل تھے تو اس نے آپ سے اس کی برائی بیان کی۔ ہر صورت میں اس کا نفع آپ ہی کو ملتا ہے اور اگر وہ مذمت جھوٹ ہو تو اس کی مذمت وافترا آپ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

اس مذمت کے عوض میں اس کے ثواب اس کے نامہ اعمال سے آپ کے دفترِ اعمال میں نقل ہوجاتے ہیں اس کا ثواب آپ کو ملتا ہے جو شخص مذمت کرتا ہے مورد غضبِ الہیٰ ہوتا ہے۔

مثلاً بنوامیہ نے سوسال حضرت علیؑ کی جھوٹ مذمت کی مگر وہ خود برباد ہوگئے اور مٹ گئے اور حضرت علیؑ علی ہی تھے اور علی ہی رہے۔



علاوہ اس کے تجربے سے ثابت اور اس پر اخبار و آثار شاہد ہیں کہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کوئی عیب نہ رکھتا ہو تو دوسروں کی عیب گوئی سے اس کا مرتبہ ساقط و پست نہیں ہوتا اور کسی کی مذمت اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتی۔

بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ:

عیب کا ظاہر کرنے والا نظروں میں بے وقعت اور رسوا ہوجاتا ہے۔ ہاں جس شخص کو خداوند عالم نے پاک کیا ہو اس پر کسی ناپاک کے عیب رکھنے سے وہ معیوب نہیں ہوتا اور نہ دوسروں کی مذمت سے پست و مذموم۔ بلکہ بدی و پستی مذمت کرنے والے کی طرف ہی رجوع ہوتی ہے۔

بیان مذکورہ الصدر معالجہ علمی تھا۔ لیکن معالجہ عملی یہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ کی مدح کرے تو اس پر توجہ نہ کیجئے اور اس کی بات کو قطع کیجئے بلکہ اس کے ساتھ سختی و ملامت سے پیش آیئے جو کچھ اس کا مقصد ہو اس کو پورا نہ کیجئے۔ خصوص مذمت کرنے والوں کے ساتھ اقوال مذکور الصدر کے خلاف عمل کیجئے تاکہ رفتہ رفتہ یہ صفت نقص آپ سے زائل ہوجائے۔ اس طریقہ پر کہ بلحاظ قوتِ نفس و بصیرت دین مدح و ذم کا اثر آپ کے نفس پر نہ پڑے یعنی مدح و ذم آپ کی نظر میں مساوی ہوجائے۔ ایسا وجود بیشک عنقا صفت ہے بسا اوقات انسان اس حالت کا دعویٰ کرتا ہے اور بلحاظ ریا و مکر عوام الناس کو فریب دیتا ہے اور اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ مدح و ذم اس کی نظر میں یکساں ہے اور حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی یہ علامت ہے کہ جس طرح وہ مدح کرنے والے سے ملتا ہے اسی طرح مذمت کرنے والے سے ملے اور جس طرح وہ مدح کرنے والے کے ساتھ سلوک کرتا ہے اسی طرح مذمت کرنے والے کے ساتھ برتاؤ کرے۔ اکثر اوقات آدمی اس مرتبے پر ترقی کرتا ہے کہ مدح وثنا کو مکروہ اور اپنی مذمت کو دوست رکھتا ہے یہ صفت اگرچہ نادرالوجود ہے اور ایسا شخص عنقا لیکن اس کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ جو شخص عاقل ہو اور اپنے نفس پر مہربان ہو اور جانتا ہو کہ مدح گوئی اس کے دین کو تباہ کرتی ہے اور اس کی کمر کو توڑتی ہے تو وہ ضرور اس کو برا جانے گا اور مدح گو کو دشمن سمجھ لے گا۔ حاصل کلام جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ آپ کی مذمت آپ کو اپنے عیوب سے آگاہ کرتی ہے اور آپ کے درجات کو بلند اور آپ کے گناہوں کو محو بالضرور آپ اپنی مذمت پر راغب ہوں گے اور بدکہنے والے کو دوست رکھیں گے۔

# اکیسویں صفت

# مذمّت ریا جس میں پانچ فصلیں ہیں

واضح ہو کہ افعالِ نیک و پسندیدہ یا ایسے علامات کے ذریعے سے جو صفاتِ نیک پر دلالت کرتے ہوں۔ دوسروں کے نزدیک منزلت اور اعتبار کی خواہش ظاہر کرنے کو ریا کہتے ہیں۔

اور جو علامتیں افعالِ نیک پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سے مراد یہ ہے کہ وہ خود نیک نہ ہوں لیکن ان کے ذریعے سے افعالِ نیک کا اظہار ہو سکے۔

مثلاً:

ضعف و بے حالی کا اظہار کرنا جس سے اپنی کم خوراکی اور روز یا شب بیداری کا ثبوت ہو۔

یا مثلاً:

بے اختیار آہ کھینچنا کہ فکرِ خدا یا احوالِ روزِ جزا کا اظہار ہو سکے اور انھیں صورتوں کے مانند۔

پس ریا کی تمام قسمیں شرعاً مذموم ہیں۔ بلکہ تمام مہلکاتِ عظیمہ اور گناہانِ کبیرہ۔ اس کی حرمت پر تمام متفق ہیں اور آیات و اخبار ایک دوسرے کے باہم موافق۔

پروردگارِ عظیم کتابِ کریم میں فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦

خلاصہ معنی یہ کہ: ''اُن نماز پڑھنے والوں پر وائے ہو جو اپنی نماز میں بے پروائی و سستی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ریا کرتے ہیں اور اپنی اطاعت کو دوسروں کی تعریف یا فائدہ دنیا کے خیال سے بجالاتے ہیں۔'' (سورہ ماعون)

اور تمام کی مذمت میں فرماتا ہے:

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝١٤٢



یعنی: '' اپنے اعمال لوگوں کو دکھاتے ہیں اور خدا کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔'' (سورہ نساء)

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ فرمایا:

''بہ تحقیق میں تمھارے لیے اس صفتِ بدتر سے ڈرتا ہوں جو شرکِ اصغر ہے۔''

عرض کیا گیا کہ:

''وہ کیا ہے؟''

فرمایا کہ:

''ریا' خدائے عزوجل قیامت میں جب کہ بندوں کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا کہ تم ان اشخاص کے سامنے جاؤ جن کے واسطے ریا کی گئی۔ تمہاری جزا ان لوگوں کے پاس ہے۔''

نیز آں حضرت صلعم سے منقول ہے کہ:۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اگر کوئی شخص عملِ نیک بجالائے جس میں میرے سوا دوسرے کو شریک کیا ہو تو وہ تمام عمل غیر کا ہے اور میں اس کو قبول نہیں کرتا۔''

نیز آں حضرتؐ نے فرمایا کہ:

''خدا اس عمل کو جس میں کسی قدر بھی ریا ہو قبول نہیں فرماتا۔''

نیز فرمایا کہ:

قیامت میں ریا کرنے والے چار ناموں سے پکارے جائیں گے۔ وہ یہ ہیں:۔

☆ اے کافر

☆ اے فاجر

☆ اے غادر

☆ اے خاسر

تیرا عمل فاسد ہوا اور تیرا اجر باطل۔ آج کے روز تجھ کو میرے پاس کوئی حق نہیں چلا جا۔

جس کے لیے تو نے یہ عمل کیا ہے اس سے اپنی مزدوری لے۔

ایک روز اُن سرورؑ نے بہت گریہ فرمایا۔

اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ:

''اپنی امت کے شرک سے ڈرتا ہوں۔ آگاہ ہو کہ یہ کسی بت' آفتاب و ماہتاب' پتھر کو نہیں پوجیں گے۔لیکن اپنے اعمال میں ریا کریں گے۔''

اور فرمایا کہ:

'میری امت پر وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ لوگوں کے باطن طمع دنیا کے لیے خبیث ہوں گے اور ظاہر نیک۔ وہ پروردگار کے ثواب کو نہیں چاہیں گے۔ ان کا دین ریا ہوگا اور ان کو خوفِ خدا نہ ہوگا۔ جب خدا تعالیٰ کا عذاب ان کو گھیرلے گا تو وہ خدا کو اس شخص کے مانند پکاریں گے۔ جو دریا میں غرق ہو رہا ہو ان کی دعا مقبول نہ ہوگی۔''

عدۃ الداعی میں جناب نبویؐ سے مروی ہے کہ:

خدائے تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں کو خلق کرنے سے قبل سات فرشتوں کو پیدا کیا جن کی عظمت نے آسمانوں کو گھیر لیا اور ہر ایک آسمان کے دروازے پر ایک ایک فرشتہ کو دربان بنایا۔

پس جو فرشتے اعمال کے محافظ ہیں اور بندوں کے اعمال کو صبح سے شام تک لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب وہ اعمال مثلاً:

☆ روزہ
☆ نماز
☆ فقہ
☆ اجتہاد
☆ زہد
☆ تقویٰ

وغیرہ کو اوپر لے جانا چاہتے ہیں تو ان کی آواز مثلِ رعد' ان کی روشنی اور چمک آفتاب کے مانند ہوتی ہے۔ اس کام پر تین ہزار فرشتے ہیں جو محافظت کے لیے ان کے ہمراہ جاتے ہیں اور آسمانوں سے گزرتے ہیں یہاں تک کہ اس فرشتے کے نزدیک جو ساتویں آسمان پر مئوکل ہے



جاتے ہیں' تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ:

ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو اس کے صاحب کے منہ اور اس کے اعضاء اور جوارح پر مارو اور اس کے دل کو قفل کر دو۔ میں فرشتہ حجاب ہوں جو عمل خدا کے واسطے نہ ہو اس کو منع کرتا ہوں۔ کیونکہ اس عمل کنندہ کی خدا سے مراد نہ تھی۔ اس کو امراء میں حصولِ مرتبہ بلندی اور مجلس میں اس کے ذکر کی اور شہروں میں اپنی شہرت کی غرض تھی میرے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے عمل کو اس حد سے آگے نہ جانے دوں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

بندے کے اعمال:۔نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' عمرہ' خُلقِ نیک' خاموشی وغیرہ کو جب وہ فرشتے حاملین اعمال خوشی خوشی کے ساتھ اوپر لے جاتے ہیں تو آسمانوں کے ملائکہ اور وہ سات ملک جو سات آسمانوں پر مئوکل ہیں یہ تمام اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام حجابوں سے گزر کر خداوند عالم کے مقابل ٹھہرتے ہیں اور اس بندے کی جس نے اس طرح عمل کیا ہے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''تم اس کے اعمال کے محافظ رہو اور میں اس کے باطن کا جاننے والا ہوں کہ اس بندے کو اس عمل کے بجالانے میں میری خوشی منظور نہ تھی' اور دوسروں کی خوشی کا خیال تھا۔ اس لیے اس پر میری لعنت ہو۔''

پس تمام فرشتے اور تمام آسمانوں کے ساکن اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ:

'' کسی عملِ نیک کے بجالانے سے اس کی نگاہداری مشکل ہے۔''

عرض کیا گیا کہ:

''کیوں کر؟''

فرمایا کہ:

''کوئی شخص صلہ رحم بجالاتا ہے اور خدا کے لیے بخشش کرتا ہے' اور اس کو سوائے خدا کے کسی کی خوشنودی منظور نہیں ہوتی۔ اس لیے اس عملِ پنہاں کا ثواب اس کے واسطے لکھا گیا تھا محو ہوتا ہے اور عملِ آشکار کا ثواب جو عملِ پنہاں سے کم ہے اس کے لیے لکھا جاتا ہے اور دوسرے

وقت جب اس عمل کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ثواب بھی محو ہو جاتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ریا لکھی جاتی ہے۔''

حضرت امام جعفر صادقؑ سے بیان قولِ خدا میں مروی ہے کہ:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔

فرمایا کہ: ''جو شخص عملِ نیک کرتا ہو اور وہ خدا کے واسطے نہ ہو بلکہ اس کی غرض آدمیوں کی تعریف ہو اور یہ خواہش ہو کہ آدمی اس کو سنیں۔ پس ایسے شخص نے اپنے پروردگار کی بندگی میں شرک اختیار کیا ہے۔''

فرمایا کہ:

''جو بندہ عمل خیر پوشیدہ بجالائے اور اسی طرح ایک زمانہ گزارے تو خدا اس کو ظاہر کردیتا ہے اور جو بندہ عملِ بد پنہاں کرے تو خدا تعالیٰ اس کو ظاہر کردیتا ہے۔''

اور فرمایا کہ:

''جو شخص تھوڑا عمل خدا کے لیے کرے تو خدا اس کو اس کے اظہار کرنے سے قبل ظاہر کردیتا ہے جس شخص نے ریا اور آدمیوں کے واسطے عمل کیا ہو اور اس کے لیے اپنے اوپر تکلیف اٹھائی ہو اور راتوں کو شب بیداری کی ہو تو ہر شخص کی نظر میں خدا اس عمل کو کم کردیتا ہے۔''

مذمت میں ریا کی اسی قدر کافی ہے کہ اس شخص نے حضرت آفریدگار جل جلالہ کو ان ضعیف بندوں کے مقابلہ میں جن سے کوئی نفع وضرر نہیں پہنچتا پس وحقیر سمجھا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو عبادت پروردگار میں بندوں کی تعریف و پسندیدگی کا قصد ہو تو گویا وہ ایسا گمان کرتا ہے کہ اس کے حصولِ مطالب میں ان بندوں کی قدرت زیادہ اور ان کی خوشنودی' خوشنودی خدا سے بہتر ہے۔ اس سے زیادہ پروردگار عالم کی مخالفت کی ہوسکتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔



# فصل نمبر(۱)

## اقسامِ ریا

واضح ہو کہ ریا کی چند قسمیں ہیں۔ کیونکہ یا تو وہ اصل ایمان میں ہوگی یا عبادت میں یا سوائے اِن کے۔

اول یہ ہے کہ:

زبان سے شہادتین کا اظہار اور دل سے اس کا انکار کرنا۔ یہ قسم کفر ونفاق ہے جو ابتدائے اسلام میں جاری تھا لیکن اِس زمانہ میں کم پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص بعض ضروریاتِ دین مثلاً بہشت' دوزخ' ثواب' معادِ جسمانی کا دل میں معتقد نہ ہوا اور شمشیر شریعت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کرے اور اگر ایسا کرے تو یہ بھی کفر ونفاق ہے اور ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج اور اس کے لیے آتش جہنم موجود ہے۔

صاحب کفر و نفاق خواہ بصورت اول ہو یا ثانی کافر آشکارا سے بدتر ہے کیونکہ اس نے نفاق و کفر کو ایک جگہ جمع کیا ہے لیکن دوسری قسم کی جو عبادت میں ہوتی ہے وہ چند قسموں پر ہے:۔

ا: یہ کہ خدا و پیغمبرؐ پر اعتقاد رکھتا ہو اور اپنی عباداتِ واجبہ میں ریا کرتا ہو۔ مثلاً:

☆ خلوت میں تارک صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ ہو اور لوگوں کی حضوری میں نماز پڑھے۔

☆ اگر ماہ رمضان میں کسی جماعت میں رہنے کا اتفاق ہو تو روزہ رکھے۔

☆ کسی کے خوفِ مذمت سے زکوۃ ادا کرے۔

☆ لوگوں کے سامنے اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ رکھے اور غیبت میں ان کیساتھ بدسلوکی کی اور بے ادبی سے پیش آئے۔

اگرچہ ایسا شخص زمرہ کفار میں محسوب نہیں ہوتا لیکن بدترین اہلِ اسلام ہے اور کفر سے نزدیک تر۔

۲: یہ کہ اپنے عبادات واجبہ میں ریا کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ لیکن عباداتِ مستحبہ میں ریا

کرتا ہو۔

مثلاً:

خلوت میں رات یا دن کے نوافل نماز اور سُنتی روزوں کو بجا نہ لائے۔ لیکن لوگوں کی حضوری میں ان امور پر رغبت رکھتا ہو۔اور مجلسوں میں تسبیح وتہلیل بآواز بلند کہے اور ایسا ہی بقصدِ ریا بیماروں کی عیادت اور جنازوں کی مشایعت کرے۔

ایسا شخص اگرچہ شخص اول الذکر سے بہتر ہے مگر پھر بھی ہالک اور اس کے ساتھ شرک میں شریک ہے۔

۳: یہ کہ عبادت کے وصف میں ریا کرے اور اس کے اصل میں نہ کرے' مثلاً:

رکوع وسجود اور باقی افعال نماز آدمیوں کی حضوری میں بقصد حصولِ اعتبار بہ نسبت خلوت کے اچھی طرح بجالائے۔

اگر تعزیت یا کسی مجلس میں ذکرِ حدیث سے گریہ کرے تو اپنے آنسو آدمیوں کے دکھانے کی غرض سے پاک نہ کرے اس مرتبہ والا بھی ہالک اور ایک قسم کی شرک میں مبتلا ہے۔ لیکن تیسری قسم ریا کی جو سوائے عبادات کے ہو یا تو وہ مباحات میں ہے۔

مثلاً:

پاکیزگی لباس اس غرض سے کہ آدمی اس کو پاکیزہ جانیں یا اپنے بدن کے کسی عیب کو چھپانا منظور ہوتا کہ دوسرا اس کو اس عیب سے متصف نہ جانے یا اس کے مانند اور مباحات یا محرمات میں ہوتی ہے۔

وہ یہ ہے کہ:

اپنے عیوب اور گناہوں کو اس غرض سے پوشیدہ رکھے کہ آدمی اس کو فاسق نہ جانیں۔



# فصل نمبر (۲)

## وہ اقسام ریا جن سے عبادتیں باطل ہوتی ہیں

واضح ہو کہ پہلی قسم ریا کی جو ایمان میں ہوتی ہے وہ حسبِ متذکرہ صدر بدترین اقسامِ ریا اور افراد کفر سے ہے بلکہ کفر سے بدتر' اور اس سے شدید تر۔

اور دوسری قسم ریا کی جو عبادات میں ہوتی ہے اس کی تمام قسمیں حرام اور گناہان عظیم ہیں اور اس کا صاحب پروردگار کا مغضوب ہے اور حصول سعادت سے محروم۔

علاوہ اس کے عبادت باطل ہوجاتی ہے اور اس کا فساد خواہ اصل عبادت میں ہو یا اس کے وصف میں لازم ہو جاتا ہے خواہ عبادت میں ریائے محض ہو یا نیت قربت کے ساتھ مشترک ہو دونوں حالتوں میں عبادت باطل ہے بلکہ اگر نیت قربت راجح بھی ہو اور تھوڑی سی ریا اس میں شریک ہو تو پھر بھی عبادت فاسد ہوجاتی ہے بلکہ ایسے شخص کا حال اس شخص سے بدتر ہے' جس نے عبادت بالکل ترک کی ہو کیونکہ یہ سوائے گناہ ترک عبادت کے ریا کے گناہ کو بھی حاصل کرتا ہے اسی طرح ابتدائے عبادت میں قصد ریا ہو یا اول قصد قربت ہو اور اثنائے عبادت میں ریا شامل ہوجائے تو بھی تمام عبادت باطل ہوجاتی ہے اور اس کا اعادہ لازم۔ اور یہ ریائے محض خواہ تتمہ فعل عبادت ہو یعنی اگر لوگوں کی اطلاع مدنظر نہ ہوتی تو اسے نہ بجالاتا۔ اسی طرح قربت و ریا باہم مخلوط ہوں اور یا یہ کہ عبادت کا قصد قربت ہو مگر اس میں ریا کا شائبہ ہو مثلاً کوئی شخص اس کو نہ دیکھتا تو بھی وہ اس کو بجالاتا۔ لیکن اثنائے عبادت میں اگر کوئی شخص اس پر مطلع ہو تو اس کے دل میں خوشی و سرور پیدا ہوجائے کہ اس شخص کی نظر میں میری منزلت زیادہ ہوگئی۔

پس ایسی تمام صورتوں میں عبادت باطل ہے لیکن یہ ان عبادوں کا ذکر ہے جن کے بعض اجزاء کی صحت بعض دوسرے اجزاء کی صحت پر موقوف ہو اور اگر ایسی عبادت نہ ہو مثلاً قرأت قرآن وغیرہ ہو۔ اگر اثنائے قرأت میں ریا حاصل ہو تو بعد ریا کے جو عمل واقع ہو باطل ہوجاتا ہے اور عمل سابق باطل نہیں ہوتا۔ جب کہ کوئی شخص کوئی عبادت قصد اخلاص و قربت کے ساتھ بجالائے اور اس کے اثناء میں بھی کسی قسم کی ریا عارض نہ ہو لیکن جب وہ اسے فارغ ہو اور کوئی شخص اس کے

عمل پر مطلع ہو بشرطیکہ اس نے خود ظاہر نہ کیا ہو حصولِ مرتبہ کی امید پر شاد و مسرور ہو تو اس کا عمل فاسد نہیں ہوتا اور نہ اس کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن یہ خوشی و نشاط بھی امراض نفسانیہ سے ہے اور اس کو ریائے خفی کہتے ہیں۔ ایسا شخص ان لوگوں سے جن کو اطلاع ہوا اپنی تعظیم و احترام کی توقع رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے احترام میں کمی کرے تو اس سے دوری اختیار کرتا ہے۔ اگر اس شخص کے نفس میں یہ مرض نہ ہوتا تو اس طرح کی خوشی اس کو حاصل نہ ہوتی اور کسی شخص کی اطلاع و عدمِ اطلاع اس کی نظر میں یکساں ہوتی اور آمیزش ریا سے قطعی طور پر وہ دل پاک ہے جس کے نزدیک کوئی تفاوت نہ ہو کہ کوئی شخص اس کی عبادت پر مطلع ہو یا کوئی چارپایہ۔ جب کہ ان دونوں میں فرق سمجھے گا تو تعظیم و احترام کی توقع رکھے گا۔ اور ایسی توقع اگرچہ موجب فسادِ عمل یا کمی ثواب نہیں ہوتی لیکن نفس کو ہلاک کرتی ہے اگر وہ تعظیم بھی عمل میں آئے تو اکثر وہ موجب فساد اجر ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں قرآن پڑھنے والوں سے فرمائے گا کہ:

☆ آیا دنیا میں تم کو بہت سے امور عطا نہیں کیے۔
☆ آیا تم پر کسی نے سلام کی ابتداء نہ کی۔
☆ آیا تمہاری ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں۔
☆ لہٰذا آج تم کسی ثواب کے مستحق نہیں ہو۔ کیونکہ تم نے دنیا میں اپنا اجر حاصل کر لیا ہے۔

یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عبادت کا اظہار خود نہ کیا ہو۔ جب کہ خود اس نے بغیر قصد صحیح کے اس کا اظہار کیا ہو تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اس عبادت کے ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس اظہار سے جو بقصد ریا کیا گیا ہے معصیت حاصل ہوتی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ:

علاوہ معصیت کے اس کی عبادت کے ثواب کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اور بعض اخبار کا مقتضا بھی یہی ہے لیکن اگر اس کے اظہار میں قصد صحیح رکھتا ہو مثلاً عملِ خیر پر ترغیب کرنا وغیرہ تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اکثر اس کا اظہار افضل ہوتا ہے بشرطیکہ قطعاً ریا اس میں



شامل نہ ہو اور دوسرا کوئی فساد اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً اظہار تصدق میں فقیر کی آبرو لینا۔ اگر اس طرح نہ ہو اور ریا کا احتمال ہو تو ہرگز اس کا اظہار نہ کرے۔ یہ مقام خطر و محل لغزش ہے کیونکہ اس عمل کے اظہار میں آمیزش ریا سے خلوص نیت میسر نہیں ہوتا۔ مگر وہ صاحبین جن کے نفوس پاک اور دل قوی ہیں اور بہت سے صاحبان علم و عمل ہیں کہ اپنے کو ریا سے مبرا جانتے ہیں اور اپنے اعمال کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت میں ان کو شیطان نے فریفتہ کیا ہے اور ہلاکت میں ڈالا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح عمل کا اظہار بقصد صحیح ضرر نہیں رکھتا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح خوشی و سرور و شگفتگی و انبساط بروز عمل اور نیز آدمیوں کی اطلاع کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ بعد اس کے کہ وہ خود اس کو پنہاں بجا لایا ہو خصوصاً جبکہ قصد صحیح کہ سبب سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ جب کسی سے کوئی عمل نیک پوشیدہ صادر ہو اور پروردگار اس کو ظاہر کرے تو وہ شاد ہوتا ہے اور لطف خدا کو اپنے ساتھ پاتا ہے کہ اس نے اس کے گناہوں کو پوشیدہ اور اس کی اطاعتوں کو ظاہر کیا۔ کیونکہ مدح و حصول اعتبار کی وجہ سے نہیں بجا لایا اور پردہ پوشی و لطفِ خدا کے باعث دنیا میں اس طرح تصور کرتا ہے کہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح سلوک کرے گا۔ اسی وجہ سے شاد و فرحناک ہوتا ہے کبھی ہوتا ہے کہ اس کی خوشی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ جب کسی کو اس کی عبادت پر آگاہی ہوگی تو وہ بھی اس عبادت میں اسی طرح رغبت اور اس کی متابعت کرے گا۔ اسی سبب سے وہ دوسرا اجر بھی حاصل کرتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی خوشی اسی بناہ پر ہو کہ جنھوں نے عبادت کی اطلاع پائی ہے اور ان کو رغبت حاصل ہو یعنی اس پر شاد ہوں کہ دوسرے بھی اجر و ثواب حاصل کریں۔

مخفی نہ رہے کہ عملِ پوشیدہ پر کسی کی اطلاع پانے سے سرور و نشاط جس طرح بوجہ صحیح ممکن ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ حضوری جماعت سے ہی کسی کو شوق و خواہش عبادت حال ہو جو خلوت میں میسر نہیں کیونکہ جب آدمی ایک جماعت اہل ایمان کو مشاہدہ کرتا ہے کہ پوری رغبت و خضوع و خشوع سے عبادتِ خدا میں مشغول ہیں تو وہ حالت اس کے نفس میں تاثیر کرتی ہے۔ اور اس کو عبادت کا شوق ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کو نمازِ شب کی عادت نہ ہو اور وہ ایک رات ایسی جماعت کے ساتھ دے جو نمازِ شب پڑھتے ہوں اور وہ لوگ رات کی نماز کے واسطے اٹھیں۔ اسی وجہ سے اسکے

دل میں بھی ایک رغبت وشوق پیدا ہوتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ ایک جماعت درگاہِ خدا کی طرح متوجہ ہے۔ وہ بھی درگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہے وہ بھی درگاہ الٰہی کی خواہش کرتا ہے ایسی صورتوں میں یہ ریا نہ ہوگی بلکہ دوسروں کے عمل کو دیکھنے سے رغبت کا ہیجان اور غفلت کا زوال متصور ہوگا اس لیے کہ اکثر بعض کو اپنے مکان میں کوئی امر مانع ہوتا ہے جو مجمع میں نہیں ہوتا اس سبب سے وہ مجمع میں عبادت کی طرف میل کرتا ہے

پس شیطان ایسے مقامات میں وسوسہ پیدا کرتا ہے اور آدمی کے دل میں ڈالتا ہے کہ یہ آپ کی عبادت ریائی ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا بہتر ہے اور شیطان کے مکروں میں سے یہ ایک مکر ہے کہ اس سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ لیکن اس رغبت وشوق میں فرق پیدا کرنے کی شناخت کہ یہ خدا کے لیے ہے یا ریا ہے نہایت ہی مشکل ہے اور اس کا اس طرح امتحان کر سکتے ہیں کہ:

فرض کیجئے کہ کسی مقام پر کوئی جماعت عبادت میں اس طرح مشغول ہے کہ وہ لوگ آپ کو نہیں دیکھتے۔ پس اگر اس حالت میں آپ کا ذوق وشوق بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ یہ آپ کو دیکھتے کم ہیں تو معلوم کیجئے کہ یہ شوق از روئے ریا ہے ورنہ بسبب تقرب خدا۔

لیکن تیسری قسم ریا کی ان امور میں جو عبادت کے سوا ہوں ان کو آپ معلوم کر چکے کہ وہ دو قسم پر ہے۔

ایک مباحات میں یعنی کوئی شخص کسی عمل مباح کا بہ سبب تحصیل جاہ و اعتبار یا دفع مذمت و ناخوشی آدمیوں کے مرتکب ہو یا ترک کرے۔ مثلاً یہ کہ اپنے جامہ کو کسی غلاظت سے نہ بچائے لیکن اس سبب سے کہ آدمی اس کو پاک و پاکیزہ جانیں۔ اپنے جامہ کو پاک وصاف کرے پاک رکھنا لباس کا لوگوں کی حضوری میں اسی صورت سے متعلق ہے اور یہ قسم ریا کی مباح و جائز ہے بلکہ کبھی ممدوح ہوتی ہے۔

مروی ہے کہ:

ایک روز حضرت رسول ؐ مجمع اصحاب میں تشریف لانے سے قبل آئینہ ملاحظہ فرماتے تھے اپنے بال اور عمامہ مبارک درست فرماتے تھے۔

کسی نے عرض کی کہ:

''آپ بھی اس طرح عمل فرماتے ہیں۔''



فرمایا:

''ہاں' بہ تحقیق کہ خدا اس بندہ کو دوست رکھتا ہے جو اپنے برادروں کے واسطے زینت کرے جبکہ وہ ان کی طرف جائے۔''

حضرت امام جعفر صادق ؑ نے ایک شخص اہل مدینہ کو دیکھا کہ اپنے عیال کے واسطے کوئی چیز خرید کر کے اٹھائے ہوئے گھر لے جاتا ہے جب حضرت کو دیکھا تو شرمندہ ہوا۔

حضرت نے فرمایا کہ:

''کیا اس کو اپنے عیال کے واسطے خرید کیا ہے خدا کی قسم ہے کہ اگر اہل مدینہ کی مذمت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی اپنے عیال کے واسطے کوئی چیز خرید کرتا اور خود اٹھاتا اور ان کے واسطے لے جاتا۔''

دوسری قسم ریا کی غیر عبادات میں یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا پوشیدہ رہنا بہتر اور ان کی اطلاع کو مکروہ جانتا ہو۔ یہ قسم ریا جائز ہے بلکہ اظہار گناہ داخلِ عصیاں وحرام اور یہ جو قول ہے کہ مقتضائے اخلاص ظاہر وباطن یکساں ہونا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا باطن اس طرح ہو کہ اس کے اظہار میں کسی طرح کی برائی نہ ہو اور یہ معنی ہیں اس قول کے کہ تم کو علانیہ عمل کرنا چاہیے یعنی ایسا عمل کے اگر ظاہر ہو تو اس میں ذرا بھی شرم خجالت نہ ہو۔

جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا کہ:

میں نے کہا کہ عمل ایسا نہیں کیا جس کی دوسروں کو اطلاع کرنے سے مضائقہ کروں سوائے اپنی زوجہ سے ہم بستری اور دفع بول وبراز کے۔

لیکن سوائے صاحبان عصمت وطہارت اور چند برگزیدگان حضرت رب العزت کے کوئی شخص اس مرتبہ عظیم پر فائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تمام اشخاص گناہانِ ظاہری و باطنی سے خالی نہیں ہوتے خصوصاً افکارِ باطلہ 'وساوسِ شیطانیہ' آزروئے کا ذبہ میں مبتلا ہوتے ہیں جن سے پروردگار واقف ہے اور وہ آدمیوں سے پوشیدہ ہیں۔ ان کے چھپانے کی کوشش کرنا اور ان کے اظہار کا برا جاننا جائز ہے بلکہ بہتر اور واجب لیکن ان کی پوشیدگی سے آپ کی یہ غرض نہ ہو کہ دوسرے آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری و بہتری پر اعتقاد رکھیں۔ بلکہ یہ غرض ہونی چاہیے کہ حق سبحانہ

تعالیٰ نے گناہوں کی پوشیدگی کا حکم اوران کے اظہار کی ممانعت فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

جوشخص کسی عملِ ناشائستہ کا مرتکب ہواور آدمیوں سے چھپائے تا کہ خدا بھی اس کو پوشیدہ کرے یا اس کی غرض یہ ہو کہ اگر دوسروں پر معصیت ظاہر ہوتو آپ کی مذمت و بدی کریں گے اور اس مذمت کی اطلاع سے آپ بدحواس و پریشان ہوں گے اوراطمینان خاطر نہ رہے گا اور مراتب علم وعمل سے باز رہیں گے یا آپ کی غرض یہ ہو کہ کہیں گناہوں کا اظہار اور فاش ہوجانے سے آدمیوں کی نظر میں گناہوں کی وقعت باقی نہ رہے گی اور دوسرے آدمی گناہوں پر بے باک ہوں گے یا آپ کی متابعت وپیروی کریں گے۔

اسی وجہ سے اپنے گناہوں کو اپنے اہل وعیال سے پوشیدہ کرنا چاہیے تا کہ وہ بے باک و دلیر نہ ہوں یا معصیت کے اظہار کو برا جاننے کا باعث محض حیا وشرمندگی ہوتی ہے کیونکہ حیا بھی اخلاقِ فاضلہ وصفاتِ نیک سے ہے اور ایمان کا ایک شعبہ۔

جب کسی شخص سے کوئی گناہ صادر ہوا اور اس کے اظہار میں کوئی خوف نہ رکھتا ہوتو گویا اس نے گناہگاری وبےحیائی کو جمع کیا اور اس کا حال اس گناہگار سے جو صاحبِ حیا ہو بدتر ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ ریا حیا سے مشتبہ ہوتی ہے اور آدمی بوجہ ریا گناہوں اور اپنی برائیوں کا اظہار نہیں کرتا اور ایسا جانتا ہے کہ اس کا سبب حیا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کہ ضعفِ نفس اور اس کی کمی بھی حیا سے مشتبہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جو افعال شرعاً یا عقلاً یا عرفاً قبیح ہوں۔ ان میں حیا ہوا کرتی ہے اور آدمی پر ان کا ارتکاب گراں ہوتا ہے اگر اس طرح نہ ہوتو اس کا سبب ضعفِ نفس ہے اور حیا وشرم نہیں۔

مثلاً:

وعظ کرنا' اور اس شخص کا امامت کرنا جو اس کا قابل ہو اور امر معروف اور نہی منکر کا اظہار کرنا اس مقام میں کہ جہاں عذر صحیح ہو یہ موجبِ حیا ہے۔

## فائدہ

حسبِ بیان مذکورہ جو عبادت بقصد ریا کی جائے وہ فاسد اور موجبِ عصیاں ہے اور باعثِ



غضبِ خداوندمنان۔

جوشخص اپنے پر اطمینان نہ رکھتا ہو اور یک لخت اپنے دل کو ریا سے دور نہ کرے اس کو لازم ہے کہ اپنے عبادت خلوت میں بجالائے اگر اس اثناء میں کوئی شخص مطلع ہو اور شیطان اس کو ریا میں ڈال دے اور اس کا دفع ممکن نہ ہو تو اس عبادت کا پھر اعادہ کرے۔ یہ اس عبادت میں ممکن ہے جو اپنے اور خدا کے درمیان ہوتی ہے اور دوسرے کے ساتھ اسے ربط نہیں ہوتا لیکن جن سے آدمیوں کا بالضرور مطلع ہونا اور سماعت کرنا ضروری ہے۔

مثلاً:

☆امانت ☆فتویٰ
☆حکم ☆قضاء
☆تدریس ☆وعظ
☆ارشاد ☆امر معروف
☆نہی منکر ☆قضائے حوائج برادران وغیرہ

پس ان میں خوف بے حساب ہے اور اسی طرح ان کا ثواب بھی بے شمار پس جوشخص بوجہ علم ودانش ان مناصب کی اہلیت وقابلیت رکھتا ہو۔ اگر وہ صاحب نفس قدسی ہو اور اس کا دل قوی کہ ذرا بھی آدمیوں کی خوشنودی پر اعتنا نہ کرے اور شیطانِ لعین کا وسوسہ اس کو فریب نہ دے اور انوار عظمت وجلال خداوندمتعال کا پرتو اس درجہ اس کے دل پر چمکے کہ اس کو خلق کے التفات بیجا سے باز رکھے رضا جوئی اہل دنیا و دریا مطلقاً اس کے دل کے اطراف میں نہ گزرتی ہوتو اس کو سزاوار یہ ہے کہ دامن ہمت کمر پر باندھے اور اس خدمت کو انجام دے۔ اگر اس کا نفس ضعیف ہو اور حقیقتاً اس کو ایمان نہ ہو اور اس کا دل اس رسی کے مانند ہو جو ہوا میں لٹکی ہو اور ہر طرف ہلتی ہوتو ہرگز ہرگز اس مقام پر قدم نہ رکھے اپنے دامن کو اس خدمت سے بچائے اور خود اپنے کو اور خلق کو ہلاک نہ کرے۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے علمائے سابقین حتی الامکان ان خدمتوں سے بھاگے ہیں اور ان کے نزدیک نہیں آئے۔ اسی سبب سے بہت سے اخبارِ ان مناصب کے خوف اور ان کے کثرت آفات میں وارد ہوئے ہیں اور علمائے بےعمل کی تخویف وتہدید اور وعدہ وعید میں جو کچھ

بیان کیا گیا ہے وہ ان کی علم کی خرابی اوران کی برائی کے لیے کافی ہے۔

حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ سے مروی ہے کہ:۔

فرمایا کہ:

اے علمائے بدتم روزہ رکھتے ہونماز پڑھتے ہو۔مگر دوسروں کو جن امور کا حکم دیتے ہوان کوخود نہیں بجالاتے اور ایسی چیزوں کا حکم کرتے ہوجن پر خود عمل نہیں کرتے یہ حکم کس قدر برا ہے تمہاری تو یہ محض ایک قول اور آرزو ہے اور تمھاری فعل محض ہوا وہوس تم اپنے جسم کو پاک وصاف رکھتے ہواور تمھارا دل حقیقت میں میلا کچیلا ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ تم غربال کے مانند ہوجس سے پاکیزہ آٹا باہر نکلتا ہے اور بھوسا اس میں رہ جاتا ہے اسی طرح حکمت ونصیحت تمھارے منہ سے نکل جاتی ہے یعنی بیان کرتے ہواور اس کی برائی اور خرابی تمھارے سینوں میں رہ جاتی ہے۔

اے بندگانِ دنیا کیونکر وہ شخص آخرت کو خالص کرے گا جو دنیا کی خواہشات میں مبتلا ہو اور جس کی رغبت دنیا سے منقطع نہ ہوئی ہو۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہ تحقیق تمھارے دل اپنے اعمال سے گریہ کرتے ہیں تم دنیا کو اپنی زبان کے نیچے رکھتے ہواور عبادت کو قدم کے نیچے اور حق کہتا ہوں کہ تم نے اپنی دنیا کی بہتری کے لیے اپنی آخرت خراب کی ہے۔تم بہتری دنیا کو بہتری آخرت سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

پس تم سے پست وخسیس تر کون شخص ہوگا ۔اگر معلوم کروگے' تو افسوس کروگے کہ تم بہت سے آدمیوں کوراستہ بتلاتے ہو۔مگر خود حیران کھڑے ہو۔گویا تم اہل دنیا کو حکم کرتے ہو کہ دنیا کو چھوڑ دو تا کہ تم خود فوراً اٹھالو۔

اورتم سے افسوس ہے کہ:

اندھیرے مکان کی سطح پر چراغ روشن کرتے ہواور اسکے اندر اندھیر رکھتے ہوایسا ہی تم کو کیا فائدہ دیتا ہے کہ نور علم تمھارے ذہن میں ہواور تمھارا باطن اس سے خالی۔

اے بندگانِ خدا!

قریب ہے کہ دنیا تم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے اور ناک زمین پر رگڑوائے تمھارے گناہ



تمھارے گریبان پکڑیں اورتم کو تن تنہا اس بادشاہِ جزا دہندہ کے سپرد کردیں کہ وہ تم کو مقامِ فضیحت ورسوائی میں کھڑا کرے اور تمھارے اعمال بد کی جزا تم کو دے۔

جوشخص کسی امر کو خود نہ کرے دوسرے کو عمل کرنے کا حکم دیتا ہے ان نصائح پر غور کرے تو وہ نہایت مغموم ومحزون ہوا اوراس کا غم والم افزوں۔

پس اے عالم!

جب تک آپ اپنی اصلاح نہ کریں اس وقت تک دوسروں کو پند ونصیحت نہ کیجئے اور اپنا قدم خدمت شرعی کے مسند پر نہ رکھیے کیونکہ عدم اصلاح کی حالت خود اپنے کو اور دوسروں کو خراب کرتی ہے علاوہ اس کے اس کی بات دوسروں پر اثر نہیں کرتی۔

نیز قطع نظر اس کے علماء کی تھوڑی سی لغزش عوام الناس کے بڑے گناہوں سے بدتر ہے۔

باوجود اپنی خباثت باطن کے دوسروں کو آداب وامور سنتی کی تعلیم دینا کس قدر بد ہے۔

مخلص صادق کی علامت جو اس خدمت کی بہتری پر دلالت کرتی ہے یہ ہے کہ جب کسی دوسرے میں بہتری پائی جائے اور وہ دوسرا اس سے زیادہ نیک ہواور اس کی نسبت دوسروں کی طرف رجحان زیادہ پاتا ہوتو شاد وفرحناک ہوتا ہے۔اگر اعظم مملکت وارکان ولایت اور بزرگانِ ذوی الاقتدار اس کے مجمع میں حاضر ہوں یا نماز میں پیچھے کھڑے رہیں یا اس کے وعظ میں زیر منبر بیٹھیں تو ہرگز اس کے کلام میں فرق واقع نہ ہوتا ہواور اس کی حالت ان کی موجودگی وعدم موجودگی میں یکساں ہو بلکہ قیام بندگان خدا کو ایک نظر سے دیکھتا ہو۔

# فصل نمبر (۳)

# معالجہ مرضِ ریا

واضح ہو کہ مرض ریا کا اصل مدعا طمع مال اور امید منافع ہے یا اپنے مدح وستائش کی محبت یا اس سے لطف اٹھانا یا اپنی مذمت وملامت کا براجاننا ہے اور آدمیوں کیساتھ اس غرض سے سلوک کرنا کہ اس کے افعالِ حسنہ واوصافِ جمیلہ کی تعریف اور اس کو نیکوں میں شمار کریں۔اس طریقہ سے اپنے مرتبہ وعزت کو وضع وشریف میں مکرم ومعزز بناتا ہے۔ عام وخاص کے دلوں

کی تسخیر کر کے اس وسیلہ سے نفس شوم کی خواہشوں اور لذتوں کو خالص اور اپنی آرزو اور مقاصد کو پورا کرتا ہے جو شخص اس مرضِ مہلک کا معالجہ کرنا چاہتا ہو تو اس بے اصل مادہ کے قطع میں کوشش کرنی چاہیے۔ طمع و مدح وستائش کی محبت اور ذم وملامت کی برائی کا علاج کرے، مدح و کراہت مذمت کا طریقہ معالجہ بیان کیا گیا اور کسی قدر علاجِ طمع بھی مذکور ہوا۔

اب توکل کی صفت اور اس کی تفصیلی بھی حوالہ قلم کی جائے گی لیکن اس مقام میں بھی کسی قدر ان کا علاج اس وجہ سے کہ خصوص عبادت میں ریا واقع ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کیونکہ معمولی عقل والا بھی انسان جس امر سے کسی وقت میں کوئی نفع حاصل نہ ہوتا ہو تو اس پر رغبت نہیں رکھتا جس چیز سے نقصان جانتا ہے تو بالضرور اس کے نزدیک نہیں جاتا۔ جس امر سے فی الحال کسی قدر کوئی نفع یا لذت حاصل ہوتی ہو۔ لیکن اس سے آئندہ بڑا نقصان اور تکلیف سخت کا سامنا ہوتا ہو تو اس کو ترک کر دیتا ہے۔

پس جو شخص ریا کی صفت میں مبتلا ہو اس کو لازم ہے کہ اسکے ضرر اور فساد کا خیال رکھے اور اپنے نفس سے خطاب کرے کہ اے احمق! دعویٰ ایمان رکھتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت جو سعادتِ ابدیہ و درجات رفیعہ کے باعث ہے اس کو ضعیف بندوں کی مدح وثنا کے عوض میں بیچ کرتا ہے یا امید فضول پر آدمیوں کے ہاتھ سودا اور اپنی عبادت کو باطل کرتا ہے جس کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا اور حیا نہیں آتی کہ حضرتِ حق جلّ شانہ سے مسخرہ پن کرتا ہے۔ آدمیوں کی حصولِ خوشنودی کا وسیلہ طاعت ربانی قرار دیا ہے۔ غیظ وغضب و دشمنی خدا اور فساد عمل سے خوف نہیں کرتا آدمیوں سے امید نفع و مدح رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب کا اندیشہ نہیں ہے۔ جناب مقدس الٰہی کو بندوں کے مقابل تو بے وقعت و بے اعتبار سمجھتا ہے حالانکہ تمام امور کا اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور دونوں جہان کے مقاصد ابواب کی کنجی اس کے دستِ مشیت میں اور تمام بندوں کے دل اس کے حکم میں مسخر ہیں۔ اگر بالفرض تمام بادشاہانِ روزگار اور سلاطین ذوالاقتدار تمام لشکر وحشم کے ساتھ بلکہ تمام عالم باہم اتفاق کر کے بغیر قضا وقدر و مشیت الٰہی ایک جو برابر نفع یا ایک سر مو ضرر کسی پہنچانا چاہیں تو ممکن نہیں ہے جس کو دیکھیے محتاج و درویش ہے اور اپنے کام میں عاجز علاوہ اس کے ریا کے سبب سے عبادت فاسد ہے اور موجب عتاب رب صمد جو یقینی و معلوم ہے اور جن مقصدوں کے آدمیوں سے حصول کی توقع



رکھتا ہے وہ احتمال وموہوم۔

اکثر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی ریا ان پر ظاہر کرتا ہے اگر وہ کسی طرح ظاہر بھی نہ ہو اور آپ کے دامِ مکر میں پھنسیں تو یقین نہیں کہ وہ آپ کی مدح وثنا کرے یا ان سے آپ کو کوئی نفع پہنچے اور اگر کسی صورت آپ کو کوئی نفع دنیوی حاصل کریں یا ان سے آپ کو کوئی نفع پہنچے اور اگر کسی صورت آپ کو کوئی نفع دنیوی حاصل ہو جائے تو اس میں ہزار طرح کی خرابیاں اور ذلتیں شریک ہیں ۔ باوجود اس کے جو کوئی ریا میں مبتلا ہے وہ ہمیشہ دنیا میں پریشان خاطر ہے کیوں کہ اس کا مقصد آدمیوں کی رضامندی وخوشنودی ہوتی ہے چونکہ ہر کسی کی خواہش و آرزو اور ہر کسی کے دل کی تمنا و خوشنودی ایک طرح پر نہیں ہوتی اور آدمی کا دل ذرا سی بات پر متغیر ہو جاتا ہے اس لیے ہمیشہ متوجہ رہ کر ان کی خوشنودی کا لحاظ رکھتا ہے جب ایک جماعت کو رضامند کرتا ہے تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے جب ایک شخص کے دل کو خوش کرتا ہے تو دوسرا اس سے دل شکستہ ہو جاتا ہے۔

ان تمام خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے جیسا کے اخبار و آثار اس پر شاہد ہیں اور تجربے سے ثابت ہے جو شخص حق کی رضامندی سے ہاتھ اٹھا کر آدمیوں کی خوشنودی کا طالب ہو تو خدا و خلق اس کو دشمن جانتے ہیں اور کوئی شخص اسی سے راضی نہیں ہوتا جو شخص رضائے خدا کو آدمیوں کی رضا پر مقدم رکھتا ہے تو تمام اس کو دوست رکھتے ہیں تمام امور دنیا سے متعلق ہیں اس شخص زیاں کار کو درجات و منازل بلند آخرت کے حاصل نہیں ہوتے۔ اس کو عداً وعقاب اخروی بیحد حاصل ہوتا ہے۔

جب عاقل ان امور کا خیال کرے اور اپنے نفس کا دشمن نہ ہو۔ خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی غفلت زائل ہو جائے اور اس کی طبیعت سے ریا دور ہو۔

بیان مذکورۃ الصدر معالجہ علمی تھا۔ لیکن علاج عملی یہ ہے کہ اپنی عبادتوں کو چھپانے کی عادت ڈالے اور بوقتِ عبادت اپنے گھر میں کسی کو اندر آنے نہ دے اسی طرح اپنے گناہوں کو آدمیوں سے پوشیدہ رکھیے کہ صرف خدا آپ کی عبادتوں سے واقف ہو اور آپ کا نفس اپنے اعمال پر آدمیوں کے آگاہ ہونے کی خواہش نہ کرے۔ آدمیوں کی طمع کے باعث عبادت بجانہ لائے اس کی نظر میں مطلقاً ریا نہ ہو مگر حکمِ الٰہی کے باعث عبادات میں مشغول ہو اور اکثر پھر بھی شیطان مردود اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خصوصاً اثنائے عبادت میں اس کا حائل ہو جاتا ہے۔

اور بہت سے امور اس کے دل میں پیدا کرتا ہے اور توہمات وافکار اس کے دل میں ڈالتا ہے تا کہ تھوڑی سی خواہش ریا اس کو حاصل ہو اور اس کے دل کو مضطرب کرے۔ اگر اس وقت وہ شخص خود اس حالت سے کراہت رکھے اپنے نفس سے مجادلہ کرے اور اس پر متغیر ہو تو کوئی گناہ نہیں اور اس کی عبادت فاسد نہیں ہوتی۔ اگر اس طرح وسوسہ شیطانی حاصل ہونے پر بھی اس پر التفات نہ کر کے دل کو مشغولِ عبادت کیا اور حضورِ قلب ترک نہ کیا اور شیطان کے مجادلہ و معاوضہ کی پرواہ نہ کی تو وہ شیطان ریا سے مایوس ہو کر اس کے دل میں ریا کا وہم ڈالتا ہے کہ وہ اس معاوضہ و مجادلہ کے ذریعہ سے وہم دفع کرنے کے لیے درپے ہو اور حضورِ قلب سے باز رہے۔ اگر آدمی اس وہم کے دفع کے لیے شیطان کے جواب میں مشغول ہوا تو شیطان کا مطلب پورا ہو جاتا ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ لیکن جب اس پر ملتفت نہ ہو اور قوتِ قلب سے عبادت میں متوجہ ہو تو شیطان اس سے مایوس ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نزدیک نہیں آتا۔

پس مومن کو سزاوار یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے دل میں ریا کو مکروہ جانے۔ قربت کا قصد رکھے اور یہ قرارداد کر لے کہ یہ توہم اور خطرے شیطانِ لعین کے وساوس ہیں اور ان پر ملتفت نہ ہوا اور اپنے دل نے جو قرار دی ہے اس پر بھروسہ کرے بلکہ عبادت و اخلاص کو ترقی دے تا کہ شیطان ناامید ہو جائے۔ جب شیطان بندہ کو اس قسم کا پاتا ہے تو دوسرے وقت متعرض نہیں ہوتا۔

بیانِ صدر ریا سے مخصوص نہیں بلکہ تمام عقائد وصفات و ملکات میں چاہیے یہی طریقہ رکھا جائے۔ مثلاً آدمی کو خدا اور اس کے صفات کمالیہ اور اس کے پیغمبر و اوصیاء و امر معاد میں یقین کامل حاصل ہو اور اپنا دل ان پر قائم رکھے، اور خاطر جمع رہے اور شک و وہم سے کراہت رکھتا ہو تو شیطان لعین بعض اوقات بعضے وسوسہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کا دل پریشان کرتا ہے اور شیطان کے دور کرنے اور اس کے اعتراض و جواب میں مشغول نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنے اسی یقین پر قائم رہ کر توہمات اور وساوس شیطانی کا اعتقاد رکھے، اور جانے کہ کوئی اصلیت نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی اعتبار ہے اس لیے ان کو ترک کرے اگر شیطان کے ساتھ مجاہدہ میں مشغول ہو تو شیطان کو رغبت ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے عقائد فاسد کرتا ہے جب کئی بار ایسا کیا جائے تو شیطان ان کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے اور ایسا ہی حسد، کینہ، رضا، توکل وغیرہ میں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ شیطان بندوں کے کاموں کو خراب کرنے کے لیے بعض اوقات ان کی نیت یا قرأت یا



طہارت وغیرہ میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اگر کوئی شخص چند بار اعتنا نہ کرے اور بموجب شرع عمل کرے تو اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ اسی کے خیالات میں رہے تو ہر روز اس کے وسوسوں کو زیادہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ عبادت سے باز رہتا ہے اور کسی عمل پر اطمینان نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی مجلس علمی یا وعظ یا نماز جماعت میں جانا چاہتا ہو لیکن کوئی فاسق چاہے کہ اس کو روکے اور اس مجلس میں جانے نہ دے۔ اس لیے راستے میں اس سے دوچار ہو کر اس کو فریب دیتا ہے کہ اس عقیدہ سے اس کو پلٹائے۔ اگر وہ شخص اس فاسق سے راستہ میں کھڑا ہو کر جواب و سوال میں اپنا وقت صرف کرے تو اس فاسق کا مطلب پورا ہوتا اور اس سے محروم ہر روز وہ فاسق اسی طمع میں سرِ راہ ٹھہرتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ مطلقاً اعتنا نہ کی جائے اور اس کی بات نہ سنے اور فوراً اپنے کام کے لیے چلا جائے چند وقت اسی طرح عمل کرے تو وہ فاسق مایوس ہوتا ہے اور اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔

# فصل نمبر (۴)

# حقیقت اخلاص

واضح ہو کہ ریا کی ضد اخلاص ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کا ہی ارادہ خالص ہو اور ماسوائے اللہ کی نیت نہ رکھی جائے جس عبادت کا قصد اس حد تک نہ ہو اس میں اخلاص نہیں ہے جو شخص بقصد ریا یعنی آدمیوں کو دکھلانے اور ان کے نزدیک قدرومنزلت حاصل کرنے کے لیے عبادت کرتا ہے وہ مرائی مطلق یعنی ریا کرنے والا ہے اگر قصدِ قربت رکھتا ہو لیکن اس میں دوسری غرض دنیوی سوائے ریا کے بھی ملی ہوئی۔ مثلاً پرہیز کے باعث روزہ رکھے یا بندہ کو آزاد کرنے میں جب کہ اس کا کوئی خریدار نہ ہو اور زیادتی اخراجات یا شرارت وبدخلقی سے نجات کا قصد ہو یا حج میں بعض تکالیف وطن یا دشمنوں کے شر سے نیت خلاصی یا تحصیل علم میں قصدِ برتری وعزت یا وضو اور غسل میں نیت خنکی یا پاکیزگی یا سائل کو صدقہ دینے میں اس سے چھٹکارے کی نیت ہو یا ایسی ہی صورتیں اگر چہ ایسے اشخاص صاحب ریا نہیں ہوتے لیکن ان کا عمل اخلاص سے دور ہے۔

اخلاص وہ ہے کہ جس کا عمل ان تمام صورتوں اور اغراض سے بری ہو اور اسی کا سبب تقرب

خدا ہو۔ اخلاص کا وہ مرتبہ بہت بلند ہے جو کسی عمل میں دنیا اور آخرت کی کسی عوض کا ہرگز قصد نہ رکھتا ہو اور اس کو دونوں عالم کا اجر منظور نہ ہو۔ صرف رضائے حق سبحانہ تعالیٰ پر اس کی نظر ہو۔ بجز اس کے کوئی مقصود و مطلوب نہ ہو یہ صدیوں کا مرتبہ اخلاص ہے اور کوئی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا۔ مگر وہ شخص جو دریائے حب الٰہی میں مستغرق ہو اور اس کی محبت میں دیوانہ و حیران اور نہ اس کو دنیا پر کوئی التفات ہو اور نہ اخرت پر اس مرتبہ کا حاصل ہونا میسر نہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ تمام خواہشات نفسانی سے دست برداری اختیار کی جائے اور ہوا و ہوس کو ترک اپنا دل پروردگار کے ذکر صفات و افعال میں مشغول کریں اور اپنا وقت اس کی مناجات میں صرف۔ تاکہ اس کے جلال و عظمت کے انوار اس کے میدانِ دل پر پرتو ڈالیں اور اس کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔

پست ترین مرتبہ اخلاص کو اخلاص اضافی کہتے ہیں جو اپنے عمل میں وصول ثواب اور عقاب کا قصد رکھتا ہو بہت سی طاعتیں اور عبادتیں جن کے بجالانے میں اپنے پر تکلیف و رنج کھینچتے ہیں اور ان کو خدا کے لیے خالص جانتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ غلطی ہے۔

جیسا کہ ایک شخص کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔

کسی نے کہا کہ:

میں نے تیس سال مسجد کی صفِ اول میں نماز پڑھی۔ اتفاقاً ایک روز مسجد میں کسی وجہ سے دیر کو پہنچا۔ پہلی صف میں جگہ نہ ہونے سے دوسری صف میں کھڑا رہا۔ جب کہ آدمیوں نے مجھ کو دوسری صف میں دیکھا تو مجھ کو خجالت ہوئی میں نے جانا کہ چند سال آدمیوں کی مجھ کو صفِ اول میں دیکھنے کے باعث میرے دل کو اطمینان تھا اور میں اس پر خوش تھا اور اس حالت سے واقف نہ تھا۔ اگر اعمال سے پردے اٹھا دیئے جائیں اور ان کی باریکیوں پر ہر شخص پہنچے تو ایسا بہت کم عمل باقی رہ جاتا ہے جو تمام آفات سے بری ہو۔ جب قیامت کا دن ہو اور آنکھیں بینا ہوں گی تو اکثر آدمی اپنے اعمالِ مسد کو دیکھیں گے کہ وہ معصیت ہی معصیت ہے۔

جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا

یعنی: ''ان لوگوں کے لیے برائیاں ظاہر ہوں گی جو انھوں نے کیا ہے۔''



وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ

''اور ان کے لیے منجانب خدا پیدا ہوں گے جن کا انھوں نے گمان نہیں کیا ہے۔''

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

''کہو جو بلحاظ حیثیت اعمال بدکار ہیں ان کی تم کو خبر دوں وہ لوگ جن کی کوشش زندگانی دنیا میں ضائع ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اعمال نیک کرتے ہیں۔ جب قیامت ہوگی اور اعمال کی خرابی ظاہر کی جائے گی تو بجز روسیاہی و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' (سورہ کہف)

جن امور سے سرچشمہ اخلاص خراب ہوتا ہے اور نیت خالص نہیں رہتی ان کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ظاہر اور روشن ہیں جن میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ مثلاً ریا یعنی وہ عمل جو بقصد خودنمائی کیا جائے بعض کسی قدر مخفی ہیں مثلاً آدمیوں کی حضوری میں خلوت سے بہتر عبادت بجا لائی جائے اور خضوع و خشوع میں زیادہ تر کوشش کی جائے اس ارادہ سے کہ آپ کی طرف تمام لوگ رجوع ہوں اور جو کچھ آپ سے مشاہدہ کریں اس کو حاصل کریں اور اس عمل میں آپ کی پیروی۔ اگر آپ کا یہ عمل خدا کے لیے خالص ہوتا تو خلوت میں بھی اسی طرح بجالاتے۔ اگر آپ اسی قدر عبادت میں خضوع بہر جانتے اور دوسروں کے لیے اس کا ترک کرنا پسند کرتے ہیں نیز جس شخص سے بہت سی عبادتیں ترک ہوتی ہیں اس سے بہت سے معاصی بھی سرزد ہوجاتے ہیں ۔آپ ہرگز ان کی فکر نہیں کرتے اور نہ ان کی اصلاح کی کوشش اور اس صورت سے زیادہ مشکل وہ ہے کہ جب آپ نے اس مکر سے شیطان کے فائدہ اٹھایا تو وہ لعین ایک اور بہت عمدہ مکر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب آپ آدمیوں کی پیروی کے واسطے ان کی حضوری میں نہایت خشوع سے عبادت بجالاتے ہیں تو خلوت میں بھی اسی طرح بجالائیں کہ خلوت و حضوری کی ایک حالت ہوجائے اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ بھی شیطانِ لعین کا فریب ہے کیونکہ مجمع و خلوت ہر دو مقام میں آپ کی نیت کو خالص رکھنا نہیں چاہتا ہے کیونکہ ابھی آپ کو خلق کا پاس و لحاظ ہے اور

آپ کی خلوت کا خضوع مجمع کے خضوع کی بناء پر ٹھہرایا جاتا ہے اور مجمع کے خضوع میں قربت نہیں ہے۔ ہاں اس وقت آپ کی نیت خالص ہوتی جبکہ خلق سے آپ کوئی التفات نہ رکھتے اور جہالتِ عبادت تمام مخلوق کا وجود وعدم آپ کے نزدیک یکساں ہوتا اور آپ کی عبادت کی اطلاع جانوروں یا آدمیوں کو ہونے سے کوئی فرق نہ ہوتا لہٰذا اگر بندے کے حالات واعمال میں اگر ان کی حالتوں میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہو تو وہ اخلاص خالص نہیں ہے اور اس کا باطن خرابیوں میں آلودہ۔

واضح ہو کہ حسبِ مندرجہ صدر قربت کے ساتھ جو قصد ملا ہوا ہو اور اخلاص سے جو غرض مخلوط ہو۔ اگر وہ ریا یعنی اغراض دنیوی حبِّ جاہ یا طمع مال ہو تو وہ عبادت کو فاسد کرتی ہے خواہ وہ قصد فریب پر غالب ہو یا اس کے مساوی یا اس سے بہت کم۔ عمل باطل ہونے کے علاوہ ریا کے سبب سے دوسرا عذاب اس پر مترتب ہوجاتا ہے اگر وہ عبادت واجبات سے ہو تو دوسرا عذاب اس ترک عبادت کی وجہ سے ثابت ہے۔ مگر یہ کہ اس کی قضا کرے۔ اگر مقاصد صحیحہ شرعیہ سے ہو اور موافق شریعت اس کا رجحان پایا جائے۔

مثلاً:

تعلیم غیر یا اقتدائے غیر وغیرہ یہ عبادت کو فاسد نہیں کرتی اور اس کے اجر وثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

# فصل نمبر (۵)

## اخلاص کا بلند مرتبہ اور اس کی شرافت

واضح ہو کہ اخلاص مقامات مقربین سے ایک مقام بلند ہے اور منازل راہ دین سے ایک منزلِ مضبوط۔ بلکہ کبریتِ احمر واکسیر اعظم ہے۔ جس نے اس کے وصول کی توفیق پائی وہ مرتبہ عظیم پر ممتاز ہوا۔ جس نے اسکی تحصیل میں کوشش کی وہ درجہ بلند پر سرفراز۔ کیونکہ حقیقت میں بنی نوع انسان اسی لیے پیدا کیا گیا۔

چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔



’’حالانکہ ان کو کچھ اور حکم نہیں دیا گیا۔ مگر یہ کہ خدا کی عبادت کریں اور اس حالت میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کیے ہوں۔‘‘

اور ملاقاتِ پروردگار جو مقصود وانتہائی مطلوب ہے اس کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے۔

ایسا ہی فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

یعنی: ’’جو شخص ملاقات پروردگار کی آرزو رکھتا ہو پس اس کو عملِ نیک بجالانا چاہیے۔ پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرنا چاہیے۔‘‘ (سورہ کہف)

بعض اخبار قدسی میں وارد ہوا ہے کہ: اخلاص میرے اسرار سے ایک سر ہے۔ جس کو میں نے ہر ایک بندے کے دل میں امانت رکھا ہے کہ اس کو دوست رکھوں۔

حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ:

’’اگر کوئی بندہ کوئی عمل چالیس روز اخلاص کے ساتھ بجالائے تو حکمت کے چشمے دل سے اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔‘‘

فرمایا کہ:

’’عمل خدا کے لیے خالص کرو کہ وہ تھوڑا ہی عمل تم کو کافی ہے۔‘‘

حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ زیادتی عمل کی پابندی نہ کرو اور اس طرح بجالاؤ کہ وہ درجہ قبول کو پہنچے۔

طاعت آن نیست کہ برخاک نہی پیشانی
صدق پیش آر کہ اخلاص بہ پیشانی نیست

فرمایا کہ خوشا بحال اس شخص کا جو عبادت ودعا کو خدا کے لیے خالص کرتا ہے دنیا کی چیزیں آنکھوں سے دیکھتا ہے ان میں دل مشغول اور خدا کی یاد کو فراموش نہیں کرتا اور جو چیزیں خدا نے دوسروں کو عطا کی ہیں ان کے سننے سے محزون نہیں ہوتا۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ کسی بندے نے اپنا ایمان چالیس روز تک خدا کے

لیے خالص نہیں کیا مگر یہ کے خدا نے اس کو دنیا میں زہد کرامت فرمایا اور اس کو دنیا کے دردوں اور دواؤں سے بینا کیا اپنی حکمت اس کے دل میں قرار دی اور اس کی زبان کو اس پر گویا کیا۔

حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ اخلاصِ تمام اعمالِ فاضلہ کو جمع کرتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قبول کی کنجی اور اس کی چک (قبالہ) رضا ہے پس جس کے عمل کو خدا قبول کرتا ہے جس سے راضی رہتا ہے وہ مخلصوں سے ہے حالانکہ وہ تھوڑا عمل کرنیوالا ہو۔ جس شخص کے عمل کو خدا قبول نہیں کرتا وہ مخلص نہیں ہے۔ گو اس کا عمل زیادہ ہو۔

بعد اس کے فرمایا کہ ادنیٰ مرتبہ اخلاص وہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت کی حد تک بجالائے اور اپنے عمل کے لیے کوئی قدر و مرتبہ خدا کے مقابل قرار نہ دے۔ جس کے ذریعہ سے اس کی مکافات و اجرت خدا سے طلب کر سکے۔ کیونکہ آپ سے اگر خدا حق بندگی طلب کرے تو آپ اس کی ادائیگی سے عاجز ہیں بندہ مخلص کا دنیا میں مقام پست یہ ہے کہ تمام گناہوں سے مبرا رہے۔ آخرت میں ہو ہے کہ جہنم سے خلاصی ہو اور بہشت پر فائز۔ حاصلِ کلام صفتِ اخلاص تمام اخلاقِ فاضلہ اور تمام ملکاتِ حسنہ کے کام ہوتی ہے قبولِ عمل اس سے متعلق ہے اور عبادت کی صحت اس پر موقوف۔ جس عمل میں اخلاص نہ ہو پرودگار کے نزدیک وہ قابلِ اعتبار نہیں اور محاسبان روز جزا کے نزدیک بے فائدہ ہے بلکہ جب تک مرتبہ اخلاص حاصل نہ شیطان کے شر سے خلاصی میسر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس لعین نے رب العالمین کی عزت کی قسم کھائی کہ سوئے صاحبان اخلاص کے تمام بندوں کو گمراہ کروں گا جس کی نسب قرآن مجید میں آیا ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيَ
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔

نیز یہ حکایت جس کی شاہد ہے بنی اسرائیل سے وارد ہے کہ ایک درخت تھا جس کیا ایک جماعت پرستش کرتی تھی بنی اسرائیل کے ایک عابد کو اس کی اطلاع ہوئی اور وہ غیرتِ ایمان کے باعث تیشہ اٹھا کر اس درخت کو کاٹنے چلا راستہ میں شیطان نے بصورتِ انسان دو چار ہو کر پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے؟

عابد نے جواب دیا کہ میں اس درخت کو کاٹنے جاتا ہوں جس کو کفار کی ایک جماعت



بجائے پروردگار کے پرستش کرتی ہے۔

شیطان نے کہا کہ تجھ کو اس سے کیا غرض؟

حاصلِ کلام ان دونوں میں گفتگو طویل ہوئی آخرکار ہر ایک نے دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈالا عابد نے شیطان کو زمین پر دے پٹکا جب شیطان عاجز ہو گیا تو اسنے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو یہ کام ثواب کی غرض سے کرنا چاہتا ہے میں تجھ کو ایک ترکیب بتاتا ہوں جس کا ثواب اس سے زیادہ ہے وہ یہ کہ اب ہر روز تیری جانماز کے نیچے سے اس قدر تعداد میں مبلغ نکلیں گے تو ان کو لے اور فقراء میں خیرات کر۔ عابد نے شیطان کا فریب کھا کر اس درخت کے کاٹنے کا ارادہ ترک کر دیا اور گھر کو واپس ہو گیا ہر روز اس کی جانماز کے نیچے اسی قدر مبلغ نکلتے، جس قدر شیطان نے کہا تھا وہ ان کو لے کر فقراء پر بخشش کرتا۔ جب اسی طرح چند روز گزر گئے تو شیطان نے اس کا وظیفہ بند کر دیا۔ جب عابد نے اپنی جانماز کے نیچے مبلغ نہ پایا تو تیشہ اٹھا کر اس درخت کے قطع کرنے کو چلا۔ پھر شیطان راستہ میں ملا اور اس سے لڑائی پر آمادہ ہوا۔ اس وقت شیطان نے غالب ہو کر عابد کو زمین پر گرا دیا۔

عابد نے حیران ہو کر شیطان سے پوچھا کہ:

''کس طرح تو اس دفعہ مجھ پر غالب ہوا۔''

اس نے کہا:

''اس وجہ سے کہ ابتداء میں تیری نیت خالص تھی اور حذا کی خوشنودی کے خیال سے تو نے درخت کے کاٹنے کا قصد کیا تھا۔ اور اس وقت تو طمع کے باعث درخت قطع کرنا چاہتا ہے اور تیری نیت خالص نہیں۔ اس وجہ سے میں تجھ پر غالب ہوا۔

# بائیسویں صِفت

# منافقانہ برتاؤ کی مذمّت

واضح ہو کے منافقانہ برتاؤ دوروئی اور دوزبانی ہے۔ اس طریقہ پر کہ کسی کے سامنے اس کی مدح وثنا کی جائے اور اظہارِ دوستی وخیر خواہی' اور اس کے غیب میں اس کے برخلاف اس کی مذمت کی جائے اور اس کی ایذا میں کوشش۔

یا یہ کے دو آدمیوں کے نزدیک جو ایک دوسرے کے دشمن ہوں آمدورفت رکھی جائے۔ ہرایک کے ساتھ دوسرے کی دشمنی میں موافقت تعریف کریں اور اس کی دشمنی کو اس کی نظر میں جلوہ دیں اور یہ باور کرائیں کے آپ بھی س کی یاری کرتے ہیں یہ صفت مہلکات عظیمہ سے ہے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ:

''دنیا میں جس کے دو منہ ہوں۔ اس کو قیامت میں آگ کی دو زبانیں دی جائیں گی۔''

نیز فرمایا کہ:

''جو شخص دو زبان رکھتا ہو قیامت میں اس طرح آئے گا۔ جس کی ایک زبان اس کی گدی سے باہر لٹکتی ہوگی اور دوسری زبان اس کے منہ کے آگے۔ ان دونوں سے اس طرح شعلے نکلیں گے کہ اس ک رخسار جلیں گے اور ندا ہوگی کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دنیا میں منافقانہ برتاؤ رکھتا تھا۔''

واضح ہو کہ یہ اس صورت سے متعلق جب کسی شخص کی دو دشمنوں میں آمدورفت اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے کی غرض یہ ہو کہ ان میں پوری طرح دشمنی ڈالی جائے یا اور کوئی صورت اسی طرح ہو لیکن کسی کی آمدورفت ان دو شخصوں کے درمیان ہو جو آپس میں دشمنی رکھتے ہوں اور وہ اپنی دوسری کا ہرایک سے اظہار کرے اور حقیقت میں ان دونوں کا دوست ہو تو یہ نفاق نہیں ہے۔ گو اس کی دوستی ہرایک کے ساتھ سچی اور حقیقی نہ ہو کیونکہ جب کسی کا کوئی سچا دوست ہوتا ہے تو اس کے دشمن کے ساتھ دوستی نہیں رکھتا ہے ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی کے شر سے ڈرتا ہے تو اس کا شر دفع ہونے کی غرض سے اس کے ساتھ دوستی کا اظہار اور اس کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ جھوٹی



جانتا ہے۔ اگر چہ یہ بھی نفاق ہے لیکن اس حد تک جس کی ضرورت لاحق ہو تو مذموم نہیں اور شرعاً جائز ہے۔

جیسا کہ مروی ہے کہ:

حضرت پیغمبرؐ کے دولت خانہ میں ایک شخص نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔

آپ نے فرمایا: ''اس کو بلا لیا جائے کہ وہ شخص تمام قبیلہ سے بد ہے۔''

جب وہ شخص حاضر ہوا تو حضرتؐ نے اس کے ساتھ نرمی سے تکلم فرمایا۔

حاضرین نے گمان کیا کہ حضرت کے نزدیک اس شخص کی کوئی قدر ومنزلت ہے جب وہ باہر چلا گیا تو عرض کیا گیا کہ:

''اول آپؐ نے اس طرح ارشاد فرمایا اور جب وہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کے ساتھ نیک طریقہ سے سلوک فرمایا۔''

ارشاد ہوا کہ بدترین خلق خدا قیامت میں وہ شخص ہے کہ آدمی جس کا احترام واکرام اس غرض سے کریں کہ اس کے شر سے حفاظت ہو۔

تمام احادیثِ خصوص تقیہ ومدارات میں جس قدر وارد ہوئی ہیں اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

بعض اصحاب سے منقول ہے کہ ہم ان اشخاص کے سامنے خوشی وخرمی ظاہر کرتے تھے جن پر ہمارے دل لعنت کرتے تھے۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا اور اس قسم کا برتاؤ اس وقت جائز ہے جبکہ اس کے شر سے ناچار ہوں اور اس کی آمدورفت کی ممانعت اور اس کے ساتھ ترکِ مُدارات میں گمانِ ضرر پیدا ہو۔